ظریف ہفتہ وار
LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
سالانہ ......
M D KHAN ARTIST LUCKNOW

جلد ۱۸ نمبر ۱

مضامین

(موضحہ جنوری ۱۹۳۲ء)

ایک نیا تحفہ

حضرت منفعت الدولہ سب جج الملک مسٹر فتح بہادر دام اجلاسکم

کیسا آداب کہاں کی تسلیم بالفعل ضابطہ دیوانی عرض ہے وہی ضابطہ دیوانی جسکو ذاتی شعر و سخن سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا خدا کے نام سے۔ جو دُنیا پر اتنا حاوی ہے کہ باصطلاح کچہری "واسطے دلاپانے" ہر چیز کے آئی ضابطے کے۔ جو نادر کے بموجب ہوسکتا ہے وہ ذہن کیجیے کہ اگر کوئی لامذہب کسی منصف یا سب جج نے اجلاس پر جنت دلاپانے "کا مدعی بھی ہو تو وہ بھی محروم نہ رہے گا بشرطیکہ عدالت سمجھ دق شہادت مطلوبہ کا مالک ہو۔

ہمیں غالب مرحوم جنھیں شکایت تھی ؎

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

نرج کرام کا تبین پر بابت مستوفی رپورٹ کرکے نالش دائر کردیتے اور عدالت قد۔ ف جو اپنے آدمی کو آدمی کے پرائیوٹ معاملات میں اس طرح ذلیل ہونے کا مزہ مل جاتا بھاری ہرجانہ کی ڈگری جاری ہوتی۔ دوسرے دن اللہ میاں کے حضور میں خدمت سے استعفا پیش کرنا پڑتا۔ اور معاملہ ہمارے کے ساتھ ایسا درست ہوجاتا کہ بجز کرم و بخشائش کے پھر کوئی چارہ کار ہی نہ رہتا یا یہ معنی کہ علام الغیوب ہونے کے ساتھ وہ بہکیا اور قاعدے کی بات ہے کہ دعوے بغیر دو عادل یا کرسٹ گواہوں کے قابل تسلیم نہیں ہوتا وہ فرماتا کہ تم گنہگار ہو جہنم کے جیلخانے کی سیر کرو۔ اور گنہگار عذر کرتا کہ تو اکیلا ہی تو ہے دوسرا عادل گواہ کون ہے"۔ دوسری بات یہ ہے کہ قانونًا خود منصف عادل اپنے علم کو دخل نہیں دے سکتا شہادت موجود نہیں لہذا گنہگار کو بری کرتے۔

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ ہے اب اصل بات سنیے کہ سلام علیکم کے عوض میں "ضابطہ دیوانی عرض کرنا یہ سب جج یا منصف کے لیے فراوانی اعزاز کا موجب ہے۔ اور جیسے کی اور سرکہیں ہونے کا محل نہیں۔ پس ضابطہ دیوانی عرض کرنے کے بعد بندہ مضمون نگار سال نو کی تبریک و تہنیت میں ایک نیا تحفہ پیش کرتا ہے گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

اس تحفہ کی مختصر روئداد یہ ہے کہ خدا رکھے ہمارے الہ آباد کو جس نے دلی اور لکھنؤ کی کچہریوں کو میدان ادب و انشا میں شکست فاش دی یعنی نثر میں نالہ لکھنی جنہیں عرضی دعوی یا جواب تحریری لکھا اسکی جگہ پوری کارروائی نظم کر ڈالی۔ کیوں جناب ہے یہ انوکھی بات یا نہیں؟

آپ جناب قاصر الہ آبادی کو تو جانتے ہی ہوں گے۔ سنتے ہیں کہ آپ کے ایک سسرالی رشتہ دار نے آپ کے مکان یا اُس کی زمین پر مشترک ہونے کا دعوی کردیا۔ آپ جانیے وہ شاعر ہی کیا جس کی قوت نظم کچہری کی شکست سے مرعوب ہوجائے۔ وکلا کی فرمائش اور قوت نظم کی دلی خواہش پر مولانا قاصر نے مدعی کی فریاد اور اپنا تحریری جواب نظم کر ڈالا۔

اس نظم میں نہ کچہری کی اصطلاحیں چھوٹیں نہ قواعد عروض نے روڑا اٹکایا۔ ہاں ایک آدھ جگہ صین غین ہوگیا تو ضرورت شعری اس کی ذمہ دار ہے۔ ہمارے مولوی محمد علی صاحب قاصر کا قصور نہیں صحت محاورہ کا بھی سوال پیدا نہیں ہوسکتا کیا معنی کہ کچہری کی زبان نقل کی گئی ہے جو نہ لکھنؤ کے مدرسے کی شاگرد ہے نہ دلی کی نوکر۔

راقم

(م۔ ح۔ موسوی ایم۔ اے۔ الہ آبادی)

بعدالت اڈیشنل منصفی آلہ آباد

نمبر مقدمہ ۲۴۹ سنہ ۱۹۳۱ء منصفی غربی الہ آباد

مرزا واجد بیگ بنام مولوی محمد علی

تمہید

پس از حمد خلاق لوح و قلم — میں کرتا ہوں کچھ اپنی بپتی رقم
زِ قصہ سنے یہ کہانی ہے یہ — حماقت کی اپنی نشانی ہے یہ
مثل یہ زمانے میں مشہور ہے — زبان خلائق پہ مذکور ہے
مکاں اپنا کوئی بنا لے اگر — پڑوسی کو ہونے لگے دردسر
ہیں اک میرزا واجد اپنے عزیز — ہو سسرالی رشتے میں ہیں ایک چیز
نہ جانے خصومت انھیں کیا ہوی — سول کورٹ میں نالش اک داغ دی
سُناتا ہوں میں اپنی بپتی کا حال — کہ اُس دن تردد مجھے تھا کمال
اُٹھاتا تھا نالش کا مجھ کو جواب — کہ کچھ نہ ساماں ہو اسباب
کہ نقشہ نہ تھا نقل نالش کے ساتھ — فقط اک سمن آیا تھا میرے ہاتھ
کیا ہرج اُس روز اسکول کا — پریشان ہو کر کچہری گیا
ہوا جب کہ اجلاس میں داخلہ — وکیلوں کا جمگھٹ نظر آگیا
کسی جا تھے بیٹھے وزیر حسن — کہیں شیر عاقل تھے جلوہ فگن
نہ تھے واں پہ صحت بہادر مگر — بلایا اُن کو بھی میں دوڑ کر
وہی تھے ہماری طرف سے وکیل — وہ کر سکتے تھے بحث اور قال و قیل
اس اجلاس کے حاکم خوش سیر — عدالت کی کرسی پہ تھے جلوہ گر
اگرچہ تھی تاریخ تنقیح کی — یہ صحت بہادر نے درخواست دی
لکھوں کس طرح اپنا میں مدعا — نہیں آج تک کوئی نقشہ ملا
اگر ایک ہفتہ کی مہلت ملے — تو بندہ جواب اپنا داخل کرے
کھڑے ہو گئے عاقل باخرد — یہ کی عرض حاکم سے باشد و مد
کہ ہے مرد شاعر محمد علی — زمانے میں سب اس کی شہرت رہی
بایں شرط مہلت ہو عالی جناب — کہ نالش کا دے نظم میں یہ جواب

دہاں اور بیٹھے تھے کچھ ایڈووکیٹ   وہ بولے کہ نالش بھی ہو اپ ٹو ڈیٹ
اگر مدعی نظم دعوی کرے   تو یہ زرگری جنگ پھر لطف دے
یہ ذی علم عاقل نے اُن سے کہا   کہ شاعر نہیں ہے موکل مرا
غرض سب نے مل کر یہی رائے دی   کرے نظم یہ بھی محمد علی
عدالت نے درخواست منظور کی   اور اک ماہ کی مجھ کو مہلت ملی
بہ ارشاد احباب عالی ہمم   کروں نظم میں پہلے نالش رقم

عرضی نالش

سُن اب گوشِ دل سے تو اے مدعی   کہ دعوے میں کی ہے فقط دل لگی
بچھایا ہے تو نے جو فطرت کا جال   سمجھ لیں گے وہ حاکم خوش خصال
یہ ہے دفعہ اوّل میں تیرا خیال   فریقین مالک ہیں بے قیل و قال
مساوی ہے دونوں گھروں کی زمیں   کسی کا کم و بیش حصہ نہیں
یہ ہے دفعہ دوّم فریقین نے   دو قطعہ مکانات بنوا لیے
زمیں بھی نہ آپس میں تقسیم کی   بلا ناپے تعمیر گھر کی ہوئی
جو دیوار و سلی ہے اور راستہ   یہ سب مشترک ہیں مع چوترہ
یہ ہے تیسری دفعہ اے مدعی   کہ ہے مشترک ایک پاخانہ بھی
یہ ہے دفعہ چوتھی کہ زینہ جدید   بنا کر چڑھانا کیا ناپدید
یہی دفعہ پنجم کا ہے مدعا   رہے یوں ہی جیسا کہ ہے چوترا
نہ آئے مری ملک میں کچھ زوال   رہے حشر تک میرا قبضہ بحال
جو بنوائے اس پر کوئی چیز اب   کرے مدعی سے اجازت طلب

دادرسی

ہوئے ختم نالش کے دفعات سب   خلاصہ یہ ہے دادخواہی کا اب
عدالت سے جاری کیا جائے حکم   محمد علی کو دیا جائے حکم
بنا دے وہ زینے کو خود صرف سے   جو نقشہ میں ظاہر ہے آبی حرف سے
زمیں پیش در کی یونہی رہنے دے   نہ آئندہ تعمیر اس پر کرے
عدالت کرے کوئی ایسا نظام   تصرف رہے مدعی کا دوام

بیان تحریری منجانب محمد علی مدعا علیہ

قلم اب تو کر اپنا مطلب رقم   مگر راہِ حق سے نہ سرکیں قدم
چنیں اور چناں کی ضرورت نہیں   تعلّی کی مجھ کو تو عادت نہیں
ہو دو لفظوں میں ختم مطلب کی بات   اشارہ کنایہ ہے سب واہیات
جوابات جلد اپنے کر دے شروع   عدالت ہے تیری طرف اب رجوع
جواب اپنا مجمل یہ ہے مدعی   نہیں دفعہ تسلیم ہے ایک بھی
ہے فرضی بنائے خصومت لکھی   اسی وجہ سے کچھ نہ تاریخ دی
گناتا ہوں اب اپنے عذرِ مزید   نہاں جس سے ہو جھوٹ حق ہو پدید
فریقین نے دونوں گھر کی زمیں   خریدی تھی شرکت میں شبہ نہیں
مگر بیع کے بعد جتنی کہ تھی   وہ آپس میں دونوں نے تقسیم کی

ہر اک اپنے حصے پہ قابض رہا   مکان اپنا اپنا بنایا 1
ہے مجذوب کی بڑ یہ نالش تری   نہیں اس کو باور کرے گا کوئی
کہیں نے دبالی ہے زائد زمیں   ابھی تک خبر مجھ کو جس کی نہیں
زمیں تیری توسیع رہ کے لیے   چھڑالی ہے میونسپل بورڈ نے
ترے قبل سے چھوٹی تیری زمیں   یہ کیا واقعہ یاد تجھ کو نہیں
مجھے کیوں دباتا ہے اے باؤلے   چلی کچھ نہ میونسپل بورڈ سے
خوشی سے مکاں اپنا بنوا لیا   نہ پھر آج تک اُس پہ دعوی کیا
یہ دیوار و سلی کا ہے اب جواب   ہمارا رہا قبضہ بالصواب
فریقین کے پیش در چوترہ   فریقین کا ہے نہیں شک ذرا
جو بالغرض میں نے بڑھالی زمیں   کسی طرح وہ ملک تیری نہیں
زمیں اب ہے وہ قبضۂ بورڈ میں   کہ جس کے لیے مجھ پہ تانیں ہوئیں
تری آمد و رفت کا راستہ   مقابل میں ڈیوڑھی ہی کے رہا
اُسے کر دیا حال میں تو نے بند   کہ نالش میں پہونچے نہ اس سے گزند
نیا کوئی زینہ بنایا نہیں   ہمیشہ سے تھا میرا زینہ یہیں
نہیں پاخانہ میں بھی تیرا دخل   بھلا اس میں شرکت کی ہے کون شکل
سمجھ کر تو کر بات اے مدعی   نہ بک تو خرافات اے مدعی
کہیں یہ تو منشا نہیں ہے ترا   بنے ہم لیس پاسے خانہ مرا
نہ سمجھے گا جائز کوئی اہلِ عقل   رہے غیر کا پاخانے میں دخل
اکیوزنس و استاپل عارض ہوا   نہ لیچز سے بھی تیرا دعوی بچا
ہوئے سارے قانونی عذرات طے   قلم آگے اپنی بڑھاتا ہے نے
یہ رہ رہ کے آتا ہے مجھ کو خیال   کہ باسی کڑھی میں نہ آئے ابال
ہے مشہور ضرب المثل تین "ز"   زمانے میں ہیں باعث "شر" و "ذ"
ہے پہلی وہ "ز" جس کو کہتے ہیں زن   جو ہے باعثِ جنگ اہلِ زمن
زمیں دوسری "ز" ہے اسکی بہن   ہے یہ بھی اسی طرح سے پُرفتن
اگر ہیں یہ بہنیں تو بھائی ہے زر   یہ کمبخت بھی ہے بہت پُرخطر
خلاصہ یہ ہے "زن" "زمیں" اور "زر"   یہ تینوں ہیں دنیا میں جھگڑے کے گھر
ہے شکرِ خدا زر نہیں میرے پاس   کہ ہوتا مجھے جس سے خوف و ہراس
مگر پاس تھی ایک قطعہ زمیں   مکاں میں بنا کر رہا تھا جس پہ مکیں
بالآخر اُٹھایا اسی نے فساد   ہوا بھائی واحد کو بے اعتماد
کچھ اس طرح لوگوں نے بہکا دیا   ہر اک جزو پہ شرکت کا دعوی کیا
رہی تینوں "ز" میں سے اب ایک "زن"   مجھے اس کی نسبت یہ ہوتا ہے ظن
نہ کہہ دیں اُسے بھی کہیں مشترک   میرے پاس سے وہ بھی جائے سرک
تو زوجہ سے بھی ہاتھ دھونا پڑے   ضعیفی میں دن رات رونا پڑے
نہ سمجھیں اسے مسٹر عاقل زٹل   دلیل اس پہ ہے مدعی کا عمل
ہو بیا تھلے کی ہانڈی ہمسارا منگا   تو پھر کس کی جورو ہے کس کا میاں

ستاتا ہوں میں وجہ ناقص ابھی اب | ستایا ہے واحد نے کیوں بےسبب
ہے جس جا ترسے پر کہ قبضہ مرا | ہوا قصد کرنے کی تعمیر کا
سنا جس گھڑی مدعی نے یہ حال | حسد سے ہوا دل میں پیدا ملال
اسی وقت زینہ وہ گھدوا دیا | مقابل میں اُس بورڈی کے جو تھا
چلائی زبان اور دھمکی بھی دی | کہ میں بیٹھنے دوں گا گھر وہ کبھی
کئی حملے بے وجہ مجھ پر کیے | مگر فضلِ حق سے وہ خالی گئے
گئے فوجداری کے صیغہ میں بھی | رپٹ جا کے اک کوتوالی میں کی
سمجھ کر یہ دل میں کہ اب بھی دبے | اسی طرح کتنے ہی حملے کیے
مگر چونکہ تھا راہ حق پر قدم | خدا کا رہا مجھ پہ فضل و کرم
کیا ایسا اک حملہ ناسزا | شرافت کے درجے سے تھا جو گرا
مناسب نہیں ذکر اس کا کروں | عدالت جو پوچھے تو میں کہہ چلوں
مگر اب ہے چھیڑی شریفانہ جنگ | نکل جائے گی دل کی ساری امنگ
عدالت نے دیکھے اگر دونوں گھر | سمجھ لے گی خود اس کی حق بیں نظر
ہے اندر دسے کا غذ جو اُن کی زمین | وہ سب اُن کے قبضے میں ہرگز نہیں
بضاعت تھی میری یہی اک مکاں | جسے چھینے لیتے ہیں واحد میاں
یہاں سے جو ہو جائے گا فیصلہ | کرے گا وہ دودھ اور پانی جدا
محمد علی ابن مسلم روک لو | اسے حلف سے اب مصدق کرو
نہ رہ جائے ناقص تمہارا جواب | جو قاصر رہو گے تو ہوگے خراب
عدالت نے گر کر دیا مسترد | تو بیکار جائے گی سب جد و کد

عبارت تصدیق

حلف سے ہے کہتا محمد علی | کہ ہر جزو ہے اس کا بیان جلی
قسم ہے جو میں نے چھپایا ہو کچھ | گھٹایا ہو کچھ یا بڑھایا ہو کچھ
کہوں کیسے پیشِ عدالت دروغ | مثل ہے نہیں جھوٹ پاتا فروغ
یہ کل سچ ہے باور بھی کرتا ہوں راست | کہ لعنت بہ کاذب ز حکم خدا است
عدالت میں آکر کیے دستخط | یہی بات اک رہ گئی تھی فقط

نکل جائے تن مردہ سے جو کچھ جان باقی ہے

(از حضرت خفاش کرمانی)

عمل کیسا۔ فقط قرآن پر ایقان باقی ہے | وہ برہم ہیں کہ تھوڑا سا ابھی کیوں ایمان باقی ہے
کہے بیٹھا ہے ایک ایسا کوئی نادان باقی ہے | اٹھا دو انکے بول اٹھا کہ ہندوستان باقی ہے
بُرا چاہا اس کا ہو لیکن اس سے مجھ سے بگڑی ہے | وہ سن کر ہم پہ ابتک گرم ہیں کیوں خانداں باقی ہے
کیے معطل سب ... تری موڈریسندی نے | فقط ایک تو سن ... والی کا اتفاق باقی ہے
ریاستی آیا جو ... اشتر بلبلا اُٹھے | سمجھتے تھے کہ اپنے گھر کا ریگستان باقی ہے
نہ دیکھا ... سر بریدہ یاد گھر قاتل | لگا ایک آہ بسمل ہیں ابھی کچھ جان باقی ہے

بن جھوٹی جوان چھوڑی ہے جو عقد ثانی کو | کسی کا لفنے سر پہ اب یہی احسان باقی ہے
تری خالی سہری دیکھ کر رپورٹر نے یہ لکھا | کہ کھانا بڑھ گیا اب صرف دسترخوان باقی ہے
نہ آتا تھا کہ پیسہ والے سُن پائیں خبر لے لو | مکاں سب گر گیا ہے صرف ایک دالان باقی ہے
تمہارا آٹھواں حصہ ملا جاتا ہے دم تو لو | نکل جائے تن مردہ سے جو کچھ جان باقی ہے
شہِ الطان ملیشا وصل کے سلسلے وہ ملے ہمدم | مبارکباد ہڑتال کا اعلان باقی ہے
نہ رکھ ست جنوں ہڑتال کو کپڑے والوں کے | کہ رستے کرنے کو صحرا کا تو دامان باقی ہے
دیٹ پیپا دری صاحب نے بھیجی ہے ہیڈ آفس کو | ابھی کابل ابھی ٹرکی ابھی ایران باقی ہے
ملے بیٹے کو جو رواداریا پدر سے قرضہ | زنان ہند کے دل میں یہی ارمان باقی ہے

نہ ہرگز کہہ سکے ہے خفاش میدان نظم کا جیتا
ابھی اس سے کٹھن یا حشر کا میدان باقی ہے

تبصرہ سال مرحوم

خدا بخشے مرنے والے میں عجب خوبیاں تھیں۔

پہلی خوبی تو یہ ہے کہ آسیائے حکمت عملی برابر گھومتی رہی اور آٹے کی جگہ پاٹوں کی رگڑ سے برادۂ سنگِ خارا کے سوا کچھ بھی نہ جھڑا۔ خدا کی عنایت سے پولیٹیکل دانہ جیوں کا تیوں رہا۔ ہاں آرڈیننس کی چکی خوب چلی، اور کبیر داس کی طرح کانگریس والوں کی زبان پر بھی رٹا تھا کہ ؎

چلتی چکیا دیکھ کے دیا کبیرا روئے | دو پاٹن کے بیچ میں ثابت بچا نہ کوئے

آپ معترض ہوں گے کہ اس چکی کے دو پاٹ ہیں ایک حکومت انگلستان اور دوسری حکومت ہند۔ عقل اس کا کھونٹا اور ڈپلومیسی اس کی مانی ہے۔ دو ہی پسنہارے ہیں مسٹر [illegible] اور لارڈ ولنگڈن جن کی عقل کی چکی ذرا بھی چوکر نہیں دیتی۔ بس میدہ ہی میدہ (میدا) ڈھیر کرتی ہے۔ بھلا ایسی چکی چلے اور گرسنگانِ مفاد قومی کا پیٹ خالی کا خالی رہے؟ مگر حضرت کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب ہندوستانی قومیت کے گیہوں گیلے ہیں تو پسنہاروں کے ہاتھ کیوں نہ ڈھیلے ہوں۔ ایک ہی مسئلے پر ذرا غور کیجیے۔ وہ مسئلہ نیابت قومی۔ جسے حل کرنا ہندوستانیوں کے حوالے کیا گیا کہ تم اسے آپس میں خود طے کر لو۔ ہمارے پاس علاج بہت ہے ہمارا ہاتھ بٹاؤ۔ ان کمبختوں نے پیسنا چھوڑ کے چھاننا شروع کر دیا۔ ابھی وہ چھاننا اتنا ہی کرکرا ہے چند سنگین دل حضرات جنہیں دوسروں کے لیے نہیں اپنے ہی لیے پیسنا تھا و تلوا الیہ ؎

رزق سے بھرتا ہے رزاق دہن پتھر کے

فرمانے گھر پلٹے۔ باقی بھوکے ہی پیٹ بجاتے سنگ مجاعت باندھتے واپس آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے گیہوں بھی حکومت کے لیے پسنہاروں کو پیسنا پڑے۔

ایک طرح سے بھائی رمیزے میکڈانلڈ نے ہاتھ بڑھایا ... جناب سے لارڈ ولنگڈن نے۔ مگر اطمینان ... [illegible]

تائید بھی کھاتا قرض ضمانت (ساسعد کوبلی) کا قرض ادا کرتا رہا۔

آؤ میں چرا لوں گو پی چرا لوں گھڑی چرا لیں ناریل
بکری چرا لوں بھیڑی کے بن مال نہ بڑی کمیلت شکار

گھم! گھم!! گھم!!!

ظاہر ہے ہمارے کتنے ہی مستعد اور قابل ہوں مگر اس پیمان کے کھانے والے جب ایسے بھی بڑھ ہیں تو دستی ولیج پر وقت ضائع کرنے کی ضرورت کسے تھی۔ انھوں نے بھی ادھر گیہوں پیس کے رکھ دیا " لو۔ پکاؤ ولیا۔ اور بھرو پیٹ "

طرفہ ماجرا یہ ہے کہ بعد تفویض اب ہر قوم اور ہر گروہ اس دلیے سے محترز ہے " ہم تو نہ کھائیں گے تم نے بڑا پیسا۔ اب ہم خود پیسیں گے "

اچھا بھائی پیسو۔ ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ اکیلے پیسنے کی سند نہیں سب مل کے پیسو اور بانگی دکھاؤ تو ہم قبول کر لیں گے۔ ہمارے اعلان کے الفاظ بالکل واضح اور صریح ہیں۔

لیجیے صاحب۔ خود پسینے بیٹھے لیکن بیٹھے بھی تو اسی طفلانہ انداز سے۔ کیا آپ نے بچوں کو اپنی بغلوں میں ہاتھ باندھ کے داہنے بائیں حرکت کرتے عنی چکّی بن کے فرضی آٹا پیستے دیکھا اور یہ کہتے سنا ہے؟:-

" چکیا گھمر گھمر آٹا پھسر پھسر "

سائل۔ آٹا کتنا پیسا؟-
مجیب۔ دو گاڑی!-
بھوسی کتنی نکلی؟
ایک گاڑی!
بھوسی لے کے کیا کی؟
گیّا کو دی!
گیّا نے کیا دیا؟
دودھ!
دودھ لے کے کیا کیا؟
کھیر پکائی!
کھیر لے کے کیا کی؟

ہم نے کھائی ہمارے بال بچوا نے کھائی۔ تمھارے لیے رکھی تھی گنّتا پادر گیا بلّی سونگھ گئی ہے۔ اخ تھو! اخ۔

اخ تھو!!!

اس تقسیم پر ہونے لگی بج بج۔ اور بج بج کا سلسلہ آجتک نہیں ٹوٹا۔ اتفاق کانفرنس بھی ہو رہی ہے نفاق کانفرنس بھی ہو رہی ہے۔

دوسری کچھڑی مرحوم مہاسال کا تھی کہ حاجی شوکت اور ڈاکٹر مونجے کے سے ڈراؤ پر زندہ رہنے والوں نے اپنی اپنی رلہ ملی۔ گزشتہ چند ماہ میں تو اس مراجعت نے کوئی فائدہ نہیں پہونچایا۔ لیکن اگر چال میں کوئی نئی چال نہ ہوئی تو بے اعتمادی کا یہ زور باقی نہ رہیگا۔

آنچہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از خرابیٔ بسیار

یہی غنیمت ہے کہ " آؤ بل بانٹ کھائیں " کی خواہش تو ظاہر ہوئی۔

مشکل یہ ہے کہ بے اعتمادی کا ڈبل تیار کیا ہوا انھیں حضرات کا ہے جنھوں نے آج اپنے پہلے مسلک سے عدول کیا ہے۔ جو تخم انھوں نے بویا وہ انھیں کے سامنے اگا بڑھا پھیلا۔ طرفدار اخبار نویسوں نے اس کی آبیاری کی۔ وہ ابھی تک موجود ہے۔ ابھی دو چار سینچنے والے اگر استعفا دے کے الگ ہو گئے تو کیا ہوا۔ دو کی جگہ ستو خدمتی مگر خدمت جب باندھے ہوا پر آبریزی ہیں۔ اس خوبی کا خلاصہ یہ ہوا کہ صورت حال میں اس اول بدل سے بھی کوئی معتدبہ تغیر نہ ہوا۔ اور یہ کوئی چھوٹی سی خوبی نہیں وضعداری اسی کا نام ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ چند سال ادھر جب علی برادران نے اتفاق دیکجہتی کو طلاق دیا اور کلکتہ میں نیشلسٹ پارٹی نے جلسہ کیا تو اس جلسے پر خود علی برادران نے کس پامردی سے بد دپولیس بہ پشت گرمی " ڈنڈا " نہایت بہادری سے قبضہ کیا تھا۔ وہی کلکتہ ہے وہی پالیسی ہے اور وہی تعلیم ہے جس نے ۳۲ء سے خاتمہ پر اپنا اثر دکھایا۔ " خربیا نہ است بالانشین عوض شہ " اگر شیخ عنا در پر تیشہ چل چکا ہے!! تو حاجی شوکت علی کی پرانی پالیسی تعلیم کا اثر بھی جس سے وہ تھوکھیر چکے مٹ رہا ہوتا اور سے

نغمہ ۱۹۳۳ء

(بتدیم تاریخی زمانے کا ایک سین)

مغنی نو شناس (تازہ راگ) "دیکھو ری اک کال جوگی نے واتھارے آیو ری۔ اپنی سنگ میں تن تنی بجائے وہ تو نت نت گیت گایو ری ہائے وہ نت نیا راگ سنایو ری"

خوشامد جان "خوش آمدی بجان من خوش آمدی"

گائے "کھری میں بھوسا چارہ نہیں ہے۔ تا حک دانہ کچا یوری"

بسرپرستی حضور نظام خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ
ہر ہندوستانی بھائی اور بہن اس قدیم کارخانہ کی خدمات کی تعریف
میں رطب اللسان نظر آتا ہے اسکا سبب اسکے اور کچھ نہیں
کہ اس کارخانہ نے اپنی صنعت کو بام عروج پر پہونچایا اور ملکی
صنعت کا کمال چار دانگ عالم میں روشن کیا دنیا کی
عظیم الشان نمائشوں میں اپنی مصنوعات کا مقابلہ کیا اور
اعلی درجہ کے تمغے حاصل کیے ماسوا اس کے دیانت
اور خوش معاملگی کو کبھی ہاتھ سے نہ دیا آپ اپنی فرمائش
بھیجکر اس قدیم کارخانہ کو مفتخر فرمائیے عید مبارک کے
لیے اس کارخانہ کا عطر بہترین تحفہ ہے۔
ٹیلیفون نمبر ۱۳۶ لکھنؤ
تار کا پتہ:- حنا لکھنؤ
صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

کس نیاموخت علم تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

کی ڈائی ہے کہ کردہ کہ نیافت"۔ کا مرثیہ پڑھ زدہ را می تواں زد" کا تجربہ آج مسلم نیشنلسٹ پارٹی کو ڈنڈے نکلوا تا سان ڈنڈوں میں خوبی پڑ آئی ہے تی نہیں سنو یاد کرنے والے سست حافظ ہیں۔ جب ہم نے کلکتے میں مسلمانوں کے پٹ جانے کی فریاد سنی تو ہمیں بہت ہنسی آئی۔ اور بے اختیار ۳۲ء کے حق میں دعائے خیر زبان پر جاری ہوئی ہے

لے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

چلتے چلاتے ایک بات ہنسی دل لگی کی سنا گیا۔ تیسری خوبی مرحوم ۳۲ء کی یہ ہے کہ متفرق آرڈیننس مل جل کے مستقل قانون بن گئے۔ آنکھ پھوٹی پیر گئی" ہر مجھے "زود فربہ زود لاغر" ہونے سے نجات مل گئی ورنہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسلی"۔ رعایا کو بھی معلوم ہو گیا کہ حکومت مضبوط ہے اور حکومت بھی اپنی ذات پر اعتماد رکھنا سیکھ گئی۔

ایک تھیں بی بھٹیاری۔ ماشاءاللہ چلتی کو کھوالی دو چار برس میں انھوں نے گھر بچوں سے بھر دیا تھا۔ آپ جانیے اتنے بچے ہوں تو ان کے ہر وقت پیٹ بھرنے کے لیے کہاں سے آئے۔ بھٹیاروں کی آمدنی مسافروں کی آمد پر منحصر ہے اور مسافروں کا قوت بی بھٹیاری کے ہاتھ۔ ایک دیہاتی دل چلا مسافر گھر سے چار پانچ دن کی خوراک یعنی آٹا دال ساتھ لے کے چلا تھا جب وہ سرا میں وارد ہوا تو بی بھٹیاری نے کہا میاں آٹا منگوا لیجیے تو روٹی پکا دوں۔ میاں نے ڈیڑھ پاؤ کے اندازے سے آٹا نکالا اور تھوڑی سی دال اُسے دے کے کھانا تیار کرنے کی فرمائش کی۔ بی بھٹیاری نے آٹا گوندھا۔ توا چڑھایا۔ توا چڑھتے ہی یا تو جزا بھو نزا پیر الکو نبغاتی تکس سلاری مداری سرا میں نیم کے پیڑ تلے مشغول بازی تھے یا چوٹھے کے گرد جمع ہو گئے۔

ایک "اماں ماں ایک پیڑا پکا دے"
والدہ صاحبزادوں کی منتظر حکم۔ روئی سے پیڑا نوچا اور پیڑا یا تو سے کے الٹے پر بٹھا دی۔ پھر کی پھر کی پکی ... کے صاحبزادے کے حوالے کی جیسے وہ ٹکڑے ٹکڑے اڑا گئے۔ اب تانتا بندھ گیا۔

دوسرا "اوماں۔ اری ماں۔ ہم تو پھپکی کھائیں گے"

پھپکی بھی اُسی آٹے کی بنی اور صاحبزادے کے حلق میں پھنک گئی۔

تیسرے نے مرقا بنوایا چوتھے نے چوہیا کی فرمائش کی۔ اب تو میاں مسافر کے صبر نے استعفا دیا۔ پلنگ پر بیٹھے بیٹھے چیخے "اے بی بھٹیاری۔ سنتی ہو جو کچھ آٹا

"میں ہوں آرڈیننس کی پوٹ"

بچ رہا ہو تو روٹی نہ ڈالو ایک بھیڑیا بنا کے پکا دو۔ کہ مجھے بھی کھا لے اور ان ناتحقیق لونڈوں کو بھی ہڑپ کر جائے جن کی لٹڑی گھڑی کی فرمائشوں نے دل پکا دیا۔ یہ آرڈیننس بھی لٹڑی گھڑی دل پکایا کرتے تھے۔ وقت کی خوبی کہیے یا تحریرا بھونزا پیرا الکو نبغاتی تکس مداری سلاری (دیگر افراد طبقہ بنی اسرائیل) کی نہ مسترد ہونے والی درخواست اور خواہش۔ بہر کیف بچے کچھے آٹے کا بھیڑیا پک چکا۔ جو لوگ پولیس کے زیر عتاب ہیں انھیں ایک ہی حملے میں ہڑپ کر لیگا۔

ہم تو اسے خوبی ہی کہیں گے۔ دوسروں کو اپنے قول کا اختیار ہے۔ (باقی باقی)

راقم

ادبار الوقت

سال تازہ بہ ما و شما مسعود باد

"امتنان والتماس"

(۱) اُن حضرات کا بدل شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنھوں نے ۱۹۳۲ء کے سے حار یابس زمانے میں اودھ پنچ کی توسیع اشاعت میں دامے درمے قدمے سخنے قلمے اعانت فرمائی۔

نیکی خود ہی نیک دلوں کو بعید صد ہزار خوشی اور مسرت کا صلہ عنایت فرماتی ہے۔ لہذا صلہ غالباً مل چکا اور اگر معاونین کرام یہ سلسلہ جاری رکھیں گے تو صلہ بھی انشاءاللہ برابر ملتا رہے گا۔ یہ ہے امتنان۔

(۲) بو النصین کا قول ہے کہ صحنک جب تک دھرائی نہ جائے صحنک ہی نہیں۔ ... اور ... تو آج ہی اشاعت کی صحنک ہر ایک خدمت پر ... دھرائی جانی چاہیے۔ یہ ہے ضروری اور واجب التماس۔

اس کے ساتھ ہی بہتری کی جانب التفات فرمائیے۔ نیا سال شروع ہو گیا ... حضرات ... قیمت واجب الادا ہے وہ بھی اور جن حضرات کی مدت خریداری ختم ہے وہ بھی منی آرڈر کے ذریعے سے قیمت عنایت فرمائیں۔ یا بھیجے ہوئے وی پی وصول فرمائیں۔

(۳) بلیہ ۱۹۳۲ء جس میں متعدد ومفید، نئی مضامین

غذائے روحانی

معارف النغمات

یعنے

وہ بے نظیر کتاب جس نے سچ مچ ہوا میں گرہ لگائی

اور

ایک گراموفون کی طرح سُر دار محفوظ رکھتے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کاغذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے

اس کے حصۂ اول کے تین اڈیشن شائع ہو چکے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ تاحال موسیقی کے جزو علمی پر

اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی اب اس کتاب کے

حصۂ دوم میں مصنف نے

اساتذہ فن کے علم سینہ

کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنی

تان سین کے عہد سے لے کر زمانۂ حال تک صدہا اساتذۂ فن کی گائکی اور انکے گلے سے نقل کی ہوئی دُھرپد اور ہوریوں کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے

اُستاد محمد علی خاں

میاں تان سین کے آخری یادگار ہیں صدہا راگوں کی دُھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں اُنسے نقل کی گئی ہیں لطف یہ ہے کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز کو سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیئے گئے اسیطرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جسطرح کہ اُستاد خود تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا ستار [illegible] نکال سکتے ہیں۔ انکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایۂ ناز بھی آپکو اس کتاب میں ملیگا حقیقت یہ ہے کہ مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ حصۂ دوم نہایت مقبول ہوا۔ تمام ہندوستانی اُستادوں کا سرمایۂ ناز اسمیں موجود ہے۔ قیمت پانچ روپیہ۔ محصول ڈاک ہر حال ذمۂ خریدار ہے۔ منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

REGISTERD No. A, 785
ظریف ہفتہ وار
مشہور با تصویر
LUCKNOW
OUDHPUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
M B KHAN ARTIST LUCKNOW

ہماری زندگی اور موت خدا کے لیے ہے۔ خدا کی مقرر
کی ہوئی زندگی اور موت کا پروگرام معین ہے اگر زندگی
کے پروگرام میں کوئی ٹھٹک کے تھرکنے اور ناچنے کا پتا
بھی مل جاتا تو پھر کیا کہنا۔ بقول خادم جناب چغتائی
نے اپنی حذاقت و مہارت رقص و سرود ان الفاظ میں
نکالی ہے۔

"ناچ دو طرح کا ہوتا ہے۔ فور جذبات سے متاثر
ہو کر کسی خاص قاعدے یا تال سُر کے ماتحت حرکات
کرنا۔ اور دوسرے محض تصنع یعنی فرمائشی یا بناوٹی
ناچ ناچنا۔
اول الذکر دنیا بھر کے مسلمانوں میں جائز ہے۔
قوالی سن کر اچھلنا کودنا نہیں بلکہ واقعتاً جذبات سے
متاثر ہو کر ضابطہ کے ساتھ رقص کرنا نہ صرف جائز
ہے اور ہر مولوی کو جو قوالی سنتا ہے پیدائشی حق
حاصل ہے کہ وہ ناچے اور ثواب حاصل کرے۔"

یہ ایک حصر ہے اور دلیل حصر غالباً سنت نبوی اور
حکم قرآنی سے ماخوذ ہوگی جس کا انکشاف چغتائی صاحب
کسی خاص رسالے میں فرمائیں گے۔

"جذبات" خدا معلوم کیا بلا ہیں ان کے معنے ہمیں
معلوم نہیں۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ تال کہتے ہیں
"نظم ایقاعات" کو اور سُر کہتے ہیں نغمہ کو۔ جب تک
سُر کو محض قدرتی خوش گلوئی سے تعلق ہے اس وقت
تک وہ یقیناً جائز ہے اس لیے کہ وہ جبلی ہے اور
اسی کو "لحن" کہتے ہیں البتہ جب تعیین اور تالیف
انسانی کو اس میں دخل ہوگا یا وہ ایقاعات کے تابع
کر دیا جائے گا تو وہ مصنوعی کہلائے گا۔ اور یہی
ممنوع ہے۔ قرآن میں لہو الحدیث سے اسی کی
طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کیفیات قلبیہ سے مغلوب
ہو کے جو کوئی اضطراری حرکات کرتا ہے وہ "لَے"
کی پابندی ہرگز نہیں کر سکتا۔ کوئی قوالی سن کے
حقیقۃً مجنون لا یعقل ہو جائے تو وہ اس وقت تک
مرفوع القلم رہے گا جب تک کہ ہوش میں آئے۔
اور اگر اسے اپنے حرکات کو تال سُر کی متابعت
و مطابقت میں جاری رکھنے کا ہوش ہے تو وہ خدا
کے ساتھ بلکہ حقیقی وجدانیات کے ساتھ اخلاق
انسانی کے ساتھ بلکہ حضار محفل کے ساتھ دل لگی کرتا
ہے۔ ہمارے چغتائی صاحب نے بھی عقل و دین کے
ساتھ مسخراپن شروع کر دیا ہے جب کہتے ہیں الٹی ہی
کہتے ہیں۔ اور اسی حیرت زیب علمی پر انھیں ناز ہے۔
اتنا نہیں جانتے کہ ارادۃً ایقاع (تال) کی پابندی اور
نغمات کی تالیف میں ذات باری کی جانب جذب
کا کوئی اثر موجود نہیں ترتیب و تالیف ایقاعات و
نغمات ارادۃً ہوتی ہے نہ اضطراراً۔

معلوم ہوتا ہے کہ میاں چغتائی ارادے اور اضطرار
کے معانی سے بھی کورے ہیں۔ اے سبحان اللہ۔
"ملکہ حنا" (شریعت غرّا) کی خوش قسمتی ہے جو
ایسے حضرات کے ہاتھوں پڑا اب اس کے پروان
چڑھنے میں کوئی کسر نہیں رہی۔

ہمیں اپنے دوست حضرت اولاد حسین صاحب
شاعر سے شکایت ہے کہ وہ ذی عقل و علم ہونے کے
باوجود چغتائی سے کیوں بھڑ گئے جو رسول و اصحاب
رسول پر اتہامی روایات کی تجدید کا دڑبا کھل گیا۔
اور چغتائی ایک شاہد عینی کی حیثیت سے رسول
و اصحاب رسول کا ایک شرعی طائفہ (معاذ اللہ)
ان کے واصل فردوس ہونے کے بعد کھڑا کر دینے
پر آمادہ ہو گئے۔ خدا جانے اس شخص کی نیت کیا
ہے اور وہ مسلمانوں کو کیا تعلیم دینا چاہتا ہے اور
اس کے مسلمان دوست کیسے غیرت دار ہیں۔
وہ وقت جلد آنے والا ہے کہ زنا اور مقدمات زنا [illegible]
حسب فقہا بھی اسی طرح جواز کے حدود میں داخل
ہو جائیں۔ کیوں حیادار چغتائی اس عمدہ بحث
پر قلم نہ اٹھاؤ گے؟

ترسے یا رب ہم رندوں کو بایں ہمہ افعال رندانہ
جنت فردوس بریں اور ثانی رب العالمین (تنزیہ
فردوس کی وسعت میں) بنا دے تو پھر تیرا کیا گھٹ گیا۔

(باقی آئندہ)

ادبار الحیاء والایمان
علی اہل الریفارم والطغیان

تبصرہ سال مرحوم

(تابع ماقبل)

چوتھی خوبی مرحوم کی یہ تھی کہ ہمارے صوبے میں خاص کر
ڈاکوؤں کی اچھی خاصی افراط ہو گئی اور پولیس کی جدو
جہد یا فرض شناسی کے تصدق میں نہایت فراخ دلی
کے ساتھ ڈاکو جان و مال پر تصرف کرتے رہے با ایں ہمہ
سو ڈاکوؤں میں ایک کا بھی سراغ نہ لگا۔ اخباری
کاغذوں میں ہفتہ وار فہرستیں ان خوش نصیبوں کی
شائع ہوتی رہیں جو امن پسند شہریوں کے عائد حال
ہوئیں۔ حکومت پہلے تو یہ سیدھا سا عذر کر دیتی تھی
کہ ڈاکے پولیٹیکل ہیں۔ کانگریس کی پرشوری اور غلط
پروپگنڈا کا نتیجہ ہیں مگر اب تو کانگریس کے سرگروہ
گرفتار ہیں مزید چیرہ دستی کی روک آرڈیننس بہادر
نے فرما دی ہے۔ زبانیں بھی بند ہیں جلسے بھی نہیں
ہوتے۔ زبان شمع ہے اور آرڈیننس گلگیر ادھر فتیلے
(فتیلہ) کی کالی کلوٹی خم کھائی ہوئی چونچ نکلی ادھر
قینچ سے گلگیر نے ختنہ کر دیا۔

فرمائیے جب کانگریسی یا پولیٹیکل ڈاکو دڑبے میں بیٹھے یا جیل خانے
بھیج دیے گئے تو پر امن آبادی کے سوا اور کون
رہ گیا؟

ادھر تو ڈاکوؤں نے ہاتھ پاؤں نکالے ادھر ایسے سرکلر
جاری کر دیے گئے جنھوں نے ہتھیاروں کے لیسنس
میں تخفیف کر دی۔ ہتھیاروں کی ضرورت دو ہی
گروہوں کو زیادہ ہوتی ہے وہ جن کی جان و دولت
خطرے میں ہو یا وہ جو دوسروں کی جان و مال پر
نگاہ بد رکھتے ہوں۔

مؤخر الذکر گروہ نے تو سرکلر کی پروا کبھی نہ کی تھی۔
آج کل مگر مقدم الذکر بیچارے سرکار کی بدولت مونچھوں
والی عورت بن کے رہ گئے۔

خدا نے ہمیں ڈاکوؤں کا محبوب نہیں بنایا اس وجہ سے
ہم تو سے

پھیلا کے پاؤں سوتے ہیں اللہ کے فقیر

کی حد میں داخل ہیں لیکن سے

دہشت سے جاگتے ہیں تو مگر تمام رات

سیاسی جمود و انجماد (سنہ ۱۹۳۳ء کا اصلی موضوع)

اطفال سیاست ہند:- دیتے ہیں ڈھیلا"

حکومت ہند:- دیتا ہوں ڈنڈا ابھی برف پر برف کیا اثر کرے گی ڈھیلا اور ڈنڈا ہم جنس نہیں"

[illegible]

ہر ہندوستانی بھائی اور بہن اس قدیم کارخانہ کی خدمات کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے اسکا سبب سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ اس کارخانہ نے دیسی صنعت کو بام عروج پر پہنچایا اور اس کی صنعت کا کمال چار دانگ عالم میں روشن کیا دنیا کی عظیم الشان نمائشوں میں اپنی مصنوعات کا مقابلہ کیا اور اعلیٰ درجہ کے تمغے حاصل کیے ماسوا اس کے دیانت اور خوش معاملگی کو کبھی ہاتھ سے نہ دیا آپ اپنی فرمائش بھیجکر اس قدیم کارخانہ کو تجربہ فرمائیے عید کے لیے اس کارخانہ کا عطر بہترین تحفہ ہے۔

ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ لکھنؤ — تار کا پتہ: حنا لکھنؤ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

روزانہ ملاپ لاہور کا
بسنت نمبر

روزانہ ملاپ لاہور کا بسنت نمبر جنوری [illegible] کے آخری ہفتہ میں بڑی آب و تاب سے شائع ہوگا۔ اس میں ملک کے بڑے بڑے مشہور و معروف مضمون نگار صاحبان کے خاص خاص مضمونوں پر مضامین ہونگے۔ تین سہ رنگی خوبصورت آرٹ پیپر پر بالکل نئی قسم کی تصویریں ہونگی۔ ملاپ والوں کا دعویٰ ہے کہ اس قسم کی تصویریں آج تک مارکیٹ میں نہیں آئیں۔ بالکل نئے ڈیزائن کی … نظمیں ہونگی۔ … حجم … صفحہ کے قریب ہوگا۔ سرورق بھی آرٹ پیپر پر ہوگا … تمام خط و کتابت … مینیجر ملاپ لاہور سے کریں۔

خدا کرے کہ اس پاشکستہ قوم میں علم اور فضائل انسانی کے تکمیل کا جوش بھی پیدا ہو جائے کہ پھر ملکی "انستہ" پر بس کتر ائن سے کی گستردہ دہن عورتیں چوٹ نہ کر سکیں

(باقی آئندہ)

مولانا پنچ کی نوٹ بک

"تحائف سال تازہ"

(۱) آرسی - زنانی زبان نے جب اپنے وضع مابالغرق کے ساتھ مستقل صورت اختیار کر لی تو شعراء نے اس پر بھی شدید محنت کرنا شروع کر دی۔ اور اس شاعری کا نام ریختی رکھا گویا ریختی ریختہ کی مادہ ہو۔ ایک مجموعہ نظم ہمارے دفتر میں موصول ہوا یہ ریختی میں ہے اور اس کا نام آرسی ہے۔ اس کے مصنف مولوی نثار حسین خاں صاحب شیدا دریا آبادی ہیں۔ مولوی صاحب نے زنانی زبان کی نزاکت برقرار رکھنے میں کوشش بلیغ فرمائی ہے۔

لیکن جان صاحب کی طرح کسی خاص طبقہ نسواں کی زبان ملحوظ نہیں رکھی محل خانہ اور غریب خانہ ایک ہی میں مخلوط ہے۔ ہاں جان صاحب کے کلام میں جو معنوی فحش ہے وہ اس مجموعہ میں خال خال پایا جاتا ہے۔ طرز گفتگو پرانا ہے۔

تعلیم اس فرق کو جو زنانی بول چال اور مردانہ گفتگو میں پہلے تھا مٹا رہی ہے۔ چند روز میں اس زبان کی بولنے والیاں باقی نہ رہیں گی اور اس کے بعد لکھنے والوں بلکہ سمجھنے والیوں کا بھی قحط ہو جائیگا۔ بہرحال مولوی نثار حسین خاں صاحب نے پرانے زمانے کی ایک جھلک پھر دکھا دی۔ آپ نے سلام اور قصیدے بھی نظم کیے ہیں۔ قصیدوں کی مادہ قصیدیاں ہیں مگر سلام بھی مذکر ہے اس کی تانیث نہیں فرمائی۔ لکھائی چھپائی تقطیع کاغذ سب کچھ اچھا ہے اور خوبصورت ہے۔ قیمت دو روپیہ۔ مقبول حسین خاں صاحب (دریاآباد۔ الہ آباد) سے مل سکتا ہے۔

(۲) **اصلاح الملک** - آپ شاید خیال فرمائیں کہ نیا سال شروع ہوا ہے یہ بھی کسی آدمی کا خطاب ہوگا

نہیں حضرت یہ شہر فتحپور سے نکلے ہوئے تازہ وارد ایک ہفتہ وار اخباری کاغذ ہیں آپ کی پالیسی آپ کے سرورق ہی پر لکھی ہوئی ہے - یعنی:-

"دینی و دنیاوی فلسفہ سے ملک میں امن وامان قائم کرنا"

تجویز تو معقول ہے مگر مذہبی فلسفے کی یہ خوبی کہ وہ امن وامان قائم کرے نرالی ہے۔ اختلافات ہی بڑھتے بڑھتے جھگڑے فساد تک منجر ہوتا ہے۔ یہ فلسفہ اگر اختلافات کی جڑ کھودنے والا ہے تو ایک خواب ہے جس کی تعبیر میں "بہت اچھا بہت خاصا - خیر الناد و شر الاعدائنا" کہ دینا چاہیے اور اگر اسلام یا ہندو مذہب کی کی حمایت پر یہ فلسفہ مبنی ہے تو پھر پالیسی کا نجیر وخوبی انجام پانا - معلوم۔

دوسری بات یہ کہ حکومت کے آرڈیننس امن وامان کے قیام کی ذمہ داری اپنے سر لے چکے ہیں بھلا اس فلسفے کے آگے اور کون سا دنیاوی فلسفہ ہے جو اپنا اثر دکھانے کی ہامی بھر سکتا ہے۔

اتحاد کانفرنس میں بڑے بڑے جگادری مذہبی و دنیاوی فلسفی جمع تھے مگر ان سے تو کچھ کام نہ بنا۔ کانفرنس کے مردان کار امیر مینائی مرحوم کا یہ شعر پڑھتے ہوئے رخصت

توقعات انگلینڈ

اہل ہند

"ہائیں ہم تو سمجھے تھے کوئی بزرگ بیٹھے ہیں - مگر یہ تو صرف لباس کا مجموعہ ہے - واہ ری کاریگری!"

ہوئے سے

فریب کھا کر انھیں گھر لے گئے ہم

ستم سے کچھ ہوتا نہیں ہم کیا کریں

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قواعد ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۳۵

باجلاس بابو کرشن پرشاد صاحب اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم صدر تحصیل فرخ آباد

بعدالت مال صدر تحصیل فرخ آباد مقام فرخ آباد ضلع فرخ آباد

راؤ اودھیت نرائن سنگھ خلف راؤ پرتاب نرائن سنگھ قوم ٹھاکر ساکن و رئیس کیمپ و زمیندار موضع کٹنا مانک پور پرگنہ شمس آباد یو پی مدعی

بنام

پتو لال وغیرہ مدعا علیہم

۱- پتو لال ولد جنگلو لال ۲- مسماۃ دیو کلی بیوہ نبوا رحی ۳- جگناتھ ۴- بدری پرشاد پسران گمبھیر و بال ۵- جیو [illegible] ۶- [illegible] ۷- [illegible] پسران [illegible] ۸- سوہن لال ۹- موہن لال پسران بلدیو پرشاد ۱۰- جگت نرائن ولد [illegible] ۱۱- رام سروپ ولد کالکا پرشاد ۱۲- رام بھروسے لال ۱۳- رام ناتھ پسران نابالغان [illegible] پرشاد بولایت رام سروپ برادر حقیقی خود ۱۴- گیند الال ۱۵- [illegible] لال ۱۶- مہنو لال ۱۷- رام دلارے ۱۸- [illegible] لال پسران سورج پرشاد ۱۹- [illegible] قوم کالستھ ساکنان [illegible] کاشتکار و خیکار موضع کٹنا مانک پور پرگنہ شمس آباد یو پی

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت بقایا لگان کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۸ ماہ جنوری ۱۹۳۳ء بوقت [illegible] بجے دن بعدالت صدر تحصیل فرخ آباد اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے [illegible] سوالات کا [illegible] تاریخ مذکورہ تمہاری حاضری [illegible] انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے [illegible] [illegible] اگر تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ [illegible] غیر حاضری تمہارے [illegible]

بثبت [illegible] عدالت کے آج بتاریخ [illegible] ماہ دسمبر ۱۹۳۲ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم [illegible]

شاید حضرت اصلاح الملک اس عظیم مقصد پر فائز ہو جائیں۔

ان کی عام قیمت للعہ ر سالانہ ہے۔ دو پچہ دھری ... ... صاحب الشرقی جیمز ٹیلمنٹ اس کے اڈیٹر ہیں۔

(۳) الہوا ... ہفتہ وار بجنور سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ دو رنگی اور دو فصلی حکمت عملی سے اجتناب کا عہد کرتا ہے۔ جانب داری اور مزاج گیری سے پرہیز کرنے کا دعویدار ہے۔ منشی عبد الوحید صاحب اس کے مالک و مدیر ہیں سے ر سالانہ قیمت ہے۔ تحفہ اچھا ہے بشرطیکہ مقبول ہو۔

(باقی آئندہ)

اللہ ہو اکبر

لیجئے صاحب آخر ترکی میں اذان شروع ہو گئی۔ اور اللہ میاں گاڈ ٹھہرایا یا باعتبار جسم اور ضخامت کے مان لیا گیا۔ جب متکلمین اسلام نے "اللہ اکبر" کے مفہوم پر بحث کی تو اس کے معنے یہ قرار دیئے کہ "اللہ اکبر من ان یوصف" خدا وصف کی حد ود سے برتر ہے۔ مگر یہ ترکی جملہ اگرچہ لفظی ترجمہ ہے تاہم اس بڑائی کو ظاہر کرتا ہے جو دنیا کی ذوجہات اشیاء کے مقابلے میں ایک کو دوسری سے ہوتی ہے۔ لہذا عرب کے ملا اس پر بہت ناک بھوں چڑھا رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے اپنی زبان کو ایسے اہم مفاہیم کے تحمل کے قابل تو بنا لو پھر جو کچھ جی میں آئے کرو۔ فقہ سے تو ہم واقف نہیں لیکن اتنا جانتے ہیں کہ اگر اس قسم کی اذان یا نماز ہمارے ہندوستان میں ہونے لگی تو تھوڑی سی ہنسی اور خوش دلی بھی جزو اذان و نماز ہو جائے گی۔ پہلے تو موذن کانوں پر ہاتھ رکھ کے ٹھی ٹھی ہنسے گا پھر "اللہ سب سے بڑا ہے! اللہ سب سے بڑا ہے" کا نعرہ مارے گا۔ ممکن ہے کہ سننے والے بھی اتنا ہنسیں کہ وضو دوبارہ کرنا پڑے۔

ابھی تک تو فقہا اس بات پر جمے ہوئے ہیں کہ نماز میں وہی کلمات ہونے چاہئیں جو لفظاً منصوص ہیں یا استثنا سے بعض دیکھیے یہ دل لگی ترکوں کی مانتی میں ہندوستان تک سرایت کرتی ہے یا نہیں۔

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے اور بیشتر زبانیں ہیں۔ اگر اذان و نماز کی تقسیم صوبہ وار زبانوں میں ہوئی اور ملکی انتظامی کونسل کہیں بھی اس قسم کے قانون بغیر خلیفہ وحالات پاس ہو گئے تو ہر صوبہ میں انشاء اللہ دل لگی ہی دل لگی کا دور دورہ ہو گا۔ بنگالی کہیں گے "اللہ بارڈ و ہوچے اللہ بارڈو ہوچے" پنجابی کچھ کہیں گے مدراسی کچھ و قس علی ہذا۔ بوقت عبادت ایک صوبے کا مسلمان دوسرے صوبے کے مسلمان کے بارے میں یہ بھی بمشکل قیاس کر سکے گا کہ وہ اذان دیتا یا دل لگی کر رہا ہے۔ قرآن اور ماثور دعاؤں یا حدیثوں کا ترجمہ تو دشوار نہیں اس لیے کہ حاشیہ پر اصلی مفہوم طویل یا قصیر عبارت میں سمجھا سکتے ہیں۔

سمن بنابر انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵۔ قاعدہ ۱ و ۵)

نمبر مقدمہ ۱۷۰ / ۳۳ء

بعدالت آنریری منصفان بنچ اول الہ آباد

رگھو بیر دیال بنیہ داس ساکن کٹھیری بازار شہر الہ آباد مدعی

بنام

منزا ولد نا لکاقوم شفیر باکسا ساکن محلہ بہنیا ضلع مرزا پور مدعا علیہ

ہر گاہ مدعی نے آپ کے نام ایک نالش بابت ۔۔۔ کے دائر کی ہے لہذا آپ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ بتاریخ ۱۸۔ ماہ جنوری ۱۹۳۳ء وقت ۱۰ بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہوں اور جوابدہی دعوے کی کریں۔ اور ہر گاہ وہی تاریخ جو آپ کے حضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس آپ کو لازم ہے کہ اسی روز جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر و نیز تمام دستاویزات کو جن پر آپ اپنی جوابدہی کی تائید میں استدلال کرنا چاہتے ہوں پیش کریں۔ آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور آپ حاضر نہ ہوں گے تو مقدمہ بغیر حاضری آپ کے مسموع اور فیصل ہو گا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۲ء کو جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

تمام دنیا کے مسلمانوں میں ایک شے جو مشترک تھی وہ بھی نہ رہی۔ علما کا یہ حال ہے جہاں بہتر ... ملک چین کے "پاکسرز" اکثر مسلمان میاں کی زبان سے اکثر حروف مخرج صحیح نہیں نکلتے مثلاً رائے قرشت کو بجائے "لام" کہتے ہیں۔ "اللہ اکبل" پھر بھی نماز یا اذان کی شان قائم رہتی ہے۔

اکثر عراقی کاف کو "چ" سے بدل کے "اللہ اچبر" کہتے ہیں پھر بھی ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ فلاں شخص مشغول نماز ہے۔ یہ کمبخت "سبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئی" کہنے میں تو معلوم ہوتا ہے گالیاں بک رہے ہیں باایں ہمہ تمیز ہو جاتی ہے کہ وہ عالم نماز میں رہے ہیں۔ مگر اب تو یہ سمجھنا مشکل ہے۔

اودھ پنچ مجلد ۱۹۳۲ء قیمت ہے ... یہ جلد عمدہ ادبی مضامین اور پولیٹیکل کارٹون پر مشتمل ہے مثلاً کنایہ عرب یا عہد جاہلیت عرب و تنقیدات ادبی۔ **منتخبات اودھ پنچ** بابت ۱۸۷۷ء لغایت ۱۹۲۰ء دو حصہ حصہ اول حصہ دوم محصول ڈاک علاوہ (منیجر اودھ پنچ لکھنؤ)

غذائے روحانی

معارف النغمات

یعنے

وہ بے نظیر کتاب جس نے سچ مچ ہوا میں گرہ لگائی

ایک گراموفون کی طرح سُروں کو محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کاغذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے

اس کے حصہ اول کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ تاحال موسیقی کے جزو علمی پر

اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی اب اسی کتاب کے

حصہ دوم میں مصنف نے

اساتذہ فن کے علم سینہ

کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنے

تان سین کے عہد سے لے کے زمانہ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائکی اور اُنکے گلے سے نقل کی ہوئی دُھرپد اور ہوری کی نقشہ کتاب میں آپ کو ملینگی

اُستاد محمد علی خاں

میاں تان سین کے آخری یادگار رہے صاحب [illegible] کی دھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں لے نقل کی گئی ہیں لطف یہ کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کر سکتے ہیں تو [illegible] کتاب کے رموز کو سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیئے گئے اُسی طرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جس طرح کہ اُستاد خود تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں انکے علاوہ دیگر مشاہیر کی دھرپد ہوریاں بھی آپکو اس کتاب میں ملینگی مصنف نے ہزاروں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے حصہ دوم نہایت مقبول ہوا تمام ہندوستانی اُستادوں کا سرمایہ ناز اسمیں موجود ہے۔ قیمت پانچ روپیہ۔ محصول ڈاک بہر حال ذمۂ خریدار۔ المشتہر منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

منتخبات اودھ پنچ

جلد اوّل

علم و ادب کے حکیمانہ اور فلسفیانہ مضامین کا دلچسپ اور سبق آموز چیدہ چیدہ مضامین کا بے بہا خزینہ ۱۸۷۷ء یعنی اودھ پنچ کی تشکیل کے ... صفحات پر مشتمل ہے قیمت فی جلد عـہ محصولڈاک اس کے علاوہ۔

مجلدات اودھ پنچ ۱۹۳۱ء

چند فائل برائے فروخت موجود ہیں جو ملک وفائر علم و ادب و ظرافت و سیاست سے مالا مال ہیں ہر کتب خانہ میں محفوظ رہنا چاہئیں قیمت فی جلد للعہ محصولڈاک بذمۂ خریدار۔

خاص رعایت ۱۹۳۱ء کی جلد خریدنے والے اصحاب کو منتخبات اودھ پنچ جلد اول قیمتی عـہ مفت نذر کی جائے گی۔

مجلدات سنین ماضیہ

۱۹۳۰ء اور اسکے پیشتر کی بھی چند جلدیں برائے فروخت موجود ہیں قیمت فی جلد معہ محصول بذمۂ خریدار

" "

توجہ شرطے

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں مذہبی جھگڑے اور بے نتیجہ مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل ضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس جنس کی تقلید بھی کرتے ہیں اور اگر یہ بھی اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منھ نہ بنایئے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھایئے۔ اسلیے کہ گو ہر خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت رائے کی اصابت بے رو رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور اخباری اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رہے انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائینگے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

قواعد و ضوابط:-

(۱) اجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) کم مایہ طالبعلمان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی۔ یعنی چار روپیہ (عـہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ جو سالانہ خریدار ہوں ان سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرالیں۔ دام درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں۔ غصب یا نامداری یا تیری کاواسطہ دلانا خلاف شانیت ہے۔

(۴) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستے میں گاؤ خورد ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کی اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامے منیجر کے نام خریداروں کے آتے ہیں۔ ہر ایک کا یہی تقاضا ہوتا ہے کہ گمشدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں۔ تاخیر کرنا مقصود نہیں ہے لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۵) جو مضامین اودھ پنچ کی پالیسی کے مطابق نہ ہونگے وہ شائع نہ ہوں گے اور انکی واپسی پر ہم مجبور نہیں ہیں۔

(۶) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور انفرادی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص ان میں نہ ہو۔

نوٹ:- جو حضرات خریدار ہیں انھیں خطوط اور منی آرڈروں میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جسکا کے نام کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔ جواب طلب امور کے لیے کارڈ یا لفافہ آنا لازمی ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۸ نمبر ۳

مضامین

بدھ ۱۹ جنوری ۱۹۳۲ء

خادم ملک اور چغتائی

کسی حمام کے متعلق قرآن میں تفصیل موجود نہیں۔ کوئی ہمیں دکھائے کہ وضو کے واسطے خالص پانی ماء قراح کی قید کہاں ہے۔ پس اگر پانی میں تھوڑی سی وہسکی شامل کر کے وضو کیا جائے تو وہ ایک مزیدار وضو ہوگا۔ اور طبی حیثیت سے بحث کی جائے تو کھال کو نرم کرنے کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں۔ پیرس کے بڑے بڑے امرا اپنے حمام میں شراب ناب کے ٹب بھروا کے رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ جسم کے بشرے میں تازگی پیدا ہو اعضا ملائم رہیں۔ ظاہر ہے کہ طبی منفعت ثابت ہو جانے اور ریا ورکر لینے کے بعد کہ نالج میں جسم جسقدر ملائم رہے اسی قدر اچھا ہے مے صافی کی گڑھیا کا مینڈک بننے میں کیا مضائقہ ہے۔ لاؤ قرآنی دلیل ان کنتم صادقین۔ اگر تم سچے ہو زیادہ سے زیادہ ملا یہ کہیں گے کہ یہ اسراف ہے تو نیدہ پر دکھانے پینے میں اسراف نہیں جب ہی تو کہا ہے کلوا واشربوا ولا تسرفوا "کھاؤ پیو اسراف نہ کرو۔ اگر کھانے پینے میں اسراف ہو سکتا تو وہ کیوں اسراف سے قبل مذکور ہوتا پینے کی چیزوں میں پانی ایک عام نعمت ہے۔ پانی غسل میں بھی کام آتا ہے۔ کسی کا اجارہ ہے ہمارا چغتائی پانی کے باپ کا نوکر نہیں وہ اپنے مریدوں کو حکم دے سکتا ہے کہ شراب پیو اور اسی سے غسل کرو۔ تاکہ شرب معتادیں شراب ناب کا مرتبہ آب سے بڑھ جائے۔ ابھی قلم یہیں تک میدان قرطاس کے منازل طے کر چکا تھا کہ "خادم ملک" کا دوسرا نمبر وارد ہوا۔ اس نمبر کا پہلا مضمون زیر عنوان معروضات ہے جس میں حضرت عرش ہمارے پرانے دوست چغتائی صاحب لکھا ہے کہ ہمیں "اذا مروا باللغو مروا کراما" اکن اشارا جب کسی لغو کے ساتھ تمہارا سابقہ پڑ جائے تو بزرگانہ اس میں سے گزر و) کی نصیحت قبول نہیں فرمائی۔ ہم ان کی اس مصلحت پر تعجب کرتے ہیں کہ دفاع واجب ہے لیکن "روز روشن میں جو شخص منکر آفتاب ہو رہا ہو تو اس سے کوئی شخص تعرض کرتا ہے" مثلاً کہنا ہے چغتائی صاحب کا زیر بحث مضمون اصول اخلاق عقل و فقہ و سنت و قرآن و سیرت ائمہ اسلام کے بالکل خلاف ہے اس کا جواب دل لگی کے سوا کچھ نہیں۔

قیاس کہتا ہے کہ شاید ہمارے چغتائی صاحب کو مولانا سید صدر الدین احمد ساکن بوہار ضلع بردوان کی عربی کتاب مطبوعہ مصر ضرب المثالب علی وجوہ اہل العیاب کہیں سے مل گئی۔ یہ کتاب صاحبان حال و وجد (طبقۂ صوفیہ) کی حمایت اور ان علما سے ظاہر کے رد میں لکھی گئی تھی جو مناہی و ملاہی سماع کو ناجائز کہتے ہیں۔

اس کتاب میں کتب سے اس قسم کے واقعات نقل کیے گئے ہیں جو شان رسالت و شعار صحابۂ رسول کے بالکل منافی ہیں۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو لکھنؤ کے ایک بڑے حنفی عالم نے اس کا جواب بھی لکھا تھا اسے چونتیس برس سے زیادہ زمانہ گزرا معلوم نہیں کہ جواب شائع ہوا یا نہیں۔ مگر مصر کے ایک علمی رسالے نے اس پر تبصرہ لکھا تھا وہ ہمارے پاس تھا افسوس کہ ۱۵ء کی بارش میں تمام کتب خانے کے ساتھ وہ بھی غریق رحمت ایزدی ہوا۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ بعض کتب حدیث و تاریخ میں ایسے واقعات مندرج ہیں جو ہمارے چغتائی صاحب کے دعوے کی فی الجملہ حمایت کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے مثل حضرت شاعر دیجہا عرش کے سند قول کا مطالبہ چغتائی صاحب سے نہیں کیا۔

خیر جناب عرش اگر آپ کے نزدیک چغتائی صاحب کے کلمات دل لگی کی حد سے متجاوز اور قابل توجہ ملا نہیں تو ہم اپنی رائے بجنب تہذیب جدید واپس لیتے ہیں۔ مگر یہ واضح رہے کہ اگر چغتائی صاحب نے اعیان اسلام پر اس قسم کے بہتانوں کا اعادہ کیا تو "اشاعت فاحشہ" سے نہ تو عرش و شاعر ہی خوش ہوں گے نہ ہم۔

جناب عرش کی یہ امید کہ چغتائی صاحب اپنی غلط فہمی کا اعلان کر دیں گے تجربہ کے بالکل خلاف ہے قبل ازیں پردے کے متعلق ہو انھیں نے بزرگانہ شفقت سے کام لے کے صورت کو بہت سمجھایا بجھایا مگر انھوں نے مطلق اعتنا نہیں کی۔ اور بعد کو اپنی کتاب میں ان دلائل کا تذکرہ و کیا جو ہو انصیبین نے بیان کیے تھے بلکہ کتاب میں صرف اپنا دعویٰ دہرا دیا۔

اس حرکت سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ چغتائی صاحب صرف اپنی سی کہنا جانتے ہیں انھیں دوسرے کی معقول بات سننے کی عادت نہیں۔ اب خدا جانے کہ انکا طبعی خاصہ ہے یا وکالت کے فن نے انھیں یہی سکھایا ہے۔ اگر منقولی بحث بڑھی تو ہمیں اندیشہ ہے کہ خواہ مخواہ بعض سلاطین اسلام اور صوفیہ کرام کے افعال معرض بحث میں آئیں گے۔ مناسب یہی ہے کہ چغتائی صاحب کو بدلیل عقلی و اخلاقی جواب دیا جائے تاکہ بحث دل آزار اور رطبیر مطبوع نہ ہونے پائے۔

اس نصیحت یا مشورے کے بعد ہم پھر اصل بحث کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ یعنی شرع شریف نے جہاں جرموں کی تفصیل پر نظر توجہ فرمائی ہے وہاں مقدمات جرم بھی اس کی نظر سے مخفی نہیں۔ مقدمہ جرم کبھی تو قابل حد ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ جو اقدام قابل حد و تعزیر نہیں یعنی جس کی تعزیر منصوص نہیں اُسے روکنے کے لیے وعظ و پند کا بے پایاں سلسلہ چھیڑ دیا ہے۔ پرائی جورو کا بوسہ ہو سکتا ہے کہ "بہ نیت قربت" نہ ہو محض اچھی چیز دیکھ کے دل بدون قصد گناہ ایک چٹاخے کی آواز بلند کرنے پر مچل گیا ہو۔ لیکن از بسکہ نیت کا عالم صرف خدا ہے لہذا بہر حال قابل احتراز ہے۔ پہلے مال کو ٹکٹکی باندھ کے دیکھنے سے نگاہوں کا اُچکا پن ضرور عیاں ہوتا ہے اس لیے قرآن میں

پیشے کو حاصل تھی بعض بستر قرار دیا گیا۔ ذری غور کیجیے کہ ناچ کا اصل مقصد کیا ہے۔ قدیم فن "تاشکا بعیہ" میں ناچ ہے سادہ زن و مرد کے وہ حرکات ہیں جو جب ہونے کے ساتھ ہی ہیجِ شہوات ہوں "تاشکا بعیہ" اور "تانک بعیہ" میں لازم ہے اس وجہ سے قلی ناشکا بعیہ کہہ دینے سے ملک صاحب لازما بحث میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس فن کی بنیاد قدیم علم النفس پر رکھی گئی اور حق تو یہ ہے کہ خواص طبیعت انسانی کا وہ حصہ جسے دونوں جنسوں کے اختلاف و انفعالات سے تعلق ہے اس فن میں ایسے عمدہ فلسفیانہ اور محققانہ عنوان کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ دنیا بھر کی عاشقانہ شاعری میں اس کی نظیر موجود نہیں۔ خیر یہ تو ہوا ہندوستانی ناچ کا مقصد۔

اب لیجیے انگریزی ناچ کو جس میں غالبا پورے جوڑے کے جوڑے کا چکر گھنی کھانا شروط ہے اس دیاسلائی اور آگ یا پارے اور سونے کی یکجائی میں جو حالت دونوں کی ہو سکتی ہے وہ تصور میں بخوبی آ سکتی ہے ہمارے چغتائی کہتے ہیں "تا۔ تا۔ اپا تا زو ر دسے" ورنہ تو کسی قرآن شریف کی آیت میں منع ہے کہ عورتیں اپنے شوہر کو ناچ نہ دکھائیں اور نہ کسی حدیث میں منع ہے اپنے شوہر کو ناچ دکھانا تو اب باکرم کوئی صاحب اس کو کسی طرح حرام ثابت کر دیں۔ منقول از خادم) ہم مانے لیتے ہیں کہ "اپا تا ز و رد" سے سہی۔ پھر حضرت آپ کو کیا؟ فرض کر لیجیے کہ خلوت میں ایک جورو اپنے خاوند کو بھاؤ بتا کے لبھا رہی ہے تو محلے والوں پر کیا احسان ہوگا۔ خلوت میں تو "اپا تا ز و ردہ" سے سب کچھ ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ نہ ہو تو انسان کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے۔ لیکن خلوت میں جو افعال جائز اور ممدوح ہیں وہ جلوت میں مذموم اور مقدوح ہیں۔ پس "آنکھ اوٹ پہاڑ اوٹ"۔ آپ ہی پیسے کے مخالف اگر بے تکلفی کی راہ سے کسی دوست کی ناچتی ہوئی بی بی کو دیکھ کے کسی کے منہ میں بھی پانی بھر آئے اور خدا نخواستہ مخفی قوتوں میں ہیجان ہو تو پھر کہیے بد اعمالی کے مقدمات کا دربا کھل جانا قوتِ عقل سے ہے یا نہیں؟—

جوانی و دانی مشہور ہے۔ اُس عورت کا شوہر اگر ایثار پر آمادہ ہو کے یہ کہے سے

من عاشق نہیں رخصت دہم
بوسہ رانیز دہم اذن کہ گلہ بکنند

تو حضرت چاہے اس میں کوئی ہو اور وہ اپنی نیت کا اظہار یوں کرے:۔

بوسہ لیتا ہوں میں اس زن شوہر دار غیر مطلقہ کا قربۃ الی ...... (الشیطان)" اللہ اکبر ہمیں تو راہ ثواب اُس کے اس محل میں نظر نہ آئے گی۔

عرب کا ناچ اور اس کا مقصد بھی ہندوستانی مقصد سے قریب قریب ہے اس کے جتنے اقسام مقدمہ ابن خلدون وغیرہ میں لکھے ہیں وہ سب عربوں ہی کو وجد میں لانے کی صلاحیت رکھتے ہیں مہذب اور متمدن مقامات کے لوگوں کو ان میں مزہ نہیں ملتا۔ اول تو ان میں زن و مرد کا ساتھی ساتھ ناچنا ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ دوسرے ان کے افعال مثلاً نخرے کے بھاؤ بتانا کبھی سیدھے ہو نا کبھی ترچھے ہو کے چکر لگانا کبھی ایک ہی جگہ کھڑے ہو کے اس طرح گھر دیا ؤں پٹکنا جیسے گھوڑا ٹاپیں مارتا ہے یا مرغی کے پاؤں میں بالوں کا گونجا اُلجھ جاتا ہے خوش مذاقوں کے نزدیک بالکل عادم اللذات و بے کیف بلکہ مضحک ہیں۔ یا "کرج" یہ ناچ اس طرح ناچتے ہیں کہ ایک گھوڑے کا منہ گردن کے آخر تک مقوے یا مٹی کا بنا لیا اسے آگے پیٹ پر باندھ لیا اسی طرح پچھلا حصہ پیچھے کی سمت بنایا اور کولے پر کس لیا اوپر سے ایک گھگرا پہنی اور لگے تال پر ناچنے گویا گھوڑے پر سوار ہیں اور وہ کلول کر رہا ہے۔ عرب میں کرج کا رواج اس قدر پھیلا کہ آخر اندلس کے عربوں میں بھی رواج پا گیا۔ اور اسلامی دائرہ حکومت کے ساتھ بڑھتے بڑھتے ہندوستان میں بھی مروج ہو گیا۔ چنانچہ کچی گھوڑی والے آج تک گلی کوچوں میں یہی تماشا دکھاتے پھرتے ہیں جن کے سروں پر عمامہ بھی بندھا ہوتا ہے کبھی ناک پر پیسا رکھ کے پھلجھڑیاں لگاتے ہیں کبھی ٹوپی کی نوک پر پٹکا کے گھومتے ہیں معاً ساتھ ڈھول پر ٹکٹے کی تال بجتی جاتی ہے۔ غلامان حبش جس ناچ کو عرب میں لائے وہ گرزوں کی لکڑی کے ٹکڑوں اور

ایسے بعض لوگ جب بہت تنگ سے ہو گئے ہیں پیچھے بیچ سے گز بھر کی پیر پڑیاں لٹکا کر پہنتے ہوتے تھے ناچا جاتا تھا اس میں ہشتم قلابازی اور سر نیچے ٹانگیں اوپر کر کے ہاتھوں کے بل چکر گھنی کھانے کے سوا اور کوئی کمال نہ تھا۔ اس طرح سے اوس شعر میں کوئی حرکت مقصود نہیں بلکہ قلابازی و لعب کی طرح اسے لوگ دیکھتے تھے۔ یہ بات صدر اول و للفہ اسلام ہے کہ اساطین اسلام نے صدر اول میں خود اس قسم کے جسمانی حرکات کا تماشا دکھایا۔

اطلاعنامہ حسب دفعہ ۸۰ ایکٹ ۳ سنہ ۱۹۲۶ء
صوبہ آگرہ

بہ اجلاس جناب مولوی سعید محمد صاحب اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم تحصیل بلہور ضلع کانپور

بعدالت مال مقام بلہور

چونکہ بمقدمہ نالش بابو رام شنکر ڈگریدار موضع گڈھسوا پرگنہ بلہور ضلع بنام تم بیچو او غیرہ کے جو عدالت ہذا میں فیصل ہوا ایک ڈگری بقایا لگان بابت ۱۳۳۱ فصلی لغایت ۱۳۳۲ فصلی بتاریخ ۳ دسمبر ۱۹۲۳ء صادر ہوئی اور مبلغ ۱۲ ۱۲۰ جو از روئے ڈگری مذکور واجب الادا ہیں ان کی تفصیل حاشیہ پر درج کی جاتی ہے

	روپیہ	آنہ	پائی
اصل	[illegible]	۹	۰
خرچہ نالش	۱۰	۲	۳
سود بابت زر اصل و خرچہ نالش	۹	۱۴	۰
خرچہ اجرائے ڈگری	۱۰	۱۵	۳
سود بابت خرچہ اجرائے ڈگری			
میزان	۱۲۰	۱۲	۲

اور چونکہ آج کی تاریخ تک ڈگری بلا ادا رہی ہے

لہذا بذریعہ اس تحریر کے تم بیچو او دیگران ساکن گڈھسوا پرگنہ بلہور مذکور کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تم زر مذکور یعنی مبلغ ۱۲ ۱۲۰ جو از روئے ڈگری کے واجب الادا ہیں اس عدالت میں پندرہ روز کے اندر تاریخ موصول تاریخ موصول ہونے اطلاعنامہ ہذا سے ادا کر دو ورنہ وجہ ظاہر کرو کہ تم مندرجہ ذیل کھیتوں سے جن کی بابت یہ بقایا ڈگری شدہ واجب الادا ہے بے دخل کیوں نہ کیے جاؤ۔

تفصیل اراضی

پرگنہ	موضع	محال	نمبر کھیت کا	رقبہ کھیت کا
بلہور	گڈھسوا	خیمبر ناتقسیم	۲۲۵ ۲۳۶	[illegible] ۱۱
			دو قطعہ	میزان

تاریخ پیشی ہفتم جنوری ۱۹۲۶ء دستخط حاکم بخط انگریزی
مہر عدالت

یعنی یہ کہ پیرِ فرتوت شیطان دوزہ کنار سے دلہن کے حرم آدمی سے پھر گھر کی بن گئے ہوں یا ان کی عورتیں سربزم نہیں خلوت ہی میں سہی اپنے شوہروں کو خوش کرنے کے لیے اس قسم کے حرکات عمل میں لائی ہوں۔ تاریخ حدیث میں کوئی ایسی مثال موجود ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کو ہر وقت جنگ وجدل کا سامنا رہتا تھا اور خدا کی عنایت سے ہر جنگ میں کشتی کے لیے فتح کا سہرا انہیں کے سر بندھتا تھا لیکن مشانے کے لیے بعد فتح جشن میں بھی ناچ گانا تھی" نہیں ہوئی۔ علیٰ ہذا القیاس عید اور شادی کی محفلوں میں بھی حضرت سیدہؓ کی شادی کے روز عورتوں کو دف بجانے کی اجازت رسولؐ کی طرف سے البتہ دی گئی تو اس مخصوص اجازت سے ناجائز فائدہ داخل جسارت ہے۔ اس سادہ دف زنی اور سخن کو ترقی دے کے باقاعدہ رقص وسرود کی شکل میں لانا اور اس کو بھی اباحت کے تحت میں لانا عقل کے نزدیک غیر مستحسن ہے خصوصاً رقص کی نظیر تو مل ہی نہیں سکتی۔ یہ ویسی ہی بات ہوگی کہ "عنب" (انگور) کے حلال ہونے سے "بنت العنب" (شراب) کے جواز کا فائدہ کوئی اٹھائے۔

ہر سخن نکتہ و ہر نکتہ مقامے دارد

اگر اسلام قدیم امتوں کا مقلد ہوتا تو پھر مزامیر کے ساتھ عبادت اس میں بھی ہوتی۔

اسلام خاتم الادیان اور قدیم ادیان سے بخوبی واقف ہے کیا گانے کے دلفریب محبوب و مرجوع ہونے کا راز اس سے مخفی تھا؟ ——— نہیں!۔

— تو پھر کیوں اذان طبلے کی تھاپ پر اد انہیں کی جاتی اور نماز کے سورے نفیری میں کیوں نہیں پڑھے جاتے۔ اسی طرح قیام و قعود میں کولے پر ہاتھ رکھ کے پھرکی گھنٹی کیوں نہ شامل کی گئی؟ ساجی چغتائی صاحب مسلمانوں سے یہ بات رہ گئی اور اس کی صریح ممانعت قرآن شریف میں نہیں۔ بلکہ حدیث میں بھی نہیں ہے ڈھونڈ ہو گے تو اس قسم کی نماز میں دل لگی باز مسلمانوں کے حالات میں مل بھی جائیں گی۔

چنانچہ اصمعی کہتا ہے کہ میں سفر میں تھا سردی شدت کی تھی اثنائے راہ میں ایک عرب صاحب انگیٹھی سلگائے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے اور یہ گن گنا رہے تھے ؎

اذا اللّٰہ اعطانی قمیصاً وجبّۃً
اصلّی لہ حتی اوسدّ فی القبر

شہ میاں نے اگر گرم قمیص اور ایک جبہ مجھے عنایت کیا تو پھر میں اُن کی نماز مرتے دم تک ادا کرتا رہوں گا

وان لم یکن لا عیاً قد تخرّقت
فمالی ببرد الماء یا ربّ من صبر

لیکن اگر یہی پھٹی بتی سڑی سڑیل عبا ہی باقی رہی تو پھر اللہ تو ہی انصاف کر سرد پانی کی سختی پر مجھے کیونکر صبر ہوگا۔

اتحسب ربی ان اصلّی عاریاً
وتکسو غیری کسوۃ البرد والحرّ

اے میرے اللہ کیا تو خیال فرماتا ہے کہ میں تو ننگا دھڑنگا نمازی بنا رہوں اور میرے سوا جو لوگ ہیں وہ سرمائی و گرمائی لباس ڈانٹے پھرا کریں؟

فواللّٰہ لا صلّیت للّٰہ مغرباً
ولا العشا الاخری ولا مطلع الفجر

ارے خدا کی قسم اس حالت سے تو نہ میں مغرب کی نماز ادا کروں گا نہ عشا کی نہ صبح کی۔

ولا الظہر الا یوم شمس دفیئۃ
وان غیّمت فالویل للظہر والعصر

اور نہ ظہر ہی کی نماز پڑھوں گا مگر جس وقت خوب تیز دھوپ ہوگی۔ پھر اگر دھوپ کی تیزی کو ابر نے زائل کردیا تو بھاڑ میں جائے ظہر اور عصر۔

اصمعی نے عرب سے پوچھا کیوں میاں اگر تمہیں خدا لباس عنایت کرے پھر تو نماز پڑھنے میں عذر نہ کروگے۔ جواب دیا ہاں خدا کی قسم۔ اصمعی نے ایک عمدہ دوشالہ عرب صاحب کے حوالے کیا۔ عرب صاحب نے چادر اوڑھی۔ پانی موجود تھا مگر تیمم فرمایا۔ اور بیٹھے ہی بیٹھے نیت باندھی ہم نے ٹوکا کہ بھائی پانی موجود ہے تیمم کیوں کیا۔ کھڑے ہونے پر قادر ہو تو بیٹھے بیٹھے نماز کیوں پڑھا کرتے ہو۔ عرب صاحب نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا

اور فرمانے لگے:۔

بیٹھو تم کیا جانو مجھ میں اور میرے اللہ میں کس طرح کا معاملہ ہے۔ میں اپنے عذر کرلوں گا۔ یہ کہا اور نماز شروع کردی (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ اکبر دگانے لگے)۔

الیک اعتذاری فی صلوٰتی قاعداً
علی غیر طہر مومیاً نحو قبلتی

اے اللہ۔ بیٹھے بیٹھے بغیر طہارت صرف قبلہ کی جانب اشارہ کرکے جو نماز میں نے پڑھی تو اُسکا عذر تیری ہی طرف ہے ؎

فمالی ببرد الماء یا ربّ طاقۃ
ورجلای لا تقوی علی حمل رکبتی

کہ ٹھنڈا برف پانی میری طاقت سے باہر ہے۔ پاؤں میرے گھٹنوں کا بوجھ اٹھانے سے عاجز ہیں ؎

ولکنّنی احصی صلوتی قاعداً
واقضیکہا یا ربّ فی وقت طاقتی

اس وقت تو میں بیٹھے نماز کا مرحلہ طے کیے لیتا ہوں جب طاقت آجائے گی تو یہ قرض ادا کردوں گا۔

فان انا لم افعل فانت محکّم
بصفعۃ راسی ثم انتف لحیتی

جو قرض ادا نہ کروں تو پھر تجھے اختیار ہے ایک دھول میرے سر پہ لگانا اور داڑھی نوچ لینا۔

اصمعی کہتے ہیں کہ مجھے اس بدمعاشی پر ہنسی آئی اور میں نے (اللہ میاں کی طرف سے) عرب کے سر پہ دھول مار کے داڑھی نوچ ڈالی۔ پھر تو بڑے میاں بہت جھلائے بندہ ہنستا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔

(باقی آئندہ)

ادبار الحیار و الایمان
علی رؤس اہل الکفر والطغیان

کلام

"حضرت حکیم مولانا محمد مسیح ارادۃ اللہ انصاری فرنگی محلی"

کیوں اے جنوں کیا کوئی ساماں نہیں رہا
داڑھی ہی نوچ ڈالے جو گریباں نہیں رہا

لاتا رہا عدو سے برابر دل حزیں
لیکن اب ان کے کم میں ارماں نہیں رہا

دکھلا کے چیخ قیس نے ناصح سے یہ کہا
چھینے گئے سے تیرے میرا گریباں نہیں رہا

پہلے رہا تصور لیلیٰ کی جانکنی
مجنوں جنوں میں بھی کبھی عریاں نہیں رہا

دکھلاتے بزم پیر بخارا کی زینتیں
افسوس تو یہی ہے کہ مستیاں نہیں رہا

فیشن کی قینچیوں نے نکالے ہیں پیچ و خم
اب گوسے زلف بھول بھلیاں نہیں رہا

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قواعد ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی سنہ ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۹۲ سنہ ۱۹۳۲ء

عدالت مال گنج ... صاحب ... بنام ... سیو سہائے سنگھ ولد سیو شنکر سنگھ قوم کرمی ساکن جیرام پور تعلقہ ... زمیندار موضع کھیری راوت پور پرگنہ کیلا ... مدعی

بنام

سری ناتھ ولد گیا دین قوم سنگر ساکن حال گنہی کاشتکار موضع کھیری راوت پور پرگنہ کیلا ... مدعا علیہ

بنام سری ناتھ ولد گیا دین قوم سنگر ساکن حال گنہی پرگنہ کیلا

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت بقایا لگان کے دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۰ ماہ فروری سنہ ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعویٰ کی کرو اور ہر گاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم بنا اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بلا حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ... ماہ ... سنہ ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

رگ زد پہ ... ہوگئے ... شہر بند
اب مجھکو خوف قطع رگ جاں نہیں رہا

دست جنوں اٹھے تو کہاں دم سے بیٹھ کر
اڑا جنوں کا تھا جو گریباں نہیں رہا

جب تم ہوئے جوان تو ہم پیر ہو گئے
یہ خاک وصل وصل کا امکاں نہیں رہا

اتنا نہ بھوت عشق کا سر پر چڑھے بغیر
واحول سے بھی دور یہ شیطاں نہیں رہا

بیمار غم کو ہجر ہے سال الم کا زور
نسخہ میں کیا لعوق سپستاں نہیں رہا؟

میں جب سے مبتلا ہوا آشوب چشم میں
اس دن سے تیری دید کا ارماں نہیں رہا

ساماں بھی ختم ہو گئے ارمانوں کی طرح
گو ایک رات بھی کوئی مہماں نہیں رہا

روغن تمام پی گئے آآ کے زاغ وحشت
روشن چراغ گور غریباں نہیں رہا

دست جنوں کو خوش کیا یہ کہ کے قیس نے
حاضر لنگوٹ ہے جو گریباں نہیں رہا

سپولسیپالٹی کے دور میں نکلی ہے یوں سڑک
باقی نشاں کوچۂ جاناں نہیں رہا

فیشن نے کل حسینوں کو پر پیچ کر دیا
اب خوف زلف سے دل ناداں نہیں رہا

رہتا ہے میرے خوف سے پیرا پولیس کا
جس در پہ آج تک کوئی درباں نہیں رہا

دھونی وہاں رمائی ہے مجنوں نے اے حکیم
اب تک جہاں پہ غول بیاباں نہیں رہا

"تحائف سال تازہ"

"منقار"

ہفتہ وار ظریف جبل پور سے منشی محمد عبد اللطیف صاحب بی اے کے اہتمام و تالیف شروع سال سے نکلنے لگا ہے منگا کر دیکھیے ممکن ہے کہ ادبی اخلاقی سیاسی یا ذہنی فوائد کے آپ حصہ دار ہو جائیں۔ سالانہ پانچ روپیہ قیمت ہے نہایت مفید مصوری کے متعدد تصاویر بھی اس میں ہیں۔

مجاھد

ایک اسلامی ہفتگی پرچہ۔ شہزادہ افضل داد خاں صاحب اس کے مدیر مسئول ہیں فلسکیپ سائز کے پورے دو تختوں پر نکلتا ہے۔ اچھا ہے۔ لکھائی چھپائی بھی عمدہ۔ اس کی سالانہ قیمت بھی پانچ روپیہ ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خاں میں اس کا دفتر ہے۔

مولانا پنچ کی نوٹ بک

لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا

برار کے بارے میں ابھی تک کوئی قطعی فیصلہ مابین حکومت دکن و حکومت انگریزی نہیں ہوا مگر ایک تلائی سی اخبار کی عمدہ ملمع گئی۔ جو ہندو ریاست دکن سے تعلق نہیں رکھتے یا تعلق رکھتے ہیں تو صرف اس قدر کہ

کچھ نہیں مت تو عداوت ہی سہی

اُن کی دعائے دقبول ہوا نصیب ... سے آسمان سر پر اٹھالیا گو یا عظیم الشان واقعہ انھیں پہنچ گیا واقعہ یہ ہے کہ برار کا ملک مفتوحہ ہی نہیں صرف عارضی طور پر مصارف لشکر سرکاری کے لیے انگریزوں کے حوالے کیا گیا تھا۔ خود حکومت نظام اندیشمند تھی کہ شاید نقد رہنے کنٹنجنٹ کی فوج کے واسطے برداشت نہ ہو سکے تو سالکہ میں فرق آئے گا۔

یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

اس لیے اُس نے اُتنا حصہ مہاجنوں کی اصطلاح کے مطابق "بٹہ ہا بیر" دے کر آزاد کر دیا۔ بات گئی گزری ہو گئی۔ اب حکومت نظام وہاں ایک قسم کا جمہوری نظام قائم کرنے کی

بسرپرستی حضور نظام خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ
ہر ہندوستانی بھلائی اور ہمیں اس قدیم کارخانہ کی خدمات کی تعریف
میں رطب اللسان نظر آتا ہے اسکا سبب اسکے اور کچھ نہیں
کہ اس کارخانہ نے دیسی صنعت کو بام عروج پر پہونچایا اور ملکی
صنعت کا کمال چہار دانگ عالم میں روشن کیا دنیا کی
عظیم الشان نمائشوں میں اپنی مصنوعات کا مقابلہ کیا اور
اعلیٰ درجہ کے تمغے حاصل کیے ماسوا اس کے دیانت
اور خوش معاملگی کو کبھی ہاتھ سے نہ دیا آپ اپنی فرمائش
بھیجکر اس قدیم کارخانہ کو مفتخر فرمائیے عید کے
لیے اس کارخانہ کا عطر بہترین تحفہ ہے
ٹیلیفون نمبر ۱۳۶ لکھنؤ
تار کا پتہ: حنا لکھنؤ
اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ
GOLD MEDAL
AWARDED TO
LUCKNOW

مکالمہ روغنی ثم آتشی

انگلستان:- پرانا معاہدہ یہ ہے

ایران:- نئی دیاسلائی یہ ہے

انگلستان:- یعنی؟

ایران:- جس عہد پر عمل نہیں ہوتا وہ اسی قابل ہے کہ اُسے جلا ڈالو۔

اور زہر مند ہے جس میں نہ ہندوؤں کو نقصان پہنچے گا نہ مسلمانوں کو ناجائز فائدہ۔ بعض ولایتی تقریروں سے مترشح ہوتا ہے کہ حکومت انگریزی تقرر حقدات ریاست دکن اس آرزو کو جیوڈا یا گلا بر لانے والی ہے مگر یہ کوئی تصدیقی خبر نہیں۔

حکومت انگریزی نے جس وقت یا حصہ حسب اسرتضا لے حکومت نظام لیا تھا اس وقت کسی نے بھی نہ کہا۔

ہاں۔ اے صاحب! ذری ہم سے پوچھ تو لو کہ ہم تمہاری ماتحتی میں رہنے پر راضی بھی ہیں یا نہیں؟ ہاں اب یہ سوال پیدا ہو گیا ہے۔ اگر وہ وقت آیا کہ برار حکومت نظام کی جانب برآمد ہو گیا تو قسمتوں میں کچھ زیادت ہی مقصود ہے کمی نہ ہو گی۔ اس لیے کہ حکومت نظام آہستہ آہستہ مگر استقلال کے ساتھ خالص قومیت کی طرف گام فرسا ہے۔ کوئی سال ایسا نہیں گزرتا جس میں چند اخلاقی اصلاحیں اور مذہبی آسانیاں قانون کی صورت اختیار نہ کرتی ہوں۔ ان اصلاحات میں حکومت اپنے مالی فائدے کو دیگر صاحبین کی طرح مدنظر نہیں رکھتی۔ رعایا کا آرام ملحوظ رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیرونی تعصب کے ناخن حکومت کے خلاف ابھی تک گھسے اور کند ہی رہے۔

اپنے منہ سے تو متعصب اخبار بھی کا غذ خالص ہندوستانی بنتے ہیں مگر جب کسی ہندوستانی مسلمان کو ترقی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو جل بھن جاتے ہیں۔ اسی طرح کسی ہندو کی رفاہ و فلاح سے مسلمان کا دل کباب ہو جاتا ہے وہ ایک نیا مرثیہ اسلام کے حال کا گڑھ کے خود بھی روتا ہے اور دوسروں کو بھی رلاتا ہے۔ اندازہ کیجیے کہ اس حسد میں حماقت کتنی ہے۔

جب یہ اخلاقی حالت حکومت انگریزی دیکھتی ہے تو اسے ہندوستان کی خود مختاری کے خلاف ایک معقول اور سچا عذر مل جاتا ہے مع ذلک قومیت کے نعرے مارنے والوں کی دلی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے

الور وسقوط "را"

صفت جملہ غیر مقولہ کا یہ نام باعتبار عملیت اتنا مشہور ہو جاتا ہے کہ اس کی شہرت نے تمام متمدن اور مہذب مقامات کو شکست دے دی ہے۔ رئیس کا ارادہ ہے کہ اس بھاری چیز کو چوم کے زاویہ نشین ہو جائے۔ حالانکہ زاویہ نشینی بالکل غیر مفید ہے بایں معنی کہ نالائق اور متعصب یا غیر مدبر اجزائے ریاست اگر قائم رہ جائیں تو حالت جیوں کی تیوں رہے گی۔ اس ریاست میں مسلمان اہل عقل صاحب حکم ہوتے تو وہ مسلمان رعیت کی بے اعتدالی روکتے اور ہندو حاکم صاحب تدبیر ہوتے تو ہندوؤں کے بیجا تعصبات اور کٹر ہستیوں کی گردن میں پھندا لگاتے۔ یہ رئیس کی ابتدا میں لابطہ ہے اور "الور" کے آخر میں۔ پس "الور" کے تحت میں رئیس کی "را" نہ بھی رہے تو بھی "الو" کی مشاکلت ہی بہت ہے یعنی حماقت کا دور دورہ غالب رہے گا۔ ہماری رائے ہے کہ رئیس اپنے عزل سے قبل اولو العزم ایت پردار فراہم کرے ورنہ ساری محنت رائگاں ہو گی اور سقوط "را" سے اس رئیس سے کوئی راست کاری رونما نہ ہو گی۔ اگر "رے" سے "لے" بدلی بھی تو کیا ہوا۔

سنا تھا کہ راجہ غضنفر علی خاں صاحب رئیس و رعایا کے رویہ میں رواداری کی راہیں نکال رہے ہیں شاید رائے رزیں رئیس پھسا کے رہ گئی یا رحمت کی رے پر کسی نے بگ دیا کہ زحمت نادرہ بروئے کار آئی۔ ارے رے رے نہیں بلکہ ارارارا دھول۔

حقیقی قاضی

عربی حکومت میں قاضی کا کام یہی نہ تھا کہ جھگڑوں کا فیصلہ کرتا رہے بلکہ جملہ عہود و مواثیق بھی قاضی صاحب کے سامنے منعقد و مصدق ہوتے تھے۔ پس میرٹھ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی کچہری میں جو مسٹر کے این جوگلکر کی شادی مس بہاری بی اے کے ساتھ ہوئی تو بالکل برمحل ہوئی۔ قاضی کا اور کیا کام ہے۔ یہی کہ دو سر ملا دے۔ مسٹر جوگلکر بیچارے سازش کے مقدمے میں تو پھنسے ہوئے تھے ہی اب سول میرج کی زنجیر بھی پاؤں میں پڑی بالفعل دوہری قید ہے لیکن ایک ان میں سے گوارا ہے۔

مس بہاری سابق و مسز جوگلکر حال کے اہل خاندان جن مرد کے سر انھیں منڈھنا چاہتے تھے وہ انھیں مرغوب نہ تھا لہذا انھوں نے بعد سرگشتگی بسیار قید خانے میں اپنا یوسف ڈھونڈھ لیا۔ ابتدا یوں ہوئی کہ وہ سازش کے مقدمے کی کارروائی دیکھنے تشریف لاتی تھیں اسی تقریب سے نگاہ محبت کی دلالی آغاز ہوئی اور انجام اس کا یہ ہوا کہ ایک قیدی زندان محبت اسیر زنجیر زلف ہوا اگر وہ سرکاری قید خانے سے چھوٹ بھی گیا تو زلف کے جال سے نہ چھوٹے گا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اچھا کیا جو یہ ثواب کمایا۔ دو دل راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ مگر حکومت بھی کیسی زاہد خشک ہے۔ وہ چاہتی تو اپنی گرہ سے نہیں چندہ کر کے دعوت ولیمہ کر دیتی۔

تیل اور تیل کی دھار

سرکاری طور پر تو دولت انگلستان و قلمرو ایران میں صرف کاغذی "تو تو میں میں" انگلو پرشین آئیل کمپنی کی بابت ہو رہی ہے اور جب تک دونوں نقطوں سے یہ زنگ نما غبار صاف نہ ہو جائے غالباً طرفین کے زبان و قلم پر تیزی نہ ہو گی لیکن اخباری کاغذ اپنی گرم بازاری کی طمع میں اشتعال سے اسقدر بڑھ گئے ہیں کہ تیل میں خفی رنگ ملا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں سنا گیا ہے کہ "بغداد ٹائمز" (عراقی انگریزی کاغذ اخبار) دولت ایران کی شکایت پر پندرہ روز کے لیے

بند کر دیا گیا یہ غریب عراق میں تھا اس وجہ سے تیل
گھونٹنے والوں میں اس کا شمار تھا لیکن سنڈے کرانیکل
ہے لندن میں اس کی گردن تک ہاتھ پہونچنا مشکل ہے
آج کل میاں سنڈے کرانیکل شاہ پہلوی کی ذات پر پھبتیاں
چوٹیں کر رہے ہیں۔ مثلاً:۔
شاہ اپنے استیلا میں اینگلو پرشین آئل کمپنی
کا منت گزار ہے۔ شاہ صاحب یاد فرمائیں
۱۹۲۵ء کا زمانہ جب کہ فوجی مصارف کا بار اسی کمپنی
کے ٹیکس پر تھا۔ فوج ہی کے بل بوتے پر میاں کی
سلطنت قائم ہے۔ (نئی بات ہے) آج فوج بگڑ
بیٹھے تو ساری شاہی فیچہ مسہل قوی ہو کے رہ جائے
وزیر مالیہ سے پوچھو تو ان کے پاس جھنجھی کوڑی
نہیں۔ فوج کی تنخواہ کہاں سے دیں گے۔ یہی
کمپنی ہے جو شاہ صاحب کو دس لاکھ پونڈ سالانہ
ادا کرتی تھی۔ حالانکہ ٹیکس کی صحیح رقم تین لاکھ
پونڈ سالانہ سے کچھ زیادہ ہے۔ ایران کا عملہ
پرلے سرے کا رشوت خوار اور خائن ہے۔ ہر جگہ
سے۔ ویرہ دھول کر کے اپنے ڈبے میں رکھ لیتا
ہے حکومت کو چھچھو بناتا ہے۔ گورنروں کا یہ
حال کہ مالیہ وصول کرنے میں انتہائی سختی کرتے ہیں دو
زمینداروں کو پکڑا اور ان کی ٹانگیں تراش ڈالیں۔
ایک کو زندہ دیوار میں چن دیا۔ دو کی آنکھیں نکال
لیں۔ شاہ صاحب کے بنائے کچھ نہیں بنتی۔
خوزستان کے گورنر صاحب ہیں تو چالیس پونڈ
ماہوار کے تنخواہ دار مگر سات ہی مہینے میں چالیس ہزار
پونڈ جمع کر کے چلتے ہوئے۔ ایک طوفان بے تمیزی
ہے۔ اہل بصیرت انقلاب جدید کی آرزو رکھتے
ہیں۔ ہر جگہ بدامنی ہے اور اس بدامنی میں کمپنی کی
جائدادیں بھی گھری ہوئی ہیں۔ الخ
سنڈے کرانیکل صاحب سے کوئی پوچھے کہ اینگلو پرشین
آئل کمپنی نے غیر واجب ٹیکس کیوں ادا کیا جو ایران کو
چاٹ پڑی۔ اگر اس ماوجب ٹیکس نے استقلال
کی صورت اختیار کر لی ہے تو پھر یہ ناواجب رقم واجبی
ہو گئی اس میں حیلے حوالے کی ضرورت ہی کیا ہے
بہرحال ان اخباری کاغذوں کی آتش بیانی ممکن ہے
کو پٹرول میں آگ لگا دے مگر خدا محفوظ رکھے۔

پاگل خانے کی سیر

خدا بچائے۔ اور کسی باحواس کو پاگل خانے نہ لے جائے۔
شاعر بالکل سچ کہتا ہے ؎

دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند

دکن کی ایک مشہور بیگم (مسز ہمایوں مرزا صاحبہ) نے بڑا دل
کیا جو مدراس کے پاگلوں کی قصداً زیارت فرمائی۔
اس پاگل خانے میں تین سو [illegible] ایک [illegible] مرد اور عورتیں
بو علی سینا کی کہی۔ حکایت ہے کہ انھوں نے پہلے
سے ایک مجنون کا [illegible] تھوڑی دیر کے لیے التفات فرمایا۔
مگر فوراً ہی "فصاد" کو بلا کے "سر و" کی فصد کھلوائی
لوگوں نے پوچھا "یہ کیا؟" جواب پایا "اگر میرا دماغ جادۂ
عقل و اعتدال سے منحرف نہ تھا تو کیوں ایک مجنون کی باتوں
میں لگا"۔
یہ تو معلوم نہیں کہ بیگم صاحبہ نے پاگل خانے سے نکل کے عقل کو
ٹھکانے لگانے کے واسطے کیا تدبیر فرمائی بیگم صاحبہ کہتی ہیں
دراصل سیر کی مگر چند دیوانوں کے علاوہ باقی سڑی
زن و مرد اس پاگل خانے میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ جب تک
بدحواس ہوں یا ننگے، انھیں مختلف کام دیے جاتے
ہیں یعنی غم روزگار سے ان غریبوں کو پاگل خانے میں بھی
چھٹکارا نہیں۔ بیگم صاحبہ لکھتی ہیں کہ عیسائی عورتوں
کی تعداد اس پاگل خانے میں زیادہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ ہندو اور مسلمان عورتیں پردے کی وجہ سے گھروں کی
چار دیواری میں گھٹ گھٹ کے بغیر علاج مر جاتی ہوں گی جب
کہ پاگل خانے میں نہیں ہیں۔ سب بات خیال ہے پردہ وہ بھی خوب چیز
ہے لیکن شکر ہے کہ وہ مرض سے نجات پا لیں یا نہ پائیں کم از کم
رسوائی اور بازار یا ہزاروں کی محفل کو اس مردوں میں برہنہ
پھرنے کے خوفناک نتیجے سے محفوظ رہتی ہیں ایک پردہ دار کے
لیے یہ فضیلت بہت بڑی چیز ہے۔
بیگم صاحبہ آجکل سیاحت کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔

سمن واسطے قرار داد امور تنقیح طلب

نمبر مقدمہ ۳
بعدالت جناب سید اعزاز رسول صاحب بہادر اسسٹنٹ کلکٹر
درجہ اول سندیلہ ضلع ہردوئی
کنج بہاری لال ولد پیارے لال قوم [illegible] ساکن موضع کملی
پرگنہ و تحصیل سندیلہ ضلع ہردوئی مدعی

بنام

[illegible] ولد گیا پرشاد قوم [illegible] ساکن موضع کملی پرگنہ و تحصیل سندیلہ
ضلع ہردوئی۔ مدعا علیہ
ہرگاہ کہ مدعی نے تم پر ایک نالش بابت [illegible]
[illegible]
[illegible]
دس بجے دن کے بجلاس سندیلہ [illegible] وکیل کے جو مقدمہ
کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور کل امورات اہم
متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو
کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعویٰ
کی کرو اور تم کو لازم ہے کہ اسی روز جملہ دستاویزات پیش کرو
جن پر تم بتائید اپنی جواب دہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو
تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے
تو مقدمہ بغیر حاضری تمھارے مسموع اور فیصل ہوگا۔
بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۲ ماہ
جنوری سنہ ۱۹۴۳ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بحروف انگریزی

مہر عدالت

غذائے روحانی

معارف النغمات

یعنے

وہ بے نظیر کتاب جس نے سچ مچ ہوا میں گرہ لگائی

اور

ایک گراموفون کی طرح سُروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کاغذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے

اس کے حصہ اول کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ تا حال موسیقی کے جزو علمی پر

اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی اب اسی کتاب کے

حصہ دوم میں مصنف نے

اساتذہ فن کے علم سینہ

کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنے

تان سین کے عہد سے لے کے زمانہ حال تک صدہا اساتذۂ فن کی گائکی اور اُنکے گلے سے نقل کی ہوئی دُھرپد اور ہوری کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے

اُستاد محمد علی خاں

میاں تان سین کے آخری یادگار ہیں صدہا راگوں کی دھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں اُنسے نقل کی گئی ہیں لطف یہ ہے کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز کو سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیے گئے اُسی طرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جسطرح کہ اُستاد خود تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں انکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایہ نازش بھی آپکو اس کتاب میں ملیگا حقیقت یہ ہے کہ مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ حصہ دوم نہایت مستقل اور تعلیم شدہ خاندانی استادوں کا سرمایہ ناز اسمیں موجود ہے۔ قیمت پانچ روپیہ محصول ڈاک بہرحال ذمہ خریدار۔ المشتہر منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

توجہ شرطے

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے اور بے نتیجہ مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مداریوں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس مسخری کی تقلید بھی کرتے ہیں اور اگر یہ بھی اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت رائے کی اصابت بے رو رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج و واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائینگے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

(قواعد و ضوابط)

(۱) اجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) کم مایہ شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی۔ یعنی چار روپیہ (عه) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انہیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرالیں۔ حام درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں منصب یا نامداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حیثیت ہے۔

(۴) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گم ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کی اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دو تکانے بر بنائے مندرجہ نہیں سیدھی کہ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی علامت ہے بس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گمشدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۵) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہ ہونگے وہ شائع نہ ہوں گے اور انکی واپسی پر ہم مجبور رہیں گے۔

(۶) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور انفرادی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو۔

نوٹ ضروری:۔ جو حضرات خریدار ہیں انہیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ انکے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جواب طلب امور کے لیے کارڈ یا لفافہ آنا لازمی ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

ذرا ٹھونڈ کر دہم ہوتی سمجھتے رہی

ٹھونڈ پائن تو گیے لاگ کے پھر سے ہی ٹین — پھر تو اٹھ کر سوئیں کر دونو جگائے جاگن

اودئی مرا ہوت مجھرے ہیں جو تنک صبحت بھیٹن — ٹینٹ مال ہمرے روپیا میں لووں لاگن

ہم کہا کاکہو بولیں چونتین پتیم

کوٹ لنگال مٹنے کی لگیتن پتیم

دس روپیا میں بس ٹینٹ مال ہم کھول دیہا — اور کہا لیو پرات آج سیاؤ لہنگا

پھر کہا ان سے کا بہو جو بلیبا تم کا؟ — بولیں ہم کا کہی یہ حال تو جانے د دیا

سن کے یو انس تو انکھن بات تنک بھرلان

ہم مدا گھوڑ یہ اسوار بھئین گھر آئن

پنچ:- حضرت دیہاتی زبان کا لہجہ نباہنے کے لیے اس سے زیادہ علامات صوت (اعراب) کی ضرورت ہے۔ ان کے عجیب و غریب ڈھنگ اور بڑے بھانگ در کار تھے یہ (علامات) لکھنے کے واسطے اگر مخصوص علامتیں مقرر کر دی جائیں تو بہتر ہے۔ خیر آیندہ اشاعت میں غالباً ہم کچھ مشورہ اس باب میں دے سکیں۔ نتائج شدہ بہ اگر ل سکے تو لکھ بھیجیے۔ لطف غیر مکمل رہا جاتا ہے۔ اور اس دیہاتی فصیح کا اسم گرامی بھی مطلوب ہے۔ والسّلام۔ (حقوق محفوظ)

غزل

(از دانشمند یگانہ حضرت احمق پھپھوندوی)

دولت و ثروت کے بدلے نکبتِ افلاس ہے — اب مسلمانوں کا مستقبل سراسر یاس ہے

سخت جانی کو تمہاری نازکی کا پاس ہے — ورنہ خنجر کا جو دعوی ہے یہ سب بکواس ہے

ایک وہ ہیں کوئی جج کوئی منسٹر کوئی لارڈ — ایک ہم ہیں جن کی قسمت میں فقط چپراس ہے

کچھ دنوں میں حال کیا ہونا ہے ملک و قوم کا — یہ وہ سمجھیں جن کے پہلو میں دل حساس ہے

ہو مبارک اسپ دل کو سبزۂ خط کی نمود — کیا ہی بہتر کیا ہی عمدہ کیا ہی اچھی گھاس ہے

ہیں بہت ایسے جنھیں ہے مرغ دریانی سے کام — کم ہیں ایسے جن کو درد قوم کا احساس ہے

دیکھیے تو خوشنما اور سونگھیے تو کچھ نہیں — مغربی پھولوں میں بھی انگریز کی بو باس ہے

درد ہے دل میں تو آنکھیں بھی ہیں نم سے اشکبار — دوستوں کو دوست کی تکلیف کا احساس ہے

کام اگر دیکھو تو کوئی شمر ہے کوئی یزید — نام اگر پوچھو تو اصغر ہے کوئی عباس ہے

رنگ کیسا خوشنما ہے ذائقہ کتنا لذیذ — "پھوٹ" ہندوستاں کی اس ہے

گفتنی و ناگفتنی سیکھ لیتے ہم تو کیوں بنتے ذلیل — کیوں ہر اک سے کہتے پھرتے نیند بھی لے پاس ہے

حالتِ بیمار ہجراں سے گہ قابل نہیں — آپ جس کو غیر ہی کہتے ہیں وہ آماس ہے

حضرت واعظ سے احمق دور رہنا چاہیے

ان بزرگوار کو عقیدت رشتِ افلاس ہے

یہی تو ہے طویلے کی بلا بندر کے سر جانا

(از جناب سید ضمیر حسن صاحب خاہ بنارسی)

بڑی مشکل ہے اتنا میں نے اب وہ تنہ گر جانا — کہ تیرا کام ہے برباد کرنا اور مکر جانا

جو آئی تھی جوانی تو جوانی کو ٹھہرنا تھا — یہ کیا ترکیب ہے آخر ادھر آنا ادھر جانا

اگر ان کا ٹھکانا ہے تو میرا بھی ٹھکانا ہے — انھیں آتا ہے گھر جانا مجھے آتا ہے مر جانا

یونہی اک عمر گزری صحبت صیاد میں اپنی — کبھی اس کو ڈرا دینا کبھی خود اس سے ڈر جانا

ہزاروں ہر دمے مجنوں جو شن خستہ تیرے گا تھا — ہمارا ذکر ہی کرنا اگر لیلیٰ کے گھر جانا

انھیں اغیار نے چھیڑا ہے اور مجھ سے بگڑتے ہیں — یہی تو ہے طویلے کی بلا بندر کے سر جانا

غزل کہوانی لے آخا ملت نے شارٹ نوٹس میں

غنیمت ہے کہ یاروں نے مجھے بھی شعر گر جانا

"پرتاپ گڑھ کا نذرانہ"

(ایک بیوقوفی کی گپ)

ڈپٹی الملک مجسٹریٹ الدولہ مسٹر او دھ ضلع شاہ بہادر اطال اللہ رشوتہ و بدوتہ۔ بعد از سلام علیک کے رشوت عرض کرتا ہوں۔ آپ کی نیک ذات کی مستانہ چال اور بلند پایہ خیال کی بلندی کو دیکھ کر جی میں آتا ہے کہ آپ کو کسی مقام کا ڈپٹی کلکٹر یا کمرا انا شودہ اسے تو بہ۔ آنریری مجسٹریٹ بنا دوں تاکہ آپ بیچ الذیل دانستہ ترکی مقام پر ظاہرہ پر جلوہ افروز ہو کر ایات حق کو ناحق اور ناحق کو حق کیا کریں اور اپنے فیل خانہ یعنی گھر میں بیٹھ کر آسن جائے "رام رام جپنا پرایا مال اپنا" کا منتر جاپ کر کے دست غیب حاصل کریں۔ بس پھر تو آپ کی کشش ارادی سے گھر بیٹھے راجہ مہاراجہ کے محلوں سے نوٹوں کی گڈیاں اور روپے کی تھیلیاں کھنچ کھنچ کے آپ کے توند اقدس کے خزانے میں جمع ہوتی رہیں گی۔ اور رفتہ رفتہ آپ کے شکم مبارک کی بھٹی میں کشتہ ہو کر بھسم ہو جائیں گی۔

قابل گزارش یہ امر ہے کہ کل رات کو لیٹے لیٹے آپ کے اخبار ظرافت بار کا مضمون "بن ٹونٹی کا بدھنا" نظر سے گزرا۔ پڑھنا تھا کہ دل لوٹ پوٹ ہو گیا۔ مادۂ حیوانیہ کی ہنڈیا میں ابال آیا۔ اور ایک امنگ پیدا ہوئی کہ چلو اس بن ٹونٹی کے بدھنے اور بن پیندے کی گگری کا ہم بھی امتحان کریں۔ چنانچہ رات ہی رات مقام مقصود پر پہونچ کے جوڑے کا امتحان کیا۔ وہ لطف ملا کہ شاید و باید۔ آپ کے اس بن ٹونٹی کے بدھنے کے مضمون کو پڑھ کر بعض گنگا جی کے کنارے پر بسنے والے تو جل بھن کر

انگاروں پر لوٹنے بعض مٹکے ناچے۔ شہر کے بعض لمبی داڑھی والوں کو حال آگیا اور ایسے بے حال ہوئے کہ اسی سراسیمگی میں پرتاب گڈھ سے بھٹک کر الہ آباد پہونچ گئے۔ اجی حضرت آپ کو کیا خبر کہ یہاں ایک دو نہیں بلکہ ایسے کئی بدھنے موجود ہیں سوئچ دیوتا کی پرستش کرنے والے بعض پولیس کانسٹبلان تو اکثر بن ٹونٹی کا بدھنا ہی اپنے استعمال میں رکھا کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ کبھی کبھی بعض مخروں کی بدولت عدالت کی کرسی پر بھی بن ٹونٹی کا بدھنا دھرا ہوا نظر آتا ہے۔ خیر اب ان بدھنوں کو لات ماریے۔ اور ایک ذو حیثی زندہ عجائب خانے کی سیر فرمایئے۔ جہاں آج کل سفید بھالو۔ بے سونڈ کا ہاتھی۔ خشکی کا کچھوا۔ بزکرہی وغیرہ وغیرہ سامان سجے بجے ہوئے ہیں۔

یہ عجائب خانہ صرف عالم رویا میں نظر آتا ہے۔ اگر آپ کا دل چاہے تو تھوڑی سی بھنگ پی کر مختلف جانوروں کا تصور صادق کیجیے اور یہ نیت باندھ کر مرغ نوم کو اپنی آنکھوں کی دھابلی میں بند کر لیجیے کہ "آنکھیں بند کرتا ہوں میں واسطے معائنہ عجائب خانہ کے منھ میرا طرف پرتاب گڈھ کے قربۃً الی الشیطان" بس آنکھیں بند ہوتے ہی آپ اس زندہ عجائب خانہ میں لیٹے ہی لیٹے پہونچ جائیں گے اور قدرت خدا کا تماشا دیکھیں گے۔ آپ کے اطمینان قلب کے لیے ہم مختصراً ہر جانور کے حالات بھی تحریر کیے دیتے ہیں۔

۱- سفید بھالو۔ آپ نے سڑکوں پر بعض مداریوں کو ڈگڈگی بجاتے اور سیاہ اور بھورے بھالو نچاتے تو اکثر دیکھا ہوگا۔ مگر سفید بھالو آپ کو آج تک کسی مقام پر نظر نہ آیا ہوگا۔ اس بھالو میں یہ عجیب صفت ہے کہ جس طرح یہ منھ سے پانی پیتا ہے اسی طرح دم کی طرف سے بھی۔ گویا یہ بھی ایک قسم کا بن ٹونٹی کا بدھنا ہے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ سفید بھالو کا ایک جوڑا افریقہ کے جنگل سے خدیو مصر نے پکڑوا کر قاہرہ کے زو میں بھیج دیا تھا اُس کی نسل بڑھتے بڑھتے اب یہاں تک پہونچ گئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲- بے سونڈ کا ہاتھی:- یہ ایک عجیب الخلقت جانور ہے جس کے نہ دم ہے نہ سونڈ۔ جب ایجانب نے اس حیوان بشکل نیم انسان کے ہیولے کا معائنہ فرمایا تو عقل چکر کھاتی ہو گئی۔ آنکھیں مثل حلقۂ زنجیر فیل کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ مارے دہشت کے در جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ سمجھے کہ شاید فیل پا ہو گیا۔ اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے رک گئی۔ کچھ دیر تو سکتے کا سا عالم رہا کہ یکایک فیلبان وقت نے اپنا آنکس فیل دماغ کی مستک پر مارا تو عقل چوکنا ہوئی۔ سوچے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ کسی ہوشیار فیلبان نے محض کھانے کمانے کا ڈھکوسلا لگانے کے لیے اس ہاتھی کی دم اور سونڈ تراش دی ہو۔ جس طرح بعض بعض مداری برہمن کسی بچھیا کی ٹانگ کاٹ کے اپنی گئو ماتا کی پشت پر اس طرح چپکا دیتے ہیں کہ پیدائشی معلوم ہونے لگتی ہے۔ اور پھر اس گائے کو سجا سجا کر اپنی بھیک کا ٹھیکرا بنا لیتے ہیں۔ یہ سوچ کر اُس کی مستک کو غور سے (مگر دور سے) دیکھا تو کہیں تراش خراش کا نشان تک نہ پایا۔ اب دل نے کہا چلو اس کی دُم کا جائزہ لیں۔ ڈرتے ڈرتے اس جانور کی پشت پر گئے اور کچھ دور پچھلے پیروں پیچھے کھسک کر ادھر جھک کر دیکھا تو مسٹر ڈارون آنجہانی کا فلسفہ یاد آگیا اور سمجھے کہ دُم کثرت استعمال یا کرسی کی رگڑ سے معدوم ہو گئی۔ اب کھوج ہوئی کہ یا الٰہی یہ کیس مادہ کے پیٹ کی غلاظت کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ انگلش آفس دوڑے۔ گزیٹیر نکال کر الٹا پلٹا مگر کہیں سے اس جانور کی ہسٹری کا پتا نہ چلا۔ آپ جانیے جوئندہ یابندہ۔ رفتہ رفتہ یہ پتا لگا کہ یہ فیل بےدم خدیو مصر کے کسی ہاتھی کی نسل سے ہے جس کی مادر مہربان کو ہندوستان کے ایک راجہ نے خرید لیا تھا۔ اس کی سوانح عمری جو کچھ سننے میں آئی ہے اُس کو جناب کی نذر کرتے ہیں۔ کانوں کی سنی کہتے ہیں۔ آنکھوں کی دیکھی کہتے نہیں۔ عذاب ثواب پڑھنے اور سننے والوں کی گردن پر۔ ایک تھا راجہ۔ اُس کو شیر کے شکار کا بڑا شوق تھا۔ سیکڑوں ہاتھی پال رکھے تھے۔ ان ہاتھیوں میں ایک ہتھنی سکنتلا نامی تھی جس کو راجہ نے ملک مصر سے منگوایا تھا یہ ہتھنی بڑی شکاری تھی۔ راجہ اُس کو بہت پیار کرتا تھا۔ ایک دن راجہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر اس ہتھنی سے بچہ لیا جائے تو وہ بھی بڑا شکاری نکلے گا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ ایک چہار دیواری کھنچوائی گئی اور ایک خوبصورت ہاتھی چنا گیا۔ بڑے بڑے پنڈت اور جوتشی بلائے گئے۔ نیک ساعت اور اچھی صورت دیکھ کر اس چہار دیواری کے اندر وہ ہاتھی سکنتلا ہتھنی کے ساتھ ہنی مون منانے بھیج دیا گیا۔ بی سکنتلا گابھن ہوئیں ہیں واقعہ کے چند مہینے بعد کسی صاحب بہادر کی راجہ کے پاس چٹھی آئی کہ صاحب بہادر شیر کے شکار پر جانا چاہتے ہیں۔ لہذا سکنتلا ہتھنی شکارگاہ کو بھیج دی جائے۔ اس چٹھی کو پا کر راجہ کے آئے حواس جاتے رہے۔ مگر حکم حاکم مرگ مفاجات۔ چار و ناچار بھیجنا ہی پڑا۔ شکار کے دن صاحب بہادر اس ہتھنی پر سوار ہو کر شکارگاہ پہونچے۔ ہونا تھا کہ شیر ڈہکارا۔ ادھر ہتھنی نے چنگھاڑ ماری دفعتہً صاحب بہادر کے پیچھے کسی بم کے گولے کے پھٹنے کی سی آواز آئی۔ صاحب بہادر کی عقل گول ہو کر بیہودہ بن گئی۔ سمجھے کہ کوئی انارکسٹ آگیا۔ ڈر کے مارے جھکے اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک بے دُم اور بے سونڈ کا بچہ نظر پڑا۔ معلوم ہوا کہ ہتھنی کا حمل ساقط ہو گیا۔ صاحب بہادر نے اس بچہ کو اٹھوا کر راجہ کے پاس بھیج دیا۔ راجہ کو اس پاٹھے سے خاص اُنس ہو گیا اُس کی پرورش ہونے لگی۔ اب کیا تھا بقول ہماری کھلائی کے "ہاتھی جھومتا بھلا کھاتا قند کا ڈلا۔ پیتا دودھ کا گھڑا" موجیں کرنے لگا۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی بڑے بڑے ڈاکٹر، ڈاکٹر، سائنسداں۔ پروفیسر اس عجیب الخلقت پاٹھے کے درشن کو آنے لگے۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ قبل از وقت پیدائش کی وجہ سے سونڈ اور دُم کی ساخت باقی رہ گئی۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ خیال خام ہے۔ جب ایک عورت گائے کا ایسا بچھوا

چارہ گر و دردمند

"پی لو۔ میری جان پی لو۔ پی لو۔ پی لو۔ شاباش اس کے بعد شربت پینا جب یہ ہضم ہو جائے تو پھر دس برس بعد مربے کھانا"

ہو سکتی ہے کہ آخر ایک ہتھنی نے کیا قصور کیا ہے جو وہ ایک انسان سے ملتا جلتا بچہ نہ جن سکے۔
الغرض راجہ اس پاٹھے سے اپنا دل بہلایا کرتا تھا۔ ایک دن صبح کو جب راجہ اپنے محل سرا سے برآمد ہوا تو اس پاٹھے کو فیل خانے میں نہ پایا۔ اب کیا تھا قیامت بپا ہو گئی۔ راجہ نے زمین آسمان ایک کر کے ہاتھی کے ہودے کی طرح سر پر اٹھا لیا۔ چاروں طرف سوار پیدل دوڑائے گئے۔ آخر بعد کوشش بسیار یہ پاٹھا ایک گھوڑے پر چڑھتا پایا گیا۔ اس دن سے راجہ نے اس کو گھوڑ چڑھا کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ کچھ دن بعد جب راجہ بیکنٹھ باشی ہوا۔ تو فیل خانہ درہم برہم ہو گیا۔ یہ پاٹھا بھی بچپن تڑا کر بھاگا۔ اور اس دن سے آوارہ ہو کر شہروں شہروں قصبوں قصبوں مارا مارا پھرنے لگا۔ مگر ہاتھی پھر سے گاؤں گاؤں جس کا ہاتھی اس کا ناؤں تمام تھا۔ تک اس ہاتھی کو لوگ راجہ کا ہاتھی کہتے ہیں۔ یہ ہاتھی کبھی کبھی چھوٹ کر جس گاؤں میں پہنچ جاتا ہے دہائی مچ جاتی ہے۔ بڑے بڑوں کے گھروں میں گھس کر اس نے نوٹوں کی گڈیاں کی گڈیاں چرا ڈالیں۔ شکایتوں پر شکایتیں ہونے لگیں۔ آخرکار سرکار بہادر کو اس کے خلاف دفعہ ۱۴۴ نافذ کرنا پڑی اور یہ ہاتھی گڑک مرغی بنا دیا گیا۔ آہ کیا معنے کہ اس کو حکم دے دیا گیا کہ بس ایک مقام پر بیٹھا ہوا انفرنی انڈے سے کر سونے کے بچے برآمد کیا کرے۔

(باقی دارد)

دودھو

آہ! آج ہم بھی فقیہ اور مولوی ہوتے تو اس مزے دار بحث میں شریک ہو جاتے جو ہمارے مہربان مولوی ملیح آبادی صاحب مؤلف "ہند جدید" کا گھر نے چھیڑی ہے اور جس کا ماحصل یہ ہے کہ میاں اپنی جورو کا "دودھو" پی سکتا ہے یا نہیں؟
اگر کوئی داڑھی مونچھوں والا طفل شیر خوار بن جائے تو جورو اس پر بطور ر اتا کے محرمات میں داخل

یا تجدید نکاح کی ضرورت ہو۔ تجدید نکاح سے اس مقام پہ فائدہ ہی کیا ہوگا؟ کیا معنے کہ جب جورو کے دودھ سے میاں کا گوشت پوست بن چکا تو نکاح کے دو بول پھر سے پڑھے جانے پر وہ گوشت تحلیل ہو جانے سے رہا۔ نکاح محلل زوجہ ہے محلل گوشت و استخواں نہیں۔ ضرور ہے بشرطیکہ جورو زبان دراز ہو۔ انشاء اللہ ساری کھلائی پلائی ایک جھڑکی میں نکل جائے گی (پیچ)۔
اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اب لیجیے پہلی شق۔
اصل یہ ہے کہ جورو کا دودھ کیسا موت بھی جس کا جی چاہے پیے۔ کسی کا اجارہ نہیں۔ مگر بعد رضاعت کی عمر گزر جانے کے انا یا ماں کا دودھ داخل خبائث خیال کیا جاتا ہے اور خبائث کی حرمت بجائے خود ثابت ہے (وَیُحَرِّمُ عَلَیْکُمُ الْخَبَائِثَ) اگرچہ اس کی کوئی حد (سزا) وارد نہیں ہوتی۔ حمل و فصال کے تیس مہینے ہیں (۶ ماہ اول مدت حمل اور ۲۴ ماہ رضاعت) رہ گئی جورو تو اس کا کام شرع کے نزدیک دودھ پلانا ہرگز نہ تھا ورنہ اس کے احکام ضرور حدیث میں موجود ہوتے یعنی "وانہ واخلکم اللتی ارضعنکم" قرآن یا
تمہاری بیبیاں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا
حدیث میں موجود نہیں
جورو کا دودھ پینے میں بھی جھگڑا صرف اتنی سی ہے کہ وہ حیوان غیر ماکول اللحم ہے اور جس جانور کا گوشت حلال نہیں اس کا دودھ بھی حلال نہیں۔ لیکن شرع نام ہی حیلے کا یعنی اس کے جواز و عدم جواز میں اختیارات ہوں۔
داخل ہے۔ ہر ممنوع و محظور شئے اضطرار شرعی کے سبب جائز ہو جاتی ہے پس اگر کسی شوہر کو اپنی سرکش نافرمان کو مشغول چھیڑوں سے بیزار کر کے ترش رو بھی بنا کر بی گھروتی کی محبت کو "ماما" کی حد تک پہنچانا بربیل اضطرار

پولیٹیکل مداری کی رسی میں الجھن

ہو کے حرام ہو جاتی ہے یا کیا؟۔
دوسری شق کے لیے فقہ کا مشہور کلیہ موجود ہے۔
"اِنَّ الْحَرَامَ لَا یُحَرِّمُ الْحَلَالَ" (یعنے فعل حرام اس حلال امر پر اثر نہیں ڈالتا جو کسی شخص پر پہلے سے حلال ہو) لہذا یہ تو ہو نہیں سکتا کہ "اے جی" کی چھاتی منہ میں لیتے ہی جورو سے "اماں باوا" بن بیٹھیں اور وقت بے وقت میاں کو یہ کہہ کے دھمکائیں کہ "دیکھو جی تم نے میری فلاں بات نہ مانی تو اللہ جانتا ہے مہر کے ساتھ دودھ بھی نہ بخشوں گی"

اودھ پنچ لکھنؤ ۔ ۳۲ مئی ۱۹۱۲ء | رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳ | جلد ہشتادم

سنہ ۱۹۳۳ء
REGISTERD M. A.
ظریف ہفتہ وار
LUCKNOW
OUDHPUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
अवधपंच
लखनऊ
قیمت پیشگی
سالانہ ...... صہ
ششماہی سے
M.B KHAN ARTIST LUCKNOW
قیمت فی پرچہ دو آنہ

جلد ۱۸ نمبر ۵

مضامین ۲

(مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۳۳ء)

نظم

(از داشمند یگانہ حضرت [illegible])

پیا نا شیب سے مجبور ہیں ہم — مکلف مگر تا بہ مقدور ہیں ہم
سمجھ لی بہت گو حقیقت بتوں کی — حقیقت سے لیکن بہت دور ہیں ہم
یہ حالت ہے اب ضعف پیری سے اپنی — کہ مثل حسب مفقود ہیں ہم
ہوئے چشمہ آب حیواں تو حاصل — مگر چشم عالم سے مستور ہیں ہم
جوانی گئی اور آیا بڑھاپا — کبھی مشک تھے اب تو کافور ہیں ہم
یقیناً ہے اسلام للّٰہ لیکن — یونہی اس کی خدمت پہ مامور ہیں ہم
ہمیں تھے کہ مشکور و ممدوح ہم تھے — ہمیں ہیں کہ سب سے مقہور ہیں ہم
زمانہ کہیں کا کہیں جا کے پہونچا — مگر جس جگہ تھے بدستور ہیں ہم
رہے ہیں کہیں دب کے گو دوست کالے — مگر وہ ہیں ہندو تو لنگور ہیں ہم
یہ کیا کم شرف ہے کہ روز قیامت — ترے منہ والوں میں محشور ہیں ہم
نہ مہر و عیت نہ اخلاق و مدارا — اسی حسن سیرت پہ مغرور ہیں ہم

حماقت کی بھی قدر ہوتی ہے احمق
ہمیں دیکھیے کتنے مشہور ہیں ہم

پرتاب گڈھ کا زندہ عجائب خانہ

(گزشتہ کی دُم سے پیوستہ)

(۲) خشکی کا کچھوا - عجیب حالات کا جانور ہے گو مرنجان مرنج سب بے ضرر۔ بچے بھی اگر شفقت کو ہاں آسا پر دست شفقت پھیریں تو کاٹنا تو درکنار اپنی ڈھالی سے منہ تک نہ نکالے۔ یہ کچھوا پانی کے بجائے خشکی میں رہتا ہے۔ اور چلتے وقت ہوا میں اس طرح ہاتھ پاؤں مارتا ہے جیسے دریائی کچھوا پانی میں۔ یہ کچھوا انبارس کے شکستہ قلعے کی ایک کھو میں پایا گیا تھا۔ انسانوں میں رہ کے اتنا سمجھدار ہو گیا ہے کہ اگر کوئی تحقیقات اُس کے سپرد کر دی جائے تو ایسی شے کی کوڑی لاتا ہے کہ بڑے بڑے تجربہ کاروں کی عقلیں حیرت کی گڑھیا میں ڈبکیاں کھانے لگتی ہیں۔ غرضکہ ایک نہایت دلچسپ جانور ہے۔

(۳) بزرکوہی - آپ نے افغانی اور تبتی بکرے تو اکثر دیکھے ہوں گے مگر یہ بزرکوہی عجیب شکل و شمائل کا جانور ہے۔ سب سے پہلے یہ مانک پور کے شکستہ قلعے کے کھنڈروں میں چرتا دکھائی دیا تھا۔ طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ لوگ وسیوں یا امیرت غریب بھلا یا غریبین) گناہان صغیرہ و کبیرہ کے عادی ہو رہے تھے اتفاقاً اس بکرے پر ایک طوائف جان کی نظر پڑ گئی۔ جو کسی ٹوٹے کھنڈر میں رفع حاجت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ اس طویل القامت اور عجیب الہیئت بکرے کو دیکھ کر اُس کے منہ میں پانی بھر آیا سوچی کہ اگر قصبے کے صغیرہ و کبیرہ کی بدولت کبھی کوئی بھیک کا ٹھیکرا ہاتھ لگ گیا یعنے کوئی ننھی منّی جان پیدا ہو گئیں تو اس کے عقیقے کے معوّذ اس صفت کے بکرے پر سنت نبوی جاری کر دوں گی۔ بایں خیال عاقبت اندیشی اس نیک بخت نے درختوں کی ہری ہری شاخیں اور سبز باغ دکھا کر رفتہ رفتہ اس کو رام کر لیا۔ چند روز بعد اس کی وحشت ایسی غائب ہو گئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اب تو بازاری لونڈے اُس سے دل بہلانے اور جھبوا کے نام سے پکارنے لگے۔ مگر بر عکس نہند نام زنگی کافور۔ رنگ تو اسا نام مہتاب۔ (نام بھی رکھا تو الٹا خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا)۔ خاص قابل رشک بات اس میں یہ ہے کہ ہے تو بکرا مگر قسمت کا سکندر ہے۔ بی طوائف جان کو اس بکرے سے خاص اُنس تو تھا ہی۔ رفتہ رفتہ بڑے بڑے راجہ مہاراجہ بھی اس سے مانوس ہو گئے۔ پھر کیا تھا۔ پہلے تو محض گھانس پھونس پر بسر ہوتی تھی۔ مگر اب روٹی دال کا سہارا ہو گیا۔ ادھر گیا یہ چرا۔ اُدھر گیا وہ چرا۔ نہ روک تھی کہیں نہ ٹوک۔ حد یہ ہے کہ راجاؤں کے گھر کے بڑے بڑے اونی قالین۔ میز پوش وغیرہ جن پر بیل بوٹے بنے ہوئے تھے اس نے لاوارث کا کھیت سمجھ کر چر [illegible] کبھی [illegible] چوں تک نہ کی۔ اس بکرے میں یہ خاص صفت ہے کہ [illegible] کبھی چار [illegible] کے بجائے دو ٹانگوں سے بھی چلتا ہے۔ موٹر پر بیٹھنے کا تو اس درجہ مشتاق ہے کہ بقول بو الطیفن جب پیٹ میں بڑا اپھارا ہو تو کوئی دستی لگا تیار [illegible] کہیں موٹر دیکھی قلانچ مار کر موٹر میں داخل ہو گیا۔ ہم نے بڑھ کے [illegible] حسب نسب کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ بز [illegible] کی نسل سے ہے جبھی تو جاہل ہونے کے باوجود اگر اس سے کوئی سوال کیا جائے تو کان پھٹپھٹا کے اور سر مع ریش فش ہلا کر اپنی بولی میں ہاں یا نہیں ضرور کہہ دیتا ہے۔ یہ بکرا سینگیں نہ ہونے سے [illegible] تھا لیکن اس کی لمبی ڈاڑھی نے بھرم رکھ لیا۔

اب تو یہ رات دن مانک پور ٹاؤن کی ہری بھری کھیتی اور قبرستان کی ترائی چراگاہ میں گھانس چرا کرتا ہے۔ لیکن بی طوائف جان کے خوف سے کسی شخص میں اتنی ہمت نہیں کہ اس کو کانجی ہوس میں بند کر سکے۔ مگر بقول بو الطیفن بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی اگر یہی لیل و نہار رہے تو اندیشہ ہے کہ کہیں ایک نہ ایک دن یہ غریب کسی وہم پرست کے ہاتھوں شیخ سدو پر بھینٹ نہ چڑھ جائے۔ لہذا ایجانب سفارش کرتے ہیں کہ گورنمنٹ بہادر بنظر حفاظت اس کو زیر قانون تحفظ آثار قدیمہ لے لے۔ یہ بکرا باوجود جامع البقر ہونے کے ہمیشہ لاغر نظر آتا ہے۔ مثل سچ ہے "کھائیں بکری کی طرح سوکھیں لکڑی کی طرح" کسی نے طوائف جان کو مشورہ دیا تھا کہ اسے خصی کروا دو موٹا ہو جائے مگر اُنھوں نے کہا "نوج۔ عقیقہ کہیں ناقص الاعضا جانور کا بھی ہوتا ہے؟"

جب یہ بکرا مرت دو ٹانگوں پر کھڑا ہو تا ہے تو طویل قد کی وجہ سے اس کی لمبی داڑھی کا تناسب اس کے قد کے ساتھ ایسا ہوتا ہے جیسے تاڑ کے لونڈے میں بیے کا گھونسلہ لٹکے۔ الغرض عجیب مزیدار لکھا نور ہے۔

(ماں دادا)

ایک قابل توجہ خط

جناب اڈیٹر صاحب۔ تسلیم۔

اودھ کے نواب سعادت علی خاں (۱۷۹۸ تا ۱۸۱۴) کی تاریخ و سوانح کے متعلق میں نے انگریزی زبان میں بہت سی کتابوں کا اس مضمون پر مطالعہ کر لیا ہے اور قریب قریب ہندوستان کی سب موجودہ کتابیں پڑھ لی ہیں۔ میں بہت زیادہ خواہشمند ہوں کہ اردو و فارسی زبان میں ایسی کتابیں جو ان کے حالات پر روشنی ڈال سکیں مطالعہ کروں۔ میرا خیال ہے کہ لکھنؤ اور دیگر اضلاع اودھ میں پبلک اور پرائیوٹ کتب خانوں میں اس قسم کی کتابیں موجود ہونگی جو مجھ کو ان کی تاریخ لکھنے میں کافی مدد بہم پہونچا سکیں میں نہایت مشکور ہوں گا اگر کوئی ناظرین اخبار آنجناب کے میری اس اہم معاملے میں مدد فرمائیں گے اور مجھ کو کتابوں کے نام یا ان کتب خانوں یا اصحاب کے نام سے آگاہ کریں گے جہاں سے کہ ایسی کتابیں دستیاب ہو سکتی ہوں۔ مجھ کو کامل یقین ہے کہ آپ براہ مہربانی اس خط کو اپنے قابل قدر اخبار میں مناسب جگہ دیں گے اور بندے کو ممنون و مشکور فرمائیں گے۔

نیازمند

سوریش چندر ماتھر ایم۔ اے ہسٹری اسپیشل

الہ آباد

عید الفطر مبارک و مسعود باد

شکریہ اُن حضرات کا جنھوں نے بذریعہ کارڈ احقر اڈیٹر کو تہنیت عید عنایت فرمائی خصوصاً گرانڈ فلٹ ورکس کمپنی آگرہ۔ اور کارخانہ عطر محمد علی و اصغر علی چوک لکھنؤ کا۔ فلٹ ورکس کمپنی کا منظوم تہنیت نامہ خوب تھا۔ لیکن کارخانہ عطر کا تہنیت نامہ نگیوں تھا کہ خوشبو دار نہ تھا عجب ہے کئی مرتبہ سونگھا ہم خشمری ہونے پر مشام عید کی نکہت سے محروم رہا ـــــ بہرحال شکریہ۔

نیازمند فیجر

فیبر تول

"دہقانی پری"

(۱)

دو آدمی شام کے وقت دروازے کے سامنے پائپ سے شغل کر رہے ہیں۔ ایک ان میں سے مالک مکان ہے جس کا نام "مسٹر روز" ہے دوسرے کا نام کریے"۔ دو تمباکو دلی انجمن کا پتا دیتا ہوا آہ رسا کی طرح دو بسوے آسمان ہے۔

روز صاحب اپنی صاحبزادی کے خیال میں ہیں، جو ایک دہقان زادی ہونے کے باوجود بیگم یا شاہزادی بننا چاہتی ہے۔

روز: دوست کریے۔ کیا کروں؟ جین (صاحبزادی) کے دماغ میں عجب خناس گھس گیا ہے دیکھیے اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ وہ حسین ہے۔ لیکن میرے حق میں تو اُس کی خوبصورتی عذاب جان ہے"

کریے صاحب اُس وقت غیر حاضر تھے عالم خیال میں خدا جانے کس ملک کی سیر کر رہے تھے۔ دوست کی آواز کانوں میں پہونچی ضرور لیکن وہ خیالی سرزمین سے واپس نہ لا سکی۔ انھوں نے پھاڑ سا منھ کھولا۔ دھویں کا گولا حلق کے غار سے نکل کے چند لقلیں اسی گورے کے ہوائی جہاز میں بند ہو کے اُڑیں جن کا مطلب گول مول رہا۔

روز: ہاں جی۔ اس میں شک نہیں کہ لونڈا یا ہے تو گنوار کی بچی مگر جدھر سے نکل جاتی ہے تماشائیوں کے دل پر بجلی گرا دیتی ہے۔ لوگ للچائی ہوئی نگاہوں سے گھورنے لگتے ہیں۔

کریے صاحب نے بہت زور سے ایک سانس لی

جو غالباً مسعود سے کی گہرائی تک پہنچی ہوگی۔ اور فرمایا "ہاں صاحب بیٹا یا کلپ کو گلدستہ ہے گلدستہ"

روز: ارے بھائی جب وہ بیٹی جیسے بھی آئینے میں دیکھتی ہے تو خود ہی وجد کرنے لگتی ہے۔ یعنی گویا اس کی محویت دیکھیے دنیا کی سدھ بدھ بھول جاتی ہے۔

اس کا زیر لب یہ کہنا: آگ لگے موئے فقیروں کو لونڈو کو نوچ اپنے اوپر سے سات بار قربان کروں موئے ناشدنوں کو جنھیں آدرست لینے کا بھی تمیز نہیں۔ یہ نگوڑے میری کیا قدر کریں گے؟ اس موہنی صورت کے قابل تو کوئی گبھرو رئیس زادہ نہایت ہی خوبصورت آن والا شان والا جاگیر دار نہ ملے نہیں کچھ شوقین سے" یہ کہتی ہے اور ٹھنڈی سانس بھر کے آئینہ میز پر رکھ دیتی ہے"

کریے: ہاں صاحب رہیں جھونپڑے میں خواب دیکھیں محلوں کا۔ مگر اس کی ماں بھی خوبصورت تھی اس کا مزاج تو ایسا نہ تھا"

روز: آہ۔ اُن مرحومہ کی سی سادگی اس کے مزاج میں نہیں۔ وہ تو ایسی بھولی بھالی اللہ میاں کی گائے تھیں کہ مجھ گنوار پر ہزار جان سے عاشق تھیں"

کریے: ہاں بھائی۔ لیکن کیا کوڑے پر گھانس نہیں اگتی۔ گڑھیا میں کنول کا پھول نہیں کھلتا؟"

روز: ابھی یہ لڑکی تو مجھ بڈھے باپ پر پیٹھ پیچھے تخول کرتی ہے"

کریے: بیجا لاڈ کا یہی نتیجہ ہے۔ تمھیں نے لاڈ میں اس کا مزاج بگاڑا"

روز: اب دیکھو نہ؟ والٹر لوم کیا خوش رو نیک خو سے درست نوجوان ہے کہ اس جوار میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ مگر صاحبزادی اُسے کہتی ہیں۔ نگوڑا اکتا ہے جب دیکھو دم کے ساتھ ساتھ۔ وہ سُن لے تو اپنے دل میں کیا کہے"

کریے: ہاں بھائی وہ لڑکی نہیں تمھاری امان جان ہے۔ سچ اس طبیعت کی لڑکی میرے گھر پیدا ہوتی تو اسی والٹر کے ساتھ اور بدا کے اس کی شادی کرتا"

روزنٹ یہ انہی ان قصہ نویسوں پر خدا کی مار۔ یہ عورتوں کو ناز نخرے سکھاتے اپنے چٹکلے سے پہلے دنیا عاشق ہونا تعلیم کرتے ہیں۔ بس یہی ناولیں دیکھتے دیکھتے بگڑی۔ جب دیکھو فرضی افسانے پڑھتی اور بکا کرتی ہے فلاں ناول کی ہیروئن نے جو ایک چڑیمار کی بچی تھی فلاں شاہزادے کے دل پر کیسا تاکا مارا اور بڑی دھوم سے دونوں کا بیاہ ہوا۔

صاحبزادی جس دالان میں بیٹھتی ہیں اُسے دیوان خانہ کہتی ہیں۔ جس کھپریل میں سوتی ہیں اُسے عیش محل کا لقب دے رکھا ہے۔ کچھ حد ہے اس بلا بولے پن کی؟ چار دن کی جوانی کسی خیالی نواب یا شاہزادے کے تصور میں کٹ جائے گی۔ پھر کوئی فقیر بھی نہ پوچھے گا۔ بعد کو باوا کے سر تمام الزام تھوپیں گی۔ کہو باوا کیا کرے اور تمھارے لیے نواب زادہ کہاں سے پیدا کرے "

کرسے۔ ایسی خود سر لڑکی کی سزا یہ ہے کہ پہلے تو کھائے بجھائے اور جب نہ ملنے تو پھر دم چھانسا دے کے مزا چکھائے "

روزنٹ بھلا میں بیچارہ فقرے بازی میں اُس سے کیا بازی لے جاؤں گا۔ اجی ناول دیکھ کے وہ بڑی چرب زبان ہو گئی ہے "

کرسے۔ سنو میری بی بی کا بھتیجا آئیوا لا ہے جو خوش صورت مہذب ہے اس کو میں ایک فرضی لاٹ صاحب کے نام سے موسوم کروں گا۔ جب صاحبزادی اُس کی فرضی دولت پر ریجھیں گی تو اس سے کہہ دیا جائے گا کہ صاحبزادی کو ٹکا سا جواب دے دے کہ میں کسی گنواری سے شادی نہیں کر سکتا۔ ٹاٹ میں زربفت کا پیوند کون لگائے۔ جب صاحبزادی کا دل اس کے سخت جواب سے ٹوٹے گا تو پھر والدین کی قدر کرنے لگیں گی۔ وہی مثل ہوگی۔ "پاڑے جی پچھتائیں گے پھر وہی چنے کی کھائیں گے "

روزنٹ یار ہے تو معقول تدبیر لیکن اگر تمھاری بی بی کے بھتیجے نے منظور نہ کیا تو؟۔

کرسے۔ کیا مجال! وہ نہایت اہل ہے۔ اور جب سمجھا دیا جائے گا کہ یہ ایک نادان چھوکری کو اخلاقی سبق دینے کی تدبیر ہے تو وہ ضرور مان جائے گا۔

بولو۔ اگر تمھیں منظور ہو تو میں اُسے لکھ دوں کہ فرضی لارڈ فیرمونٹ بن کے وہ تم سے خط کتابت کرے "

بعد غور و فکر کے یہ بات منظور ہو گئی۔ دونوں دوست ہنسے اور قہقہہ مار کے ہنسے۔ ایک اس وجہ سے کہ مہمان کی مدارات سے مفت میں نجات ملی۔ دوسرا اس وجہ سے کہ صاحبزادی کے حواس ٹھکانے درست ہو جائیں گے۔ مگر ان دونوں قہقہوں میں ایک تاریک اور باریک عالم کی تیغ بھی آکر شریک ہو گئی۔ بالاخانے سے کوئی چیلو چنٹ یا عاشق کی دسترس سے بد ہوا اور پٹخے دھڑ سے میں کھلکھلا کے ہنسا جب۔

(۲)

لاٹ صاحب کے آمد کی اطلاع

خط کتابت سے معاملہ حسب مرضی طے ہو گیا۔ لڑکی اپنی گھات میں رہی اور مسٹر روزنٹ اپنی۔ لیکن مکان کی جھاڑ پونچھ میں صاحب خانہ کی آنتوں کو قُل ہو اللہ پڑھنی پڑی۔

مس روزنٹ ابّا۔ اے ابّا۔ دیکھو لارڈ فیرمونٹ صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ بیچارے نہایت منکسر مزاج۔ خلیق۔ ملنسار معلوم ہوتے ہیں۔ اے کہاں یہ جھونپڑا اور کہاں وہ ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

مگر ابّا تمھاری بھی وہی مثل ہوئی ؎

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

کہیں سے دو ایک ایرانی قالین مانگ لاؤ۔ اے ہے دیوان خانے کی چھت کا عیب چھپانے کے لیے چھت گیری نہ ہوگی تو لاٹ صاحب ہم کو بالکل فقیر سمجھیں گے۔ اے ہے بڑی ذلت ہوگی۔

روزنٹ لاتا ہوں بیٹی ابھی لاتا ہوں۔ کرایے پر دونوں چیزیں مل جائیں گی "

مس روزنٹ اور سنو تو لاتے ایک چاندی کا سٹ یعنی چائے کا سامان۔ دیکھو قلعی کا نہ ہو جو ذلت ہو "

روزنٹ کیا بڑی بات ہے۔ ابھی لو کیسا جالیس روپے کو ان میں تو بڑی بڑی سٹ ملتے ہیں "

مس روزنٹ اور روپے بیٹھنے کے کمرے کا سامان بنگلہ ہو

روزنٹ ہاں وہ بھی لاتا ہوں "

مس روزنٹ بیٹھی پردے "

روزنٹ یہ ذری بڑی مشکل ہے سے ؎

سڑی سی صاحبی اُس پر چھپرا گیا گا۔

مس روزنٹ پھر تو ناک سلامت نہیں معلوم نہیں کوئی وہ اس چھپر کو دیکھ کے اپنے دل میں کیا کہیں گے "

روزنٹ اچھا خیر یہ بھی لاؤں گا "

(لوٹی ہزار روپے کا سامان لانا پڑا)

مس روزنٹ اے ابّا۔ بار بار بڑھاپے میں تمھیں پھیرے کرواتے میرا دل کڑھتا ہے مگر کیا کروں عزت کا معاملہ ہے۔ یہ سامان جو تم لائے ہو مہمان کے شایاں نہ ہوگا۔ نوجوان لاٹ صاحب کا پائخانہ بھی اس مکان سے زیادہ آراستہ ہوگا۔ مجھے تو شرم آتی ہے۔ خیر! اب تم اپنے دوستوں کو تو ان کے استقبال کے لیے بلا لو مسٹر کریسی۔ مسٹر ٹھنگو ہیں مسٹر آگو ہیں مسٹر بٹ مانس ہیں۔ یہی لوگ اس قریہ کے دیہاں دار آدمی ٹھہرے۔ پھر ایک چھوٹی موٹی پارٹی ان کو نہ دی گئی تو لاٹ صاحب کا جی کیونکر بہلے گا؟ "

روزنٹ بیٹی۔ صبح سے اس وقت تک منہ میں کھیل اُڑ کے نہیں گئی ہے میں ایک غریب کہاں امیرانہ ٹھاٹ کہاں سے مہیا کروں؟۔

مس روزنٹ تو ابّا اس میں میری کیا خطا ہے۔ جو معزز مہمان بن بلائے ڈھٹی دے رہا ہے اُن کے باپ سے اور تم سے کبھی یارانہ تھا۔ مجھ نگوڑی نے تو آج تک گھر سے قدم نہیں نکالا کوئی وہ میرے دوست تو ہیں نہیں۔ تمھیں کو سرفرازی بخشنے آ رہے ہیں۔ بس مجھے اتنا خیال ہے کہ اماں کے بعد گھر کی دیکھ بھال میرے فرائض میں داخل تھی کہیں ایسا نہ ہو جو وہ تمھاری بیٹی کو گھامڑ بد سلیقہ نری گنواری سمجھیں "

روزنٹ بیٹی۔ میں تو یہ سب تمھاری ہی خاطر سے کر رہا ہوں۔ دیکھو اُن کا دل ہاتھ میں لیے رہنا۔

مس روزنٹ ٹھنڈی سانس (میرا بیچارہ غریب قسمت) بھلا مجھے کیوں پوچھیں گے۔

[illegible]

[illegible]

کہا جاتا ہے۔ کیا کروں مکان کی صفائی میں آج میں
اور ماما دونوں مصروف رہے۔ کوئی سامان کھانے
پینے کا تیار نہیں ہوا۔

مسٹر روز بیچارے اس فقرے سے متاثر ہوئے کہ
بچے کیوں پوچھنے لگے۔ اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔
روز تم کچھ نہیں بیٹی۔ سردہو لگائی ہے اس سے
منہ لال ہو گیا ہے میں کام سے جاتا ہوں ابھی پلٹ کے
آؤں گا۔"

(ٹوپی سر پر رکھی اور منہ پر رومال رکھ کے چلتے ہوئے)
مس روز۔ (زیر لب) اتا کو یہ دل لگی پسند نہ آئی دیکھا
جائے گا۔ لاٹ صاحب کو آنے دو۔"

دو بجے مسٹر روز واپس آئے۔ چپیا ٹھکانے تھا۔ آتے
ہی پوچھا اسے لڑکی کچھ کھانے کو بھی دے گی؟"
مس روز "میں تو لاٹ صاحب کی خوابگاہ درست
کر رہی ہوں اور ماما کو بھی فرصت نہیں۔ آپ خود ہی دیکھیے
جو باورچی خانے میں کچھ ملے تو صبر شکر کر کے ناشتا کر لیجیے۔
روٹی اور پنیر شاید وہیں مل جائے۔"
دہقانی صاحب باورچی خانے کی طرف گئے تو لیکن
یہ نہیں معلوم کہ فاقہ بھی ٹوٹا یا نہیں۔

(باقی آئندہ)

ہندی ندیم

مولانا پنچ کی نوٹ بک

"دھرم داری میں تجھ کو کہوں ہوشیاری تو کان کر"
یہ ایک ہندی مثل ہے اور جو اس پر عمل کرتے ہیں انھیں
آخر میں پشیمانی کی کوئی وجہ نہیں۔

چنانچہ دیسی ریاستوں پر جو رحم خواتان نرسی نے بیک بار
چڑھائی کر دی تو ان میں کوئی دھرم داری (بیٹی) ہیکڑ خانی
ضد پر تُلا رہا اور کسی ہوشیار (بہو) نے کان کیے۔
مثلاً الور اور رام پور کو لیجیے۔ الور پر ہیکڑ خانی سوار
ہوئی تو اذاں دو تو منا جرم۔ قرآن پڑھنا جرم۔ مسجدیں
منہدم۔ مالگزاری چڑھ گئی۔ اک آفت برپا ہو گئی۔
حکومت ہند نے اپنی دھرم دار ریاست (الور) کو لا لا کر

سمجھا۔ مگر دھرم دار کہیں سمجھتی ہے۔ جب اچھی طرح گوشمالی
فساد و عناد ہو لیا۔ دس ہزار روپیہ فوج کے مصارف
ادا کرنا پڑے تو آنکھیں کھلیں۔ بظاہر ہوشیار بھی چہیتے
انجاری کا مقدروں نے جرم بھانا کر خدا کے فضل سے
اب حضور کا دماغ درست ہے۔ رعایا اپنے مقاصد
میں شاید کامیاب ہو جائے گی۔ معلوم نہیں سچ کچھ
نا بھی انجاری کا مقدروں کی حماقت کی ہے یا صحت ہے۔

اب ہوشیار (ریاست رام پور) کا حال سنیے اس نے
جو دیکھا کہ رنگ برا ہے تو پہلے مالگزاری اور لگان میں
تخفیف کی اس کے بعد تعلیمی اور مذہبی آزادی کا
اعلان کیا۔ اس کے بعد ذاتی مصارف کا بوجھ
ملکی آمدنی پر سے کسی قدر کم کیا۔ یہ تو ہوا عام فیض۔
خاص فیوض کی فہرست میں زنانہ تعلیمی مدرسے کا قیام،
بیگم صاحبہ اور ولیعہد بہادر کا اپنے ذاتی خرچ میں
نصف پر قناعت کرنا۔ مندروں کی تعمیر کی اجازت۔
مندروں کے لیے مفت برقی روشنی کا انتظام ہے۔
سنا گیا ہے کہ ہوشیار ریاست چند اور بھی رعیت
کا دل لبھانے والی گھاتیں اختیار کرنے والی ہے۔
یعنی دھرم دار تو بیوہ ہو رہی ہے جسے بر دراست حکومت
ہند نے سمجھایا بجھایا لیکن ہو۔ یا کے سکھڑ اپنے کی
دھوم مچ گئی۔ (واللہ یہ بہت غنیمت ہے)

شیعہ پولیٹیکل کانفرنس ۱۹۳۲ء کے صدر صاحب نے
اجلاس میں ایک عجیب رزولیوشن پیش کروایا تھا کہ
یہ کانفرنس نواب صاحب بہادر رام پور کا شکریہ
ادا کرتی ہے جنھوں نے مہاراجہ الور کو بعض قیدیوں
کے چھوڑ دینے کا مشورہ دیا اور الور کے مہاراجہ
نے جو ان قیدیوں کو چھوڑا تو اس پر اظہار اطمینان
کرتی ہے۔ یہ رزولیوشن حماقت کی عنایت سے
علاً پاس ہو گیا۔ یعنی ہم مطمئن ہو گئے (کب نہ تھے!)
چاہے الور کے باشندے مطمئن ہوں یا نہ ہوں۔
اور یاں ہمارے سید راجہ غضنفر علی خاں (صدر)
بھی اب مطمئن ہو گئے۔ یہ نہیں معلوم اطمینان
کی گھڑیاں کہاں بسر کر رہے ہیں۔

"من باقاعدہ میکشم تو بے قاعدہ"

خدا بخشے ہماری طب یونانی کے سب سے نامور مصنف حکیم
ابو علی بن سینا کو وہ اکثر کیا گُر کی بات کہہ گئے۔
بات یہ ہوئی کہ ایک اناڑی طبیب سے کسی مریض کے
بارے میں حکیم صاحب اُلجھے۔ بحران نے جو زور
باندھا تو مکابرے کی قوت دلیل عقلی پر غالب آ گئی۔
"تو تابع نبیداتی"
"تو تبیح نبیدانی"
"من طبیب ہستم"
"من ہم طبیب ہستم"
"بیماراں از دست تو میرند"
"از دست تو نیز ہم" پس فرق میان من و تو چیست؟۔
معاملہ یہاں تک بالکل ہوتا۔ بالکل شیخ صاحب
نے جو جواب عنایت کیا وہ بے شک "پاؤ رتی باون
تولے" والی اکسیر ہے۔ فرمایا "بر وکہ من باقاعدہ میکشم
تو بے قاعدہ می کشی" لیجیے حضرت فرق ظاہر ہو گیا۔
طبیب مخاصم کے منہ پر چھوپا لگا۔ اور اس نے
عہد کر لیا کہ "باقاعدہ کشی ہم آئندہ سے عمل کرے گا۔"

سید مطلبی صاحب فرید آبادی کے نام ایک
مطبوعہ تحریر بعنوان "تباہی میوات اور ہندوستانی پریس"
ہمارے دفتر میں منظلم ریاست الور سے متعلق موصول
ہوئی ہے۔ موصوف نے پریس والوں کے دو فیصلے پر بھی
نکتہ چینی کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ الور کی رعایا
نے ایسے قوانین کے بارے میں مخالفت کا علم بلند کیا
تھا جو بالکل انسان وانسانیت سے دور ہیں۔
جب یہ مطالبات پیش کیے گئے اُس وقت ہندو بھی
مسلمانوں کے ہمدرد و رفیق کار تھے دفعۃً پریس الور کی

پنچ:۔ ذری طالع کا حال سنائیے۔

منجم:۔ ان ستاروں کا اجتماع اتفاقی ہے۔ مشتری آٹھویں ہے اور ساڑھ ستی سنیچر بھی شروع ہے۔ مگر آپ کیوں پوچھتے ہیں؟۔۔ "کذب المنجمون" والی حدیث شاید بھول گئے۔

ظریف ہفتہ وار
LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
REGISTERED M.A. 785
M B Khan Artist Lucknow

مضامین

(مورخہ ۱۹ فروری ۱۹۳۳ء)

نظم

(از حضرت فرزانہ شاعر شیخ محمد یگانہ احسن مچھلی شہری)

کیا ہے مسبردوں کی لسٹ میں شامل مجھے — جان کر اس شوخ نے مجنوں دلایل مجھے
ہوں تو بی اے پیٹ بھر نا ہو گر مشکل مجھے — اس پڑھانے سے تو کہتے کاش وہ جاہل مجھے
میری کشتی کب ہوئی موج حوادث کا شکار — وائے حسرت جب نظر آنے لگا ساحل مجھے
حضرت دل دیکھنے میں ہیں جو اتنے مرد نیک — ہیں اُن ہی قبلہ کے ہاتھوں زندگی مشکل مجھے
اک ترے ملنے سے اے جان جہاں آئند — ہو گئیں دونوں جہاں کی نعمتیں حاصل مجھے
روکھی سوکھی جس طرح کھاؤ نگا چٹنی کے بغیر — دن نہ کیجے جائیے لا دیجیے اک سل مجھے
جیب سے میری نکلوا ہی لیے چندہ میں دام — آج تو واعظ نے اپنا کر لیا قائل مجھے
یا تو میں تھا ایک دن سارے جہاں کا سر تاج — یا سماتی ہر لنگوٹی یا مجسٹریل مجھے
اس سے کیا مطلب کہ کھانسی کم ہوئی یا بڑھ گئی — ڈاکٹر صاحب دیے جاتے ہیں بس کافسل مجھے
کیا خبر تھی ورنہ کہہ دیتا سر روز ازل — اور سب چیزیں عطا کرنا نہ دینا دل مجھے
رولٹ صاحب کیا میں سمجھا ہوں یہ آخر کس لیے — پیش کر دیتے ہو ہر روز اک ”تم“ ”بل“ مجھے
خدمت دنیا کیلیے میں نے کمر باندھی تو ہے — کر سکے دنیا اگر اپنی طرف مائل مجھے
تیری خاطر میری نہیں آنے کا فرق — کیوں ڈرانا چاہتی ہے دوری منزل مجھے
اب میرے پاس کیا ہے میں تمھیں کیا نذر دوں — کر کے مفلس تم نے رکھا ہی کسی قابل مجھے

میں نے اپنی شاعری کی داد پالی شکر ہے
آج احمق کہہ دیا اس شوخ نے جاہل مجھے

فیشن تمول

(قسط ثانی تتمہ ۱۲ فروری ۱۹۳۳ء)

—(۳)—

”آ گئے“

نئے گاؤں میں اونٹ کا آنا۔ اللہ اللہ حقیقت حال سے ہر ایک واقف۔ مس روز اپنے باپ اور مصنوعی لاٹ صاحب کو بے وقوف بنانے میں ہمہ تن محو۔ مسٹر روز اپنی لونڈیا سے چکر چلنے میں منہمک۔ لاٹ صاحب اپنے بہروپیے پن کے نباہنے میں مصروف۔ گھر تختہ زدہ ہے چالیں چلی جا رہی ہیں۔ لاٹ صاحب کی اکڑ فوں دیکھنے کے قابل ہے۔

مسٹر روز ”آداب بجا لاتا ہوں حضور“

لاٹ صاحب ماش کے آٹے کی طرح اکڑے۔ مونچھوں پر تاؤ پھیرا اینٹھی چتون سے میزبان کی طرف دیکھا۔ گو خفیف جنبش غیر محسوس نے جواب سلام دیا۔ نہیں بلکہ دہقانی ”آداب بجا لاتا ہوں“ کو روئی کی طرح آنکھوں کی دھنکی سے دھنا۔ سے کھینچے۔ بل کی بلی۔ برسے۔ بانداز اکابرانہ حکم دیا۔ ”بڑے میاں ذرا پنجاب کا اسباب تو اسٹیشن سے منگوالو“

اس برتاؤ سے بیچارہ دہقان جیسا دل میں تو کہا۔ ”ہونہہ! ہم اس کے باپ کے نوکر ہیں گویا۔ مگر بظاہر سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

بی مس روز بھی دل ہی دل میں مسکرائیں اور کہا ”بڑھیا کا صدقہ باسی ساگ۔ اتر وارے ٹھلنے۔ مگر اس کھیل کو خوش اسلوبی کے ساتھ نباہنا ضروری ہے“

مس روز اور ان کی خادمہ کو دیکھ کے لاٹ صاحب نے فرمایا۔ ”بڈھے یہ دونوں تیری لڑکیاں ہیں؟“

دہقان ”نہیں حضور۔ ان میں سے ایک خادم زادی ہے اور دوسری خادمہ“

لاٹ صاحب ”(خادمہ کے چاہ غبغب میں ہاتھ ڈال کے) واللہ لعینہ اس کی آنکھیں تمھاری آنکھیں ہیں۔ اور ناک تو معلوم ہوتا ہے تمھارے چہرے سے توڑ کے اس کے منھ پر لگا دی گئی ہے۔ شاید یہ بن ماں کی پڑی ہیں“

خادمہ جھجک کے پیچھے ہٹی۔ روز صاحب نے جھلا کے جواب دیا۔ ”جناب لاٹ صاحب یہ تو خادمہ ہے“

لاٹ صاحب۔ ہاں! تعجب ہے۔ اچھا! ادھر آؤ بی مس روز“

مس روز نے اس خیال سے اپنی ٹھوڑی پیش کی کہ شاید لاٹ صاحب اس بندی کے سیب ذقن سے بھی ویسی ہی بے تکلفی فرمائیں جیسی کہ اپنی (خادمہ) کے ساتھ۔ مگر نگاہوں کی شرارت دیکھ کے لاٹ صاحب کچھ سٹ پٹا گئے۔ دونوں کی نگاہوں کی گفتگو کسی قدر پیچیدہ ہو گئی۔

سامنے تو نہیں مگر باورچی خانے میں جا کے اپنی قہقہہ مار کے ہنسی لاٹ صاحب چھپیے۔ اس قسم کی شرم امیروں کے لیے نا زیبا ہے۔ جو شخص ایسی باتوں کی پروا کرے وہ حضور نہیں مزدور ہے۔ لہذا حبیب کے آثار چہرۂ مبارک سے بجبر دفع کرنے پڑے۔ امیرانہ بےحیائی نے بشرے کی تمام پریشان شکنیں مٹانے کی خدمت ادا کی۔

جین ”مس روز خداوند مجھے امید ہے کہ آپ یہاں چند روز قیام فرما کے ہمیں اپنی خدمت کا شرف عنایت فرمائیں گے“

لاٹ صاحب ”ہاں تم لوگ ہو تو نہایت ہوشیار خدمتی۔ لہذا امید یہی ہے کہ آرام سے یہ زمانہ کٹ جائے۔ لیکن میں اپنی قیام گاہ دیکھنا چاہتا ہوں“

جین ”بسم اللہ میرے ہمراہ بالا خانے پر قدم رنجہ فرمائیے“

بالائی کمرہ لاٹ صاحب کے سامنے کھولا گیا لاٹ صاحب ناک بھوں چڑھا کے فرمانے لگے "اُوہ! شاید یہ میز باورچی نمانے کی ہے"

جین "نہیں حضور، یہ خاص آپ ہی کے لیے منگوائی گئی ہے"

لاٹ "چہ خوش! یہ سڑی ہوئی میز اور میرے لیے؟ اچھا یہ پیلے پردے؟ —

جین "ہم لوگوں کے نزدیک تو یہ کافی نفاست ہیں"

لاٹ "واقعی چیونٹی کے لیے موت کی دعا رسند رہتے۔ لیکن یہ بال پڑا ہوا آئینہ؟ —

جین "یہ ایک تاریخی آئینہ ہے جو میری نانی کو اپنے نانا سے تحفتاً ملا تھا"

لاٹ "بے شک یہ شکستہ آئینہ تاریخی ہے اور تمھاری نانی کی صورت اسی اندھے آئینے کے قابل ہوگی۔ سنو جی مس روز کیا تمھارے گھر میں اس سے بہتر کوئی کمرا نہیں ہے"

جین۔ کیوں نہیں ابا جان جہاں آرام فرماتے ہیں وہ اس کمرے سے بہتر ہے اور غالباً ابا جان کو اپنے معزز مہمان کی خاطر اتنی سی زحمت بدل وجان گوارا ہو گی کہ اپنا سامان آسائش بغل میں دبا کے تھوڑے دنوں باورچی خانے کے پاس والے دالان میں بسر کریں۔ حضور چل کر ملاحظہ فرمالیں اگر پسند خاطر ہو تو میں اُسے خالی کردوں"

لاٹ صاحب نے دوسرا کمرا دیکھتے ہی پسند کرلیا۔

"ہاں یہ کسی قدر درست ہے۔ اچھا اب تم جاؤ۔ ہاں مگر دیکھو یہ میرا جوڑا (بوٹ) میلا ہو گیا ہے اسے جھاڑ پونچھ کے سلیقے کے ساتھ رکھدو اور تھوڑا سا گرم پانی بھی حاضر کرو؟ —

جین کے لبیں کدی تم ہوئی مگر توقع یہی تھا کہ لاٹ صاحب کا حکم فوراً بجا لایا جائے۔ خادمہ آئی گرم پانی ساتھ لائی۔ بوٹ صاف کیا اور چلی گئی۔ اب مسٹر روز تشریف لائے اور فرمایا "واقعی تم نے امیروں کے اخلاق کی نقل خوب اُتاری اب امید ہے کہ غریب جین کبھی شہری امیروں کی صحبت کا نام بھی نہ لے گی۔ کل تمھاری آمد کے اعزاز میں چھوٹی سی دعوت ہو گی منتظر رہنا۔

نقلی لاٹ صاحب اب اس عنوان سے گھر میں پلے گئے ٹہلنے لگے گویا مالک روئے زمین ہیں۔ ادھر ٹہلے اُدھر ٹہلے۔ گھومتے پھرتے وہاں پہنچ گئے جہاں جین چکن کاڑھ رہی تھی۔

لاٹ "لاحول ولا قوۃ۔ دیہاتی زندگی بھی بہت بے حلاوت ہوتی ہے۔ اُجاڑ میدان بالکل دلبستگی سے خالی میں۔ طبیعت گھبراتی ہے"

جین "[illegible] حضور بجا۔ شہروں کی سی چہل پہل یہاں کہاں۔ شہری سکونت دولت والوں کے لیے زیبا ہے"

لاٹ "یہی تو میں کہتا ہوں کہ چند روز کس طرح بسر ہوں گے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

وہ مُرد۔ وہ مرد را احمق کند
عقل را بے نور بے رونق کند

بہت سے گھامڑ اگر ایک جگہ جمع ہو گئے تو کیا۔ گویا حماقت متفرق تھی وہ مجتمع ہو گئی۔ چھی چھی۔ کیا بے لطف زندگی ہے۔

جین مُسکرائی۔ سر جھکایا اور کاڑھنے لگی۔

لاٹ صاحب نے بھی ایک ناول اٹھایا۔ کئی گھنٹے پڑھتے رہے اس اثنا میں جین کنکھیوں سے انھیں دیکھتی رہی لیکن بھلا لاٹ صاحب کیوں کسی غریب آدمی کی طرف توجہ فرماتے۔

———(۴)———

شکوہ

دیہاتیوں کا دل آئینے سے زیادہ مجلّی ہوتا ہے۔ اس میں سچائی کی صیقل ہوتی ہے بناوٹ پر اگر مصلحت مجبور بھی کردے تو اس کا نباہ دوبھر ہو جاتا ہے۔

لاٹ صاحب نے سرے ہی سے بیچارے روز یعنے اپنے میزبان کے ساتھ تکبر و تحقیر کا برتاؤ کیا آخر شکوہ و شکایت کی نوبت آئی۔

روز "اجی یہ تم کیا کرتے ہو تمھاری حالت [illegible] ہے کہ جو برتاؤ خادمہ کے ساتھ کرتے ہو وہی میری لڑکی کے ساتھ۔ خیر لڑکی سے یہ سلوک تو ضروری ہے تاکہ وہ دولت کی بیہودگی کو لازم و ملزوم سمجھ سکے امیرانہ خواب دیکھنے سے باز آجائے مگر مجھ بڈھے کے ساتھ جو تمھارے مرحوم والد یعنے بڑے سالار خوش وقت کا فرضی دوست بھی ہے اور تمھارا میزبان بھی یہ سلوک غیر موزوں ہے"

لاٹ "بندے نے تو جناب کے حکم کی پوری تعمیل کی ہے"

روز "مگر ایسا برتاؤ خادمہ کے سامنے کیوں ہوتا ہے؟ —

لاٹ "اُونھ۔ اب اس کا لحاظ کوئی کس طرح رکھے؟ —

روز "واہ! تم حد سے آگے بڑھ گئے"

لاٹ "اچھا جناب! اب ایسا قصور نہ ہوگا"

لیجیے حضرت اسی وقت سے لاٹ صاحب نے چولا بدل دیا۔ این کو دیکھا اور رینا کی طرح باچھیں چیر کے بولے:۔

"اخاہ! یہ عید کا چاند کدھر چلا"

جین نظر آئی تو فوراً اپنی ٹوپی تعظیماً اتار لی اور فرمایا:۔

"خوش نصیب ہے وہ جو تمھارا شوہر کہلائے"

روز صاحب سے ملاقات ہوئی تو شکریہ میزبانی کا تانتا بندھ گیا "واللہ آپ نے جو مسافر نوازی فرمائی ہے وہ تمام عمر مجھے یاد رہے گی"

لاکھو لاکھو میاں روز آنکھوں سے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہیں کہ یہ انکسار میری ساری محنت پر پانی پھیر دیتا ہے مگر لاٹ صاحب نہیں سنتے۔ "یعنے مغرور تھے تو اس میں بھی پھوہڑ اور منکسر المزاج ہوئے تو اس میں بھی بھونڈا پن ———"

جین "نذر میرے لاٹ صاحب ایک بات پوچھوں؟ سچ سچ بتائیے گا"

لاٹ صاحب "بھلا نازنین جین کے سامنے کوئی جھوٹ بول سکتا ہے؟ —

جین "حضور کو اس جھونپڑے میں ضرور تکلیفیں اٹھانی پڑی ہوں گی؟"

لاٹ "استغفر اللہ۔ واللہ ایسا چین ملا ہے کہ عمر بھر نہ بھولے گا۔ یہ صاف ستھرا مکان۔ یہ نفیس ساز و سامان۔ خدمت کے لیے ایک چھوڑ تین تین آدمی۔ ہر میزبان مہربان"

جبین: اے یہ تو زی غریب نوازی ہے۔ بھلا ہم دیہاتی گنوار کہاں اور حضور کا سا امیر کبیر کہاں۔ میرے دل کو امیرانہ ٹھاٹ کے دیکھنے کا بہت شوق ہے جب سے آنکھ کھلی ہے یہی جھوپڑا دیکھا ہے۔ نہایت شکر گزار ہوں گی اگر امیرانہ زندگی کا نقشہ آپ اپنی زبان سے میرے سامنے کھینچیں گے۔"

لاٹ: (دل میں) کون کمبخت کو امیر ہے اور کس کمبخت کو امیرانہ ٹھاٹ کی ہوا لگی ہے۔ ہائے اب کیا کہوں؟ مگر غنیمت ہے کہ یہاں میری بات کا جھٹلانے والا کوئی نہیں۔ (بظاہر) آپ ہر قابل استفسار امر کے بارے میں جدا جدا سوال کیجیے۔

جبین: کیوں حضور امیروں کے رہنے کے مکان کیسے ہوتے ہیں۔

لاٹ: اخاہ۔ ان مکانوں کو ارضی بہشت کہیے تو بجا ہے۔ سونے چاندی کی دیواریں ان پر جواہر کی پچی کاری۔ ہر دیوار پر عمدہ ریشمی کپڑوں کے زربفتی غلاف۔ پھر فرش فروش کا ذکر ہی کیا ایسے چکنے کہ ادھر قالین پہ پاؤں رکھا بس آدمی خود بخود پھسلتا ہوا جدھر جانا چاہتا تھا پہنچ گیا۔ جھاڑ مردنگ فانوس کنول میز کرسی پلنگ سب طلائی و نقرئی مرصع کار۔"

جبین۔ یا اللہ آپ تو ایسی باتیں کرتے ہیں کہ مجھے غش آیا جاتا ہے۔ لے اب کیونکر یقین آئے کہ سرکار کو اس غریب خانے میں کھل کے اچھی طرح پاخانہ بھی آیا ہوگا۔ ہا۔ بڑی زحمت اٹھائی آپ نے۔ یہ آپ کو بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی تھی کہ اپنا عیش آرام چھوڑ کے یہاں (جھک مارنے) تشریف لائے۔ خیر حضور کے تشریف لانے سے ہم غریبوں کو تو معراج ہو گئی۔ مگر آہ حضور نے ضرور کانٹوں پر لیٹ کے راتیں بسر کیں۔"

لاٹ: نہیں نہیں بس روز یہ نہ کہو۔ خدا لگتا ہے مجھے اپنے تعلقے اور املاک سے کبھی اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ یہاں کی سادگی اور صاف ہوا سے۔ کیا کہنا دیہاتی زندگی کا۔ جو چاہا وہ کھایا۔ جدھر جی چاہا گھومے پھرے۔ نہ کھٹ کھٹ ہے نہ دھڑ پڑ۔ شادی کو جی چاہا تو مزے سے دو چار گاؤں کے شرفا کو بلایا۔ ڈھول گرنٹ میں جا کے پڑھوا لیے اور چین سے گھر میں بیٹھ کے جورو پاتھے بچے نکالتے رہے۔ کوئی روک ٹوک نہیں....."

جبین: خیر یہ تو آپ ہم غریبوں کا دل رکھنے کے لیے انکسار فرما رہے ہیں۔ حضور نے جو خاکا اپنے محل کا مجھے بتایا ہے اس کو سن کے میں تو دنگ ہو گئی۔ اللہ رے ایشار۔

لاٹ: اوں ساوں۔ جی نہیں واللہ مجھے یہی زندگی پسند ہے۔"

جبین: واہ میں نہ مانوں گی حضور کا قیام ایسے گندے اور میلے کچیلے ٹھکانے پر یقیناً مضر ہے۔ ہم دیہاتیوں کی زندگی اس کی عادی ہے۔ کیڑے مکوڑوں کی سی زندگی ہے خدا نے گھورے میں جان ڈال دی ہے سو جیسی شکل ہے ویسی روح ویسے فرشتے۔"

لاٹ: میں روز پیاری تم یہ کیا کہتی ہو خدا کا شکر لازم ہے جس نے شہروں کی غلاظت سے تم لوگوں کو پاک رکھا۔

جبین: بہت خوب تبا لیے۔ آپ ہی فرما چکے ہیں کہ شہر کے امیرانہ مکان کیسے ہوتے ہیں۔"

لاٹ: رہنے دیجیے۔ چوک ہو گئی، تم میرے مزاج سے ناواقف ہو۔ یہ تمام ٹھاٹھ جس کا میں نے ذکر کیا مجھے بھونڈے دیدول پسند نہیں۔ میں اس چھوٹی بھونڈی روکھی سوکھی پر جان دیتا ہوں۔ تمہارے یہاں اس چند روزہ قیام میں مجھے ملی۔ چھتیس ہزار نعمت کھائی۔

لاٹ صاحب نے آنکھیں بند کیں پتلون میں ہاتھ ڈالا۔ آرام کرسی پہ ڈھیر ہو گئے۔ جبین وہاں سے اٹھی برآمدے میں کھڑی ہوئی۔ اس طرح دونوں ہاتھ اٹھا کے جیسے کوئی کوستا ہے۔ گویا دانت پیس کے بزبان حال کہتی تھی۔

"ارے تجاموے فریبی جھوٹے۔ خوب ہفتہ بھر مزے مزے کھاتے زہر مار کیے ہم کو اپنی اماں کی لونڈیاں سمجھتا ہے۔ ابا کو ان کی حماقت کا مزا چکھا پاکیا دیکھنا بھری محفل میں کیسی درگت بناتی ہوں۔ اف وہ گویا ہم دیہات میں رہتے ہیں تو شہر کے مکانوں کا حال بھی نہیں جانتے نہ کسی ناول قصے میں کچھ حال دیکھا۔ ہوا۔ لیا ٹھینگا اہاہا ابا جان تم بھی کتنے عقلمند ہو۔ خوب تم نے لوٹی امیروں کا نمونہ دکھایا۔ کیا امیر ویسے ہی گدھے ہوتے ہیں۔؟"

پھر وہ کچھ دل میں سوچ کے لاٹ صاحب کے پاس آئی۔ اور کہنے لگی ایک بات اور بتائیے۔ امیروں میں دوستی اور ملاقات کا برتاؤ کس طرح ہوتا ہے۔

لاٹ صاحب: بالکل بندروں کی طرح۔ آج خوش ہوئے کسی سے تو لاکھوں روپیہ اس پر سے قربان کر دیے۔"

جبین: پھر تو غریبوں کا ان کے طفیل میں بہت کام نکلتا ہوگا۔ تحفے تحائف انعام اکرام سے مالا مال ہو جاتے ہوں گے۔ خدا کے فضل سے آپ بھی تو امیر ہیں۔ اس لحاظ سے مجھ غریب کا تو گویا نصیبا سکندر ہو گیا۔

لاٹ صاحب کا اس خوف سے پتلون خراب ہو گیا کہ جبین کہیں اپنے حقوق خدمت کا عوض کسی فرمائش کی آڑ میں نہ طلب کر بیٹھے۔ گھبرا کے فرمایا مگر ابھی میرا جملہ ناتمام ہے امرا جب بگڑ بیٹھتے ہیں تو اس کی ہستی بھی دنیا پر باقی نہیں رہنے دیتے۔ اسی سے تو میں نے کہا کہ ان کی دوستی بندر کی سی ہوتی ہے۔

(باقی آئندہ)

راقم

ندیم

معشوق پیشہ ور

اس عنوان کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ انجناب کسی بازار کی بیٹھنے والی حسن فروش کا حال لکھنے والے ہیں۔ اجی مثل بعض اخباری کاغذوں کے اگر ہم بھی ایسا کرتے تو پھر ہم کو ان پر آوازے کسنے کا حق نہ رہتا۔ وہ بھی مہذب اور معنوی بھڑوے ہم بھی حسن کے دلال۔

دونوں برابر ہو جائے۔

ہمارا مطلب یہی دوسرا ہے۔ وہ یہ کہ آجکل سرمایہ دار اور مزدور کا مقابلہ بہت زور جاری ہے۔ ادیب و شاعر مزدوروں کے حامی نظر آتے ہیں اور فضول سے اب ہوا ہے انشا پردازی کی ماگ ایک دم مزدوروں اور مزدوروں کی جھونپڑیوں کی جانب پھیر دی ہے وہ دن لد گئے جب ایک مسیحا کے مکان کی زمین چرخ چہارم نظر آتی تھی۔ کوئی تو مالی کی لونڈیا کا مداح ہے کوئی "بھکارن" کو فقیرنی بہتر طبیکہ فقر و افلاس بھی کوئی پیشہ ہیں دلدادہ و طبیعت کا زور بھنگ کے ٹھیکروں پر صرف کر رہا ہے افسانہ نگار نثر میں اور شاعر نظم میں بجنسی جفاکش تم صورت گنواریوں اور گنواروں کے پھٹے پیوندوں کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ الماس یا قوت کے زیور زربفت و کمخواب کے لباس سے بالکل دل ہٹ جاتا ہے۔

شاید حال کے ادبا اپنے دل میں فخر کرتے ہوں کہ اگلے شعرا کے معشوق مرغ زریں ہوتے تھے ادنیٰ طبقے کے غریب غربا کے اوصاف میں انھوں نے اپنی قیامی کے جوہر نہیں دکھائے اس لیے ہم انھیں مطلع کرتے ہیں کہ نہیں صاحب یہ خیال غلط ہے۔ گھسیارے تک ان کی طبع نقاد سے نہیں بچے چنانچہ

قاسم بیگ عاشق گھسیارے معشوق کی مدح یوں کرتے ہیں ؎

اے بُت علاف خرمن سوز جاں کا وکیے
مدزلہ ولی کز من بیدل ربودی عقل و ہوش
روے گندم گوں نمودی آخرم کشتی بجور
می تواں گفتن ترا گندم نمائی جو فروش

وہ کون حسین ہے جو اس مداح کی زبان سے یہ قطعہ سن کے آدمی سے گھسیاری یا گھسیارا بننے کا آرزومند نہ ہو جائے اور گھانس نہ کھانے لگے۔

فیضی مشہور ادیب دربار اکبری ایک کھٹک (میوہ فروش زادے) کے لڑکے پر یوں تمرات قلم پھیلا کر فرماتے ہیں ؎

دیدم پسر میوہ فروشے عیار
ہمراہ پدر جلوہ کناں در بازار
گفتم صنما بے پدرت یابم گفت
خربوزہ بجز ترا لبفالیر چہ کار

ساقی شاعر دلاک زادہ (حمام میں میل کچیل چھڑانے ہاتھ پاؤں دبانے والے) کے وصف میں یوں تکم کی میل صاف کرتے ہیں ؎

دلاک من ار مدار بر کینہ نہد
داغے بہ دل عاشق دیرینہ نہد
ور مرہم دل داغ شود عاشق را
از غایت لطف سینہ بر سینہ نہد

کلیم صاحب تنبولن پر خون جگر پان کی پیک کی طرح پیتے ہیں ؎

ز تنبولی دلے دارم ہمہ ریش

زخم پیچیدہ ہم چون بستر ابریشم
منہ بر وعدہ تنبولیان دل
کہ جز خون خوردن زینہا نیست حاصل
قرارے نیست با قرار ایشاں
ورق گرداندن آمد کار ایشاں

جوگی بچے پر میاں ظہوری کا باوجود ملا ہونے کے دل آ گیا ؎

گرمی جوگی پسر شعلہ ایست   می فشانم زود خاکسترم

ملا محتشم کو جو عشق نے چھری دکھائی تو پوست کش جلاد پر لگے جان دینے فرماتے ہیں ؎

سلاخ کر آدمی کشی شیوۂ اوست
چوں ریزش خون دوست میدارد دوست
گر سر بہ برد مرا نہ پیچم گردن
ور پوست کند مرا نہ گنجم در پوست

ایک درزی زادے کی ثنا کو دیکھیے اور ملا شمس الدین نسوی کو ؎

حُسن تو ز حد وصف افزوں آمد
وز شرم تو لالہ غرق در خوں آمد
گل دید کہ درزی بچہ زاں معنی
از شاخ دریدہ جامہ بیروں آمد

باقر شاہ صاحب تیلی کے لونڈے پر کولھو کے بیل ہیں ؎

عصار پسر مکن رخ از من پنہاں

نوٹس تاریخ مقررہ نسبت تصفیہ (شرائط) اشتہار نیلام

(آرڈر ۲۱ قاعدہ ۶۶)

بحکم جناب
[illegible] صاحب بہادر کانپور
بعدالت منصفی کانپور مقام کانپور ضلع کانپور
مقدمہ نمبر ۳۰ اجرا بابت ۱۹۳۶ء ۴۴ نمبر ابتدائی ۳۲ع
مسرس رنجی بھگوانجی بذریعہ میل شنکر مکیدار فرم مذکور ڈگریدار
بنام
رام کشن پانڈے مدیون
بنام رام کشن پانڈے ولد نا معلوم قوم برہمن ساکن موضع ککرڈوا پرگنہ و ضلع کانپور مدیون ڈگری
چونکہ بمقدمہ مندرجہ عنوان مسرس رنجی بھگوانجی ڈگریدار نے [illegible] نیلام ایک عدد موٹر مقرر کرنے کی درخواست گذرانی ہے لہٰذا آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تاریخ ۲۴ ماہ فروری ۱۹۳۷ء واسطے طے کرنے شرائط اشتہار نیلام کے مقرر کی گئی ہے۔
[illegible] ماہ فروری ۱۹۳۷ء بثبت [illegible] و دستخط [illegible] عدالت جاری کیا گیا۔
دستخط حاکم غلط انگریزی
مہر عدالت

ضعیفی دور کرنیکی تدابیر

لیٹے لیٹے اعضا کو حرکت دیتے رہیے پھر نہ کبھی قبض و سوء ہضمی کی شکایت ہو اور نہ بواسیر یا دیگر امراض کا اندیشہ۔ اعضا کو کس طرح حرکت دیجائے اس کے واسطے کتاب میں ۴۲ نقشے اور ہر ایک کی تشریح موجود ہے ... قیمت [illegible] صرف عمر
ملنے کا پتہ: مسٹر سنچار کمپنی [illegible]

ضرورت رشتہ

ایک شیعہ سرکاری ملازم کے لیے جن کی تنخواہ ڈھائی سو روپیہ ماہوار ہے۔ اور عمر اٹھائیس سال ہے۔ ایک موزوں رشتہ کی ضرورت ہے۔ لڑکی کا خوبصورت اور معزز خاندان کی ہونا ضروری ہے۔
خط و کتابت بصیغۂ راز۔
مراسلت ش۔ م معرفت شاہ دو پنج لکھنؤ کے پتہ سے کی جائے۔

اصلاحات کا گیند دھڑکا

انگلستانی کھلاڑی: "کھلا ہوا میدان موجود ہے"
ہندوستانی کھلاڑی: "گیند بھی بغل میں ہے"
چرخے باز تماشائی: "تمہارے پاس گیند ہے میرے پاس چرخا ہے"
مسٹر پنچ: "مگر میدان میں تکلے لگے ہوئے ہیں، گیند کے شکم کی خیر ہو"

زیر سرپرستی حضور نظام خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ
جاری شدہ ۱۸۳۹ء
تار کا پتہ حنا لکھنؤ ٹیلیفون نمبر ۳۱ اکبر
اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

خواہی کہ ترا نہ بینم اے آفت جاں
چوں گاو خراس چشمہا یم بر بند
دا نگاہ بگرد سرِ خود می گرداں
(باقی آئندہ)

ادیب لطیف

مولانا پنچ کی نوٹ بک

برار کے گلے پائے

جب سے برار کے بارے میں یہ خبر مشہور ہوئی ہے کہ حکومت انگریزی سے حکومت نظام دکن نے برار کو واپس لے لیا ہے اس وقت سے بعض کج فہم اور حاسد اہل قلم کو جاگتے ہی میں ترائی کا مرض ہو گیا حالانکہ برار جن شرائط پر نظام کی حکومت کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے بایں معنی کہ جو طرز حکومت دعملداری برار میں اس وقت ہے وہ مبدل نہ ہوگا حکومت انگریزی بھی شکمی شریک رہیگی صرف گورنر کے عزل و نصب کا اختیار حکومت دکن کو ہے وہ بھی غالبًا ایسے شرائط کے ساتھ وابستہ ہے جس کا اثر برار کی آبادی پر کبھی نہ پڑے گا۔ کبھی خدانخواستہ یہ دو پیالے ٹکرائے تو آپس ہی میں ٹکرائیں گے۔ ہمہ شما کے شیشۂ دل میں دراڑ پڑنے کا اندیشہ نہیں۔ حکومت نظام کی آرزو تھی ایک نیم جمہوری طرز حکومت کا تجربہ کیا جائے جو آئندہ کبھی مکمل جمہوریت کی شکل اختیار کرلے۔ مگر اس مخالفت وحسد کے معنے یہ نہیں کہ یہ مبارک ارادہ پورا نہ ہو۔ حکومت انگریزی سے یہ فرمائش کی جاتی ہے کہ رعایا کا ووٹ لے اگر نظام کا پلہ بھاری ہو تو برار بر آمد ہو جائے ورنہ برار کا جا رہی رہے۔ ان عقلمندوں سے کوئی یہ پوچھے کہ جن اعلیٰ اخبار نویسوں نے برار کی علیحدگی کے وقت حکومت ہند کے اس

مسٹر پنچ

"ابی کیا ڈھونڈھتی ہو؟"
"اتحاد کا رزلیوشن کھو گیا۔"

فیصلہ کو میلی نظروں سے دیکھا تھا وہ حق پر تھے یا نہ؟

گلے پائے اس طرح پکائے جاتے ہیں کہ پہلے ہڈیاں پانی میں ابالی جاتی ہیں۔ گوشت ابلتے ہی ہڈیوں سے جدا ہو جاتا ہے اور اس طرح جدا ہوتا ہے کہ نام بچارے کو ایک ریشہ بھی باقی نہیں رہتا۔

عرب کی حکایت ہے کہ ایک مرد حریص نے گلے پائے پکوائے اور سفید چونا سی ہڈیاں اپنے دروازے پر اس لیے ڈھیر کر دیں کہ راہگیروں کو صاحب خانہ کی ثروت اچھی طرح دکھائی دے۔ اور ہڈیاں بزبان حال ہر ناظر سے کہہ رہی تھیں "دیکھو صاحبو اس گھر کا مالک اتنا شاہ خرچ ہے جس کے یہاں کتنے پائے کی سی نعمت کھائی جاتی ہے۔" اتفاق کی بات کہ شب کو ہمسایے نے یہ اسباب تفاخر سمیٹ کے اپنے دروازے پر ڈھیر کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ہڈیاں کوئی معمولی چیز نہ تھیں۔ ہمسایوں میں تو تو میں میں شروع ہو گئی آخر قاضی نے فیصلہ کیا کہ جس کا مال ہے اسی کو دے دو۔ برار بھی اس وقت چچوڑی ہڈی ہے۔ حاسد اخبار نویس اور اخبار نے کیوں جان دیے دیتے ہیں تعجب کہ انھیں حق تو اب بھی حاصل نہیں۔ خدا انھیں عقل دے۔

"بھولا اسپیکر"

لندن کی پارلیمنٹ میں بھی خدا کے فضل سے بھولے بھالے بہت ہیں جنھیں سب کچھ معلوم ہے پھر بھی بات عقل میں نہیں آتی۔ لینے مسئلہ اصلاحات ہند کے متعلق کانگریس والے تو یہ کہتے ہیں کہ وہ تماشا یا ڈسمینٹ بندی ہے اور ہندوستانی رئیس کی غالب تعداد منھ لٹکا نا ک سکوڑ کے معترض ہے کہ مخصوص اختیارات کا

LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
M B KHAN ARTIST LUCKNOW

طفلِ خیال

چاک دل عاشقاں سیے گا کب تو لب پر مرے کب رکھے گا اصل لب تو
طفل خیالا مجسم دل کا ہو رفو آجا کہتا ہوں میرے گھر ایک شب تو

طفل عصار

رونڈے تیلی کے تجھ پہ جاتی ہے جان ہلاتی ہے مجھے بہت تری چرب زبان
چشمہ چپڑے کا باندھ کر آنکھوں پر اپنی الفت میں کر دے مجھے سرگردان

(ندیم)

فیشن ایبل

"تائی مائیل"

(۵)

سٹے کرے صاحب آنکھیں بند کیے کرسی پر نیم دراز میں محو تھے۔ عذاب جان جہان کے ستائے اور اپنی حماقت کے مجروح مسٹر روز آئے۔ بیٹھے۔ کھانسے کھنکھارے۔ کھنکھار کی صدا سے کرے صاحب نے آنکھیں کھولیں بھرائی ہوئی آواز میں بولے:۔

کرے "صبح بخیر۔ کہو دوست میں خیال کرتا ہوں کہ لونڈیا امیرانہ اخلاق سے بددل ہو کے بلند پروازی سے توبہ کر لی ہوگی۔ بہت تری امیر چھوکری کی دم میں امارت کا نمدا ہے"

روز "خدا جانے کیا بکتے ہو۔ ابھی وہ چھوکری سولہ برس پڑھی ہوئی ہے۔ بارہا مجھے اُس کے انداز گفتگو سے اندیشہ ہوا کہ ہماری وہ چال سمجھ گئی ہے۔ تمہارا نا خلف بھتیجا بھی الو کا پٹھا نکلا کمبخت مفت کی روٹیاں توڑتا اور غراتا ہے جب اندر سبھا دکھیل ہمکاراجہ اندر بن کے پریوں اور دیوزادوں کو لونڈی غلام خیال کرتا اور نادر شاہی حکم دیتا ہے تو میرا جی چاہتا ہے پکڑ کے منہ نوچ لوں۔ ناشدنی اپنے آپے سے باہر ہو گیا"

کرے "صبر کرو۔ بھائی صبر کرو۔ اصل یہ ہے کہ اس کمبخت نے امیرانہ انداز دیکھے ہی نہیں جو ان کی نقل اُتار سکے۔ وہ تو ہماری تمہاری خاطر سے امیر بنا ہے۔ اگر وہ اپنے بہروپ کے نباہ میں تمہاری گنجی کھوپڑی پر ایک ٹیپ بھی رسید کر دے تو جائے دم زدن نہیں اپنے مقصد اصلی کو ملحوظ رکھو۔ ایک ہلکی سی چپت میں چنداں ضرر متصور نہیں۔ عالم خیال میں چشم تصور کھول کے دیکھو تو سہی تمہاری لڑکی بیوں سے نفرت کرنے کے بعد اپنے کفو والبرٹوم کے ساتھ کسی گھنے جھونپڑے میں خوش و خرم بیٹھی ہوئی اُبلے شتاب رہی ہے۔ ایک طرف چولہا جل رہا ہے جس کا دھواں چھپر پر سیاہ وارنش کر رہا ہے۔ والبرٹوم کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا ہے۔ آدھا درجن بچے ننگے چل پوں مچا رہے ہیں۔ ایک ماں کی چھاتی سے چمٹا اس کی جان چوس رہا ہے دوسرا روتا تیسرا سر پر دھول لگا کے بھاگتا ہوا تھا ٹین کے پیپے کا نقارہ بجاتا پانچواں بستر پر پیشاب کرتا اور چھٹا باپ کے پتلون میں دوات انڈیل دیتا ہے۔ اللہ اللہ گھر آباد۔ دل شاد...."

روز "چپ رہ خبیث"

کرے "کیوں دوست ابھی کچھ غلط کہہ رہا ہوں؟ میں نے تو اولیا اللہ کی طرز معاشرت کا خاکا کھینچا ہے۔ اگر یہ اخلاقی تعلیم پسند نہ تھی تو کیوں تم نے یہ داؤں کھیلا۔ لونڈیا کو اس ہوس میں کہ وہ کسی روز ایک امیر کبیر کے گلے کا ٹھلا بنے گی بڑھیا ہو جانے دیتے۔ آخر تمہیں کیوں اُس کے خیالات بدلنے کا سودا اُٹھا"

روز "اب تو کیا اس جنون کی سزا یہ ہے کہ اجنبیوں کو سارا مال اپنا کھلا دوں۔ آپے لونڈے جاہے لونڈے۔ ایک بولی میں کام کرتا ہوں۔ اجنبی ٹکڑگدا کمبخت کھائے اور غرائے۔ آرام کرسی پر لیٹ کے گز اُڑائے"

کرے "دوست! یاد رکھو تم نے ایک امیر کتا پالا ہے جس کا فرض یہ ہے کہ مالک پر چوٹ کر کے وفاداری کا حق ادا کرے"

روز "لعنت ہے تیرے اس کتے پر۔ جو پورے ہفتہ بھر یہاں رہ گیا تو فرمائشوں کے مارے جینا دوبھر کر دے گا۔ خوب تو نے اپنا عذاب میرے سر منڈھا"

کرے "پھر تم اپنے اصلی مقصد کو بھول گئے۔ ارے بھائی یہ تو ایک تماشا ہے جو رضامندی کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے۔ اس پر ترش ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اگر اب گھبرا گئے ہو تو میں تمہاری صاحبزادی کے سامنے اس طلسم کو توڑ دوں گا"

روز "یعنے چہ؟"

کرے "یعنے یہ کہ میں اپنی بیوی کے بھتیجے کو اس کے اصلی نام سے جین کے سامنے مخاطب کروں گا اور بیان کر دوں گا کہ مسٹر روز کی سازش سے میں نے اس معمولی کلرک کی لونڈی گری جین کے سپرد کی ہے"

نوٹس نسبت دکھانے وجہ کے (عام طور پر) حسب دفعہ ۱۰۷

بحکم جناب مولوی فریدالدین احمد خاں صاحب سب جج بہادر فتحپور
عدالت سب ججی فتحپور مقام فتح پور ضلع کانپور
مقدمہ دیوانی نمبر ۲۹۴ بابت ۱۹۲۲ء
متفرقہ نمبر ۲۵ بابت ۱۹۲۳ء
درگا پرشاد ولد پنڈت سورج پرشاد قوم برہمن فوٹو گرافر مال روڈ شہر کانپور ڈگری دار

بنام

گیا سنگھ ولد گجراج سنگھ قوم ٹھاکر ساکن حال بابت تلوی پرگنہ و ضلع و تحصیل ہودت گنج ضلع رائے بریلی وغیرہ سنگھ عرف لالہ سنگھ ولد کالی سنگھ قوم ٹھاکر ساکن راوت پور پرگنہ ہتھگام ضلع فتح پور مدیونان
بنام گیا سنگھ وغیرہ سنگھ عرف لالہ سنگھ مدیونان

چونکہ ڈگری دار نے درخواست اس عدالت میں گذرانی ہے کہ زمینداری مفروقہ غیر موروثی ہے لہذا آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ آپ اصالتاً یا معرفت کسی وکیل کے جو حالات مقدمہ سے بخوبی واقف ہو بتاریخ ۲۸۔ فروری ۱۹۲۳ء بوقت دس بجے قبل دوپہر اس عدالت میں حاضر ہو کر درخواست کے خلاف وجہ دکھاویں۔ اگر ایسا نہ کریں گے تو درخواست مذکور آپ کی غیر حاضری میں یک طرفہ سماعت ہوگی۔

آج بتاریخ ۱۶۔ ماہ فروری ۱۹۲۳ء میری دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی — مہر عدالت

روز:۔ خدا کی مار تجھ پر۔ تو کیا میری لڑکی کے سامنے مجھے ذلیل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟"

کرے:۔ لاحول ولاقوۃ۔ تمہاری مانند ہو نہ جیتی۔ یار عقل سے کام لو۔ تمہارے سر پر جو مہمانداری کی آفت پڑی ہے وہ اسی تدبیر سے دفع ہونی ممکن ہے۔"

ہمارے مسٹر روز بہت ہی جھلائے۔ مگر نسا ان کے بڑھنے اور کرے کو مسکراتے دیکھ کے جھینپ منہ لٹکا کے گھر کی طرف پھرے۔

—(۶)—

"دعوت"

ناشکری کی ہیں بہت سو رسمان اور مہمان کی خاطر سے دو چار الفتے اور ہیں ہیں۔ سینس ہنس کھائیے پھوہڑ کا مال یہ دماں مثل ہو رہی ہے۔ دہقانی میزبان دل ہی دل میں جل رہا ہے اور منہ سے اپنے مجروح قلب پر کافوری مرہم کے پھائے چڑھاتا جاتا ہے۔ کبھی گھورتا ہے کبھی دھمکی دینے کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

زبان پر "حضور" اور دل میں "اے مزدور"

روز:۔ غالباً حضور (مزدور) کو اپنے شہر کی دلچسپیاں یاد آ رہی ہوں گی۔ دل چاہتا ہو گا کہ وہی فیشن ایبل رفیق یہاں بھی ہوں۔ مگر آہ خداوند (سور کے بچے) اس کور دہ میں ایسا عالی سامان کیونکر مہیا ہو سکتا ہے۔ میں تو حضور سے بہت شرمندہ ہوں۔"

لاٹ:۔ تو کیا اس سے تمہارا یہ مطلب ہے کہ میں اس آرام و آسائش کی جگہ کو پسند نہیں کرتا؟۔ غلط بالکل غلط۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر عمر نوح بھی مجھے ملے تو جی چاہتا ہے اسی گاؤں میں تیر کر دوں۔"

روز:۔ (دل میں) ہائے ہائے کمبخت عمر بھر کا نان نفقہ میرے سر منڈھنا چاہتا ہے۔ غضب کا سو نہ کو لگا۔ (بظاہر) زہے نصیب! زہے نصیب۔"

لاٹ:۔ خدا کی قدرت کے قربان جائیے۔ کیسی فرح آب و ہوا اس گاؤں نے پائی ہے ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

دہقان نے اپنا رومال زمین پر گرا دیا۔ کھانسا اور بہت ٹالنی چاہی۔ لاٹ نے جب دیکھا تو اس نے آنکھیں دکھائیں اشارہ کیا کہ دیہاتی اور فقیرانہ زندگی کی مدح و ثنا ہمارے پروگرام میں داخل نہیں مگر کون سنتا ہے۔

مس روز:۔ تو کیا حضور کا ارادہ مدتوں یہاں اقامت فرمانے کا ہے؟"

لاٹ:۔ کیا کہوں پیاری۔ اس گھر سے دم بھر کو ہٹنا دل پر دشوار ہے۔"

مس روز:۔ اے ہے یہ تو حضور کا امیرانہ اخلاق ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ یہاں سے جب حضور سدھاریں گے تو بھولے سے بھی ہم لوگ یاد نہ آئیں گے۔ امیر ہم صحبتوں کے جلسے ناچ راگ رنگ کھیل تماشے دعوتیں۔ جوا گھوڑ دوڑ۔ بھلا یہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی امیر کے ذہن سے اتر جائیں۔ جو امیر ان دلچسپ مشغلوں کو بھول جائے وہ امیر ہی نہیں۔ کیا میں امیروں کے مزاج سے واقف نہیں۔"

لاٹ:۔ توبہ۔ توبہ کیا کہتی ہو پیاری۔ میں اور اس گھر کو جس کی آبادی کو تمہاری سی حور چہرہ رونق دے رہی ہے بھول جاؤں۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔"

اب مسٹر روز جھنجھلائے۔ جھکے۔ منہ کان کے قریب لے گئے فرمایا "حرامزادے کیا کہہ رہا ہے۔" (بظاہر) اے خداوند۔ یہ سب حسن اخلاق ہے ورنہ یہ دیہاتی لونڈیا شہر کی پریوں کا حسن میں کیا مقابلہ کر سکتی ہے۔

جین:۔ بی ابا! یہ کیا بک رہے ہو۔"

روز:۔ بیٹی یہ انکسار ہے ہمارا۔ ہم لوگ دیہاتی ہیں نہ؟ تم اسے اپنی توہین خیال نہ کرو اور ہمارے لاٹ صاحب بہادر بھی محض رسم زمانہ اور شاعرانہ خوش اخلاقی صرف کر رہے ہیں وہ ہرگز یہاں قیام نہ فرمائیں گے۔

اور سچ تو یہ ہے کہ میرا بھی لاٹ صاحب کی ایذا دل پر جو اس کلیہ اعتراف ہیں انھیں جھیلنی پڑیں بہت کوفتا ہے۔ پھر چونکہ حضور کی مہمانی کا شرف بوجہ رفاہ عام کیا۔

جین:۔ ٹھنڈی سانس بھر کر۔ الٰہی خدا تیرا شکر ہے۔ تو نے اپنی عنایت سے اس عاجز کنیز کو ایسے محترم رئیس کے لیے قابل التفات قرار دیا۔ ہائے کیونکر بغیر لاٹ صاحب کے زندہ رہوں گی۔ اُف!۔

سجن سکارے جائینگے اور نین مرینگے رو
بدھنا ایسی کیجو کہ بھور کبھو نہ ہوئے

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس محترم رئیس نے ہم دہقانیوں کو تہذیب اور معاشرت کا نیا سبق اپنے چند روزہ قیام میں دیا۔ جسے ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔

روز:۔ خدا جانے کیا بکتی ہے۔ ارے یہ سبق کیسا؟"

جین:۔ ابا۔ ناشکری نہ کرو۔ بھلا تم ایسے فضول خرچ ایسے مہمان نواز۔ ایسے ملنسار۔ ایسے بااخلاق کب تھے!۔ یہ حضور ہی کے قدموں کی برکت ہے۔"

روز:۔ چپ! چپ!!"

جین:۔ واہ ابا۔ لاٹ کے سامنے تمہیں ایسے برتاؤ

نوٹس تاریخ مقررہ نسبت تصفیہ (شرائط) اشتہار نیلام

(آرڈر ۲۱۔ قاعدہ ۶۶)

بحکم جناب مولوی فریدالدین احمد خانصاحب جج بہادر فتحپور اجلاس سب جج فتحپور بمقام فتح پور ضلع کانپور

نمبر مقدمہ ۴۲ بابت ۱۹۳۱ء ۲۵ نمبر اجرا بابت ۱۹۳۲ء

درگا پرشاد ولد پنڈت سورج پرشاد قوم برہمن ساکن نوفرا فر مال روڈ شہر کانپور ڈگریدار

بنام

گیا سنگھ ولد مہراج سنگھ قوم ٹھاکر ساکن حال ریاست تلوی پرگنہ و تحصیل مہورت ضلع رائے بریلی و دیگ سنگھ عرف لال سنگھ پسر کالی سنگھ قوم ٹھاکر ساکن سادات پور پرگنہ نری ضلع فتحپور۔ مدیونان

بنام گیا سنگھ و دیگ سنگھ عرف لال سنگھ مدیونان ڈگری

چونکہ بمقدمہ مندرجہ عنوان درگا پرشاد ڈگریدار نے واسطے نیلام زمینداری مفروقہ کے درخواست گذرانی ہے لہذا آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تاریخ ۲ ماہ فروری ۱۹۳۳ء واسطے طے کرنے شرائط اشتہار نیلام کے مقرر ہوئی ہے۔

آج بتاریخ ۱۲ ماہ فروری ۱۹۳۳ء بہ ثبت میرے بدستخط اور مہر عدالت کے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

ضعیفی دور کرنیکی تدابیر

لیٹے لیٹے اعضا کو حرکت دیتے رہیے پھر نہ کبھی قبض اور سوء ہضمی کی شکایت ہو اور نہ بواسیر یا دیگر امراض کا اندیشہ۔ اعضا کو کس طرح حرکت دیا جائے اسکے واسطے کتاب میں بہ تصاویر موجود ہیں قیمت باوجود نہایت در صفات کے صرف عہ۔

ملنے کا پتہ:۔ سکھ سنچار کمپنی متھرا

اسکول برائے ممبران کونسل

مسٹر پنچ: ”بیشک، لاریب، پروفیسر صاحب! مہد سے لحد تک کل، امحتاج ہیں لیکن نکتہ شناس شاگرد بہت دنوں میں پیدا ہونگے“

معزز ناظرین

توسیع اشاعت کی جانب ضرور توجہ فرمایئے اور اودھ پنچ کو تقویت دیجیے۔

باقیدار حضرات وعدہ پورا فرمائیں اور منی آرڈر بھیج دیں۔ بھیجے ہوئے خطوط توجہ کے بہ نوع مستحق ہیں۔

نیز جن کی خدمت میں وی۔ پی بھیجے گئے ہیں وصول فرمانے میں فراخدلی کو کام فرمائیں۔

نیازمند احمد حسین باروی مینیجر

میرے ساتھ مناسب نہیں۔ اور یہ تو آپ کے واسطے
فخر کی بات ہے کہ حضور نے آپ کو ٹھاٹ سے رہنے
اور عمدہ ساز و سامان سے فائدہ اٹھانے کا سبق سکھایا
روز: صاحبزادی مجھے زیادہ نہ بناؤ۔ بوڑھا ہوں
مگر پاگل نہیں ہوں۔

لاٹ۔ ہائیں۔ ہائیں میرے کرمفرما
میرے محسن میزبان یہ آپ کیا فرماتے ہیں؟
جین: دیکھیں حضور کی تہذیب۔ اسے
کہتے ہیں غربا نوازی۔ بے نفسی۔ عدل
مساوات۔ عالی خیالی۔ وسیع النظری
پیارے لاٹ صاحب میں بہت شکر گزار
ہونگی اگر چھ مہینے اور آپ اس خانۂ
تاریک کو شمع جمال سے منور فرمائیں۔
روز: کیا کہا۔ ارے کیا کہا۔ ارے
چھ مہینے۔ اُف۔ میں مر گیا۔

بیچارہ گنوار ایک ہاتھ سے پتلون (جو ڈھیلا
ہو گیا تھا) سنبھالتا اور دوسرے ہاتھ
کو گھونسے کی طرح تانے کمرے سے باہر
نکل گیا۔

لاٹ صاحب: مسٹر روز بگڑ گئے۔
جین: بگڑ جائیں میں نے جو کچھ برتاؤ
کیا وہ انہیں کی بہتری کے لیے کیا ورنہ
مجھے کیا پڑی تھی۔ سچ کہیے کیا آپ ہم
لوگوں کی جدائی سے رنجیدہ نہیں؟
لاٹ: کیوں نہیں! خدا جانتا ہے
تمہاری جدائی از حد شاق ہے۔
جین: علی ہذا القیاس ابا جان کو بھی
آپ کا فراق۔ اور سب سے زیادہ حضور
کی توجہ خاص کی مستحق میری خادمہ جین
جس کے دل پر آتے ہی حضور نے اپنی
خوش خلقی اور حسن مروت کا سکہ بٹھا دیا۔
لاٹ: آہ۔ سچ کہتی ہو۔ اس قلق کا سانپ عمر بھر کلیجے
پر لوٹے گا۔
جین: ہاں جس طرح ابا انگاروں پر لوٹتے ہیں۔
لاٹ: کیا تم درحقیقت۔ ہاں کیا کہتا تھا؟ ایک

بات کیوں ہو؟
جین: شوق سے۔
لاٹ: میں کہتا ہوں کہ فرض کرو میں کوئی لارڈ
نہیں۔ تو؟۔
جین: اے ایسا نہ فرمائیے۔ آپ تو پہنچوں کے

"خلعت و پیکر چوبی"
"تیسری گول میز کا ہنستا کھیلتا نتیجہ"
لے چہرۂ زیبا سے تو رشکِ بتانِ آزری

رئیس ہیں۔ خواہ مخواہ وفا کا امتحان منظور ہے۔
لاٹ: ابھی فرض کرو۔
جین: (مسکرا کے) جی نہیں مشاہدے میں فرض کو
کیا دخل ہے۔
لاٹ: ابھی میرا ارادہ ہے کہ دولت پر لات مار کے

تمہارے یہاں مزدوری دستوری کروں۔ بلا سے تمہاری
پیاری صورت کا نظارہ تو روز ہوگا؟
جین: اے دو تین روز تک غریب مزدور میری صورت
دیکھتا رہا۔ اور ابھی تک پیٹ نہیں بھرا۔ غریب مزدور
نے اپنے بوٹ صاف کرنے کی فرمائش......
لاٹ: ارے زیادہ شرمندہ نہ کرو۔
میں کل ہی یہاں سے رخصت ہونے والا
ہوں۔ دراصل میں نے تم لوگوں کو دھوکا
دیا۔
جین: کیا۔ کیا؟۔ دھوکا؟
لاٹ: ہاں۔

دروازے میں ہلچل مچی۔ ایک شکار
دیدہ عقاب یا بُل ڈاگ کی طرح مسٹر روز
گھر میں گھسے...... ہا۔ ہا۔ ہا ہا ہا۔
ابے نکل حرامزادے میرے گھر سے۔
موذی۔ نمک حرام۔ کلرک کے بچے۔ ابے نکل
یا بلاؤں پولیس کو کمبخت مفت خورے۔
دوڑو۔ دوڑو۔ مجھے اس فریبی نے لوٹا۔
اری این دیکھتی کیا ہے۔ لے ہاتھ میں
جوتی اور لاٹ صاحب کی ساری چندیا
پر چڑھاؤ کا کام شروع کر دے۔
حملہ غیر مترقب اور اچانک تھا لاٹ صاحب
سٹ پٹائے جلدی سے ایک پاؤں میں
بوٹ پہنا اور دوسرا ہاتھ میں لیے باہر کی طرف
بھاگے۔
جین: (با آواز بلند) لاٹ صاحب اپنے
میرے بیا مسٹر کرے کو ہمارا سلام کہدیجیے گا
آپ کا سامان آدھے گھنٹے میں بھیج دیا
جائے گا۔ ختم شد

راقم — مہندی ہم کم

المختصر

اگر شرافت خوب سی تحریر گفتار سے خالی ہ انسان گنا ہ کی... بیر چمیں کیا
مفلس اہل ذوق کو مژدہ
اخباری کاغذ کے دفتر میں ایسی درخواستوں سے

نہیں رہتے کہ حضرت ہم مفلس ہیں دلوائیے آدھے داموں پرچہ اللہ آپ کا بھلا کرے گا۔ ہر صاحب درد کا دل ان مفلسوں پر کڑھتا ہوگا۔ ہمارا دل بھی کڑھتا۔ دل سے دعا کی کہ اللہ ان مفلسوں کی مراد بر لائے چنانچہ دعا قبول ہوئی اور ہمارے محترم دوست جناب نواب سید علی سجاد صاحب بہادر (آف پٹنہ) نے بیلغ عمہ روپیہ نقد بہ مد توسیع اشاعت عنایت فرمائے۔ منیجر صاحب اودھ پنچ اعلان کرتے ہیں کہ ۲۰ خریداروں کو جو آٹھ آنے اوپر دو روپیہ یعنی ڈھائی روپیہ میں سال بھر پرچہ بھیجنے کے لیے آمادہ ہیں۔ فی خریدار ڈھائی روپیہ ادبی خیرات (عطیہ نواب صاحب موصوف) سے خریدار کے نام لکھے جائیں گے۔ اس طرح خریدار صاحب کو نصف قیمت پر سال بھر پرچہ مل سکے گا۔ اس خیرات میں طالب علموں کا حق (بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر) مرجح ہے گا۔ خواہ جنس ذکور میں ہوں یا اناث میں آخر مارچ تک درخواست کے ساتھ منی آرڈر بھیجے ایسی حالت میں شکریہ میں مشترک ہوگا یعنے آدھا شکریہ دفتر ادا کرے گا اور آدھا شکریہ خریدار۔

محبت کے زعم میں گستاخی

پیرزادہ عبدالحمید صاحب بی اے ایل ایل بی پلیڈر سکریٹری سیرت کمیٹی شہر جالندھر نے "نذر دربار" کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے۔ ان شعرا سے جو نعتیہ و مدحیہ نظمیں لکھتے اور کہتے ہیں درخواست کی ہے کہ سوقیانہ اور عامیانہ اشعار سے اجتناب کریں۔ بات نہایت معقول ہے مقبول ہونی چاہیے۔ اللہ اور اس کے رسول کو بازاری شوق و عشق کے گستاخیاں کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ بغرض جو چھپے نمبر کا صرف و محل یہ نہیں ہے۔ پیرزادہ صاحب نے ایسے مہذب اور متین چار رفاہ منظومات شعرائے بغرض اشاعت بھیجے ہیں جن میں کہ اخلاق حسنہ کی تعلیم ہے۔ امید ہے کہ شعرائے عصر پیرزادہ صاحب کی خدمت میں اپنا کلام بھیجیں گے۔

ضرورت رشتہ

ایک شیعہ سرکاری ملازم کے جن کی تنخواہ ڈھائی سو روپیہ ماہوار ہے۔ اور عمر ۲۸ سال ہے ایک موزوں رشتہ کی ضرورت ہے۔ لڑکی کا خوبصورت اور معزز خاندان کی ہونا ضروری ہے۔

مراسلت "ش۔ م" معرفت اودھ پنچ لکھنؤ کے پتے سے کی جائے۔

نظر اور نظر

جناب نذارت رسول صاحب بانکی پور سے ایک عجیب لطیفے کا حال لکھتے ہیں یعنی ایک صاحب نے شعر کہا ؎

نظر سے غائب بستی ہو گئی کیا کہیں اب فرقت تو میاں

ایک اہل زبان نے اعتراض کیا کہ نظر بسکون ظا صحیح ہے اور سند میں لغت کی کتابیں پیش کیں مگر دوسرا گروہ کسی طرح قائل نہیں ہوا۔ نذارت صاحب ہم سے دریافت کرتے ہیں کہ ہم کچھ حکم دیں۔ لے صاحب شاعر صاحب لغت کی نہیں سنتے تو ہماری کیا سنیں گے۔ سامنے ہوتے تو متحرک نظر بالجبر ساکن کر دی جاتی۔

حکم امتناعی برخلاف جائداد غیر منقولہ بعلت اجرائے ڈگری قابل قرقی ہے

(آرڈر ۲۱۔ قاعدہ ۵۴)

بحکم مولوی فرید الدین احمد خاں صاحب منصف بہادر فتح پور
بعدالت منصفی فتحپور مقام فتح پور ضلع فتحپور
مقدمہ نمبر ۲۴ نمبر اجراء ابتدائی بابت ۱۹۳۱ء نمبر ۱۲۵ اجراء ۱۹۳۲ء
درگا پرشاد ولد پنڈت سورج پرشاد قوم برہمن فرم گلافر مل روڈ شہر کانپور ڈگریدار

بنام

گیا سنگھ ولد گجراج سنگھ قوم ٹھاکر ساکن حال ریاست تاوی پرگنہ و تحصیل صورت گنج ضلع رائے بریلی وغیرہ بچے سنگھ عرف لال سنگھ ولد کالی سنگھ قوم ٹھاکر ساکن راوت پور پرگنہ بندکی ضلع فتح پور مدیونان

بنام گیا سنگھ و بچے سنگھ عرف لال سنگھ مدیونان

ہرگاہ کہ آپ نے ایفائے ڈگری کا نہیں کیا جو آپ پر ۱۷۔ ماہ جولائی ۱۹۳۲ء کو بمقدمہ نمبر ۲۴ سنہ ۱۹۳۲ء بحق ڈگریدار بابت مبلغ ۵۷۲ روپیہ ۷ آنہ صادر ہوئی تھی۔ لہذا حکم دیا جاتا ہے کہ آپ یعنے مدیونان مذکور تا وقتیکہ حکم ثانی اس عدالت سے صادر نہ ہو جائداد محصرہ فرد تعلیقہ منسلکہ کو بذریعہ بیع یا ہبہ کے یا اور طور پر منتقل کرنے سے ممنوع اور باز رکھے گئے ہیں۔ اور تمام اشخاص جائداد مذکور بذریعہ خرید یا ہبہ کے یا اور طور پر لینے سے باز رکھے گئے ہیں۔

تاریخ پیشی ۲۷ فروری ۱۹۳۳ء

آج بتاریخ ۱۲۔ ماہ فروری ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

فرد تعلیقہ

۱۔ حقیت زمینداری موضع گنگولی پرگنہ منجملہ ۱۶ آنہ کے ۷ر ۹ر ۲ کرانت
۲۔ حقیت زمینداری موضع کھدرا پرگنہ بندکی ضلع فتحپور منجملہ ۱۶ آنہ کے ۷ر ۹ر ۱۰ کرانت
۳۔ حقیت زمینداری موضع تکی محال گلزار سنگھ پرگنہ وتحصیل کھجوہہ منجملہ ۱۶ آنہ کے ۷ر
۴۔ حقیت زمینداری موضع مہرہا محال الشمار سنگھ پرگنہ بندکی منجملہ ۱۶ آنہ کے ۱/۱۲ حصہ
۵۔ حقیت زمینداری موضع مہرہا محال رام نرائن پرگنہ بندکی منجملہ ۱۶ آنہ کے ۱/۱۲ حصہ
۶۔ حقیت زمینداری موضع مہرہا محال مان سنگھ پرگنہ بندکی منجملہ ۱۶ آنہ کے ۱/۱۲ حصہ
۷۔ حقیت زمینداری موضع مہرہا محال دھونکل سنگھ پرگنہ بندکی منجملہ ۱۶ آنہ کے ۲ر پائی ۱۶ کرانت ۲ جو
۸۔ حقیت زمینداری موضع مہرہا محال رسالی سنگھ نبی گیا سنگھ پرگنہ بندکی ضلع فتحپور منجملہ ۸ آنہ پائی ۱۴ کرانت ۴ جو کے حصہ

مہر عدالت — دستخط حاکم

اطلاعنامہ حسب دفعہ ۱۸۰ قانون قبضہ اراضی ایکٹ نمبر ۳ سنہ ۱۹۲۶ء مجریہ اجلاس سید

محمد عبدالصمد صاحب بہادر اسسٹنٹ کلکٹر و تحصیلدار قائم گنج ضلع فرخ آباد

بعدالت مال تحصیل قائم گنج
نمبر مقدمہ ۲ سنہ ۱۹۳۲ء
پیشی ۱ مارچ سنہ ۱۹۳۳ء
نواب سید قاسم عباس ساکن قصبہ شمس آباد مدعی

بنام

نتھے و جھلا نابالغان پسران لکھا بولایت مساۃ پارتی والدہ خود قوم کسان ساکنان و کاشتکاران موضع فرید پور رنگلے پرگنہ شمس آباد پچھم مدعا علیہم

چونکہ بذمہ تم نتھے وغیرہ کے مطالبہ تعدادی عہ روپیہ بنام مدعی بہ تفصیل ذیل واجب الادا ہے اور تم اس کو اس وقت تک ادا نہیں کیا ہے اور جس کی وصولی کے لیے مدعی نے درخواست بمنشاء دفعہ ۱۸۰ قانون قبضہ اراضی ایکٹ نمبر ۳ سنہ ۱۹۲۶ء اجلاس ہذا میں گذرانی ہے لہذا بذریعہ نوٹس ہذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ زر مذکور مع خرچہ اندر تیس یوم تکمیل نوٹس سے اجلاس ہذا میں داخل کرو۔ اگر زر مذکور اندر میعاد داخل نہ کروگے یا برطبق اطلاعنامہ ہذا میں عذر پیش نہ کروگے تو تم اراضی مندرجہ ذیل سے بیدخل کیے جاؤ گے

نام موضع فرید پور رنگلے محال پرگنہ شمس آباد پچھم تحصیل قائم گنج ضلع فرخ آباد

سنہ	نمبر خسرہ	رقبہ	لگان سالانہ	وصول
سنہ ۱۳۳۸ف	۴۴ د محہ	۹۸ — ۱	عہ ر	۹ر ۴
سنہ ۱۳۳۹ف	"	"	عہ ر	"
سنہ ۱۳۴۰ف	"	"	عہ ر	"

باقی	سود	کل	تاریخ بنائے مخاصمت	
			خریف	ربیع
للعہ	۱۱ر ۴	عہ	[illegible]	[illegible]
عہ ر	۶ ر	عہ ر		
[illegible]	۲	[illegible]		
[illegible] ۱۴ر ۱	۱ر ۴	[illegible]		

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔ دستخط حاکم

مہر عدالت

جلد ۱۸ نمبر ۸

مضامین پنچ

(مورخہ ۵ مارچ ۱۹۳۳ء)

غزل

(از حضرت علامہ شاعر یگانہ احمق پھپھوندوی)

میری چھاتی کو نہ پوچھو کہ پچی کتنی ہے   یہ کہو تہمت تاوک فگنی کتنی ہے
پوچھ گچھ یہ تو ہے کم آپکی تنخواہ ہے کیا   اس کی پرسش ہے بہت آمدنی کتنی ہے
سچ بتانا کہ تیرے ہاتھ سے اے ہادی قوم   بگڑی ہے تری قوم ۔ بنی کتنی ہے
جان من وصل سے انکار کوئی بات بھی ہو   یہ تو سوچو کہ مری دل شکنی کتنی ہے
جو یہ کہتے ہیں کہ بعقادو رمغل ہیں اندھیر   اب کہیں راہزنی ۔ ڈاکہ زنی کتنی ہے
اُن کو دیکھو جو ہیں اسباب معیشت سے نفور   جاگزیں قلب میں دنیا سے دنی کتنی ہے
جن کو ہے قیمت یاقوت لب یار کا علم   وہ کہیں قند ۔ عقیق یمنی کتنی ہے
دل سے نکلی کہ سر باب اجابت پہونچی   ہمت آہ بھی ۔ اللہ غنی کتنی ہے
یہ بھی سوچا کبھی اے مسرف ناداں تونے   خرچ کتنا ہے ترا ۔ آمدنی کتنی ہے
ملک کے غم میں پھنکے جاتے ہیں سب کے سب شیخ   شعلہ زن آتش حب الوطنی کتنی ہے

ظاہرہ اپنا کبھی مشکوک نہ رکھو احمق
نہ سہی ہرج ۔ مگر سوء ظنی کتنی ہے

معشوق پیشہ ور

نمبر ۲

(تتمہ ۱۹ فروری ۱۹۳۳ء)

امیر خسرو صاحب کے دل میں بھی گھانس کے تنکے چھپے معلوم نہیں کہ حضرت دل نے گھانس پر منہ مارا یا نہیں ؎

لبکاہ فروش کاہ بر دوش کمن   ہر جا کہ خسے بود در آغوش کمن
بر سر کردی کنہ از پئے مصلحتے   دل در غم موئے تست فرموش کمن

دوسری جگہ جولاہے کے تانے بانے میں دل اٹکا ۔ اُسی اُدھیڑ بُن میں فرماتے ہیں ؎

جولا بچہ کہ عشقبازی آموخت   درزی بزانو جامۂ تلبیس دوخت
مجنوں میان ونقد جان می طلبد   گوئی کہ بہ ریسمان باریک فروخت

عجیب دل ہے کہ ایک جگہ ٹھہرتا ہی نہیں شانہ (کنگھی) ساز کی ایک رولی کنگھی کے دندانوں سے یوں خلال کرتا ہے ؎

اں شانہ گرے کہ ساختۂ زلف تو   افتادم در پاش من دیوانہ
یک تو دو شانہ بود در پیش من   یک موئے بدم میان چندیں شانہ

جوگی بچہ زیادہ توجہ کے قابل نہیں اس لیے کہ وہ خود عشق حقیقی کی الف بے پڑھتا ہے اور عاشق پر عاشق ہونا بیکار ہے مگر نہیں دل ہی تو ہے ؎

جوگی پسرے نہفتہ در خاکستر   لیلے روشے بود وے مجنوں سر
از خاک بغفزود چہ آتش آرے   آئینہ ز خاک می شود روشن تر

نائی کی کسوت کا میل کچیل دیکھیے اور عشق کی ستھری طبیعت ؎

حجام پسر بخوبی و رعنائی   آئینہ رخے بود بعید زیبائی
گفتم صنا بر درت آیم روزے   فریاد برآورد کہ "نائی نائی"

نعل بند کی نعل سے دل کی پائمالی دیکھیے ۔ ٹاپوں کا سہنا دشوار ہے مگر عشق ! عشق ہے ؎

دی آں بت نعل بند نعلے در دست   بر بست میاں را و دو زانو بنشست
دیگر چہ تواں گفت درین عالم پست   بدرے بسم اسپ ہلالے می بست

جب کسی بہشتی بچے کے چاہ الفت میں دل ڈانواڈول ہوا تو یوں ڈبکوں ڈبکوں پکارنے لگا ۔ ؎

سقا پسرا بشتیا ماہ وشی   چوں آب بہ برج آب داری خوشی
پیوستہ ز آب لب تو تشنہ لبم   با آنکہ تو آب خلق بر دوش کشی

دل کی مچھلی ماہی گیر کی شست میں پھنسی اور بیگن مچھلی کی طرح زور سے تڑپنے لگی ؎

ماہی گیرا چو شست کردی پرتاب   بستی دل من چو ماہی اندر آب
از حسرت دیدنت چو دام ماہی   گشتم ہمہ تن چشم و ہمہ چشم پر آب

موچی کی سُتالی دل کی تلی میں سلو کی بخیہ کرتی ہے ۔ اللہ بسر کی خیر رکھے ۔ جو کچھ گزرنی ہے دل ہی پر گزر جائے ؎

اے کفش گر از من دل و دین خواستہ کن   مہ راز جمال خویشتن کاستہ کن
بر کفش زنی و زفش جانم دوزی   جان می بر داد تو کفش آراستہ کن

فیضی صاحب کا بھی ایک سنگ تراش کے ساعد سیمیں اور کلائی سنگین پر کڑھتا ہے ؎

اے سنگ تراش دل ترا یاد کند   از سنگ دلیہائے تو فریاد کند
از بہر چہ تیشہ می زنی بر سر سنگ   شیریں نسزد کہ کار فرہاد کند

پھر اسی دل کا شیرازہ جلد ساز پر یوں بکھرتا ہے ؎

آں شوخ مجلد کہ وفا کم دارد   سر رشتۂ جان بدست محکم دارد
اجزائے وجود من کہ ابتر شدہ بود   عمرے است کہ در شکنجۂ غم دارد

اس محکم شکنجے سے چھوٹتا ہے تو بنہارے کی چکّی میں پستا ہے ۔ معلوم نہیں چوکر کون کھاتا ہے ؎

دقاق پسر کار دلت بیداد است   داد از دل سخت تو کہ چوں فولاد است
آئین ستمگری عیانت یاد است   کز دست تو چوب و سنگ در فریاد است

تحفہ احقر حقیری ہوگا۔ میرے کشکول میں جو ذخیرہ دستیاب ہوا اودھر کدھر سے اکٹھا ہوگیا ہے وہ بغل احباب کے لیے جناب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

یہ کشکول میں سے ایک جنس کی پہلی قسط ہے۔

پچھلے دنوں ہمارے اودھ پنچ میں مسلسل ایک مضمون کنایات عربی و انگریزی پر شائع ہوا تھا اس کو دیکھ کر خیال پیدا ہوا کہ اُردو محاورات کی توجیہ آج تک (غالباً) کسی نے نہیں لکھی۔ لہٰذا اس خدمت کو میں انجام دوں۔ سردست چند محاورات کی توجیہ معزز قارئین اودھ پنچ کی دلچسپی کے لیے (بشرطیکہ پنچ بہادر ہمارے حق میں فیصلہ دیں) عرض کرتا ہوں۔ پسند ہوئے پر آیندہ اس جنس میں سے اور نذرِ ناظرین کروں گا:۔

(۱)۔ **بھانجی مارنا**۔ (یعنی) کوئی شخص کسی کام کو (اپنے یا دوسرے کے لیے) کرنا چاہے اور کوئی اور شخص وہ کام نہ کرنے دے یا ایسی بات کہے یا کرے کہ کرنیوالا اُس قصد سے باز رہے۔ توجیہ۔ بھانجنا۔ بھنجنا۔ بٹنا۔ بل دینا۔ اینٹھنا۔

بھنجی یعنی بٹواں (یا پورب میں بولتے ہیں) بھنجواں رسی صفت قائم مقام موصوف ہوکر اسم ہوگیا۔ جیسے مویز منقے کے بجائے صرف منقے بولتے ہیں۔

چونکہ راہ زن ٹھگ پہلے زمانے میں مضبوط بٹی ہوئی رسی میں ایک گرہ لگاکر جس کو لوٹنا چاہتے تھے اُس کی گردن میں اُس بھنجی (رسی کا پھندا اس طور سے ڈال دیا کرتے تھے کہ ٹھیک نرخرے پر رسی کی گرہ بیٹھ جاتی تھی۔ اور اُس شخص کی سانس بند ہوکر بے قابو اور قریب المرگ ہوجاتا تھا کہ آواز بھی حلق سے نہ نکل سکتی تھی۔ یہ محاورہ اس سے نکلا ہے یعنی کام کرتے کرتے روک دیا۔

(۲)۔ **تائیں تائیں فش**۔ پہلے روز شور بعدہٗ کچھ نہیں۔ غل شور یا بات چیت زیادہ اور نتیجہ کچھ نہیں۔ توجیہ دھنیے (ندّاف) کی دھنکی کی آواز سے یہ محاورہ نکلا ہے جب کہ وہ دھنکی کی تانت پر گھسیا مارتا ہے اور قریب قریب ایسی ہی آواز نکلتی ہے۔ بعض لوگ بجائے تے کے تائے ثقیلہ (ٹ) ٹائیں ٹائیں بولتے ہیں۔

(۳)۔ **تیرہ تین ہونا۔ تیر اُلٹنا۔ دیوالہ نکلنا۔ دیوالہ نکالنا۔ دیوالیہ ہونا**۔ (ٹاٹ اُلٹنا زیادہ مستعمل ہے) عموماً دستور ہے مہاجن یا دوکاندار ٹاٹ (ٹاٹ) کے فرش کے نیچے جس پر وہ بیٹھتے ہیں دن بھر کی جو کچھ بکری کی آمدنی ہوتی ہے اُس کو رکھتے جاتے ہیں۔ جب ٹاٹ اُلٹ کر دکھلا دیا کہ اب کچھ جمع نہیں یا تحویل میں کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ سا کھو جاتی رہی۔ اس سے یہ محاورہ بنا۔

(۴)۔ **کتے خصی میں پڑنا**۔ مشکلات کا سامنا ہونا کسی بات کا ٹھیک فیصلہ نہ کرسکنا۔ جھگڑے میں پڑنا۔ توجیہ۔ حکایت ہے کہ ایک سادہ لوح شخص ایک بکرا لیے جاتا تھا۔ چند بدمعاشوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کسی تدبیر سے یہ بکرا اُڑانا چاہیے چنانچہ وہ لوگ ایک ایک دو دو کرکے راستے میں مختلف جگہوں پر کھڑے ہوگئے۔ سب سے پہلے ایک بدمعاش نے بکرے والے سے کہا "میاں یہ جھبرا (بالدار) کتا نہایت عمدہ ہے کہاں سے لائے؟"

جب وہ بکرا لیے آگے بڑھا تو دوسرے نے کہا "بھئی یہ پہاڑی کتا کتنے کو خریدا ہے؟" اسی طرح تیسرے شخص نے بکرے کے مالک سے کہا "یہ کتا تو اس ملک کا معلوم نہیں ہوتا یہ غالباً اسپینیل (ملک ہسپانیہ کا) ہے اسی وجہ سے غریب گرمی کے مارے ہانپ رہا ہے" جب بکرے والا سوچتا ہوا کہ کیا بات ہے یہ کتا ہے یا خصی (بکرا) اور آگے بڑھا تو ایک موقع پر چوتھا شخص سلام علیک کرکے بکرے والے کے پاس آکر کہنے لگا کہ "واللہ اتنا عمدہ اور اس قدر بڑا اور خوبصورت کتا ہم نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ یہ تمہارا معلوم نہیں ہوتا ضرور کسی امیر شوقین کا ہے" بکرے والا ابھی دس پانچ ہی قدم چلا ہوگا کہ ایک شخص نے جلدی سے جھپٹ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور اُس کے کان میں چپکے سے کہا کہ "یار یہ کتا چوری کا ہے کیونکہ اسی حلیے کے ایک کتے کے گم ہونے کی کئی دن ہوئے پولس میں رپورٹ ہوئی ہے ایسا نہ ہو کہ تم مفت میں دھر لیے جاؤ" یہ بیچارہ لڑکا (؟) راہبت پریشان ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یقیناً کچھ نہ کچھ بھید ہے۔ میں نے تو بکرا ہی خریدا تھا یہ کتا کیسے ہوگیا۔ میں نے یہ کیا ہا مول لے لی جو دیکھتا ہے وہ کتا ہی بتاتا ہے۔ یہ بکرا نہیں کتا ہی ہے۔ یہ نظر بندی کا تماشا ہے میرے ہاتھ بکرا کہہ کے بیچا گیا۔ آخر اُس غریب نے اس (خصی) بکرے کو کتا سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور یاروں کے بغیر زحمت مال مفت ہاتھ لگ گیا۔

(نوٹ) اس محاورے سے ضرب المثل بنی ہے کہ "کتے خصی میں کون پڑے" یعنے یہ کتا ہے یا بکرا۔ جھگڑے سے الگ رہنے کے موقع پر بولتے ہیں۔

مراقب ————

(خواجہ) محمد باقر حسن سہارن پوری

آن را کہ حساب پاک است

اخبار الخلیل میں کسی مصیبت زدہ رام پوری کی تحریر کی آڑ لے کر شائع کیا گیا ہے کہ رام پور میں موجودہ نواب صاحب کی تخت نشینی اس قدر منحوس ثابت ہوئی ہے کہ یہاں کی آبادی روزانہ گھٹ رہی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہی امروز فردا ہے تو رعایا تباہ حال ہوکر ترکِ سکان پر مجبور ہوگی اور ریاست میں اُتو بولے گا نواب صاحب ہوں گے اور اُن کی وابستگی کے سامان ہوں گے یا ان طریقت ہوں گے اور اُن کے علاوہ ریاست بھر میں کوئی متنفس نہ ہوگا اس مضمون کے بعد مفصل حالات کی اشاعت کا آیندہ وعدہ فرمایا ہے اخبار الخلیل ثام کو ہفتہ میں دوبار ہے اس طرح ۱۵ فروری سے بیند اور لگی کہ آیندہ نمبر میں وہ بم ہوگا کہ رام پور کی آبادی زمین سے اُڑ کر آسمان پر پہنچ جائے گی لیکن ۱۵ سے ۸ تک کوئی نمبر شائع نہیں ہوا۔

اب سنیے الخلیل کی تو غلط ہو نہیں سکتی۔ اس لیے کہ آپ کا رشتہ کسی فرشتے کے پر دل سے بندھا ہے اس لیے یقین کر لیجیے کہ رام پور کی پانچ لاکھ کی آبادی میں صرف پچاس کس باقی ہیں سب رام پور کو چھوڑ گئے یہ پچاس آدمی یہاں کیا کر رہے ہیں یہ

دس آدمیوں نے دو سو اسی میل سڑکیں بنائیں اور دس آدمیوں نے تقریباً چالیس میل اسٹیٹ ریلوے کی پٹری بچھائی دس آدمیوں نے سڑکوں اور پٹری کے درمیان چالیس پل بنائے۔ دس آدمیوں نے شہر کے تنگ کوچوں کو وسیع سڑکوں میں بدلنا شروع کر دیا۔ دس آدمیوں نے نوآباد میں (۱۱) گاؤں نئے آباد کیے اب سخت ضرورت ہے کہ اخبار الخلیل کی ڈاک شہر سے تھیلوں میں بذریعہ ریلوے بھیجنے والا کوئی نہیں کیا ہو سکتا ہے کہ انجن میں کوئلہ بھرنے کے لیے کسی بیکار ایڈیٹر اخبار کو یہاں بھیج دیا جائے؟ تنخواہ کا معاملہ زبانی طے ہو جائے گا۔ اور آخری التماس یہ ہے کہ ہمارے برادران وطن جو پچاس کم پانچ لاکھ اخبار الخلیل کے دفتر میں مقیم ہیں۔ اُن کی خیریت سے مطلع فرمایا جائے گا آپ کے مصیبت زدہ کوئی ایسے بزرگ ہیں جو نام شائع نہیں کر سکتے اور ہم بانگ دہل کی اجازت کے ساتھ اپنا نام شائع کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

اور سب سے بہتر یہ ہے کہ دہلی سے رام پور دور نہیں ہے خود ایڈیٹر صاحب بہادر دو روز کے لیے کیوں نہ چلے آئیں ہاں یہ دقت ضرور ہے کہ ہوٹل میں اتو بول رہا ہے کھانا گھر سے لانا ہو گا پبلسٹی افسر صاحب دباؤ پر روپیہ دینا نہیں جانتے کرایہ بندہ واپس کر دے گا بشرطیکہ رام پور کی آبادی کم ملی۔

راز رام پوری ۱۰ فروری ۱۹۳۲ء

پنچ - یہ خط جناب راز رام پوری کی جانب سے موصول ہوا جو تھوڑی سی عبارت حذف کرنے کے بعد مطابق اصل شائع کیا گیا۔ اس خط میں رام پور کی گھٹتی ہوئی آبادی کا دلچسپ حساب درج ہے۔

قبل ازیں ہم ایک مضمون میں اخبار نویسوں کی عجیب و غریب روش پر خامہ فرسائی کر چکے ہیں۔ یہ روش ننگی تو ہو گئی ہے مگر ...... کی بددے ابھی تک زمین پر الّو کرنے کی مشق نہیں چھوڑتی ایک عجیب تماشا ہو رہا ہے جس کے بازیگر کئی ہندو اخبار نویس بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ پہلے یہ لوگ کسی ریاست پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ احب بطرح خوانی عنایت ہو اگر اس سے کام نہ چلا تو پھر آہستہ آہستہ مدح اپنا ہمیں بدل کے ذم اور ہجو کا بہروپ اختیار کر لیتی ہے جب یہ بھی پڑا قاسلگ کے رہ جاتا ہے تو رعایا کی ماتا کھیچے میں گھس جاتی ہے اور اس آڑ میں کبھی انگریزی حکومت سے مداخلت کی استدعا کی جاتی ہے کہ اس نابکار والی ملک کے کان گرم کر دو۔ ہائے۔ رعایا پر ظلم ہوتا ہے۔ واویلا ہے بیداد ہے فریاد ہے۔ اگر واقعی رئیس کے چال چلن میں اتنا نشیب ہوا کہ پانی مرنے لگا تو انگریزی حکومت حسب مصلحت نشتر سے اس دُنبل کا بدگوشت کاٹتی چھانٹتی اور چور تلاش کرنے کی سعی فرماتی ہوگی بعد حضرات اہل قلم کے لیے دو راہیں قدرتاً کھل جاتی ہیں۔ ایک تو ہندوستان کے خیر خواہی کی طرف جاتی ہے دوسری ہندو اور مسلمان کی مذہبی عداوت کی طرف۔ پہلی راہ کے مسافر تو فرماتے ہیں کہ غضب کیا انگریزی حکومت نے سب گورے چمڑے والے بھر دیے۔ آہ ہندوستان تیرے حقوق قدیم نشان مٹ رہے ہیں۔

دوسری راہ کے راہرو غُل مچاتے ہیں کہ یہ سب کیا دھرا ہندوؤں یا مسلمانوں کا ہے (جیسی صورت ہو یا جس مذہب کا طرفدار ہو) ورنہ رئیس تو نہایت نیک ہے۔ ہائے ہائے کشمیر کا انتقام لیا جا رہا ہے۔ اُن کی یہی مثل ہے کہ ایک تھے رشی جی (زاہد مرتاض) اتفاق سے اُن کے گھر میں ایک چوہیا پر بلی نے حملہ کیا۔ رحم کا چوہا جو موش دان سینہ میں پھڑپھڑایا تو انھوں نے دعا کی کہ اے پرمیشر میری چوہیا بلی ہو جائے چوہیا بلی بن گئی۔ لگی میاؤں میاؤں کرنے کچھ دنوں کے بعد بلی پر کتا جھپٹا۔ بلی پناہ لینے رشی جی کی پشت پر چھپی۔ اور انھوں نے دعا کی بلی کتے کی شکل ہو گئی۔ بعد چندے کوئی شیر کٹہرے سے چھوٹ گیا۔ اور سناٹا دیکھ کے لگا ادھر اُدھر سیر گشت کرنے۔ حسن اتفاق یا سوء بخت کہ رشی جی کی کٹیا کی دربانی کتے صاحب فرما رہے تھے۔ شیر نے جو دھڑ دکا مارا تو سگ معظم دعائی دُگتے کی نئی قسم، رشی صاحب کی طرف دُم ہلاتے بھاگے۔ رشی صاحب کو اپنی دعا میں پھر ترمیم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور آخر کتے صاحب جنگل کے شیر ہو گئے۔ آپ جانیے شیر کے غصے کا لکھا اُس کی ساڑک دماغی کا نباہ بہت مشکل ہے ایک دن رشی صاحب نے پالو کتا سمجھ کے فرمایا "دوت دوت"! میاں شیر کو آیا تیہا اور اچھل کر ایک تھپڑ جو رسید کرتے ہیں تو رشی صاحب بیکنٹھ باش ہو گئے۔

پس ان ریاستوں کے انقلاب بھی رشیوں (اخبار نویسوں) کی دعائے خود مستانہ کا نشست گزار ہے۔ شکایت کرنے والے بھی ہندوستانی ہندو مسلمان۔ اور شکایت کے اثر پر توجہ کرنے والے بھی ہندوستانی ہندو مسلمان یا یہ اُن کی قلمی دعاؤں کا فیض ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے ابھی تک رام پور کے رئیس میں روشن دماغی اور بیدارمغزی کی صلاحیتیں نمایاں ہیں۔ کسی رئیس کے ذاتی مشاغل کچھ بھی ہوں جب تک وہ رعایا پر کوئی ناواجب دباؤ نہیں ڈالتے اُس وقت تک قابل سماعت نہیں ؎

ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام اخبار نویس ایسے ہی ہیں نہ اس وقت کوئی خاص فرد شمار الیہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نیک نیتی کے ساتھ کسی دھوکے میں مبتلا ہو گئے ہوں۔ لیکن بعض اوقات دھوکا منکشف ہونے کے بعد بھی قلم کی جان نہیں چھوڑتا۔ یہ بُرا ہے۔

نئے نئے معاصر

مارتنڈ - یعنی بالفاظ خود سناتن دھرم ویدک سبھا کشمیر کا آفیشل ڈیلی آرگن۔ ہمارے صوبے سے تو

ہیں ارزاں نئی روشنی کے چراغ

ساحر حکومت :۔ جو کوئی یہ چراغ لے خانۂ تاریک زنداں سے رہائی پائے۔

وکیل کانگریس :۔ مجھے پرانا چراغ ہی کافی ہے۔ جب رگڑا موکل حاضر ہو گیا۔

مسٹر تیج :۔ وہ چراغ بھی تمھارے پاس ہے جس سے دل روشن ہو جاتے ہیں؟

معزز ناظرین

توسیع اشاعت کی جانب ضرور توجہ فرمائیے اور اودھ پنچ کو تقویت دیجیے۔

باقیدار حضرات وعدہ پورا فرمائیں اور منی آرڈر بھیجدیں۔ بھیجے ہوئے خطوط توجہ کے بخوبی مستحق ہیں۔

نیز جنکی خدمت میں وی پی بھیجے گئے ہیں وصول فرمانے میں فراخدلی کو کام فرمائیں۔

نیازمند احمد حسین باروی منیجر

کشمیری بہتر ہے جو باوجود آبادی کم ہونے کے کئی روزانہ اور ہفتگی پرچے شائع کرتا ہے۔ سروز نامہ دلستان کے اجرا کو ابھی چند ماہ گزرے ہیں کہ "مارتنڈ" صاحب رونما ہوئے۔ خدا جانے مارتنڈ ہے کیا؟ سرسری نظر سے تو ہم نے اسے مارتنڈ پڑھا تھا مگر منیجر صاحب نے فرمایا کہ دال نہیں ڈال ہے۔ یہ پرچہ باعتبار تنوع مضامین دلچسپ ہے تفریح کے لیے حسب دستور ہنسی دل لگی کا سامان بھی کیا گیا ہے بہر حال بہت غنیمت ہے۔ سرخ نگار الاشاعت ہے۔ نمونہ منگا کے دیکھیے۔ اک ذری چھپائی کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

مزدور لیبر لاہور ہفتگی پرچہ نام ہی سے پالسی ظاہر ہے۔ افسوس ہے کہ مزدوروں میں تعلیم کا چرچا ہے نہ اخبار بینی کا ذوق نہ اخبار سے فائدہ اٹھانے کا سلیقہ۔ ایسی حالت میں اشاعت کی توقع مشکل ہے۔ اسی موضوع پر چند دیگر جرائد بھی نکل رہے ہیں۔ حمالی اور مزدوری کرنے والوں میں جو کچھ شد بد جانتے بھی ہیں اُن میں اگر ذوق پیدا کیا جائے تو توپھر پانسا پلٹ جائے۔ اگر مساعی کی رفتار دھیمی نہ ہوگی تو وہ دن بھی دور نہیں بالفعل تو ایک بیگم صاحب کا سا حال ہے جو بیچاری کھیت نراتے نراتے دفعۃً شاہی منظور نظر ہو کے بیگم صاحب بن گئیں۔ لہنگا پھریا لاکھ کی چوڑیاں۔ کان پھاڑ کرن پھول اتوٹ بچھوے اترے۔ فرشی پائچوں کا پیجامہ آنچل پلّو کا دوپٹا۔ مرصع زیور پہننے کو ملا اور کھانے کا وقت جب آیا تو محل بھر میں ایک پکار مچ گئی "خاصہ لاؤ ۔ دسترخوان بچھاؤ"

"دسترخوان" کے متعلق بیگم صاحب کو "حدث" ہوا کہ یہ کوئی پٹھان ہے جو بلایا جا رہا ہے مگر تھوڑی دیر میں بڑا سا دسترخوان بچھ گیا اور باورچیخانے کی منتظمہ نے ہاتھ باندھ کے اطلاع دی کہ دسترخوان تیار ہے۔ بیچاری گنوار محض متحیر ہو کے پوچھنے لگیں "کاہے ہو دترکھان صاحب کہاں ہیں؟" داروغہ نے عرض کی "حضور سامنے والے کمرے میں" حضور اٹھیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ لمبا سا فرغل بالائے فرش بچھا ہوا ہے متحیر ہو لیں۔ فرمایا "ارے یہی ترکھان

ہوئے۔ ہم جاناکھا ورمیل نئی آوا۔ قم تا بکے گُر اچھالے دیو۔ بہر حال جد و جہد کا زمانہ ہے۔ یہ پرچہ اچھا ہے۔ سالانہ قیمت جیسے لوگ چندہ کہتے ہیں تین روپیہ ہے۔

ترجمان کشمیر ہفتگی نوجوان کشمیر ہفتگی دونوں جموں سے تازہ پیدا ہوئے ہیں ایک کے اڈیٹر محمد حسین صاحب غازی ہیں اور دوسرے کے غلام حیدر خاں غوری اے آر سائغ۔ اللہ ان دونوں کی عمر میں برکت دے۔

مجاہد۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے نکلنے لگا ہے۔ اسلام کا تیغ بردار ہے۔ شہزادہ افضل دادخاں اس کے اڈیٹر ہیں یہ بھی ہفتہ وار ہے پالیسی "جاھدوا" کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہوتی۔ پس اطال اللہ جہادہ کی دعا دی جاتی ہے۔

ابھی بہت سے باقی ہیں جن کا ذکر انشاء اللہ ہفتۂ آئندہ میں کیا جائے گا۔

مولانا پنچ کا پوسٹ بیگ

زوجۂ مرضعہ

ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

"خدا جانے ہمارے دوست مستہند جدید" صاحب کلکتہ کیوں اصرار فرماتے ہیں کہ جورو کا دودھ ضرور پیو۔ قرآن میں "مخمصہ" اور "اضطرار" کے وقت ہر ممنوع و محظور کا جواز ثابت ہے۔ پس اگر اضطرار کی حالت میں کوئی صاحب اپنے صاحبزادے کے کوکا بننے پر مجبور ہوں تو کوئی عیب نہیں "لاجناح علیہ" (اُن پر کوئی گناہ نہیں) پیو صاحب نوش جان ۔ شیر مادر۔ خدا پروان چڑھائے ۔

مسئلہ بالکل واضح ہے۔ مگر ہند جدید صاحب کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ دو تین مہینے سے اُنھوں نے دودھ کی نہریں فی سبیل الشوہر کر رکھی ہیں۔ بالغ اور نابالغ کو ایک ہی لکڑی ہانک رہے ہیں۔ عجّل اللہ فطامہ (خدا ان کی دودھ بڑھائی جلدی کرے)۔ چنانچہ ایک مولوی غریب نے یہ جو کہہ دیا کہ انسان غیر ماکول اللحم ہے تو ہمارے ہند جدید صاحب سے صبر نہ ہو سکا اور اُنھوں نے بایں طور نقض وارد کر دیا کہ اگر غیر ماکول اللحم ہے اور انسان کا کوئی جزو بدن انسان نوش جان نہیں کر سکتا تو پھر بچے کے واسطے غیر عورت کا دودھ کیونکر جائز ہوا۔

واہ صاحب! کیا خوب۔ تکلیف شرعی اور عدم تکلیف شرعی گویا کوئی چیز ہی نہیں۔

غیر یہ مسائل تو جانیں مولوی۔ خدا کرے جورو صاحبہ کی عظمت "انّا" بن جانے سے دونی ہو جائے تو مل گئی کا نیا باب ضرور ظریف جرائد کے لیے کھل جانے لگا" والسلام۔

پنچ:۔ اے حضرت اگر درحقیقت اس مسئلے کے چھیڑنے میں کوئی مزا نہیں تو کہنے دیجیے ہند جدید صاحب کو۔ آپ کیوں دخل دیجیے۔ جب ہم قصہ پڑھتے تھے تو ہم نے ایک واقعہ کتاب میں لکھا دیکھا کہ قدیم رومی حکام نے ایک شخص کو مہینہ بھر فاقہ کرنے کی سزا دی۔ حکام کو دراصل اس غریب کی جان لینی تھی وہ خوب سمجھتے تھے کہ بھلا مہینہ بھر بے کھائے پیے کوئی زندہ کیونکر بچ سکتا ہے دو تین روز کے بعد مجرم کی زوجہ نے حکام سے رحم کی التجا کی کہ مجھے دن بھر میں دو مرتبہ اپنے شوہر کی تاک لینے اور خدمت کرنے کی اجازت عنایت ہو۔ اجازت اس شرط پر ملی کہ تلاشی دینا ہوگی اگر کھانے پینے کی کوئی چیز اُس کے پاس نکلی تو پھر زوجہ بھی اسی تعزیر کی مستحق ٹھہرے گی جو شوہر کو دی گئی ہے۔ مجرم کی جورو نے یہ شرط مان لی۔ وہ روزانہ دو مرتبہ محبس میں تلاشی دے کے جاتی تھوڑی دیر ٹھہرتی اور ہاتھ جھلاتی باہر نکل آتی خیال تھا کہ مہینہ بھر کے بعد مجرم کی لاش اٹھانی پڑے گی مگر جب اُس نے رہائی پائی تو لوگوں کو اُس کا چکنا چپڑا بشرہ دیکھ کے حیرت ہوئی۔ تو وجہ کیا؟ زوجۂ محترمہ آلی زچا تھیں۔ خوب تن تن کے غذا نوش جان کرتی تھیں۔ پنہا آتا تھا اور وہ قید خانے میں آکے تھن تلے کا دودھ برخوردار شوہر کو پلا دیا کرتی تھیں۔ حالانکہ تلاشی میں اُن کے پاس سے کوئی کھانے پینے کی چیز کبھی نہ نکلی۔

آپ جانیے طالب علمی کا زمانہ تھا فوراً مکتبی ساتھیوں میں

بحث چھڑ گئی کہ آیا یہ فعل جائز ہوا یا نہیں اور ناجائز ٹھہرا تو قیدی کی جورو اتنا پینے کے بعد رضاعی والدہ کے درجے پر فائز ہوئی یا نہیں۔ آخر استاد مرحوم نے اضطرار اور مجمعے والی دونوں آیتیں پڑھیں اور مجرم کے اس فعل کو جائز قرار دیا۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی فرمایا کہ یہ حکم محمول ہے اضطرار کی طرف ورنہ اگر انسان کا دودھ ایک بالغ انسان کے لیے جائز ہوتا (بدون اضطرار) تو دودھ بڑھائی کی مدت کی تصریح قرآن میں غیر ضروری سمجھی جاتی۔ یہ صراحت ہی واضح کرتی ہے کہ بدایوں کے للا بنتا اور داڑھی مونچھیں نکل آنے کے بعد انا کے پہلو پر بیٹھ کے چچی چشتی کرنا ہرگز شریعت مناسب نہیں خیال کرتی۔

مسئلہ بالکل واضح ہے پھر بھی اگر لوگ چاہتے ہیں کہ جس طرح دودھ شربت کی سبیل رکھی جاتی ہے اسی طرح ثواب کے لیے اناؤں کی سبیل رکھی جائے تو آپ کیوں بھڑکتے ہیں۔ عجب دل لگی ہے کہ پتا ہے کوئی اور ہنسی ہنستی ہے آپ کو۔ فقط

المختصرات

اقبالی ایمان بالغیب

ابھی تک کوئی تصریح تیسری گول میز کانفرنس کے نتائج عالیہ کی وینلک کے سامنے پیش نہیں کی گئی یعنے یہ امر بالکل مخفی ہے کہ ہمیں خداوندان انگلستان کی بارگاہ سے کیا ملا مگر خدا رکھے خوش باور میاں ڈاکٹر سر اقبال کو آپ امید فرماتے ہیں کہ تمام سیاسی گروہ اس آئین کو جو گول گول گول میز میں نکلا ہے سدبراہ ہونے کی سعی کریں گے۔ گویا بجز انتخاب کے مسئلہ کے ہندوستان کو اور کسی نعمت کی ضرورت ہی نہ تھی بس انتخاب میں مسلمانی مل گئی اور سب کچھ مل گیا۔ اقبال صاحب ہیں شاعر اور شاعر کے لیے شکستگی درد یاس حرمان اور ایسی موذی چیزیں ہیں برسبیل عشق راحت رسان بن جاتی ہیں۔ خاص ایذ دی اختیارات اگر دل شکن ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ خداوندان مجازی کی مرضی۔

ــــــــ ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

اللہ میاں سے دل لگی بازی

سجاد ظہیر صاحب ایک نئے بگڑے فرد ہمارے وطن کی ریاست اسیر چیف جسٹس سر وزیر حسن کے چشم و چراغ ہیں تربیت کی خرابی کہیے یا جوانی کی امنگ کہ سجاد ظہیر صاحب نے علم کی جگہ آگ کھائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لگے انگارے اگلنے۔ آپ تو انگار چھوڑ کے ولایت بھاگ گئے مگر ہندوستان کے مسلمان انھیں انگاروں سے اس پالے جاڑے میں موسم بھر تاپتے رہے اور شاید مدتوں تاپتے رہیں گے۔

صاحبزادے فاطمی سید ہیں جن پر آتش دوزخ حرام ہے بھلا اُنھوی انگارے پیٹ میں کیا کھپتے سال سے تو شیخ چلی کی کمری بھلی جو سونے چاندی کی مینگنیاں ہگتی تھی۔ آپ کی کتاب تو ہم نے دیکھی نہیں لیکن اخبار ہی کا قدر دل بھیا اُسکے عجیب غریب جلے البتہ دیکھے مصنف کو دل لگی کرنے کے لیے اس ادنی عالم میں کوئی نہ ملا تو میرزادے صاحب رسیدہ بعالم ملکوت عالم جبروت عالم الوہیت سفر سے ان کی ٹھہرائی ٹھٹھے بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵- قاعدہ ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ - ۴ سنہ ۱۹۳۳ء

بعدالت جناب مرزا جعفر حسین قزلباش صاحب بہادر اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم مقام تحصیل ملیح آباد ضلع لکھنؤ

۱- پنڈت دیبی پرشاد
۲- پنڈت ابودھیا پرشاد
۳- پنڈت کرشن بہاری پرشاد
پسران مہاراج منسا دین سوکل ساکنان محلہ یحییٰ گنج شہر لکھنؤ مدعیان

بنام

۱- امرنا تھ
۲- انا رنرائن
پسران پرتھو دیال قوم کھتری ساکنان محلہ سوندھی ٹولہ شہر لکھنؤ قبضہ دار موضع اندارہ پرگنہ ملیح آباد مدعا علیہم

واضح ہو کہ مدعیان نے تمھارے نام ایک نالش بابت بیباقی بقایا مالکان کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۷- ماہ مارچ ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے بمقام تحصیل ملیح آباد اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعوے کی کرو اور چونکہ وہی تاریخ جو تمھاری حاضری کے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو موجود رکھو کہ جن کی شہادت پر اور جملہ دستاویزات جن پر تم بتائید اپنے جواب دہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔ اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمھارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۲۰- ماہ فروری ۱۹۳۳ء بدستخط ہمارے اور مہر عدالت کے جاری کیا گیا۔

مہر عدالت — دستخط حاکم بخط انگریزی

۱۹۳۳ء
REGISTERD No A. 783
ظریف ہفتہ وار
مشہور باتصویر
LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
OUDH PUNCH
M B KHAN ARTIST LUCKNOW

اتنے میں دائیں طرف سے آواز آئی "آداب عرض ہے"
رگ: "کون ؟"
آواز: "میں ہوں جناب گیلی"
رگ: "واہ واہ خوب جناب گیلی صاحب آئیے۔ دوست ا
دوا ہی کیا مطلب ہے"
گیلی: "سامنے آکر السلام علیکم و سلام۔ معلوم
آپ اپنے بڑھاپے کو دیکھیے اور ان لڑکوں پر دیے
کاندھے کو دیکھیے۔ آخر آپ بھی کبھی لونڈے تھے۔
ذرا سوچ کر انصاف کر دیکھیے تو اب بھی لونڈے ہیں
ما شاء اللہ ہو سکتے ہیں پھر ان کمبختوں سے جو کسی آئین
و قانون کے پابند نہیں گاڑی اٹکانا کیا ضرور ہے
یہ زندہ چلتا پھرتا باغ آپ کی تفریح کا موجب ہونا
چاہیے تھا۔ ملاحظہ تو کیجیے جب یہ مسکراتے ہیں
تو معلوم ہوتا ہے کلی کھل رہی ہے"
رگ: "یہ علی الحجت ابے کام دیکھ۔ تجھے دخل در معقولات
کے لیے کس نے بلایا ہے۔ بزرگوں کے منھ چڑھتا ہے۔
شرم نہیں آتی۔ جا نامرگ۔ دور ہو یہاں سے"
گیلی: "ہیں ہیں کیا کوئی گھاٹ سو کے آئے ہو یا بلی راستہ کاٹ گئی۔ یا شیطان نے انگلی دکھائی"
ما یشی کی وجہ سے بڑے میاں نے جواب نہ دیا گنگے
سمندر کی طرف دیکھنے تاکہ دل کے گرماگرم تموج کو
سمندر کی موجوں سے ٹھنڈا کریں۔
گیلی: "اجی بڑے میاں۔ میں نے سنا ہے آپ کی
بھانجی صاحب تشریف لانے والی ہیں۔ یہ خبر
کہاں تک صحیح ہے ؟"
درحقیقت مسٹر رگ نوجوان سے بڑے میاں کو بات
کرنی مقصود نہ تھی۔ پیچ کے معاملے میں سوالات کیونکر
مرغوب ہوتے۔ دیدے فرط غضب سے اتنا ابھرے
زحدقۂ چشم سے دونالی بندوق کی گولی کی طرح
مخاطب کا سینہ بر ما کے نکل بھاگنے پر آمادہ ہو گئے۔
گیلی: "اُف۔ خدایا تیری پناہ۔ او سر کے جالم
سانڈ سے نی آنکھیں بھی اتنی خارانہ گاف نہیں کیا۔
اجی سچ بتائیے کیا آپ کی بھانجی بھی آپ ہی کی سی ہے"
رگ: "ہوں"۔ (دیکھو نسا تانا)۔
گیلی: "میرا مطلب یہ تھا کہ آپ کی بھانجی بھی ایسی ہی
پری زاد ہیں جیسے کہ آپ ؟"
رگ: "اگر میری عمر موجودہ عمر سے بیس برس کم ہوتی
تو مزا چکھاتا"
گیلی: "خوش نصیب ہے وہ خورد جو بڑوں کی جوتیاں
کھائے"
رگ: "بھیا مردود"
گفتگو یہیں تک پہنچی تھی کہ گھم گھم کرتی ایک گاڑی
آکے دروازے کے سامنے رکی۔ گاڑی کی چھت
پر ایک آہنی صندوق اور بستر تھا۔ اندر ایک پیارا
جلوہ گر۔ ادھر سے مسٹر رگ نے ہاں بلایا ادھر
نازنین نے کھڑکی سے جھنڈی ہلائی۔
نہ پوچھیے کہ ہمارے دوست میاں گیلی پر کیا گزری
ان کا دل ان کا نوں بہت گاڑی کے پہیوں کے نیچے

سمن بغرض انفصال مقدمہ

نمبر مقدمہ ۲۰۸ ۱۹۳۳ء
عدالت جناب منصف صاحب بہادر دیوانی منصفی شمالی مقام بردوئی
فیض اللہ ولد مدھی قوم نہیار ساکن قصبہ باون گاؤں پرگنہ و تحصیل ہردوئی مدعی

بنام

جوکھن وغیرہ مدعاعلیہ
بنام کلو ولد جوکھن قوم منہیار ساکن شہر مرزاپور محلہ گنیش گنج پرگنہ و تحصیل مرزاپور مدعاعلیہ
واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت دعوی دلایا نے مبلغ عہ بابت قیمت لاکھ کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۰ ماہ مارچ ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوی مدعی مذکور کی کرو اور تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جملہ دستاویزات کو جن پر تم بتائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے اسی روز پیش کرو۔
مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ تمہاری غیر حاضری میں مسموع اور فیصل ہو گا۔
آج بتاریخ ۲ ماہ مارچ ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

مہر عدالت	دستخط حاکم کچھا انگریزی

سمن بنا بر انفصال مقدمہ

(۲، ۳، ۵، قاعدہ ۵)
نمبر مقدمہ ابتدائی ۵۹۸ ۱۹۳۳ء
عدالت ایڈیشنل منصفی بنارس ضلع بنارس
مساۃ حلیمہ بی بی وغیرہ مدعیان قوم نوربافت ساکن محلہ مال انڈپورہ شہر بنارس مدعیان

بنام

شیو پرشاد وغیرہ مدعاعلیہ
بنام کرامت ولد قوم رنگریز ساکن محلہ کپی باغ شہر بنارس مدعاعلیہ
ہرگاہ کہ مدعیان نے آپ کے نام ایک نالش بابت مالیہ کے دائر کی ہے لہذا آپ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ بتاریخ ۲۳ ماہ مارچ ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جو جوابات ایسے سوالات کا دے حاضر ہوں اور جوابدہی دعوی کی کریں۔ اور ہرگاہ وہی تاریخ جو آپ کے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس آپ کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر دیز تمام دستاویزات کو جن پر آپ جوابدہی کی تائید میں استدلال کرنا چاہتے ہوں پیش کریں۔
آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور آپ حاضر نہ ہوں گے تو مقدمہ بغیر حاضری آپ کے مسموع اور فیصل ہو گا۔
بہ ثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۳ ماہ مارچ ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔ دستخط حاکم

مہر عدالت

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ رول ۲ ضابطہ دیوانی)
نمبر مقدمہ ۱۲ ۱۹۳۳ء
عدالت جناب خان بہادر منشی علی حسن خاں صاحب آنریری منصف مقام گڈھی صدر آباد ضلع پرتاب گڈھ
شیخ حمید اللہ ولد شیخ عبد الوہاب پیشہ زمینداری ساکن ... پور پرگنہ بہار تحصیل کنڈہ ضلع پرتاب گڈھ مدعی

بنام

محمد طیب ولد شیخ عبد الرزاق ساکن موضع بسواہی پرگنہ بہار تحصیل کنڈہ ضلع پرتاب گڈھ مدعاعلیہ
بنام محمد طیب ولد شیخ عبد الرزاق ساکن موضع بسواہی پرگنہ بہار تحصیل کنڈہ ضلع پرتاب گڈھ مدعاعلیہ
ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام بابت ... اصل مع سود کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۳ ماہ مارچ ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوی کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال کلی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جوابدعوی کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔
مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہو گا۔
آج بتاریخ ۳ ماہ مارچ ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔ دستخط حاکم

مہر عدالت

کھسل گیا۔ گاڑی کے پٹ کھلے اور وہ اس طرح پھدک کے اتریں جیسے ٹپر کا بک سے۔ آتے ہی ماموں جان کے گلے کا ہار ہو گئیں۔

"خداوندا! یہاں کیا روح افزا ہوا ہے۔ کیا جان پرور جھونکے ہیں۔"

ماموں نے بھانجی کا نازنین ہاتھ اپنے جھریوں پڑے ہوئے پنجے میں لیا اور گھر کے اندر داخل ہوئے۔ کوچوان نے بہت کوشش کی کہ لوہے کا صندوق چھت سے تنہا اتارے مگر وہ جگہ سے نہ ہلا۔ آخر جارج گیل صاحب حمالی کے بدلے ایک نظر دیدار۔ وہ آنے والی دلفریب صورت کے دیدار کو غنیمت سمجھے۔ بیک جنبش دست یہ لوہے کا پہاڑ کندھے پر لادا اور دروازے کے اندر داخل۔ ابھی ماموں اور بھانجی زینے پر چڑھ رہے تھے کہ پیچھے یہ حضرت بھی پہونچے۔

رگ:۔ "ابے تو یہاں کیوں آیا؟ رکھ دے ٹرنک اور دفان ہو یہاں سے۔"

بھانجی جان نے منہ پھیر کے دیکھا۔ آنکھ چار ہوتے ہی کچھ ایسی سنسنی گیل کے ہاتھ پاؤں میں ہوئی کہ اتارتے وقت فولادی صندوق کی گگر بڑے میاں کے سر شکست خواہ میں زور سے لگی۔ سر کا پچھلا حصہ بھی دیوار کی ٹکر سے پھٹ گیا۔ "ہائے" کر کے بڑے میاں اکڑوں بیٹھ گئے اور دونوں ہاتھوں سے کھوپڑی سنبھالی۔

"ملعون! کھوپڑی ہی توڑ دی موذی نے۔"

گیل:۔ "معاف کیجیے گا جناب!"

رگ:۔ "جہنم میں جائے تیری معذرت۔"

گیل:۔ (نووارد سے) "یہ بکس کہاں رکھ دوں؟"

رگ:۔ "رکھ دے میری کھوپڑی پر۔ اندھے۔ عجب ڈھیٹ ہے پھر بھی یہاں سے منہ کالا نہیں کرتا۔"

گیل:۔ (بکس کونے میں رکھکر) "بڑے میاں مجھے بہت ندامت ہے مگر یقین مانیے کہ یہ فعل نادانستہ سرزد ہوا۔"

رگ:۔ "میں آپ کو بچپنے سے جانتا ہوں۔ ایک ہی ذات شریف ہیں۔ لے نکلیے تو یہاں سے۔"

گیل بنظر شرارت بڑے میاں کو دیکھتا آہستہ آہستہ کوٹھے سے اترا۔

رگ:۔ "صاحبزادی مس مل! تم اپنا سامان اس کمرے میں رکھو۔ اور اس خبیث کا خیال دل سے دور کرو۔ یہ بڑا اتنقی ہے۔ اس نے بچپن میں میرے ہاتھ کی بہت مار کھائی ہے۔"

مس مل تو اسباب کے پھیلنے سنوارنے میں مشغول ہوئیں سامنے قد آدم آئینہ دیوار میں نصب تھا۔ بڑے میاں نے لگے ہاتھوں فرصت کو غنیمت سمجھ کے اپنی اور اپنی بھانجی کی صورت میں وجوہ مشابہت ڈھونڈھنے شروع کیے۔ دل سے کہا "ولد الحلال یشبہ بالعم والخال" حلالی بچے زیادہ تر ماموں یا چچا سے مشابہ ہوتے ہیں۔ دیکھوں یہ لڑکی ننھیال کی طرف کھنچی ہے یا ددھیال کی طرف۔ پہلے ٹھڈی کی جانب خیال گیا۔ داڑھی کا جھاڑ جھنکاڑ ہٹا ہٹا کے خس پوش چاہ زنخدان کا گوہر اعجب سیمین کے مقابلے میں لائے مگر مشابہت کا ڈول کسی طرح نہ نکلا۔ پھر مونچھوں کے دو حصے کر کے تغرہ (اوپر کے ہونٹ کا درمیانی گڑھا) کی تفرقی میں ٹٹولنے لگا یا مگر غرض بھی ہاتھ نہ لگا۔

الغرض گال، ماتھا، آنکھیں، بھویں، پلکیں، گردن، ہاتھ، ہاتھ پاؤں کسی چیز کا حلیہ نہ ملا اور یہ کہنا پڑا کہ ؎

بنونا بنو ابنائنا و بناتنا

بنوھن ابناء الرجال الاباعد

دلڑکوں کی اولاد ہماری ہی اولاد ہے اور لڑکیوں کے بچے غیروں کے بچے ہیں، لہٰذا ان کی اولاد اپنے ماموں سے نہیں ملتی تو ہرج نہیں۔

—— (۳) ——

گاؤں میں جدھر جائیے مس مل کے حسن جہاں سوز کی دھوم ہے۔ مس مل کا رخ زیبا شمع انجمن فروز اور نوجوانان اہل قریہ کے دل پروانہ۔

ان سب گرفتاروں میں سب سے حقیر میاں جارج گیل خیال کیے جاتے تھے۔ مگر حضرت یہ ہے عشق۔ اس میں شاہ و گدا سب ہی برابر ہیں۔ درخواست قبول ہونے کی امید و ابھی ہی و ابھی تھی۔ پھر بھی مس مل تھیں محور یا مرکز اور میاں گیل تھے پرکار کی آگے والی ٹانگ۔ جب دیکھیے خانہ عشق میں ایک گول میز کانفرنس ہوتا۔ بعض عاقبت اندیش دوست نصیحت کرتے تھے کہ "ایاز قدر خود بشناس" لیکن بھلا عشق کو پند سے کیا کام۔ میاں گیل کے پدر بزرگوار کسی جہاز پر نوکر تھے۔ میدان عشق یا ذی خالی تھا۔ صرف ایک بڑھیا کھٹ نے پینے کے انتظام کی شاغل تھی تو بھلا میاں گیل اسکی سنتے ہی کیوں ان کے سر پر تو عشق کا بھوت سوار تھا۔ کیسا پانی کیسا دانہ، کیسی بھوک پیاس، کیسی نیند۔ وہی مثل ہے "چھوٹی گھوڑی بھوسوے کمڑی" "سمرا ٹھٹا" اور دس پانچ پھیرے کو چڑیا رکے لگالیے۔ جب ان کی عادت روز بروز سیپ لگے بگلے کی ہونے لگی تو مسٹر ہیرس نے جو ان کے لنگوٹیا یار تھے زبان وعظ دراز کی۔

ہیرس:۔ "تم نرے جانگلو ہو۔ قصبے میں ایک سے ایک بڑھ کے طرحدار چھوکریاں پڑی ہیں۔ کوئی مس مل ہی اکیلی دل لگانے کے قابل ہے؟ جو ریشہ خطمی ہوتے جاتے ہو۔"

گیل:۔ "اے یار۔ میری تو اسی پر جان جاتی ہے۔ ہائے اس کے دیکھتے ہی جو حالت میری ہوئی وہ بس مسٹر رگ کی کھوپڑی سے پوچھو۔ نزدیک تھا کہ صندوق میرے ہاتھ سے چھوٹ کے بیچارے کی بڈھی کھوپڑی پر جا پڑے۔ ہائے جو بات اس میں ہے وہ جنت کی حور اور پرستان کی پری میں نہیں۔"

ہیرس:۔ "اوہو بہت نشہ ہو گیا ہے۔ ارے بھائی تجھے تو خبر نہیں۔ تمام گاؤں تجھے بناتا ہے۔ لوگ قہقہے لگاتے ہیں۔ بہت بدنامی ہو رہی ہے۔"

گیل :۔ شاید تم نے سنا نہیں ؎

رہا گشت بید کہ تن درد ہم بہ بہ نالی
کہ نام نیک ز آئین عاشقان ننگ ست

ہیرس :۔ تو مفت کی بدنامی اپنے سر لینے سے کیا فائدہ؟ اُس کے بجائے یہی تو ہو۔ آج کل جو گریاں ایسے مجہول الحال مردوں پہ جیسے کہ تم ہو خاک توجہ نہیں کرتیں اُن کو آنکھ کا اندھا گانٹھ کا پورا عاشق درکار ہے سنکہ ایسا ہے تنا جو ہر وقت گرداں کبوتر کی طرح اس کے گھر کے تاوے لگاتا رہے۔ اگر ہمت ہے تو مرد آدمیوں کی طرح مسٹر رگ سے ملو اور باقاعدہ خواستگاری کرو۔

گیل۔ کیا کہا۔ مسٹر رگ سے ملوں؟ اگر وہ بڈھا کاٹنے کو دوڑے تو؟

ہیرس :۔ اچھا تو رگ جب مکان سے غیر حاضر ہو اُس وقت خود مس لوسی سے مل کے کیسوئی کر لو۔ پانسا موافق ہوا تو بڈھا کچھ نہیں کر سکتا اور جو وہی جگ نہ ملانا چاہے تو گھر میں بیٹھ رہو۔

گیل :۔ ابھی کیا ابھی تک تو ضرور امید بندھی ہوئی ہے جس کے سہارے جیتا ہوں۔ اور اگر جواب صاف ملا تو کیونکر جیوں گا؟

ہیرس :۔ تو کیا خالی خولی امید موہوم پر زندگی بسر کرنا چاہتے ہو؟ ارے یار اگر تو امتحان محبت کرنے کی تدبیر نہیں جانتا تو مجھ سے سُن۔ بس طرح یہ اسپتال کی نرس اگر تو دفعۃً اُس کے گھر کے قریب قابل رحم بیمار بن جائے تو پھر اُس کی محبت یا رجحان کا امتحان بخوبی ہو سکتا ہے۔

گیل :۔ مثلاً؟

ہیرس :۔ مثلاً تم سائیکل پر سوار ہوتے ہو اگر اتفاقاً کوچۂ یار میں تمہاری ایک ٹانگ ٹوٹ جائے اور تم بیہوش ہو جاؤ تو انسانی فرائض اور ایک نرس کے منصبی فرائض کیا ہوں گے؟

گیل :۔ یہی کہ وہ مداوا کرے۔

ہیرس :۔ خدا تجھے برکت دے!

گیل :۔ اور خدانخواستہ وہ اپنے فرائض سے روگردانی کرے تو؟ واہ اچھی تدبیر بتائی۔ مفت مفت میں ہمیشہ کے لیے تیمور لنگ بن جاؤں۔

ہیرس :۔ پھر وہی بے تُکی کی نہ؟ ارے بھائی میرا مطلب یہ کہتا ہے کہ درحقیقت اپنی ٹانگ توڑ لو۔ کیا ہر شخص سائیکل پر سے گرتا ہے وہ ضرور ٹانگ توڑ لیتا ہے بس رہنے دو اُلّو۔

گیل :۔ آج تک میں بائیسکل پر سے کبھی نہیں گرا۔

ہیرس :۔ تو کیا ہوا۔ ضرورت کے وقت گرنے میں ہرگز مضائقہ نہیں۔

گیل :۔ کھیل خطرناک ہے۔

ہیرس :۔ عشق اس سے زیادہ ہے۔ تم کہو کے دیکھو تو سہی۔ ہم لوگ کمینگاہ میں رہیں گے ادھر تم گرے ادھر ہم دوڑ پڑے۔ تمہیں غش آیا اور ہم کھینچتے ہوئے تمہیں رگ کے گھر لے گئے۔ تصور تو کرو جیسے تم غش میں رگ کی چارپائی پر چت پڑے ہو۔ تمہارے کپڑے اُتار ڈالے گئے ہیں ایک ٹانگ تمہاری بظاہر بالکل بیکار ہے۔ تمہاری معشوقہ اپنے نازک ہاتھوں سے تمہاری پسلیوں پر دھیا دھیا سا لاچار بجا کے آمد و شد نفس کا امتحان کر رہی ہے۔ اس کی گرم گرم سانس تمہارے سینے کے بالوں کو اس طرح جنبش دے رہی ہے جیسے آندھی کے تھپیڑے گھوڑے کی گھانس کو۔

گیل :۔ بھئی تو گرنے کی اور بیہوش ہو جانے کی مشق شروع کر دوں آج ہی سے؟

ہیرس :۔ ضرور موقع غنیمت سمجھو ایسے میں مسٹر رگ کہیں باہر گیا ہوا ہے۔

گیل :۔ اچھا بھائی ؎

کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کرینگے

(باقی آئندہ)

ساف

ہندی ندیم

ضعیفی دور کرنیکی تدابیر

لیٹے لیٹے اعضا کو حرکت دیتے رہیے پھر نہ کبھی قبض اور نہ سوء ہضمی کی شکایت ہو اور نہ بواسیر یا دیگر امراض کا اندیشہ۔ اعضا کو کس طرح حرکت دیجائے اسکے واسطے کتاب میں ہم تعلق موجود ہے۔ قیمت باوجود دو اشد در صفات کے صرف ۸ ملنے کا پتہ:— مسٹر سنیجار رنگ کمپنی متھرا

مولانا پنچ کی نوٹ بک

"بہادر کی تعریف"

ایک بخیل کنجوس سکھی چوس بنیا چٹ مودی سے کسی نے پوچھا من اشجع الناس یعنی سب سے زیادہ بہادر کون ہے بخیل نے جواب دیا جو کسی کھانے والے کے جبڑے کی آواز سُنے اور چھاتی پر ہاتھ مار کے مر نہ جائے وہی بڑا بہادر ہے۔

ہم اُن لوگوں میں نہیں جو دوسروں کا کھانا چلتے دیکھ کے ایسا جلیں کہ کلیجا پھٹ جائے۔ خوب ہوا جو حسب افواہ (اخباری) نواب صاحب رامپور نے ایک لاکھ زر نقد اور پانچ سو روپیہ ماہواری وظیفہ سے بنارس یونیورسٹی کی مدد کی والیان ملک کے واسطے بے تعصبی کا اظہار اور اپنے مخالفین مذہب کی تالیف قلب یقیناً قرین مصلحت ہے مگر طرز اتفاق

اطلاعنامہ بنام مدعا علیہ نابالغ و ولی

بعدالت منشی محمد یوسف انصاری صاحب اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم تحصیل و ضلع لکھنؤ

مقدمہ نمبر ۱۲ است ۳۳-۱۹۳۲ء

بسنت لال و دمودر داس پسران بیدیہ داس رستوگی ساکنان محلہ سبزی کا منڈی چوک شہر لکھنؤ مدعی

بنام

محمد حسین مدعا علیہ

بنام محمد حسین نابالغ ولد مرزا احمد حیدر ساکن محلہ کاظمین شہر لکھنؤ مدعا علیہ نابالغ

مسماۃ مہدی بیگم زوجہ مرزا احمد حیدر ساکن محلہ کاظمین شہر لکھنؤ ولی قدرتی

ہرگاہ مقدمہ مندرجہ عنوان میں مدعیان نے درخواست دی ہے کہ محمد حسین نابالغ کی ولیہ مسماۃ مہدی بیگم نانی ہیں لہٰذا محمد حسین نابالغ اور مسماۃ مہدی بیگم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ۱۸ - مارچ ۱۹۳۳ء کو حاضر اجلاس ہو کر وجہ ظاہر کریں کہ مدعیان کی درخواست کیوں نہ منظور کی جائے۔ اگر تعمیل اطلاعنامہ ہذا سے یوم کے اندر کوئی درخواست اس عدالت میں نسبت تمہارے یا تم نابالغ کے کسی دوست کے ولی دوران مقدمہ مقرر کیے جانے کی نہ گذرا تو عدالت کسی اور شخص کو نابالغ مذکور کا ولی واسطے اغراض مقدمہ کے مقرر کرے گی۔

آج بتاریخ یکم ماہ مارچ ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم

مہر عدالت

ڈولی نہ کہار بی بی ہوئیں تیار

"اے بی کہاں چلیں؟"

"بنارس....."

"سچ ہے چل، سکوں میرا کوڈن نام"

سخاوت کسی قدر ٹھنڈا ضرور ہے۔ یعنی اگر ایک لاکھ کے سرمایہ سے خاص رام پور میں محض ہندوؤں کے لیے ایک اعلیٰ مدرسہ کھلتا اور پانچسو روپیہ ماہوار سے اس کی مدد کی جاتی تو دولت گھر کی گھر ہی میں رہتی۔ ہندو اپنے مقام پر خوش ہو جاتے کہ نواب صاحب نے

وہ عنایت کی جو دوسرے والیانِ ملک نے غیر مذہب کی رعایا پر خصوصیت کے ساتھ آج تک نہیں کی۔
رہا یہ امر کہ مالوی جی کا دل ہاتھ میں لینا جو تمام ہندوؤں کے دل کا مجموعہ ہے تو اسی مدرسے کی رسم افتتاح سے بآسانی ممکن تھا دھوم دھام سے ہمارا پنڈت رام پور بلایا جاتا اور اسٹیج پر کھڑے ہو کے اپنی نو ایجاد اگڑم بگڑم زبان میں تقریر کرتا پھر چاندی کی کنی سے بیکے بنیادی اینٹ جما دیتا چلتے وقت شکریہ بہ نقد اور تعریفی نوٹ اخباری کاغذوں میں مدتوں تک برنسیہ۔ اسی ذیل میں بھوکے پنڈت کے واسطے بھوجن کا تھوڑا سا اہتمام بھی ہو جاتا۔ اللہ اللہ خیر صلاح ہز ہائنس نواب صاحب کی طرح مسلمان مولوی "اشجع الناس" نہیں جو ہندو یونیورسٹی کو چھ ہزار سالانہ کا لقمہ زر چباتے دیکھیں اور ان کا کلیجا نہ پھٹے۔

بس اگر شیعہ کانفرنس۔ مدرسۃ الواعظین شیعہ یتیم خانہ شیعہ ہائی اسکول شیعہ کالج مبتلائے ماتم ہے تو عین فطرت کا مقتضا ہے۔ اور مدرسہ نظامیہ فرنگی محل دست بسینہ ہے تو بالکل برمحل۔ یار و اپنے دل کو یہ الفاظ تسلی کیوں نہیں دیتے کہ اسلام

رحمۃ للعالمین کا پھیلایا ہوا اسلام اپنا پیٹ کاٹ کے دوسروں کا پیٹ بھرنے سے پھیلا ہے۔ کیا ہوا جو ان مذہبی ہاتھوں کی آنا بھوکی رہی؟۔
اسی قسم کی دوسری اطلاع وقف گورکھپور سے متعلق جو خاص حسینی وقف ہے اسی ہفتے مسموع ہوئی

لبرل خیالات کی کھولن
تیسری گول میز کانفرنس کی رپورٹ شائع ہونے کے بعد

کہ میاں سید جواد علی شاہ صاحب متولی وقف حسینیہ گورکھپور نے سنٹ اینڈریوز کالج گورکھپور کو پچاس ہزار روپیہ بخش دیا۔ اخباری کاغذی گھوڑے چراغ پا نعل در آتش اور پیچ بپا ہیں کہ ایک خاص مذہبی وقف سے دوسری عیسائی تبلیغی مشن کو اس قدر

رقم خطیر دینے کے متولی صاحب مجاز نہ تھے۔ ہم پوچھتے ہیں کیوں؟۔
اسے صاحب متولی کا نام ہے "جواد" جواد کے معنی ہیں سخی۔ ایک بات۔ متولی صاحب ہیں سید زادے۔ وقف ہے اُن کے جد کے نام پس یہ باپ کا مال تھا۔ آپ کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے یہ ہوئی دوسری دلیل جواز۔ متولی صاحب ہیں نوجوان روشن خیال اور ان کے پیر صاحب روشن دماغی عبارت اخلاقی غیر قانونی ہیں ان کے بھی استاد ہیں مقتضے روشنی کا یہ نہیں کہ اینڈریوز کالج میں اندھیرا رہے اور گھر میں جلیں چراغ یہ ہوئی تیسری علت۔
چوتھی حجت یہ ہے کہ وقف کی لدی پھندی سانڈنی میں متولی موجود کے کہ بہن وسی کو دخل نہیں جو سخاوت کے وقت ٹال دکھے ایک صاحبزادے ہزار روپیہ کے دوشالے سے آٹھ آنے کی جوتی جھاڑتے چلے جاتے تھے راہگیرنے ٹوکا تو فرمایا "اسے تو کیا جانے دوشالہ ہے باوا کا جو مفت ملا ہے اور جوتی ٹھہری میری کمائی کی"۔
پانچویں مصلحت یہ ہے کہ سخاوت پر ٹوکنا مناسب نہیں۔ ایک دفعہ مرتبہ شیعہ کانفرنس کے صیغہ وقت نے اعتراضات کیے تھے اور اسی وقف کے اہلی منتظم نے اپنی حمایت میں خوب مضامین شائع کرائے تھے۔ مگر قانون

وقف یا دفعات کے شرائط سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے تھے۔ تو میت دہیز پہلے بھی کچھ زنجاکی تراب کیا تیا گئی ایک سد تھا۔ ٹھاکر صاحبزادے پہلے ہی کھانا نو دو گیارہ نک چڑھا صاحبزادہ آیا تو گھر کی بڑی نے تلوار کھینچی۔ مولوی سہم کے بھاگا۔ آگے آگے مولوی پیچھے پیچھے تلوار لیا ٹھاکر زادہ۔ دو دبید ا دشمن کے ٹھاکر

گھر سے باہر نکلے۔ تو دل میں آئی کہ لڑکے نے پہلے پہل تلوار کھینچی ہے کمبخت مولوی وار بچائے جاتا ہے۔ بس ڈانٹنے لگے۔

"دعا سنئے مولوی! پہلے پہل بچوا تلوار کھینچیں ہے تو سو وار بچائے جات ہے!"

مولوی صاحب چپکے کھائے اور چپ ہو رہا لیکن یہ گوشی صاحبزادے کے حق میں بری ہوئی کسی کے کڑے خال سے الجھے اور شہادت کروا دارث کر گئے۔

بھلا جہاں پانچ پانچ قوی دلیلیں موجود ہوں وہاں دانتوں کی ور دراہٹ پر تخیل اخبار نویسوں کی سینہ کوبی کیا اثر کر سکتی ہے خصوصاً جب یہ درست "حقیقت" کا یہ قابل اعتراض دخل تو بالکل ناجائز ہے کہ اس وقت سے کسی مسلم ادارے کی مدد ہونی چاہیے تھی۔ اور جب کہ مجیب اسلامی اداروں کی مدد کو اغراض وقف کے خلاف ثابت کرنے پر اسی طرح قادر ہے جس طرح ایک فقیہ سیہ کار جس نے عین رمضان میں گدھے سے خوش فعلی کی ٹھہرائی اور اس مقدس فرض کے لیے کسی مسجد کا گوشہ تجویز کیا۔ آپ جانیے رمضان کا مہینہ ہر ایک مسجد کو وعظ کا بازار بنا دیتا ہے۔ لہذا ارتکاب کے وقت ایک نمازی کی نگاہ اس عجیب و غریب گدھے پر پڑ گئی۔ اُسے غصہ آیا اور "اخ تھو" کہہ کے فقیہ کے سیاہ چہرے پر چونے کاری کر دی۔ مگر فقیہ صاحب کا برجستہ جواب سنیے "ہائیں ہائیں مردک کیا تجھے یہ حدیث معلوم نہیں کہ مسجد میں تھوکنا حرام ہے"

اگر متولی صاحب وقف نامہ دکھا کے پوچھیں کہ بتاؤ یہ وقف امام باڑے کے لیے ہے یا اسلامی اداروں کے واسطے۔ ہم نے چاہے جو کچھ کیا مگر اس حدیث (وقف نامہ) کی تو پابندی کی کہ اسلامی اداروں کی مسجد میں تھوکا نہیں۔ تو کیا جواب ہوگا؟—

اللہ میاں اور اُنکے بندوں میں جنگ

اللہ میاں کا بندوں سے اُلجھ پڑنا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ ہمیشہ جنگ ہوئی اور ہوتی رہے گی۔ چنانچہ چند سال اُس طرف ایک ایرانی سفیر سے جاپانی وزیر نے حدود جاپان میں اللہ میاں کی بے دخلی کا حال بیان کر دیا (نقل کفر کفر نباشد) "ہاں؟ اللہ بھی کوئی ہے۔ خیر ہو گا لیکن ہم جاپان کی سرحد میں تو اُسے داخل نہ ہونے دیں گے" اس بیدخلی کے بعد زلزلے نے زور کیا اور ایک چغتائی ملک پر جاپان نے قبضہ کر لیا۔ قدرت اگر چہ سخت گیر ہے لیکن دیر گیر بھی ہے۔ یہاں جاپان زلزلے کے بعد پھر پہلے آباد ہوئے اور اگلی مصیبتوں کو بھول گئے۔ آخر بنی کی قوت نے بڑھتی ہوئی آبادی کے پھیلاؤ کے واسطے بڑی چین کی زمین پر دانت لگایا۔ اس لیے کہ یورپ کی جانب ٹیڑھی نگاہ سے دیکھتے تو آنکھیں پھوڑی رہتے پاتیں) چین سے اللہ میاں کی بیدخلی نہ ہوئی تھی اب میاں جاپان چین پر اپنی قدرت کا ملہ و غرور بے غضب صرف کر رہے ہیں اور اللہ میاں خود میاں جاپان کی خبر زلزلوں سے لے رہے ہیں۔ ہمارا اعتقاد یہی ہے کہ بہر حال آخر میں اللہ میاں ہی کی فتح ہوگی۔ سنتے ہیں کہ اصلی تو زلزل نے چار پانچ ہزار جانیں تلف کر دیں اور جاپانیوں کو یقین ہو گیا ہے کہ اگر انھوں نے کوئی دوسرا ٹکڑا اپنی آبادی کیلیے تجویز نہ کیا تو نہ زمین تخت رہیگی نہ آسمان دو۔ زلزلے کے بنائے ہوئے غار انھیں نگل کے سطح ارض سے بے دخل کر دینگے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

سمن بنابر انفصال مقدمہ
(آرڈر ۵۔ قاعدہ ۱ و ۵)

اجلاس جناب شاہ ولی عالم صاحب بہادر جج خفیفہ مفصلی شہر اعظم گڈھ

نمبر مقدمہ خفیفہ ۸۰ / سنہ ۱۹۳۳ء

عدالت خفیفہ شہر ضلع اعظم گڈھ

فرم رام داس سیا رام مدعی

بنام

رام چندر لال چندر من لال ساکنان ٹھیکہ داران عمارت و سڑک ایگزیکیوٹر ۲۰ وایسٹ رو ڈ لال کنواں شہر لکھنؤ

ہرگاہ مدعی نے آپ کے نام ایک نالش بابت .... کے دائر کی ہے لہذا آپ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ بتاریخ ۲۸۔ ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کر جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہوں اور جواب دہی دعوی کی کریں۔ اور ہرگاہ وہی تاریخ جو آپ کے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس آپ کو لازم ہے کہ اُسی روز اپنے جملہ گواہوں کو حاضر کریں اور شہادت و رسند جملہ دستاویزات کو جن پر آپ اپنی جوابدہی کے تائید میں استدلال کرنا چاہتے ہوں پیش کریں۔ آپ کو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر بروز مذکور آپ حاضر نہ ہوں گے تو مقدمہ بغیر حاضری آپ کے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۲۴ ماہ فروری سنہ ۱۹۳۳ء کو جاری کیا گیا۔

مہر عدالت — دستخط حاکم بخط انگریزی

ضرورت رشتہ

ایک شیعہ سرکاری ملازم کے جن کی تنخواہ حالی سو روپیہ ماہوار ہے اور عمر ۲۸ سال ہے۔ ایک موزوں رشتہ کی ضرورت ہے۔ لڑکی کا خوبصورت اور معزز خاندان کی ہونا ضروری ہے۔

مراسلت "ش۔ م" معرفت اودھ پنچ لکھنؤ کے پتے سے کیجائے۔

REGISTERED No. A. 78
ظریف ہفتہ وار
مشہور باتصویر
LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
अखबार
अवध पंच
लखनऊ
قیمت پیشگی سالانہ
(بیرون ہند)
دس روپیہ
M.B. KHAN ARTIST LUCKNOW

جلد ۱۸ — نمبر ۱۰

مضامین

(مورخہ ۹ مارچ ۱۹۳۳ء)

دعائے ہولی جب ہولی ہولی

(برائے پنچ)

اے مربی صد خوبی اودھ پنچ تار — بر تو ایں خادم تو باصد دل زار
صد گونہ خریدار تو باشند امسال — صد سال بزی بلطف و بخت بیدار

(برائے خود)

چھکارے سو برس تلک بندہ ندیم — سو سال تلک نہ ہو سکے اس کا سہیم
صد گونہ دکھائے طبع کی یہ شوخی — سو طرح کا ہو اس پہ ترا لطف عمیم

(بزبان مرزبان)

تم تے راکھیت ہے ہم اودھ پنچ پریت — تم تو ہمرے پران ہو و اد امیت
تجکو تجکو سورج کی نائیں جیوا — ایکے بیکوار ان چڑھے سونگی بھیت

(دیگر)

تھری بکھری پھولا سونے کے پھول — پھاگے ہیری تھار راکھی اودھ مول
ہو تم کا دیکھ کے جرے او رہے — تکرے چھاتی پہ چڑھ کے ہم بولی بول

(دیگر)

بے پیو ہار آج تم آیسہ باد — لائن ہے ہوری کیا رتم کا پرساد
سانجھے کا آٹھو پہر جری ہے ہوری — اب جات ہے نہ کر بیتی کو بجواد

خیر خواہ شدیم ۔ ہندی پنچ

ہستی موہوم کی مٹتی ہوئی تصویر تھی

(از جناب پرنس مرزا عالی قدر تبسم شاگرد جناب ظریف لکھنوی)

دولت بے پیر تھا یا وہ بت بے پیر تھی — اس سے کیا مطلب کہ وہ تانیث یا تذکیر تھی
جھونک دی حول اسکی آنکھوں میں یہ کیا تقصیر تھی — خاک بت سرمۂ چشم بت بے پیر تھی
سر پہ دھنتے عمر گزری کیا بری تقدیر تھی — شومی قسمت کوئی فرہاد کی ہمشیر تھی
رخ تھا مصحف ترجمہ سرمے کی ہر تحریر تھی — اور داڑھی حاشیہ پر صورت تفسیر تھی
چشم حبشی ہم شبیہ حلقۂ زنجیر تھی — یہ مری لنگڑی پھنسانے کی فقط تدبیر تھی
تو کسی جا بھی نہ تھا ہوتا تو دل جاتا نہ ور — بوالہوس کے لوح دل پر وہم کی تصویر تھی
خوب سکھلائے ہیں فطرت کو یہ کاری کے ڈھنگ — رشتہ میں زلف صنم شیطان کی ہمشیر تھی

وصل کی شب جو مرا چوتا چرا کر لے گئی — صبح کو ظاہر ہوا وہ آپ کی ہمشیر تھی
قبضۂ قدرت میں تھا ہر وقت امکان وصال — بیٹھ پر لادے ہوئے تقدیر کو تدبیر تھی
جسم بھر میں اک تلاطم اُسنے پیدا کر دیا — آہ پر تا تیر گویا پیٹ کی تبخیر تھی
کیا ہوا اے ساوتھ افریقہ میں تھی سودا تو بیت — زلف ہر معشوق کی الجھی ہوئی زنجیر تھی
سارا عالم تھا براتی اور دولھا تھا جنون — آرسی مصحف میں تو تھا اور تری تصویر تھی
آئے تھے مہمان بن کر پھر یہ قبضہ کیوں کیا — خانۂ دل کیا تمہارے باپ کی جاگیر تھی
اڑگئی سونے کی چڑیا یاد لکا خستہ ہو گیا — اُسترہ حجام کا اُس شوخ کی شمشیر تھی

کیا سمجھ کر ہنس دیئے زخم دل شوریدہ پر
پھر سے جو نکلی تبسم وہ ہوا سے تیر تھی

انقلاب

(از فیروز لدھیانوی)

خانصاحب کو تو آئیں رات کو چھپڑوں کے خواب — اور دھرتی پوش گھسیں ان کو ہوٹل میں کباب
انقلاب! انقلاب اے انقلاب

سیر کو جو رو تو جائے لیکے خادم ہمرکاب — گھر میں دے نخچے کو لوری میاں جلوہ شراب
انقلاب! انقلاب اے انقلاب

چست برقعہ اوڑھ کر اور لیکے جالی کی نقاب — یوں کھائے اپنا جوبن خلق کو عفت مآب
انقلاب! انقلاب اے انقلاب

بچے جننے سے ہو بیوی گھر والیوں کو اجتناب — دیں سوال وصل پر خادم کو کورا جواب
انقلاب! انقلاب اے انقلاب

قرباں نئی لڑکیاں کالج کو جائیں بے حجاب — اور نظر بازوں کو تا لیتی رہیں ہیں مثل عقاب
انقلاب! انقلاب اے انقلاب

فیشن ایبل بیویاں اپنا جمائیں رعب داب — اور ہو بے قدر میاں پر اس کا نازل عتاب
انقلاب! انقلاب اے انقلاب

مفت کی قاضی کو یوں ملتی رہے دائم شراب — اور ہم رندوں کا او دھا جام ہو مثل حباب
انقلاب! انقلاب اے انقلاب

یہ طبیعت کی جوانی اور سخن کا یہ شباب — پھر بھی ہم لگوائیں بیٹھے ریش پر اپنی خضاب
انقلاب! انقلاب اے انقلاب

کشکول

(محاورات کی توجیہہ)

دوسری قسط

(۵) آدمی کے واسطے پیسے کا تیل جلانا ۔ تو ڑے سے نفع کے لئے حماقت کرنا بہت

نقصان اُٹھانا۔

توجیہ۔ حکایت مشہور ہے کہ ایک افیونی کی رات کو راستے میں کہیں ایک ریوڑی گر گئی۔ اُس نے اُس کی تلاش میں پیسے کا تیل خرچ کر دیا۔ لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ میاں چراغ سے کیا ڈھونڈھ رہے ہو۔ کیا کھو گیا؟ اُس نے کہا کہ ایک ریوڑی گر گئی ہے اُسی کی جستجو ہے۔ پوچھنے والوں نے کہا کہ ادھی کی ریوڑی کے لیے پیسے کا تیل جلانا کیا ضرور تھا۔ ایک پیسے کی ادھی ریوڑیاں لے کر کھالی ہوتیں۔ افیونی بولا کہ مجھے پیسے کا تو مجھ کو کچھ غم نہیں۔ مگر اندیشہ ہے کہ کسی بے درد کے ہاتھ لگ جائے گی تو وہ یک درم دو درچبا ڈالیگا۔ یہ محاورہ ضرب المثل کے بھی بولا جاتا ہے۔ یہ اور ریوڑی کے پھیر میں آ لے یا پڑنے کا محاورہ بھی اسی سے بنا ہے۔

(۷) پرائے کندھے پر بندوق چلانا۔ دوسرے کے بھروسے یا سہارے سے کام کرنا۔

توجیہ۔ میر شکار بندوق چلانے کے لیے کسی کے ٹٹو یا مٹکے کے پیچھے پر رکھ کر توڑے دار بندوق جو بہت وزنی اور جس کی نال بہت لمبی ہوتی ہے چلایا کرتے ہیں۔ اسی سے یہ محاورہ بنا۔

(۸) ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنا۔ بظاہر کوئی فعل بد نہ کرنا بلکہ کسی نامعلوم حیلے سے کوئی دبیا کام کرنا۔

توجیہ۔ بعض شکاری جب شکار کھیلتے ہیں تو اپنے اور شکار کے درمیان ایک ٹٹی کی آڑ کر لیتے ہیں۔ اور اُس میں سے بندوق کی تھوڑی سی نال باہر نکال دیتے ہیں۔ یہ فعل توڑے دار بندوق سے پیشہ ور شکاری زیادہ تر بڑے جانوروں مثلاً ہرن نیل گائے وغیرہ کے شکار کے وقت کرتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ شکار دھوکے میں پڑ کر بھڑکتا نہیں۔ اور مارا جاتا ہے۔ اس سے یہ محاورہ نکلا ہے۔

(۸) مین میکھ نکالنا۔ عیب جوئی کرنا۔ اعتراض کرنا۔ کسی کام کے نہ کرنے کے لیے دلیل و حجت کرنا۔

مین (حوت) میکھ (حمل) منجملہ بارہ بروج کے یہ دو برجوں کے نام ہیں۔ ہندوستانی جوتشی (منجم) بار تال جب کسی کا زائچہ دیکھتے یا پانسا پھینکتے ہیں تو ہر برج کا نام لیتے جاتے ہیں اور اُن کے پھل یا خواص کو سمجھتے جاتے ہیں کہ کون ستارہ کس برج میں ہے۔ اسی سے یہ محاورہ نکلا۔ اکثر جہّال بجائے مین میکھ کے مین میخ بولا کرتے ہیں۔ یا مسلمانوں کا تصرف ہے کہ "کھ" کے بجائے "خ" بولنے لگے۔ اور عوام میں مشہور ہو گیا

(۹) بھیگی بلّی بتانا۔ بہانہ کرنا۔ حیلہ حوالہ کرنا۔ ٹالنا۔ عذر نامعقول کرنا۔

توجیہ۔ نقل ہے کہ ایک لالہ جی اور اُن کا نوکر دونوں گھر کے اندر سوتے تھے۔ لالہ جی نے کہا "ابے رام سیلو! باہر دیکھ تو مینہ برستا ہے یا نہیں۔ اُس نے لیٹے ہی لیٹے جواب دیا "جی ہاں" لالہ جی بھنا سے پھر پوچھا کہ تو نے کس طرح جانا؟ تو تو اندر پڑا سوتا ہے۔ نوکر بولا "جناب۔ بلّی ابھی باہر سے آئی ہے" اُسے میں نے ٹٹولا تو بھیگی تھی۔ اس سے یہ محاورہ بن گیا۔ جو بطور ضرب المثل کے بھی بولا جاتا ہے۔ جب کام چور نوکر یا کوئی شخص کسی کام میں عذر نامعقول اُسے یا حیلہ حوالہ کرتا ہے اُس کی نسبت بولتے ہیں

(۱۰) ہڑ بہیڑے کھانا۔ گھبراہٹ ہونا۔ ہونس کھانا

توجیہ۔ چونکہ ہڑ بہیڑے کھانے سے دست آتے ہیں اور آنتوں میں قراقر ہوتا ہے۔ ایک قسم کی گھبراہٹ ہوتی ہے۔ اور کسی بڑے خوف اور ڈر سے بھی اکثر دست لگ جاتے ہیں اُس وقت دہشت کا اثر معدہ اور آنتوں پر پڑتا ہے۔ اختلاج ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں یکساں حالت پیدا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ محاورہ بن گیا۔ بولنے میں "ہڑ بہیڑے" بجائے ہڑ بہیڑے کے عموماً بولتے ہیں۔

سراف ــــــ ــــ ـــــ ہ

(خواجہ) محمد باقر حسن (بہارن پوری)

فریبِ عاشق یا افتادِ عشق

پیوستہ بگزشتہ

(۳)

بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا ماسٹر رگ پانچ روز کے لیے گھر سے باہر چلے گئے۔ بائیسکل سے پھسل کے گرنے کی مشق ہوئی۔ ہمارے گیل صاحب آبادی سے دور دراز میں سو مرتبہ گرے اور گر کے اُٹھے اس طرح گرنے کی مشق کر چوٹ نہ آئے اور دھکا ایسا ہو گویا چھت پھٹ پڑی کوئی آسان بات نہیں کہنی پھوٹی۔ گھٹنا سوجا۔ کھوپڑی ٹکرائی۔ ناک چھلی مگر کوئی عضو بیکار نہیں ہوا ابھی تین روز رگ صاحب کے تشریف لانے میں باقی تھے کہ گرنے میں کمال حاصل ہو گیا اور دوستوں میں اس امر کی سازش ہو گئی کہ آج یہ مہم سر ہونا چاہئے چلچلاتی دوپہر تھی کہ ایک بائیسکل پہیے ٹکاتی رگ صاحب کے دولت خانے کے قریب آئی پہیے لہرائے۔ اڑا اڑا دھڑ دھم۔ "تو چل میں چل۔ لینا۔ لینا۔ اُفوہ بیچارہ گیل سخت چوٹ آئی ہے۔ سر سے خون جاری ہے لوٹا بھی ڈھل گیا۔"

راہ گیر مدد کے لیے دوڑے۔ گیل صاحب نے قصد کیا تھا کہ دھکیلی کھا کے اُٹھیں [illegible] اور دست سر پر نازل ہو گئے۔ ان کا سر دبا کے نیم خیزی کی حالت وحشت کی چیکپے سے کہا "ہائے ابے دھر سادھو۔" آنکھیں بند کر کے اور سے نزع کے بعد

اجلاس خان بہادر بابو محبوب حسین خان صاحب بہادر آنریری منصف ٹانڈہ ضلع فیض آباد

نمبر مقدمہ ۲۶ [illegible]

[illegible] ساکن موضع [illegible] پرگنہ [illegible] ضلع فیض آباد مدعی

بنام

[illegible] ولد [illegible] پرگنہ [illegible]

[illegible]

[illegible] مبلغ [illegible]

[illegible] اطلاع نامہ

بنام ہدایت [illegible] مدعا علیہ

مقدمہ مندرجہ عنوان عدالت دیوانی منصفی [illegible] سے عدالت ہذا میں منتقل ہو کر آیا ہے اور تعمیل کارروائی مشتہری گزٹ کی بھی ہو چکی تھی اب مقدمہ ہذا کی تاریخ فیصلہ قطعی ۲۶۔ مارچ ۱۹۳۲ء مقرر ہوئی ہے لہذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تاریخ مقررہ پر معہ جملہ ثبوت کے حاضر ہو کر پیروی مقدمہ کی کرو ورنہ کارروائی یک طرفہ باضابطہ عمل میں آوے گی۔

آج تاریخ ۵۔ ماہ مارچ ۱۹۳۲ء میری دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

جیسے گنہگار مرتے وقت بولتا ہے..... ہاں..... اوہ۔ بس ٹھیک ہے۔

دھماکا معمولی نہ تھا دور دور تک صدا پہونچی تھی۔ صاحب خانہ بھی خدا جانے کس کام میں مشغول تھیں بھاگ بھاگ دوڑتی ہوئی آئیں۔

"کیا ہے خیر تو ہے؟"

ہیریس:۔ "ابھی خیر کہاں ذرا "تشریف" دیکھیے نہ؟ (رونی آواز بنا کے) بیچارہ گیل کیسا بید سے گرا ہے (پانچ منٹ ناک پکڑی) اول ہول بالکل ہوش نہیں (ٹانگ پکڑ کے جھٹکا دیا) کہ سڑک کے سنگریزے فریاد کرنے لگے اور پشت کی کھال پر جو کچھ گزر گئی اُس کا حال معلوم نہیں۔ مس صاحب ذری سا پانی عنایت کیجیے کہ سر کا لہو دھو دیا جائے"

گیل:۔ "(دبی چیخ سے) آہ! کمبخت تو نے ناک پکڑ کے دم بند کر دیا۔

ہیریس:۔ "خاموش! خاموش یہی مصلحت ہے۔ سانس اگر نہ اُکھڑی تو کسی کو رحم مشکل سے آئے گا۔ عشق! عشق!!"

مس ما جب پانی لے کے باہر آئیں تو عاشق ناشاد کے تمام ذیل میں ماتر تھری ہو رہی تھی۔ جس طرح بھینی کسی تالاب میں ڈوب رہی ہو اس طرح۔ غپ غپ کی صدا سے نکل کے معشوقہ سے رحم کی طالب تھی۔ آخر پتھر دل پسیجا۔

مس ملر:۔ "اُف"

ہیریس:۔ "ہائے"

مس ملر:۔ "ڈاکٹر کی ضرورت ہے"

ہیریس۔ "حالت نازک ہے"

مس ملر:۔ "آپ ڈاکٹر کو بلا لیجیے میں زخم دھو کے چینک صاف کر رکھوں"

ہیریس:۔ "ہائے! اس نامراد لنگوٹیا یار سے ایسے نازک وقت میں جدا کیونکر ہو سکتا ہوں۔ ہی ہی ہی (روتے ہیں) ثواب ہوگا میم صاحب۔ آپ ہی زحمت فرما کے ڈاکٹر کو بلا لیجیے"

مس ملر گئیں۔ تخلیہ ہو گیا۔

ہیریس:۔ "کمبخت یہ کیا غضب کیا۔ ڈاکٹر آ کے سارا کھیل خاک میں ملا دے گا"

ہیریس:۔ "بیٹا! جو ہم جانتے ہوتے تو نہیں ہمیں دینی پڑتی۔ اب چپکے سے گھر میں جا کے رگ صاحب کے پلنگ پر لیٹ جاؤ ہم کہہ دیں گے کہ بہت مشکل سے ہم لوگوں نے یہ بھاری لاش اُٹھائی"

گیل:۔ "اور رگ ماموں جان اتنے میں نازل ہو جائیں تو؟ بڑے میاں کان پکڑ کے باہر نکال دیں گے۔ اس بڈھے کی صورت سے مجھے ڈر لگتا ہے"

میدان خالی تھا مسٹر گیل اُٹھے گھر میں گھسے اور آرام سے رگ صاحب کے پلنگ پر لیٹ گئے۔

ہیریس:۔ "کوٹ اُتار ڈالو۔ خبردار جلدی سے ہوش میں نہ آ جانا۔ اور ہوش آئے بھی تو چہرے پر مردنی چھائی رہے۔ ذری سی آہٹ ذیل کو ہو تو اس طرح چیخنا کہ معلوم ہو کسی نے چھری گردن پر پھیر دی۔ سمجھے! چپ! چپ! گردن تکیے سے گرا دے۔ ہاں یوں۔ وہ آئی"

کھٹ پٹ کھٹ پٹ (بوٹ کی آواز) کوٹھے پر سے جھانکا سا اور گیل سے کہا "لو میاں شامت آ گئی۔ رگ صاحب اپنی بھانجی اور ڈاکٹر کے ہمراہ چلے آ رہے ہیں۔۔۔۔ اور سنو کچھ غل غپاڑا ابھی دروازے پر ہو رہا ہے"

مس ملر:۔ "تو ماموں پھر میں کیا کروں۔ شدنی ہونے والی بات۔ بیچارہ گر پڑا"

رگ:۔ "تو کمبخت موذی شقی کو میرے ہی گھر کے سامنے گرنا تھا۔ ناشدنی کو نکال باہر کرو۔ واہ۔ کیا کوئی غریب مسافر ہے جو تم نے اُسے میرے گھر میں جانے کی اجازت دی یا میرا گھر کوئی اسپتال ہے۔

مس ملر:۔ "اسے کس نگوڑی نے اجازت دی"

ہیریس۔ "(کوٹھے پر سے) ابھی کیا شور مچا رکھا ہے مریض کو آواز ناگوار ہوتی ہے۔

رگ:۔ "ہاہا۔ دوست احباب سب ہی میرے گھر میں گھسے ہوئے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ"۔

دکوٹھے پر آئے اور دیکھتے ہی پتلون سے باہر ہو گئے کہ ان کا خاص بستر نصیب دشمن ہے۔

رگ:۔ "یعنی یعنی۔ شریر۔ یہ بد تہذیبی؟"۔

ہیریس:۔ "معاف کیجیے۔ غصہ تھوک ڈالیے۔ مریض کی حالت نازک ہے۔۔۔ آہ بیچارہ گیل!"

رگ:۔ "جہنم میں گیا گیل"

ہیریس:۔ "خفا نہ ہو جیے۔ ادھر تھوڑا سا افاقہ انھیں ہوا اُدھر ہم انھیں اُٹھا لے گئے۔ بندۂ خدا ہے۔ انسانی ہمدردی کا محتاج ہے"

رگ:۔ "خدا کی مار ہمدردی پر۔ اس مردود کو ابھی میرے گھر سے نکالو" (دھکا تانا)

ڈاکٹر:۔ "صبر کیجیے۔ میں مریض کو دیکھنا چاہتا ہوں"

رگ:۔ "ابھی کیسا صبر۔ بنتا ہے مردود"

رگ صاحب تو کہتے ہی رہے۔ ڈاکٹر نے پڑیاں پسلیاں مریض کی خوب ٹٹولیں۔ کوئی خرابی کسی عضو میں نہ پائی۔ ہاں چوتڑ میں خراش تھی جس کی جانچ بہت امعان نظر کے ساتھ عمل میں آئی۔

ہیریس:۔ "ڈاکٹر صاحب کہیے مریض کی جان کی تو خیر ہے؟"۔

ڈاکٹر۔ "اور سب ٹھیک ہے اس کو چوتڑ کا "دق" ہو گیا ہے"

ہیریس۔ "یہ کوئی نیا مرض ہے!"

ڈاکٹر:۔ "ہاں حال کی تحقیقات ہے کہ "دق" ہر عضو میں ہوتی ہے۔ چوتڑ کی دق جس مریض کو ہوتی ہے وہ بائیسکل سے اکثر گر پڑتا ہے۔ مگر گھبرانے کی بات نہیں"

ہیریس:۔ "کیا عرض کروں ڈاکٹر صاحب! میرا دوست ایسی زور سے گرا ہے کہ زمین ہل گئی۔ اور ہم لوگوں کے لیے کوئی چارۂ کار نہ تھا بجز اس کے کہ اس مکان میں اُٹھا لائیں"

رگ:۔ "اے۔ اے۔ بدمعاش۔ اپنے اس چوتڑ کی دق والے دوست کو میرے (بستر پر سے) اُٹھا لے جاؤ ورنہ اچھا نہ ہوگا"

ڈاکٹر۔ "او۔ او۔ ہرگز نہیں۔ ان کا یہاں سے لے جانا بہت خطرناک ہے"

رگ:۔ "تو صاحب! میں اس کا ذمہ دار ہوں کہ کمبخت میرے بستر پر دق کی بیماری پھیلا رہا ہے"

ڈاکٹر:۔ "کچھ پروا نہیں۔ اس کے جانے کے بعد میں آپ کے بستر کو ڈس انفکٹ کر دوں گا"

"نوروز ہند"

بفضل گورنمنٹ اور بطفیل اعیان انگلستان امسال نوروز عالم افروز قرطاسی یا کاغذی گھوڑے پر سوار ہے اور آفتاب کے برج حمل میں
آنے سے چند روز پیشتر نمودار ہو گیا ہے۔ ہاتھ میں قلم اختیارات خصوصی کا تازیانہ کندھے پر لمبے چوڑے سوا عرصہ۔ کا اتا
اور سال آرڈنینسائیل ہے۔ آثار سال بعد ہیداو نزدل بیان کیے جائیں گے ـــــ منجم پنچ

REGISTERED N. A. 783
ظریف ہفتہ وار
مشہور با تصویر
LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
अवध पंच
लखनऊ
M B KHAN ARTIST LUCKNOW

جلد ۱۸ — مضامین پنچ — نمبر ۱۱

(مورخہ ۲۶ - مارچ ۱۹۳۲ء)

معشوق پیشہ ور

(نمبر ۲)

کاہ فروش

اے کاہ فروش حال میرا ہے بُرا   تیری الفت میں میں پر کاہ ہوا

کھینچا جاتا ہے تیری جانب مرا دل   میں کاہ ہوا تو تو ہوا کاہ رُبا

طفل نورباف

اے طفل نورباف کیا پایا ہے نور   ہے نور علیٰ انور تو چشم بد دور

اے کارآگاہ کارگاہ "کُن" میں   کرلے تو مری زیست دوانی منظور

شانہ گر

اے شانہ گر آہ دل کو صد پارہ کیا   تیری رہ الفت میں دل آوارہ کیا

پر شانۂ مژگاں سے سنوار دل تیری زلف   دلجمعی کا نہ ابھی یہ چارہ کیا

جوگڑا یا جوگی پسر

تیری الفت میں دل جلاتا ہوں میں   تیرے لیے اب دھونی رماتا ہوں میں

جوگی پسر آنکھ کھول کر دیکھ ذرا   اپنے کے لیے خاک اُڑاتا ہوں میں

حجام

نائی تری کسوت میں ہے میری قسمت   مجکو ہر روز ہے حجامت کی لت

جب مونڈ چکے تو دور کر دے سستی   اعضا رہنے سے تیرے ہوگی محبت

بُت نعلبند

تیرے لیے میں نعل در آتش ہوں آہ   کر اے بُت نعلبند اس سمت نگاہ

اب تو سن الفت کے ذرا باندھ دے نعل   اس واسطے ہو نہیں پڑے چشم براہ

حور بہشتی

اے حور بہشتی آج کر لطف مزید   بیتابی میری دیکھ ہے قابل دید

بیجا نہیں تجکو مہروش گر کہتے   برج آبی ہے مشک تو ہے خورشید

ماہی گیر الفت

جوے الفت میں تیرے دل ہے ماہی   اے ماہی گیر دل کو ہے جا لگا ہی

ہوں ماہی بے آب لب ساحل پر   وادیم دلت دگر چہ ای خواہی

دلبر سنگتراش

اے سنگدل اے بُت سنگ تراش   کرتا دل موم میری الفت میں کاش

کر آب محبت سے اسے پہلے تر   پھر ایسا رگڑ کہ دل کی ہو دور خراش

دلبر جلد ساز

اوراق پریشان دل این ناکس   ہیں عشق میں تیرے منتشر مثل خس

اے دلبر جلد ساز کن اینہا جمع   پھر اپنی محبت کے شکنجے میں کس

دھوبن

نادی ترے عشق کی لدی مجھ پر آہ   دریائے حسن تیری ملتی نہیں تھاہ

دھوبن کیا جو سر ترا میلا ہو   دھو نے عرصے سے دیکھتا ہوں تری راہ

موذن

کاٹے کھاتے ہیں رات اور دن مجکو   پڑھتا ہوں نماز اے تو مومن مجکو

میں مسجد عشق کا ترے ہوں ساجد   دے اذان جو تیری سنے موذن مجکو

دلبر نان پز

شہرت کا تنور اس کے ہے گرم سدا   ہے دلبر نان پز تو اے الفت بڑا

پک جائیں یا تلیاں دل کی مرے   ہے مجکو خیال اب یہی صبح و مسا

معمار پسر

مینار شکستۂ دل این غمگیں   نیم آہد کہگل از تو میدان بہ یقین

ضرب سنگیں تو بہیچ دل زدہ   بنا پھر از کرم بہ پیشم بہ نشین

حلاج

حلاج ترے عشق میں سر دھنتا ہوں روز   تو ماکرتا ہے مجکو بھی تیرا سوز

اے پنبہ دہن کدام روئی بشنو   خوردم زکماں غم خدنگ دل دوز

شوخ رفوگر

سن عشق میں تیرے پھٹ گیا میرا دل   پی سکتا نہیں اب تو میں پانی بھی ہل

چاک دل غمزدہ رفو کر جلدی   اے شوخ رفوگر آج تو آ کر مل

فراش بچہ

خیمہ الفت کا تیری کرتا ہوں کھڑا   اور میخ کی طرح میں ہوں بروقت گڑا

فراش بچے طناب الفت کی کس   دل سے دل اور آنکھ سے آنکھ لڑا

کاہ فروش

جالی گھر پا تری محبت میں لیا   گھسیارن ہا تیرے عشق میں بھیس کیا

تو سبزۂ بیگانہ نہ بن کاہ فروش   اس سبز خطی نے زہر ہے میں نے پیا

راقم - ندیم

غزل

(از حضرت فرزانہ شاعر بے مثل و یگانہ احمق پھپھوندوی)

پہلے سر پھوڑیں گے اپنا سنگ در سے ہم   پھر اُٹھیں گے گر اُٹھیں گے کوچۂ دلبر سے ہم

جب کبھی آراستہ تھے ظلم کے زیور سے ہم
سطوت و اقبال میں خالق تھے دنیا بھر سے ہم

اب نئے سر سے تو پورا کیجیے عہدِ وصال
منتظر ہیں آپ کے وعدے کے اکتوبر سے ہم

داورِ محشر بھی تیرا اہلِ محشر بھی ترے
واے نادانی ڈراتے تھے تجھے محشر سے ہم

رشکِ قتلِ غیر کا احساس دیکھا چاہیے
کاٹتے بیٹھے ہیں خود اپنا گلا خنجر سے ہم

کیا بلا تھی وہ مصیبت بھی کہ تھے باہم جدا
ہجر میں ہم سے دلِ مضطر دلِ مضطر سے ہم

رکھتے ہیں سیرِ گل و پروازِ گلشن کی ہوس
دست کش ہو کر قفس میں بال و پر سے ہم

اب وہ آنکھیں ہیں نہ خداوندا ہیں نہ وہ دماغ
کچھ سبق لیں اپنے گرد و پیش کے منظر سے ہم

گرمیاں کیسی دلوں میں طلعتِ معبود کی
اب خدا کو یاد کرتے ہیں بتوں کے ڈر سے ہم

پھونک دے اے سوزِ دل ہم کو سمندر کی طرح
دوسرا قالب بنا لیں اپنی خاکستر سے ہم

جانتے تھے پہلے جن باتوں کو وجہِ عار و ننگ
بکتے جاتے ہیں انھیں باتوں سے کچھ ہو کے [illegible] سے ہم

دوست ہو دشمن ہو اچھا ہو برا ہو کوئی ہو
چاہیے مل کر چلیں حق زمانے بھر سے ہم

گھڑی دو میں مرنا باجے گی

(از فیروز لیہ میانوی)

مولانا بنی بہادر تعلیمات حرص سے کچھ [illegible] کی بھی خبر ہے ؟ - یرودا جیل میں جو گل کھلے رہے ہیں ان کا بھی علم ہے ۔ واللہ کمال ہو گیا اس جیل میں جس آم کے پیڑ تلے مہاتما گاندھی بیٹھ کر [illegible] کے غم میں سوکھا کرتے تھے - سنتے ہیں کہ خوب اس کی کوکھ ہری ہو گئی ۔ کیا شئے [illegible] نو اس کی بعض جھنجھلی ٹہنیاں سرو کی طرح بے ثمری کے فیشن میں ملبوس تھیں ۔ مہاتما جی کے ایسے بھاگوان قدم آئے کہ ان شاخوں میں پتے پھول میں غنچے اور پھر پھل پر بور آ گیا ہے - کچھ دنوں کی بات ہے جیل والوں کو آم کے آم بلکہ گٹھلیوں کے دام تک وصول ہو جائیں گے ۔

مگر ہم نشینوں کے جمال کا یہ اثر الٹا سا ہے - ایک فاقہ کش زاہدِ مرتاض اور برت دھاری مہاتما کے قرب کا تو یہ اثر لازمی تھا کہ سارا پیڑ ہی سوکھ سڑ کر ٹھونٹھ رہ جاتا - نہ کہ یوں امیدوار ہو کر نازِ عروسانہ جتاتا ۔

ضعیف الاعتقاد لوگوں میں آپ کی اس کرامت کا خوب چرچا ہو رہا ہے - یہ سب قسمت کی خوبی اور شہرت کا میل ہے ۔

ایک ہم ہیں کہ جن کے پچھواڑے کے نیم کے پیڑ کی نبولیاں کھرنی سے زیادہ شیریں ہو رہی ہیں اور محض اس لیے حلاوت مآب ہیں کہ ہم اس کے سایے کے تلے براجمان ہو کر اودھ پنچ کے لیے مضامین کلمبند کیا کرتے ہیں لیکن ہماری غیر معروفیت کا یہ نتیجہ ہے کہ ہماری اس فوق الفطرت طاقت کا کوئی بھی معتقد نہ ہو گا ۔

اگر یاروں کا خوش اعتقادی کا یہی عالم رہا تو کسی دن سن لیجیے گا کہ فلاں جیل خانے کی چکیاں جن میں سیاسی قیدی اسیر تھے اب منت کش دستِ اسیراں نہیں ہیں - بلکہ خود بخود گھمر گھمر چل رہی ہیں اور تھمائے سے نہیں تھمتیں - یا فلاں جیل خانے کے کولھو اپنے دو پاسے بیلوں کے کندھوں سے بے نیاز ہو کر لٹو کی طرح گھوم رہے ہیں ۔

ہم حیران ہیں کہ اس معاملے پر سنجیدگی سے رائے زنی کیوں نہیں ہوتی - کسی بھلے مانس کو یہ نہیں سوجھتا کہ آجکل بہار کے دن ہیں سبھی درخت ہرے ہوا ہی کرتے ہیں - اگر اس آم کے پیڑ کی چند افسردہ شاخوں میں بہار کے فیض سے رطوبت سرایت کر گئی تو کیا اچنبھے کی بات ہوئی ۔

اینجانب کی کھوپڑی شریف کی خوشگوار تبدیلی بھی دیدنی ہے - ابھی کل کی بات ہے کہ موسمِ زمستاں کی سرد مہری اور خشکی کی بدولت یہ کھپڑیل ہو رہی تھی - مگر آج یہ عالم ہے کہ رس رس کر زعفران زار بن رہی ہے - اور چارہ سازوں کے ناخنِ تدبیر سے کھجا کر بڑھے ہوئے ناخن اسے کھرچ کھرچ کر گلنار ہو رہے ہیں ۔

تو صاحب ایسے بے پر کی اڑانے والوں کی اڑن گھاٹیاں ہم پر اظہر ہیں - تانت باجی اور راگ بوجھا ۔

سیاسی لیڈروں کو پرم ہنس اور مہایوگی ثابت کرنے میں یار لوگوں کی کیا مصلحت ہے - اس کا راز ہم ابھی فاش کیے دیتے ہیں ۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ فلک کج رفتار کی ایک شاطرانہ چال نے ہندوستانی کھلاڑیوں کو زچ کر کے سیاسیات کی بساط تہ کر دی ہے "فیل و پیادہ و فرزین و اسپ کشت و مات" کی چال انھیں معلوم نہ ہو سکی - اس ششدر رکھنے والی شطرنج سے اکتا کر ہمارے محترم رہنما اپنی دیرینہ مشہور و معروف ایشیائی کھیل یعنی گیان چوسر کھیلنے کی فکروں میں مستغرق نظر آتے ہیں جس میں مذہبی خرمہرے جیت پٹ کیے جاتے ہیں - ہندوستان کے مطلع سے سیاسی بادل چھٹ رہے ہیں اور ان کی جگہ مذہبی دیوانگی کی ہولناک سیاہ گھٹا چھا رہی ہے - سیاسی قائدین اب دھرم کے ڈنکے اور دین کے نقارے بجانے کے لیے آستینیں چڑھا رہے ہیں ۔

اس گیان چوسر کی ابتدائی چالیں شروع ہو گئی ہیں - ایک طرف کو مندروں کے پجاری اچھوتوں کے لیے مندروں کے دروازے کھولنے پر مجبور کیے جاتے ہیں - دوسری طرف پنجاب کے مسلمانوں کو ایک جماعت کے اچھوت بنانے کا خیال بے چین کر رہا ہے ۔

بعض مسلمانوں کے خیال میں مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی جماعت سوختنی اور گردن زدنی ہے - اس لیے ان کے برخلاف ایجی ٹیشن کا سلسلہ گرم ہے ۔

الغرض سیاسی بحث سے بچت میں آئے ہوئے بیکار کارکنوں کو اب دنیاوی بادشاہی کے بجائے آسمانی بادشاہی کی تاجداری سوجھی ہے ۔

بیچارے مریدوں کو تو کورانہ تقلید کا چسکا مدتوں سے ہے - پہلے مخلص اور لیڈروں کی قدردان پبلک میاں مٹھو کی طرح سے بندے ماترم اور انقلاب زندہ باد کے نعرے لگانا سیکھ گئی تھی - اب اسے نجات کی امید کی چوری دکھا کر مندر آزاد - بجاری صیاد - مرزائی برباد یا وہابی ناشاد کے بولے رٹا دیے جائیں گے ۔

اگر روحانی اور دینی ترقی کے خواستگاروں نے اسی تندہی اور جانفشانی سے کام کرنا شروع کر دیا جیسا کہ وہ سیاسی تحریکوں کے لیے کرتے تھے - تو وہ دن دور نہیں

کہ پبلک پلیٹ فارموں، اخباروں اور کونسلوں پر مقتدایان دین کا قبضہ ہو جائیگا اور مختلف فرقوں کے عالم اور پنڈت اپنے اپنے عقائد کی حمایت میں بل بناکر پاس کروانے کی جدوجہد کریں گے۔ ہم عالم خیال میں چند ایک ایسے بلوں کی فہرست بناکر ہدیۂ ناظرین کیے دیتے ہیں جنکی ضرورت غالباً محسوس ہوگی۔

(۱) دنبالہ دار بل۔ اس میں چوٹیاں، داڑھیاں، مونچھیں اور گیسو برقرار رکھنے کے لیے قانونی دباؤ حاصل کیا جائے گا کہ نرنی چہرے جھاڑی جھنڈی کی افراط سے جنگل بنائے جائیں گے۔

(۲) پیری بل۔ اس میں اس زمانے کے ہونہار نبی، ولی، اوتار وغیرہ اپنی نبوت، ولایت کے اعلان کو قانوناً جائز کروالیں گے۔ تاکہ پرانے مذاہب ان اقلیتوں کو ہڑپ نہ کر جائیں اور ہر فرد رعیت برطانیہ الہام، کشف، وحی، القا اور رؤیا کے ذریعے سے اپنی شہرت قائم رکھ سکے۔

(۳) برتھ کنٹرول بل۔ اس کے ذریعے سے فرقۂ اناث مردوں سے اپنے جابرانہ حقوق تسلیم کرواکر بچہ نہ جننے اور اولاد نہ پالنے کے حقوق لے کر خانگی کاروبار سے نجات حاصل کرلیں گی۔

(۴) اخراج معاند۔ اچھوتوں کو مندروں میں داخل یا ان سے خارج کرنے مرزائیوں کی مسجدوں سے دوسرے فرقوں کے نمازیوں کو باز رکھنے سنیوں سے وہابیوں کی مسجدیں اور چکڑالویوں سے رضاخانیوں کے معبد کو بچانے کے لیے اس بل کی حمایت حاصل کی جائے گی۔

(۵) گاؤ زوری بل۔ مذہبی بحث مباحثہ کے لیے مختلف عقائد کے ممبروں کو پلیٹ فارم پر آکر گاؤ زوریاں کرنے اور دینی اکھاڑوں میں مذہبی پہلوانوں کے دنگلوں کی عام اجازت حاصل کی جائے گی۔

منظم اور طاقتور فرقے اور مذاہب تو اپنی اکثریت کے بل بوتے پر نئی اور کمزور جماعتوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کریں گے اس لیے اقلیتیں اپنے تحفظ کیلیے سرکار دولتمدار کی طرف رجوع کریں گی اور اُسے مذہبی معاملات میں غیر جانبدارانہ رہنے دیں گی۔ تمام مذاہب کے عقائد سے واقف ہونے کے لیے سرکاری قاضی دیوبند، بریلی، قادیان، بنارس

[illegible] رسول میں دینی واقفیت حاصل کرنے کے بعد اس قابل ہو جائیں کہ ہندوستانیوں کے دینی مسائل حل کرنے کے لیے ایک قضا ٔ محکمہ کھول دیں اور طرفین کے بیانات سننے کے بعد یہ کہنے کے قابل ہو جائیں "آل رائٹ۔ کماموش۔ اب ہمارا پھٹوا (فتویٰ) سنو۔

مولانا پنچ کا پوسٹ بیگ

ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "غضب کیا مسٹر جواد علی تنہا خرقہ یافتہ لندنی نے ساری نذر امام باڑہ پولیس کو کھلادی۔ اور آپ چپ ہیں۔ مولانا پنچ آپ کوئی قبر میں تو بخشوائیں گے نہیں آپکا یہی فرض ہے کہ جب کسی گناہ کے طاعونی چوہے کسی مقام پر سڑیں فوراً عبرت و نصیحت کی فنائل و ظرافت کا رسکپور لے کے پہونچ جائیں۔

دوسرے صاحب رقام فرماتے ہیں "گورکھپور کے وقف میں جو ناجائز تصرف متولی صاحب نے کیا اُس پر تو آپنے گزشتہ ۱۲ مارچ کے پرچے میں خوب خبر لی مگر وہی مثل ہے آنکھوں کے آگے ناک سوجھے کیا خاک "عقب میں جو دیوان ناصر علی مرحوم کی وقفی مسجد اور مدرسہ ہے اُس کی خبر نہ لی۔ برسوں صرف ایک وقت یعنی شام کو نمازی آنے دیئے گئے باقی اوقات کے لیے خانۂ خدا میں "نو ایڈمیشن وداوٹ پرمیشن" (بدون اجازت داخلے کی ممانعت ہے) کی تختی قفل کی صورت میں لٹکی رہی۔ سڑی ہوئی از کار رفتہ چٹائیاں کائی لگی بدھنیاں کیچڑ بھرا حوض اور ریوڑی والے سے قرض لی ہوئی لالٹین (بحوالہ سرفراز لکھنؤ) خانۂ خدا کی شان بڑھاتی رہی۔ پیش نماز کی تنخواہ تخفیف کی نذر ہوکر ہوا ہو گئی۔ نواب سید مبارک علی صاحب (آف پٹنہ) نے عطاء اللہ صاحب متولی پر دعویٰ دائر کردیا ہم سمجھے تھے کہ اب جب بھی اور کچہری کی کشاکش خانۂ خدا کے کام آئے گی۔ مگر وائے ناکامی لڑنے والے آپس میں مل بیٹھے۔ اور باہمی مصالحت کا صرف اتنا ہی فائدہ ہوا کہ نئی چٹائیاں دو چار آگئیں۔ کوری بدھنیاں بھی خال خال نظر آتی ہیں۔ غرض تو خیر ان کا صاف کل میلا رہتا ہی ہے لیکن اللہ میاں کا گھر آباد تو نہیں رہتا۔ آج پنچ صاحب ورکسی [illegible]

رحم کیجیے اور قسط ظرافت رقم کو تھوڑی سی زحمت دیجیے۔

پنچ: - یہ دونوں خط اصلاح اوقاف سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لیے جواب ایک ہی جگہ لکھا جاتا ہے۔

پہلے صاحب نے شاید ۲۲ مارچ کا پرچہ نہیں دیکھا انہیں چاہیے کہ زیادہ مستعد ہو جائیں اور ذمہ داری کے ساتھ اصلی واقعات لکھیں تو ہم بے رو و رعایت اپنی رائے ظاہر کریں۔

دوسرے صاحب نے ایک نیا معاملہ پیش کیا ہے جس کے واقعات اگر صحیح ہیں تو واقعی رنج دینے والے ہیں۔ حالانکہ رنج کی کوئی بات نہیں۔ بایں معنیٰ کہ الوقف مال اللہ والخلق عیال اللہ۔ (وقف ہے مال خدا اور خلقت ہے عیال خدا) پس اگر مال خدا عیال خدا کے پیٹ میں چلا گیا تو کسی کا اجارہ نہیں ہے جس کا جی چاہے یا جسے گھر میسر نہ ہو جا بیٹھے مسجد میں اور اندر سے کنڈی بند کرلے۔ دلیل یوں پیش کرنے کہ جو ذات جسم و جسمانیات سے بری ہے اُسے مکان کی ضرورت نہیں "ذات لا مکاں را خانہ کے باشد روا" خود اللہ میاں کے رحم سے یہ کب بعید جائے گا کہ اس کے بے خانماں بندے گھر ہوتے ساتھ مارے مارے پھریں۔

منطق اور کانگریس

انڈیا جان ۔۔ اے تو میری بچی کی سالگرہ کیوں نہیں ہونے دیتے ۔۔

وزارت ہند ۔۔ ہاں مضائقہ ہی کیا ہے ۔ مگر بھئی اپنا اگم اندیشہ سوچ لو ۔ اے ہاں پیچھے کو مجھے الزام نہ دینا ۔۔

حکومت ہند ۔۔ کیا بتاؤں یہ چھوکری ابھی بھئی بڑی بھی ہے ۔ اچھائی تو خیر ۔ مگر برائی کی برداشت نہیں ہو سکتی ۔۔

ظریف ہفتہ وار
LUCKNOW
OUDHPUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
M B KHAN ARTIST LUCKNOW

جلد ۱۸ نمبر ۱۳

مضامین

(مورخہ ۱۲- اپریل سنہ ۱۹۳۳ء)

غزل

(یادگار مرحوم حکیم حکمت الٰہیہ و عقلیہ ڈاکٹر مرزا محمد ہادی بی اے پی ایچ ڈی مرزاؔ)

توقع کس کو تھی اُن سے کہ وہ آئیں عیادت کو — اجل بھی پوچھنے آئی نہ بیمار محبت کو
کبھی معشوق کا شکوہ کبھی روتے ہیں قسمت کو — دیوانے عبث بدنام کرتے ہیں محبت کو
نال علم سمجھے ہیں جو اسباب معیشت کو — کیا بدنام اس دنیا طلب نے ترقی نے حکمت کو
تمہارے وعدہ فردا کی یہ بے اعتباری ہے — قیامت سے مسلماں بھولے جاتے ہیں قیامت کو
ادا ہے سلسلہ ملتا ہے میری آرزوؤں کا — کلیجے سے لگا رکھتا ہوں گیسوئے درازقامت کو
مذاق عشق میں اسکے ابھی باقی ہے کچھ خامی — نہ سمجھے ہو نشاط انگیز ناصح کی ملامت کو
مرے دل کی طرح سے یا الٰہی آئینہ ٹوٹے — اسی ظالم نے خودبینی سکھائی حسن صورت کو
اگر ٹھہرے تو آفت ہو جو چل نکلے قیامت ہو — قیامت آفریں کہتا بجا ہوں تیرے قامت کو
یہ وضع ہے عاشق کبھی شکوا نہیں کرتے — کہ وہ عمر جاوداں سمجھے ہوئے ہیں طول فرقت کو
کبھی تو دامن قاتل بھی مست شوق میں ہوتا — فقط میلہ گئے بیاں پچ ڈالا تا ہے وحشت کو

غزل اچھی کہی مرزاؔ اگر اسکی ستائش میں
بہت کچھ دخل ہے احباب کے حسن سماعت کو

کشکول

محاورات کی توجیہ

(قسط سوم بسلسلہ سابق)

(۱۱)- پٹرا کرنا- زد و کوب کرنا- تباہ کرنا- توجیہ- دھوبی پٹرے پر کپڑے کو میل دور کرنے کے لیے برابر پٹکتے ہیں-

(۱۲)- پورا اتارنا- نبا ہنا- کام کو بخوبی کرنا، یا انجام کو پہنچانا- (یہ محاورہ زیادہ مستعمل نہیں فصحا کو بولتے نہیں سنا)- توجیہ- بزاز یا خیاط کے کپڑے کی پوری ناپ کرنے سے کہ کپڑا زیادہ ہو نہ کم یہ محاورہ بنا ہے-

(۱۳)- تپتے توے پر چڑھ کر گزرنا- اپنی سچائی ظاہر کرنا- اعتبار و یقین دلانا- شدید قسم کھانا- توجیہ- ہندوستان میں کبھی دستور تھا کہ یقین دلانے اور خود کو سچا ثابت کرنے کے لیے گرم توے پر بیٹھتے یا گرم تیل کی کڑاہی میں ہاتھ ڈالا کرتے تھے-

یا جلتا ہوا سرخ لوہے کا گولا ہاتھ میں لیتے تھے- اسی سے یہ محاورہ بنا ہے- چنانچہ سیتا جی کو جب راجہ رام چندر جی لنکا سے چھوڑا کر لائے ہیں اور اُن پر راون سے ملوث ہونے کا شبہ ہوا تو سیتا جی نے اپنے عصمت کے محفوظ رہنے کی قسم اسی طور سے رام چندر جی کو یقین دلانے کیلیے کھائی تھی-

(۱۴)- الٹی گنگا بہانا یا بہنا- ہٹ دھرمی- نافرمانی- سخن پروری- معمول کو یا رسم و رواج کے برعکس کرنا- ماخذ یہ حکایت ہے-

کہا جاتا ہے کہ ایک جاٹ یا اہیر کی جورو (یا خلاف روایت) بہت ضدی اور ہٹی تھی- اور ہمیشہ شوہر کی مرضی کے خلاف کام کیا کرتی- وہ ایسی نامعقول عورت کی ہٹ سے بے حد تنگ ہو گیا تھا اپنے چھٹکارے کی ایک تدبیر سوچی کہ ایک دن اپنی عورت سے کہا "اب میں ہرگز تجھے میکے نہ جانے دوں گا" جاٹنی کو مخالفت کے بھوت نے ستایا اور کہا "میں ابھی اپنے میکے جاؤں گی" جب وہ بہت بضد ہوئی تو اُس کے شوہر نے کہا "چلی جا میں نہیں لے جاتا" عورت نے ساتھ چلنے کے لیے مجبور کیا- تریا ہٹ مشہور ہے وہ کس کی ماننے والی تھی- ناچار شوہر کو ساتھ جانا پڑا- دونوں روانہ ہو گئے- راستہ میں گنگا پڑتی تھی جس کو عبور کرنا تھا جب دونوں گھاٹ پر پہونچے تو جاٹ نے جاٹنی سے دانستہ کہا کہ ناؤ پر بیٹھ لے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ عورت اپنی ہٹ کی پوری ہے وہ اُس کے کہنے کے خلاف کرے گی اور کشتی میں سوار نہ ہوگی (یہی اُس کا مقصد تھا) اُس نے اپنی حسب عادت کہنا نہ مانا اور بذریعہ کشتی پار اترنے سے انکار کر کے دریا میں کا پچھا بانہ مد کود پڑی- اور اس طرح اپنی ضد اور حماقت سے بہہ گئی- اُس کا شوہر اُس کی تلاش میں دریا چڑھاؤ کی طرف لیتا رہے کنارے سے ڈھونڈتا جاتا تھا اور لوگوں سے پوچھتا جاتا تھا کہ کوئی عورت اس طرف کو بہتی ہوئی نظر آئی ہے- لوگوں نے لاعلمی ظاہر کرتے کہا کہ تمکو بہاؤ کے رخ تلاش کرنا چاہیئے- جاٹ نے اُن کے جواب میں کہا "نہیں صاحب وہ عورت ایسی ہٹی تھی کہ بہاؤ کے خلاف گئی ہوگی" اس پر لوگوں نے کہا خوب الٹی گنگا بہائی ہے- جب سے الٹی گنگا بہانا ضرب المثل کے طور پر بولا جاتا ہے-

(۱۵)- پلے بندھنا- یا دامن سے بندھنا- شوہر و زوجہ کا ہمیشہ کے لیے تا زندگی ساتھ ہونا- توجیہ- ہنود میں شادی کی اصل رسم جس سے شادی مکمل ہوتی ہے اُس کو پھیرا کہتے ہیں- دولھا دلہن کے کپڑوں میں گانٹھ (گرہ) لگا دیتے ہیں جس کو گٹھ بندھن بولتے ہیں- اس کے بعد زوجین کو کم از کم چار مرتبہ اور زیادہ سے زیادہ سات مرتبہ اُس آگ کے گرد جس میں منتر پڑھ کر (ہون) (ہوم) کرتے ہیں پھرواتے ہیں- اس سے یہ محاورہ بن گیا-

(۱۶) کسی کے چالے روکھ نہ رہنا- کسی کو آہستہ آہستہ ایسا تباہ کرنا کہ پھر وہ مشکلات میں پھنسے یعنے مال خورد برد کرنا- جیسے اُن کے چالے درخت نہیں پنپتے- یا اُن کے چالے روکھ بھی نہ رہے- یا اُن کے چالے روکھ بھی ہرے نہیں ہوتے- توجیہ- یہ محاورہ ٹڈی کے نباتات دگھاس پات، اور درختوں کے پتے پات چالنے سے بنا ہے جہاں ٹڈی دل جا پڑتا ہے فصل ایسی تباہ ہو جاتی ہے کہ پھر وہ ابھرتی نہیں-

(۱۷) ششدر رہنا - حیران ہونا پریشان ہونا حیرت میں پڑنا یا متحیر ہونا - فارسی محاورے کا ترجمہ ہے - فلاں کس را مہرہ در ششدر افتاد - صاحب بہار عجم نے جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے ہم بجنسہ نذر ناظرین کرتے ہیں :-

توجیہ - ششدر در حقیقت شش خانہ است کہ در بازی نرد می باشد - چوں ہر یکے از کعبین تا شش نقش می دارد لہذا دو تختہ باشد کہ ہر یکے ازاں دو دوازدہ دارد و خانے منقوش می باشد بایں طور کہ بر ہمیں بیاض بر ہر تختہ شش شش خانہ می شوند و درمیان دو ہاے ہمیں دو بار ... فاصلے باشد - پس ہرگاہ کہ مہرہ درمیان دو سہ کہ در منتہاے تختہ است بند گردد از شش خانہ جانب خود بہیچ خانہ رفتن نتواند - رہائی آں بدون رہائی دادن حریف دیگر محال است - پس ششدر آنکہ ہیچ مہرہ نرد در بند حیرت و پریشانی گرفتار آید۔

(خواجہ محمد باقر حسن سہارن پوری)

نوٹ :- باقیدار اصحاب حسب وعدہ منی آرڈر بھیج کر شکرگزار فرمائیں - اور جن اصحاب کی خدمت میں وی پی بھیجے جا رہے ہیں وہ وصول فرمالیں - (منیجر اودھ پنچ)

اطلاعنامہ حسب دفعہ ۲۰ ایکٹ ۲۶ ۱۹۲۶ء صوبہ آگرہ

بہ اجلاس جناب مولوی سید محمد صاحب اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم تحصیل بلہور ضلع کانپور

نمبر ۳

بعدالت مال مقام تحصیل بلہور

تاریخ پیشی ۱۹ اپریل ۱۹۳۳ء

چونکہ مقدمہ نالش چودھری رام نرائن ڈگریدار بنام بیجو وغیرہ مدیونان سے جو عدالت ہذا میں فیصل ہوا ایک ڈگری بقایا لگان بابت لگان ... و خرچہ ... بتاریخ ... صادر ہوئی اور مبلغ للعہ جو از روے ڈگری مذکور واجب الادا ہیں ان کی تفصیل حاشیہ پر درج کیجاتی ہے۔

	روپیہ	آنہ	پائی
اصل	۲۴	۱۴	۱
خرچہ نالش	۵	۳	۲
سود بابت زر اصل و خرچہ نالش	۲	۱۲	۵
خرچہ اجراے ڈگری	۹	۱۳	-
سود بابت خرچہ اجراے ڈگری			
میزان	۴۱	۱۱	۸

اور چونکہ آج کی تاریخ تک ڈگری بلا ادا رہی ہے۔ لہذا بذریعہ اس تحریر کے تم بیجو ولد ترائن و ... ولد ... اقوام ... ساکنان موضع ... رسول آباد پرگنہ بلہور مذکور کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تم زر مذکور یعنی مبلغ للعہ جو از روے ڈگری کے واجب الادا ہیں اس عدالت میں پندرہ روز کے اندر تاریخ موصول ہونے اطلاعنامہ ہذا سے ادا کرو ورنہ وجہ ظاہر کرو کہ تم مندرجہ ذیل کھیتوں سے جو کہ بابت بقایا ڈگری شدہ واجب الادا ہے بیدخل کیوں نہ کیے جاؤ۔

تفصیل اراضی

پرگنہ	موضع	محال	نمبر کھیت کا	رقبہ کھیت کا
بلہور	ستاواں ...	شکرلال	۱۴۵	۱۸
			۱۴۶	۱۳
			۱۴۷	۱۳
			۱۴۸	۳
			۲۳۴	۱۱
			۲۶۹	۲
			۲۶۶	۱۰
			۲۶۶	۱۱
			۲۶۶	بیگھہ ۲۲

مہر عدالت — دستخط حاکم

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قواعد ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۲۲۸

بعدالت جناب ... صاحب گپتا آنریری اسسٹنٹ کلکٹر بیاد ... قنوج مقام قنوج ضلع فرخ آباد

راجہ درگا نرائن سنگھ مدعی

بنام

چندی مدعا علیہ

بنام چندی ولد بلدیو قوم برہمن ساکن محلہ ... قنوج ضلع فرخ آباد مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت بقایا لگان کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۴ ماہ اپریل ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن بمقام قنوج اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے بخوبی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ کی کرو اور چونکہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات پر جن پر تم بتائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۳۱ ماہ مارچ ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بحروف انگریزی

مہر عدالت

مبارکباد [illegible]

(تنبیہ لاحق بہ سابق)

"سب چھپائے اُٹھے"

لاٹ صاحب مرو دوزخ میں جائے بالکھری میں سرشہ ساب کوئی فائدہ و بظاہر اس بچہ پاہٹ سے مقصود نہیں - ٹام ولیمز صاحب اُن ہندوستانی تعلیم یافتہ کی خواہشوں کا رونا رو رہے ہیں جنکی تذلیل سادے کاغذ کی بدولت ہوئی - ہندوستانی تعلیم یافتہ طبقہ خودمختار اور آزاد حکومت کا طالب ضرور ہے مگر یہ آزادی کبھی تو کسی خاص فرقے کے دامن سے لپٹی ہوئی نظر آتی ہے اور کبھی شخصی مفاد کے گلے سے چمٹی ہوئی

اگر میں اس آزادی کو ایک بچے سے تعبیر کروں تو نانی اصطلاح میں یہ بچہ "دھیں لگانا" بچہ ہے جو ہر ایک اپنے پرائے کو دیکھ کے ہمکنا شروع کر دیتا ہے اور بزبان حال کہتا ہے "اتا ہمیں لے لو"۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس سب کا ہے کو مجھے کہنا چاہیے مبارک ہو تم کہ سارے کاغذی دستاویزی شہادت کی بنا پر تم ہی اس بچے کی اماں ہو" تم کو خدا نے حاکم کیا ہے رئیس کیا ہے قوم والا بنایا ہے تمہیں یہ اختیار تو ضرور ہے کہ بقول ٹام ولیمز صاحب کے ہندوستان کی ۹۶ فی صدی مفلس آبادی کی گود میں تھوڑی دیر کے لیے اس بچے کو جانے دو لیکن بمقتضائے فطرت یہ بہت مشکل ہے کہ ہمیشہ کے لیے اپنے بچے سے جدائی اختیار کر لو - نہ یہ ممکن ہے کہ بچہ "دھیں لگانے" کا نباہ ایک شب بھی کر سکے - یہ بچے کھیل کود کے شیدائی ہوتے ہیں انھیں دن بھر چاہیے کوئی کھیل کود میں بہلائے مگر ادھر نیند آئی ادھر "اماں اماں" کی رٹ لگی - ہندوستان کی فرقہ پرور مفلس آبادی بھی بچے کی پیاری پیاری بھولی بھولی باتوں پر ریجھ کے اپنی تن پروری کے عمر دوں کو ہمیشہ کے لیے تج نہیں سکتی - تن آسانی یا خودغرضی جب مجبور کریگی تو یہ لوگ اپنی گود سے اس بچے کو سوت کے بچے کی طرح پٹک دیں گے -

" ہائے ہائے - بازو گود میں لیے لیے شل ہو گئے " خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اس بچے میں ہندوستانی خون کی چھینٹ بھی شریک نہیں -

آزادی تمہاری جاتی ہے اور خود غرضی اُن کی مصاحب ہوئی ایک گوری ہے ایک کالی ہے۔ فطرت کی کشتی ہوئی خانہ میں گورے اور کالے ہمنام ہیں۔

حضرت یعقوبؑ کا قصہ تو تم نے سنا ہی ہوگا کہ ایک سیب فروش تازہ رسیلے سیب فروخت کر رہا تھا حضرت نے ایک سیب خرید کیا اور اُس سے کہا کہ جاؤ فلاں مقام پر بچے کھیل رہے ہیں جو بچہ اُن سب میں خوبصورت ہو اُسے یہ سیب دے آؤ۔ سیب والا اُسی پتے پر گیا اور دیکھتا کیا ہے کہ اُس کا لڑکا بھی اُن لڑکوں میں شامل ہے۔ اُس نے جھٹ سے وہ سیب اپنے چراغ کے حوالے کیا اور گھر چلا آیا۔ حضرت یوسفؑ جب پلٹے تو اُن کے والد نے پوچھا "کیوں بیٹی وہ سیب میں نے بھیجا تھا وہ کیسا تھا؟" یوسفؑ متعجب ہوئے اور فرمایا "کیسا سیب؟" آخر پوچھ گچھ شروع ہوئی۔ سیب والا بلایا گیا اُس نے منطقی عذر کیا "حضور نے یہی تو فرمایا تھا کہ جو سب سے زیادہ خوبصورت لڑکا ملے اُسی کو سیب دے دینا۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ تمام لڑکوں میں مجھے سب سے زیادہ حسین میرا ہی لڑکا معلوم ہوا" ایسی فطری قانون کے اعتبار سے تمہیں اپنی آزادی عزیز ہونا چاہیے اور ہندوستانیوں کو باہمگر جدل و رقابت (بربنائے خود غرضی)۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم اپنی آزادی کو ان کے سپرد کرو گے اور نہ یہ خود غرضی کا پنڈا چھوڑینگے جس چیز کا نام تحفظ ہے وہ تمہاری بچی کی تنخواہ دار آیا ہے اور اپنے بچے پر خواہ وہ کتنا ہی "دکھیں لگنا" اور ہر دل عزیز ہو آیا مقرر کرنے کا حق یقیناً تم کو یا تمہاری قوم کو حاصل ہے۔ ٹام ولیمز صاحب پڑے چھپا کریں۔ چھپانے سے ہوتا ہی کیا ہے۔ اُن کے نزدیک سفید کاغذ یا وہائٹ پیپر وہائٹ ہال کے تمام ہندوستان کا بیعنامہ ہے جو انگلستانی مدبرین اور خوش باوران ہند نے "بدرستی حواس خمسہ بلا جبر و اکراہ - بغیر استثنا کسی جزو کے" لکھ دیا۔ رتی پیسی مال سیوائے جھاڑی جھنڈی اور سنجر پرتی مزروعہ کنکر پتھر سونا چاندی کے علاوہ گاؤں کے باسی (یہاں) بلکہ گاؤں کی تمام رعایا تک

ہوگئی ہے اور ہر چیز اپنے قبضے سے خارج کرکے بقیہ حقوق مالکانہ "وہائٹ ہال کے قبضے میں دیدی ہے۔ بلکہ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ "اب نہ رہا ہم کو یا قائم مقامان و وارثان ہمارے کو کوئی دعویٰ بابت جائداد مبیعہ ہذا کے ابدالآباد۔ اور اگر ایسا نا کوئی فرخشہ آئندہ نسبت جائداد مبیعہ ہذا کے پیدا ہو اور جائداد مبیعہ ہذا قبضہ مشتری صاحبان سے خدانخواستہ نکل جائے تو مشتری صاحبان موصوفان کو اختیار ہوگا کہ کل زر ثمن اپنا ہماری ذات اور ہماری نسل کے تمام افراد سے اور ان کے مردہ آبا و اجداد کے استخوانہائے شکستہ سے بھی جو کہ قبر کے اندر فاسفورس بن رہے ہیں آنہ پائی تک وصول کرلیں ہم کو اور وارثان ہمارے کو کوئی عذر و حجت حیلہ حوالہ نہ ہوگا"

ٹام ولیمز صاحب کہتے ہیں کہ وعدہ خلافت پارلیمنٹ ہندوستانیوں کی نگاہ میں قابل اعتماد نہیں سہی اگر منتخب کیٹی بگڑی ہوئی ساکھ بنانے کا وعدہ اس اقرار کے ساتھ کرے کہ تحفظات کے اجزا اکثر غیر ضروری ہیں اور بعد ترمیم ہندوستانیوں کو خود مختارانہ حکومت کبھی مل جائے گی تو ہم اس کمیٹی میں جیسے شرمائے بغیر شریک ہو سکتے ہیں۔ دیکھو لاٹ صاحب یہ ہے "چھپاہٹ" یا نہیں؟ کہو آپ شریک ہوں گے تو کیا اور جیب کے منہ چھپا جائیں گے تو کیا۔ دنیا کے کام بند نہیں رہتے۔ بڑے بڑے شاہان ہفت کشور جن کو زمانہ بھر خدا مانتا تھا مٹ گئے لیکن کائنات کے انتظام میں ذرہ برابر کھنڈت نہیں پڑی آفتاب صبح سویرے نکلا اور شام کو غروب ہوگیا۔ چاند نے سر شام سے اپنی منزل شروع کی اور صبح کو ختم کر دی۔ تارے رات بھر جگمگی کہنان کا تماشا دکھاتے رہے اور ذرے دن بھر آئینہ مہر نما کی صورت اپنی چمک سے بیابان روشن کرتے رہے۔ پھر بھلا آپ کیا چیز ہیں؟

بعد اُن کے سرجان سائمن چھپارے۔ کیا کیجئے اُن کی چھپاہٹ کا چٹکاری اُن کی چھپی ہی زبان

ٹام ولیمز صاحب جتنے بودے شرمیلے جھینپو ہیں اتنے ہی سرجان سائمن مضبوط ڈھیٹ اور بیباک ویدوں کا پانی ڈھلا ہوا ہے۔ جب یہ یہاں آئے تھے تو موئے کانگریسی بدمعاش لونڈوں نے ان کا منھ خوب چڑھایا تھا۔ تم جانو آخر جھینپنے کی بھی حد ہے۔ کہاں تک جھینپتے رہتے۔ طعنے سہتے سہتے دل مضبوط ہوگیا۔ عرب کی حسن فروشوں میں ایک مثل ہے افتضحنا استرحنا (رسوا ہوکے راحت مل گئی) اس مثل کے مقابلے میں یہاں بھی ایک زنانی مثل ہے "منھ پر پھیری لوئی تو کیا کرے گا کوئی"۔

مجھے امید ہے کہ سرجان سائمن کی مردانی تقریر سے مسٹر ٹام ولیمز اپنے دل میں بہت کھسیانے ہوں گے خصوصاً جب انھوں نے اُسی شان سے "مسٹر ٹام ولیمز گو بیک" فرمایا ہوگا جس آن بان سے نگوڑے کانگریسی گستاخوں نے کہا تھا۔ یہ "گو بیک" ہی ہوا کہ مسٹر ٹام ولیمز نے فرمایا "ہندوستانیوں کی خوشنودی حاصل کرنا ہمارے لیے سب سے بڑی عزت ہوگی" اور انھوں نے پاؤن منٹ تک ہندوستانیوں کی اُس خوشنودی کا نتیجہ بیان کیا جو بروئے تجربہ انھیں سفر ہندوستان میں حاصل ہوئی جس کی صریح دلیل "رپورٹ" ہے۔ جس رپورٹ کا اکلوتا فرزند سفید کاغذ ہے۔ اور جو پچھلے بیرول پلٹنے کی نہایت دلچسپ طریقے سے ہدایت کرتا ہے۔

خیر ولایت والے تو چھپانے کا حق رکھتے ہیں، وہ چھپائے تو چھپائے یہ ہندوستانی کیا منھ سے کے چھپاتے ہیں وہی مثل ہے "سوپ بولے تو بولے چھلنی کیا بولے جس میں بہتر چھید"

اے ہے کیا غضب کمبختوں نے بالکل ادب تا عدد بھلا دی [illegible] اسپرٹ [illegible] رکھا دی دینے کا تھا یا چھپانے کا اور چھپانے کے بعد اپنا لقب "معتدل الدولہ" بہادر رکھنا کہاں تک زیبا ہے؟ ان کے واسطے یہی مناسب تھا کہ اپنے اعتدالی دعوے کو عقل کے ساتھ تھمی لیتے اور سمجھ لیتے کہ ریزرو بنک کی بنا توڑنے کو جوڑنے اور بگڑی بنانے کے لیے ہے اگرچہ اس کی منطق ذرا پیچیدہ ہے اور وہ سیچر ایبل منطق سے کسی قدر

مشابہت رکھتی ہے یعنی سیمپ اشلی نے "نکو بلا ہو سے بلا" کی مثل پر عمل کرنے میں طبیعت پایا اس کی منطق استعمال کی تھی اور مستدل لال بہادر نے "تنگ کر ساس بڑائی تیرے آگے بھی جائی" یا "نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچیں گے" کی مثل پر عمل کرنے میں اصفہان کے فقیر کی منطق استعمال کی۔ کہتے ہیں کسی رئیس کے دروازے پر سائل آیا تو رئیس نے اپنے غلام جس کا نام مبارک تھا آواز دی "اے مبارک تو قنبر سے کہہ اور قنبر جوہر کو حکم دے کہ وہ یاقوت سے کہے اور یاقوت اس مرد سائل سے کہ "سائیں پھر مانگو" اس تطویل سے سائل آشفتہ ہوا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے "اے باری تعالے تو جبرئیل سے ارشاد کر اور جبرئیل ع اسرافیل سے کہے اور اسرافیل میکائیل سے کہے میکائیل عزرائیل سے کہے کہ اس کنجوس کی روح قبض کرے"۔ پچاس فی صدی والیان ریاست کی شرکت کی قید بھی قابل اعتراض نہیں نہ یہی بات درست ہے کہ آرڈیننس "تصنیف کرنے کے حقوق جو وائسرائے صاحب کو ملے ہیں وہ ملک میں اور وزیروں میں "چپاہٹ" کا مادہ پیدا کر دیں گے اور چپاہٹ کی بدولت کام معطل ہو جائے گا۔ کیا یعنی کہ تین چار سال سے برابر آرڈیننس پر کام چلتا رہا اور بجز کانگریس کے جو ہر نظام کو درہم برہم کرنے کے درپے تھی کوئی کام معطل نہیں ہوا۔ اس پر برہان ہندسی قائم ہے۔ فرض کرو کہ ایک برس آرڈیننس پر کام چلنا ممکن ہے تو ایک سال اور ایک منٹ بھی ممکن ہے اور ایک منٹ ممکن ہے تو اس مکان کو بطریق قیاس مساوات صدہا سال تک باقی رکھ سکتے ہیں۔

خیر — بہر حال اب تو پارلیمنٹری کمیٹی بن چکی اور ہوس آف لارڈس میں بھی "سب چپائے رکھیے" جو لوگ اب تک چپاتے رہے اور جو آئندہ چپائیں گے میرا فرض ہے کہ ایک ہی سلسلے میں سب کو مبارکباد کہہ دوں۔ ہندوستانی ہوں اس وجہ سے انگریزی نام لینے میں زبان پھسلتی ہے۔ جھکنے میں بھی اتنا فائدہ ہے کہ غور کرنے والے پر باعتبار تقریر وجہ تسمیہ بھی آشکار ہو سکتی ہے۔ (باقی پھر)

سماف

منطق بارا سیگم

انٹرنس کے امتحانی پرچہ کا حل

"از خاکسار ادبار الامتحان"

(تابع ماقبل)

جواب متعلق سوال نمبر ۱۳

"ممتحن صاحب فرماتے ہیں جو لفظ مذکر ہے اس کی جگہ مؤنث بدل کر لکھو۔ بعض الفاظ مثلاً پیٹل ہیں۔ یعنے بی بی ہے تو میاں نہیں۔ میاں ہے تو بی بی نہیں۔ اور یہ ضروری ہے کہ جواب مکمل ہو لہذا اگر مؤنث یا مذکر الفاظ زبردستی گڑھ لیے جائیں تو مشابہت نہ ہونی چاہیے۔ یہ فرض ممتحن صاحب کا ہے کہ اگر ہم تانیث و تذکیر میں چوک جائیں تو وہ ہمیں لفظ بتا کے ٹوک دیں۔ "مجیب"

ہتھیا (ہاتھی کی مادہ) نے چھیلیا (چھیلے کی مادہ) لے کر سسرے (ساس کا میاں) سے کہا غلام (لونڈی کا بھائی یا میاں) سے ڈولا (ڈولی کا نر) منگا دیں اٹھ کہاریاں (کہار کی مؤنث) لال سبز کرتیاں (کرتے کا سانڈ) پہنے حاضر ہو لیں۔ سانڈ (سانڈنی کا مذکر واضح ہو کہ اونٹ سانڈنی کا شوہر نہیں۔ سانڈنی اردو زبان میں بے نکاحی اور کنواری اصطلاح ہے۔ اونٹ کی گھر بسی کو اونٹنی کہتے ہیں لاغیر) پہلے سے تیار رہتا۔ دامادی (داماد کا مؤنث) اور عروسا (عروس کا شوہر) دونوں سوار ہوئے میراثن (میراثی کے باپ کی جورو) نے دھاکی راگنی (راگ کے بہنوئی کی جورو) گائی۔

— دیکھا آپ نے! یہ ہے جواب! ممتحن صاحب کا مقصد سوال سے کسی طرح واضح نہیں ہوتا آیا وہ مجیب کو اس امر میں آزاد رکھنا چاہتے ہیں کہ مذکر کے مقابلے میں مؤنث بدل کر جو لکھا جائے تو وہ خود اسی مذکر کا مؤنث ہو یا جو مؤنث زبان میں [illegible] ایجاد کیے اور جو ہنس کا لقب بلیلو ہو مگر یہ ضروری خیال نہ کیا جائے۔ جواب مذکورہ بالا میں ہم نے ہر مؤنث کے لیے اسی کا مذکر اور ہر مذکر کے واسطے اسی کا مؤنث ڈھونڈ ڈھونڈ کے لکھا ہے۔ اب بغیر تقابل جنس بجنس کی قید کے جواب حاضر ہے ملاحظہ ہو:

"نانا میں بکلی نے نکر اونٹ سے کہا ٹھاکر سے ٹٹو منگا دیں اٹھ کی گھوڑیاں لال لال جانگیا پہنے ٹٹولے کے حاضر ہو لیں۔ بانس پہلے سے تیار تھا اور کتا دونوں سوار ہوئے۔ گدھی نے دھاکی گا اور بھیرویں گائی"

سوال نمبر ۱۴ کے متعلق

ممتحن صاحب کا ارشاد ہے کہ ذیل کی عبارت میں درخشاں الفاظ کی تصغیر یا تکبیر لکھ کر عبارت کو دوبارہ لکھو۔ اگرچہ سوال اتنا مبہم نہیں جتنا کہ پہلا سوال ہے تاہم بعض الفاظ مثلاً رت وغیرہ صرف "بڑا اور چھوٹا" کی قید لگانے سے اپنا صغر و کبر ظاہر کرتے ہیں۔ پس جواب میں معلیت کی گنجائش رہتی ہے۔

زیور کی ڈبیا۔ کپڑوں کی صندوقچی۔ لوٹیا۔ تھالیا۔ کونڈلیا۔ ہنڈولی دیگچی۔ پتیلا۔ کھٹیا۔ پتیلا۔ پیڑھی (پیڑھے کی صاحبزادی۔ خدا جانے "پیڑھا" کہاں کی بولچال ہے۔ ممکن ہے کہ بولتے ہوں) ڈھولکیا۔ دفتی (دف کی ساتویں پیڑھی کی پیٹ پونچھی چھوکری)، مشکیا۔ کٹوری جوبن پڑا جہیز میں دیا۔

سوال نمبر ۵ اور ۸ درست ہیں جو واحد الفاظ کی جمع اور غلط جملوں کی تصحیح سے متعلق ہیں۔ البتہ سوال نمبر ۱ میں بعض عیوب ہیں۔ مثلاً

موزے کا گھاؤ رانی جانے یا راؤ۔ نہ تو محاورہ ہی صحیح ہے

پہلوانی کرتب

سوال :- ہائیں ! دیکھو تو کتنی سخت جان ہے۔ کمبخت !
جواب :- کیا کچھ مجھ سے ارشاد ہوا ؟ ش

تار کا پتہ "حناء لکھنؤ"
PERFUMERS
ٹیلیفون ۱۳۹ لکھنؤ Lucknow
شاخیں :- قنوج حیدرآباد دکن دہلی
شمیم - خدا جانے ہمارا ملک کیسے مرفع حال ہوگا ؟
سوشیلا - پیاری بہن! جب اس دیس والے دیسی مصنوعات ہی استعمال کرنیکا تہیہ کرلیں۔

REGISTERD No. A, 783
ظریف ہفتہ وار
مشہور باتصویر
LUCKNOW
OUDHPUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
قیمت پیشگی سالانہ
دس روپیہ
M B KHAN ARTIST LUCKNOW

جلد ۱۸ نمبر ۱۴

مضامین

"زندہ عجائب خانہ"

(گزشتہ کی دُم سے پیوستہ)

میاں اودھ پنچ خاں صاحب۔ کورنش عرض ہے۔ آپ اپنے دل میں کہتے ہوں گے کہ مرزا چوہکا بھی عجیب جانور ہیں کہ زندہ عجائب خانہ کا حال ادھورا چھوڑ کے ایسی پینک میں آ گئے کہ بڑے بڑے افیونیوں کو مات کر دیا۔ اے حضرت کیا عرض کروں کسی دل جلے نے خوب کہا ہے کہ "ہوسے جوان کیدھر نے لگے سینوں پر"۔ لیکن آپ کے سرِ عزیز کی قسم انجناب نے تو ایسے تمام عاشقوں کی ہفتاد پشت پر لات مار دی۔ آخر کیا معنی کہ میاں تو کہیں ہی ہیں جب کہ انجناب نہا کے پر بیٹھے بڑے ٹھیوں ٹھیوں کرتے تھے بی چنیاں جان کے عشق کا سودا مول لے لیا۔ اور یہ سودا بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھا کہ واصطراب تو اس ظالم کو بغیر منھ لگائے چین ہی نہیں پڑتا۔ اور حق تو یہ ہے کہ یہ سیاہ پری ہے بھی ایسی ہی کالی بلا کہ جس نے اس کو منھ لگایا اُس کے جینے کے لالے پڑ گئے۔ جب تک افیون کی ارزانی و فراوانی تھی اپنی کشت امید ہری تھی دل باغ باغ رہا کرتا تھا۔ مگر آپ جانیے گوروں کو ہمیشہ کالوں سے نفرت رہی ان کو یہ کب گوارا تھا کہ یہ سیاہ پری ہر ایک کے منھ لگتی پھرے۔ سرکار بہادر نے بھاؤ تاؤ چڑھانا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ ایسی بندشیں باندھیں اور پابندیاں عائد کیں کہ چھوٹا تو درکنار اس پری کے دیکھنے کو ترسنے لگے۔ دل سوکھ کر پوستہ ہو گیا۔ بزغم نے عقل و ہوش کی کھیتی چر ڈالی۔ چنیاں جان کے فراق نے گھلا گھلا کے جوگا بنا دیا۔ کمر ڈیڑھ خمہ حقا ہو گئی۔ رات دن اس پری کی موہنی صورت خال رخ یار کی طرح چشم تصور میں تجلی ہو کر پھرا کرتی تھی۔ خدا بخشے نواب حواد خاں جنت آشیاں کو جنھوں نے اپنے نزع کے وقت وصیت نامے میں اس دل شکستہ کے بھی کرنے جینے کو سہارا کر دیا۔ غریب کی قسمت الٹی تو پھر بھٹی گرم ہوئی اور عشق نے زور مارا۔ اب کیا تھا۔ بازار کو دوڑے اور خدا خدا کر کے اُس بت بے وفا معشوق اپنی معشوقہ [illegible] کو گھر لائے اور شربت وصل سے دل شاد کیا۔ ابھی محو بزم سرور ہی تھے کہ یکایک کے چونکتے ہی سے پینک میں خلل پڑا۔ چونکے تو یاد آیا کہ اندے یہ وعدہ خلافی۔ ابھی تو عجائب خانے کے کئی جانور باقی تھے۔ مگر تو نے اسپ کلک کو میدان قرطاس ظرافت اساس پر کلیلیں کرنے سے روک دیا۔ اس خیال نے توسن ہوش کو مہمیز دے کر پینک کی ٹٹی پھندائی۔ جب ذرا حواس خمسہ درست ہوئے تو تکیہ ہٹا کے بستر ٹٹولا مگر کہیں پنج سمجھیے کا ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے معلوم ہوا کہ عجائب خانے کا نوٹ غائب ہے سمجھے کہ یا تو چلم میں کوئلوں کے ساتھ جل بھن گیا یا افیون کی پینک میں سگرٹ کے دھوئیں کے سلفہ ہو گیا۔ اپنی حماقت پر نفرین کی اور پھر عجائب خانے کے معائنے کا ارادہ کر لیا۔ خدا خدا کر کے لیلائے شب نے اپنی زلف افیون بو کھولی انجناب نے بعد حقہ کشی وضو کیا۔ نیت باندھی اور پلنگ پر دراز ہوئے آنکھیں بند کرنا تھیں کہ انٹا غفیل ہو گئے۔ اب کیا دیکھتے ہیں انجناب عجائب خانے کے پھاٹک پر کھڑے سنتری سے اندر جانے کا اذن طلب کر رہے ہیں۔ ابھی سنتری سے خوشامد کرنے میں مشغول تھے کہ ریل کے آنے کی آواز آئی۔ اسٹیشن کی طرف نظر دوڑائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ضلع پرتاپ گڑھ کے راجہ اودھ سنگھ بندر کی طرح اچکتے پھاندتے چلے آ رہے ہیں۔ آپ کے سرِ عزیز کی قسم وضع قطع سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا جیل خانے سے کوئی قیدی بھاگ آیا ہے۔ انجناب نے ٹیک ہیٹ کیا اور عجائب خانے کے گائیڈ یعنی ہادی کو ساتھ لے کر پھاٹک کے اندر دندناتے داخل ہو گئے۔ خوب خوب سیریں کیں۔ ابھی جانوروں کے معائنے میں مشغول ہی تھے کہ مرغ سحر نے انجناب کے آرِ سماعت کے پردہ غشا پر اپنی بانگ بے ہنگام سے ٹھونگ ماری تو پھر دیں کا شر الا بنے اٹھے اور باوجود قراقر شکم کے معائنے کا نوٹ دھر گھسیٹا اب جو جانور عالم رویا میں ملاحظہ کیے اُن کا مختصر حال قلم ظرافت رقم سے آپ کی دلچسپی کے لیے تحریر کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا

(۵) بجو۔ بجو عام طور سے بلی کے برابر ہوتا ہے مگر یہ بجو قد و قامت میں گدھے کے برابر ہے عجائب خانے کے گائیڈ یعنی رہبر و ہادی سے معلوم ہوا کہ یہ جانور لنکا کے بجوؤں کی نسل سے ہے۔ جہاں کے منش یعنی انسان باون گز کے ہوا کرتے تھے۔ یہ جانور کراس بریڈ (مخلوط النسل) ہونے کی وجہ سے تیندوے کی خو بو رکھتا ہے اور زندہ انسان پر بھی کبھی کبھی پیچھے سے حملہ کر بیٹھتا ہے۔ یہ بجو بھی سفید بھالو کی طرح سے منھ اور دُم دونوں طرف سے پانی پیتا ہے اور بالکل بن ٹوٹی کا بدھنا ہے۔ اس جانور کی خوراک مردہ انسان کا گوشت ہے۔ جب ہی تو اس نے گنگا جی کے کنارے اپنا بھٹ بنا رکھا ہے تاکہ دریا میں سرائی ہوئی انسانوں کی لاشوں کے گوشت کا رات دن بھوجن کیا کرے۔ عام طور پر ہر بجو مردار خوری کے مشہور ہے مگر یہ بجو تو سوائے آدم کے گوشت کے اور کسی گوشت کو پسند ہی نہیں کرتا جہاں کوئی لاش دفن ہوئی اور یہ بو سونگھ کر وہاں پہونچا۔ رات ہی رات قبر کھود کے لاش نکالی اور گنگا جی کے کنارے اپنے بھٹ میں گھسیٹ لے گیا چلیے کچھ دنوں کے لیے پیٹ کا سہارا ہو گیا اور یہ اپنے بھٹ میں ڈراج کرنے لگا۔ یہ بجو رات دن اپنے شکار کی جستجو میں مارا مارا پھرا کرتا ہے اور اپنے بھٹ میں بہت کم نظر آتا ہے مگر بجائے اس کے کہ وہاں خالی بھٹ میں اُلو بولے دوسرے جانور اس کا بل خالی پا کر اس میں ڈنڈ پیلا کرتے ہیں سنتے ہیں

ع۔ اب کوئی الحکمی المقام عجائب خانہ نہیں رہا۔ عالم خیال میں نفت مقامات کی سیر کی گئی ہے اور ہم اپنے سیر بیان نے میں دوسروں کو شریک بنانے کا احسان فرماتے ہیں۔ شکریہ ادا کیجیے۔ اگر کہیں ہمارا اپنا بنا ہوا حلیہ ٹھیک اُترے تو الزام چشم ناظر پر ہے۔ ہم پر ۱۲ مضمون نگار۔

کہ عجائب خانہ کمیٹی کے جو ممبر مسٹر خوشی نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اور جانوروں کی طرح یہ جانور بھی کٹہرے میں بند رکھا جائے تاکہ عجائب خانے کی سیر کرنے والا ہر شخص اس جانور کو بھی بہ آسانی دیکھ سکے مگر یہ تجویز اس بنا پر مسترد ہو گئی کہ اس کے رات کے لیے انسان کا گوشت مہیا کرنا کمیٹی کے بجٹ تدبیر سے باہر تھا۔ اس بجو کی موجودگی میں اس کے بھٹ کے سامنے بڑی چہل پہل رہا کرتی ہے اکثر مردار خور جانور اس کا پس خوردہ کھانے کے لیے اس کے بھٹ کے گرد جمع رہا کرتے ہیں خصوصاً بڑ کوبی تو اس کے بھٹ کے پاس کم سے کم بیٹھا جگالی کیا کرتا ہے۔ یہ بجو گو مردم آزار ہے مگر عجائب خانہ کمیٹی کے زیر پرورش و نگرانی ہونے کی وجہ سے کوئی شکاری اس کو گزند نہیں پہونچا سکتا

(باقی دارد)

غزل

(از حضرت فرزانہ شاعر شیل یگانہ آغوں چھپڑوی)

کہیں آہ مظلوم خالی گئی ہے
درخواست تا باب عالی گئی ہے

وہ افسانہ قیس سن کر یہ بولے
یوں ہی اک کہانی بنالی گئی ہے

وہاں ذکر بریانی و کوفتہ کیا
بدقت تو کھچڑی ابالی گئی ہے

نہ بی بی کے پتے رہے اور نہ بالی
مگر میم صاحب کو ڈالی گئی ہے

بیت بوزنہ وش کو گھر سے نکالو
یہ علت بلا وجہ پالی گئی ہے

کبھی کہہ دیا ہے اگر ان کو فتنہ
تو سر پر قیامت اٹھالی گئی ہے

یہ چکر برا ہے چلو حضرت دل
وہاں کس کی حسرت نکالی گئی ہے

یہ نذر عقیدت نہیں شیخ صاحب
فقط اک بلا سر سے ٹالی گئی ہے

فرشتوں کو ہے آسماں پر تاسف
کہاں تک مری زار نالی گئی ہے

یہ گھائیں ہیں دل لینے کی سب کی آغوں
محبت کی بنیاد ڈالی گئی ہے

نظم

(از فیروز لدھیانوی)

شب کو اک مس سے کہا تم پر مرا دل آ گیا
صبح کو اس کے ڈیڈی سے پیکر کا اک بل آ گیا

گال آن کا چوسنا تھا منہ میں تل آ گیا
ہم نشیں میرا کیا لکھوں لب لعل فلفل آ گیا

اٹھ کے خواب ناز سے مجھے بیٹھا کر کہا
خواب میں شاید تمہارے کوئی بسمل آ گیا

سخت جان ایسے تھے ہم ہو کر پشیمان و خفیف
کند کروا کر چھری مقتل سے قاتل آ گیا

شیخ بھی جنت میں اس کو دیکھ کر حیراں ہوئے
رند بھی جب ساتھ ان کے ہو کے شامل آ گیا

ناخدا میرے سفینے کا خدا تھا نگہبان
بچ کے یہ گرداب سے خود سوئے ساحل آ گیا

قیس کا پیغام تھا یا آفت تھی شیطان کی
ساتھ ہی قاصد کے خود بھی تا بہ منزل آ گیا

مرشیں گے ہم بھی جو یاں بے نگاہ انتخاب
گر نظر کوئی صنم الفت کے قابل آ گیا

تھی توقع یار سے کچھ پھول لیکر آئے گا
وہ مرے مرقد پہ لیکن لے کے اک سل آ گیا

دیکھ کر اس شوخ کو مجھ کو ہوا کیا چارہ گر
دل مرا اچھا تار ہا پھر نامراد آ گیا

دیگر

پالیسی اچھی رہی یہ عاشق ناشاد کی
ضبط تھا نے میں ہے کر دادی چھری جلاد کی

کیا خبر لیڈر رسالیں قوم کے افراد کی
رو دی اب چند دن سے چلتی ہی نہیں اولاد کی

شوق سے سنتا صنم ہے شیکسپیر کا کلام
ہم نے صد افسوس کیوں تصنیف نظمیں یاد کی

جیل کے سب امیدواروں سے یہ چلکر کہا
بہرہ نکرے دو فائل یہ سب جواب کے اسناد کی

چارہ گر ہے وصل کی شب بیج تو وہ جائیں
کیا خبر جا جب پڑے مجھ کو تیری امداد کی

ہاں کے ہاکی کے ڈنڈے نے مری الفت کی
آہنی تیشے سے جو حالت ہوئی فرہاد کی

میری بالیں پر وہ آ کر ناز سے کہنے لگے
کیوں میاں لے لی ٹکٹ تم نے عدم آباد کی

پر ظرافت ہے بہت فیروز یہ تیرا کلام
ہے ظریفوں سے بھی ہم کو توقع داد کی

غزل

پری بن بن کے آتے ہیں فرشتے میری تربت میں

(از جناب مرزا عالی قدر تسنیم شاگرد حضرت ظریف لکھنوی)

نہ دو ڈاڑھی فلسفی کو جو میدان حقیقت میں
تو ظاہر ہو گیا ہے تھان کا ترا اصالت میں

لدا ہے ایک گٹھر شیخ کے سر پر گناہوں کا
یہی سامان ہے پاس اس کے اسباب شیخیت میں

زبردستی بجاز الدین نے جب وصل کی ٹھانی
چھپا وہ ڈر کے مارے جا کے پھر کنج حقیقت میں

چلے ہاتھوں میں لے کر بیاں سبزوار گدی پر
ہوئے رطب اللسان شیخ صاحب کی حرمت میں

دل مضطر ہمارا سانپ کے منہ کی چھچھوندر ہے
تری زلفوں میں پھنس کر رہ گیا وہ اپنی رگت میں

ہمارا دل جو کل دھوکے سے لیکر ہو گئے چمپت
کہیں پکڑے نہ جائیں آج وہ چوری کی علت میں

یہ جا کر موہنی کی زلف پیچاں میں پھنسا آخر
لگا لاسہ ہمارے طائر دل کو جو تربت میں

وہ بت ٹھاکر بنا پیپل کے نیچے جا کے بیٹھا ہے
کسر باقی نہیں کچھ اب عاشق کی حماقت میں

ہمارا یار بھی ہر فتنہ پردازی میں یکتا ہے
کدورت میں عداوت میں شرارت میں خیانت میں

ع۔ ۵ عبوت ریدۂ نذالت ۔ عجت ۵ چمت کا درا سلامت ۔ گرد ۔

مہ پرچہ ہے سے گر کاش ہو تم ہم سے تنگ ہوتا ہوا
حقیقت میں حقیقت میں حقیقت میں حقیقت تیں

سوال وصل بعد مرگ غیر اس سے کیا میں نے
تو ہنس کر بولا اُٹھا باقی ہیں کچھ دن اور عدت میں

مبہت دشوار ہے خارزمیتاں پہ ہوگا کاری
تبسم سہل سمجھے ہو غزل کہنا ظرافت میں

کلیاتِ ناصری

مرحوم مولوی شیخ اسحٰق حسین ناصری ایم اے ملا فاضل لکھنؤ عربی فارسی انگریزی اور عبرانی کے فاضل اجل تھے۔ اُردو اُن کی مادری زبان تھی۔ ناصری تخلص کرتے تھے۔ اُنھوں نے کوئی بڑی عمر نہیں پائی لیکن کی بات ہے کہ احباب کی محفل اُن کی ذات سے گرم رہتی تھی۔

پروفیسر امرناتھ جھا صاحب ایم اے صدر شعبہ انگریزی الٰہ آباد یونیورسٹی کی فرمائش سے انڈین پریس لمیٹڈ الٰہ آباد نے اُن کا کلیات نہایت عمدہ کاغذ پر چھاپا ہے۔ اور خود پروفیسر صاحب نے ایک انگریزی دیباچہ اس کلیات سے ملحق کیا ہے جس میں مرحوم کے مختصر حالات لکھے ہیں اور کلام پر تبصرہ بھی کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی پروفیسر سید ضامن علی صاحب اور خاں صاحب مرزا جعفر علی خاں بی اے اثر لکھنوی نے عمدہ الفاظ میں مرحوم کے کلام کی داد عنایت کی ہے۔

ناصری مرحوم لکھنؤ کے مشاہیر افراد میں سے تھے اگرچہ وہ خود شہرت کے مشتاق نہ تھے لیکن کمال کی عادت ہے کہ گوشۂ تنہائی سے نکل کے خودبخود مشہور ہو جاتا ہے۔ انھیں تقریر اور تحریر دونوں کا سلیقہ خوبی کے ساتھ مبدأ فیاض کی جانب سے عنایت ہوا تھا۔ علم سے طبعی لگاؤ تھا۔ ادبیات اور تاریخ کا شوق طفلی ہی سے تھا۔ ان کا کلام درد انگریز ہے صاف ہے مغلق نہیں۔ خیالات لطیف ہیں۔ زبان پاکیزہ ہے۔ طرز ادا مطلب نُدرت سے خالی نہیں۔ بے عیب ہے۔ اس کا مستحق ہے کہ شائع کیا جائے اور لوگ اس سے مستفید ہوں۔ افسوس ہے کہ ناصری کی سی جامعیت رکھنے والے دو چار آدمی بھی دکھلائی نہیں دیتے۔ پروفیسر جھا صاحب نے اس کی اشاعت سے اُردو ادب پر احسان کیا ہے۔

ہم ان سادہ اور بری از مبالغہ الفاظ کے ساتھ اس کی اشاعت پر اظہار امتنان کرتے ہیں۔ غالباً دو روپیہ قیمت ہوگی۔ پروفیسر موصوف یا انڈین پریس الٰہ آباد سے مل سکے گی۔

جامع اللغات

حصہ اول و دوم

(مرتبہ خواجہ عبدالمجید صاحب بی اے)

یہ ایک مستقل کتاب باقساط ماہوار "جامع اللغات کمپنی لاہور" کے زیر اہتمام شائع ہو رہی ہے۔ مؤلف ممدوح الصدر نے فی الواقع محنت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے اور کوشش فرمائی ہے کہ دائرۂ تکلم سے کوئی اُردو لفظ باہر نہ رہنے پائے۔ اسی وجہ سے اُنھوں نے سنسکرت فرانسیسی عربی فارسی انگریزی الفاظ جو اُردو میں مخلوط ہو چکے ہیں اس مجموعے میں درج کیے ہیں۔

یہ کتاب او دھ پنچ کی تقطیع پر لکھی گئی ہے یعنی $\frac{20+26}{16}$ کاغذ بھی عمدہ اور خط بھی نفیس ہے۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ مؤلف نے تلاش کا پورا حق ادا کیا ہے۔ جو لوگ معمولی باتوں پر تاؤ دے کے اہل زبان ہونے کا دعوے فرماتے اور جب زبان کی خدمت کا وقت آتا ہے تو عدم مہلت کا عذر فرما کے زاویہ نشین ہو جاتے ہیں۔ خواجہ صاحب ممدوح سے آنکھیں چار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے بایں معنی کہ اہل زبان ہونے کے بعد بھی اُنھوں نے زبان کی خدمت نہ کی ؎

ہے فیض اگر یوسف ثانی ہے تو کیا ہے

ابھی وقت ہے اگر وہ خواجہ صاحب کی اعانت کریں تو جو شکایتیں عموماً اہل زبان کو ایک "زبان دان" سے وقت پر ہو جاتی ہیں دفع ہو جائیں اور یہ لغت کی کتاب ہر ستے پیدا ہونے والے جھگڑوں کے انفصال کا ذریعہ بن جائے۔

کتاب کے دو جزو ابھی شائع ہوئے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جو حضرات اُردو زبان کی ترقی چاہتے اور صحیح و سقیم کی تمیز رکھتے ہیں حرف بحرف مطالعہ فرمائیں تاکہ جو سقم رہ گئے ہوں وہ طبع ثانی میں نہ رہنے پائیں۔ یہ جب ہی ممکن ہے کہ ہر مہینے ایک روپیہ چار آنے کی حقیر رقم جامع اللغات کمپنی میں بھیجتے رہیں۔ ورنہ غلطیاں رہ جائیں گی تو گناہ اس شخص کے ذمے ہوگا جس نے جان بوجھ کے تساہل کیا۔ تساہل کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ ہر غلط رواج پا جائے گا۔ اختر شیرانی صاحب ڈیٹر نے ٹائٹل کے آخری ورق پر اعلان کیا ہے کہ غلطی کی اصلاح کرنے والے کو انعام بھی دیا جائے گا۔ اس سے زیادہ انصاف پروری اور کیا ہوگی؟۔ اب بھی بالغ نظر حضرات ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں تو اُردو غریب کی قسمت۔

دوسری ضروری گزارش یہ ہے کہ نکتہ چینی سے متاثر ہو کے لوگ خریداری نہ چھوڑیں یہ کام ضروری ہے ایک شیر دل باہمت شخص نے تنہا یہ کام اپنے سر لیا ہے۔ آپ اس کام کو جاری رکھیے اور اصلاح کیے جائیے۔ تاکہ انجام بخیر ہو۔ "ترک تعاون" ایسے عمل پر حرام ہے۔ ہم سے جہاں تک ممکن ہے اپنے بیچمیرز مشورے کے ساتھ ہی اس کی ترقی پر سعی کریں گے۔

اچھا صاحب! لیجیے سرورق کا دوسرا صفحہ۔

عنوان میں خاطرات وگزارشات "دل میں گذرنے والی بات کو عربی میں "خاطر" کہتے ہیں اُس کی جمع خواطر ہے۔

ایک لغت کے اڈیٹر کے واسطے یہ نامناسب ہے کہ ایسے الفاظ گڑھے جن کا وجود خود اُس زبان میں بھی نہ ہو جس سے اُٹھا لیا گیا ہے۔ عربی لغت دیکھیے آیا یہ مقصود "خاطرات" سے آپ کا ہے وہ اصل زبان میں مروج ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو خیر ورنہ اس ایجاد بندہ کو بھی با این عبارت جامع اللغات کے آئندہ صفحات میں لکھ دیجیے۔

"خاطرات۔ اردو جدید۔ موجد حضرت اختر شیرانی مستعمل میں آنے والی باتیں (جمع مؤنث حقیقی) باتیں۔ عربی المصورة ہونے کی وجہ سے فارسی کا واو عاطفہ بھی اس کے بعد لا سکتے ہیں۔ مثلاً خاطرات وگزارشات"!!

علیٰ ہذا القیاس "گزارش" فارسی لفظ ہے اس کی جمع الف تے کے ساتھ۔ کم از کم ایسے شخص کو نہ بکنی چاہیے جو ایک مستند لغت کا اڈیٹر ہو۔ اگرچہ بعض سبک قید ہندوستانیوں یا عجمیوں نے ایسے الفاظ استعمال بھی کیے ہوں۔

لغت کے مؤلف یا مصنف کے لیے ضروری ہے کہ اُس کی زبان مستند اور صحیح ہو۔ جو لفظ اس کے قلم سے نکلے احتیاط کے ساتھ نکلے تاکہ گرفت سے بچے۔ فاضل فیروزآبادی صاحب قاموس کا حال مشہور ہے آپ نے سنا ہوگا۔ کہ عرب میں گئے زبان ایسی پاک اور خالص تھی کہ عرب سمجھے گئے اور خالص عربی عورت سے شادی کی۔ برسوں اُسی قبیلے میں رہے کوئی نہ پہچان سکا کہ یہ شخص ایرانی ہے یا خالص النسل حجازی۔ زمانۂ دراز کے بعد رات کو روتے سوتے آنکھ کھلی۔ چراغ جل رہا تھا۔ بی بی سے کہا "اقتلی السراج" (چراغ را بکش۔ فارسی محاورے کا عربی ترجمہ) یا تو بی بی پہلو میں لیٹی نخرے کر رہی تھی یا ایسی چراغ پا ہوئیں کہ پھلانگ مار کے گوشے میں کھڑی ہو گئیں اور لگیں گھورنے (یہ وہ زمانہ تھا کہ عرب وعجم کے مابین تعصب وعداوت کی آگ بھڑکی ہوئی تھی) ڈانٹ بتائی "سچ کہو تم عرب ہو؟" منھ سے نکلی پرائی ہوتی ہے۔ کہی ہوئی بات واپس کیونکر لیتے سر جھکا لیا۔ سامنے ہاتھ باندھے "للہ عفو کرو۔ میں ایرانی ہوں"۔ بی بی دُور دھر یہ بھنسیں۔ اگر اپنے رشتہ داروں سے کہتی ہیں تو ایک ایسے شخص کی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں جو سالہا سال شوہر کی حیثیت سے ہم خواب ہوتا رہا۔ آخر بھولی کا بھی کوئی حق ہے۔ اور اگر خاموش رہتی ہیں تو وطنی تعصب ورکراہت سوہان روح۔ آخر جھنجھلا کے فرمانے لگیں "یدفی عرض الکتاف" (شانوں کی چوڑائی دکھاؤ۔ چلتے پھرتے نظر آؤ) راتوں رات بیچارے جان لے کے بھاگے۔

دیکھا آپ نے جو نہ بھاگتے تو ذرا سی بے احتیاطی نے جان لی تھی۔ یہ بیچارے واقف تھے کہ "اطفی السراج" عربی محاورہ ہے۔ مگر اہلیت دھوئے دھوئے نہیں جاتی۔ فارسی محاورے کا ترجمہ کر گئے اور دھرے گئے۔ اسی طرح کے اور بھی غیر منجیب لطرفین الفاظ مثلاً اخبارات وغیرہ گزارشات کے تحت میں ہیں جن سے ہم بالفعل تعرض نہیں کرتے۔

جامع اللغات کا پہلا صفحہ دیکھنے سے ہمیں افسوس ہوا کہ عبارت کتاب کی منطقی رزانت واتقان سے خالی ہے۔ مثلاً اختصارات (یعنی مخففات ورموز) کے حل میں شیروانی صاحب لکھتے ہیں "ہ ہندی الفاظ جو اُردو میں استعمال ہوتے ہیں۔ کتاب میں ہ۔" "ا دہ۔ مذکر۔ تلفظ الف۔ اُردو عربی اور اُن زبانوں کی الف ب ت کا پہلا حرف ہے جن کا رسم خط عربی سے لیا گیا ہے"۔ ظاہر ہے کہ الف ہندی نہیں جس کی علامت "ہ" رکھی گئی ہے۔ اس کا نام بھی ہندی نہیں عربی ہے اور عربی میں عبرانی (الم آلیف) سے ماخوذ ہے۔ پھر لکھتے ہیں "ہم۔ بعض وقت کثرت مبالغہ ظاہر کرتا ہے جیسے مارا مار دوڑا دوڑ" مبالغہ اور چیز ہے اور کثرت کچھ اور۔ اسکے علاوہ مارا مار۔ دوڑا دوڑ میں کام کی شدت انہماک مقصود ہے نہ کثرت ومبالغہ۔ جو اصطلاحی فرق کثرت ومبالغہ میں ہے۔ عبارت کی شرح میں اُسے ملحوظ رکھنا تھا۔ فرماتے ہیں "ہ کبھی امر کے آخر میں لانے سے حاصل مصدر بناتا ہے" "رگڑ" سے "رگڑا"۔ حالانکہ رگڑا خود حاصل مصدر ہے مثلاً چاقو کو سان کی رگڑ پہنچی۔ اس "رگڑا" میں یا تو الف زائد مانیے یا الف وحدت جس کی جمع رگڑے ہے۔ یہ کیونکر معلوم ہو کہ امر کے صیغے کے آخر میں الف لگانے سے حاصل مصدر بن جاتا ہے۔ یعنی مشتق منہ بجائے مصدر کے امر کا صیغہ (جو کہ خود مشتق ہے) کیونکر ہوا۔

اکثر جگہ مؤلف صاحب نے غلط اصطلاح سے بھی کام لیا ہے اُن کے نزدیک اسم تفضیل اور مبالغہ میں کوئی فرق نہیں۔ حالانکہ اسم تفضیل ماخذ میں وصف کی زیادت پر دلالت کرتا ہے بحالت فاعلیت مقابلے میں غیر کے جیسے کامل سے اکمل اور بحالت مفعولیت جیسے مشہور سے اشہر۔ حالانکہ مبالغہ شئے دیگر ہے۔

تفصیل سے ہمارا قلم جی چراتا ہے ورنہ "الف" کے بیان میں چند اور خامیاں بھی ہیں جن کا ذکر ضروری ہے۔ اور بعض چیزیں بیان سے رہ بھی گئی ہیں۔ مثلاً تابع مہمل کے ابتدا میں بھی آتا ہے بشرطیکہ

سمن واسطے قرارداد امور تنقیح طلب

اجلاس لالہ [illegible] پرشاد صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر بہرائچ اسسٹنٹ کلکٹر درجہ اول حاکم تحصیل قیصر گنج ضلع بہرائچ
نمبر مقدمہ ۹۱ اسٹیٹ ۱۹۳۲-۳۳ء
بعدالت حاکم تحصیل قیصر گنج ضلع بہرائچ
ریاست بنام [illegible]

بنام

رام آسرے ولد گردھاری قوم کہار ساکن [illegible] پور کاشتکار موضع [illegible] پرگنہ [illegible] مدعا علیہ

ہرگاہ کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت [illegible] دفعہ [illegible] کے دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۸۔ ماہ مئی ۱۹۳۳ء بوقت دس بجے دن کے بمقام بہرائچ اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا ہو اور جو کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعوے کی کرو اور تم کو لازم ہے کہ اُسی روز جملہ دستاویزات پیش کرو جن پر تم بتائید اپنی جواب دہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو۔

تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۲۔ ماہ اپریل ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

پولیٹیکل نیلام

انوکھا نیلامی "لوگو چلو۔ ٹن ٹن ٹن۔ ٹن ٹن ٹن۔ نیلام میں آؤ مگر بولی بولنے کا حق عام نہیں۔ ٹن ٹن ٹن"

مسٹر پنچ "واہ۔ خلاصے اور خلاصے۔ تو پھر مکتوب نعلی۔ ایک۔ مکتوب بغلی۔ دو۔

ٹیلیفون نمبر ۱۳۰ لکھنؤ
تار کا پتہ "حنا" لکھنؤ

شاخ۔ قنوج حیدرآباد دکن دہلی
اصغر علی محمد علی عطر لکھنؤ

بہترین تحفہ حضور نظام خلد اللہ ملکہ

ایک معزز خاتون نے بمبئی کی ایک سینٹ و تیل کی دلدادہ تھیں اس کارخانہ کا شہرہ سنکر جب تمام عطر و تیل منگائے اُنھیں جس وقت استعمال کیا تو وہ اُنکی معنوی خوبیوں پر محو ہوگئیں لیکن ہر دو میں تین فرق نظر آیا اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ اس کارخانے کی اشیاء واقعی بے مثل اور لاجواب ہیں اور غیر ملکی عطر اور تیلوں پر ہزار درجہ فائق ہیں وہ اپنے خلوت کدہ میں بے صبری کے ساتھ اپنے پیارے خاوند کا انتظار کرنے لگیں تاکہ اُنھیں اپنے تجربے سے آگاہ کریں وہ غور کرنے سے اس نتیجہ پر پہونچ گئیں کہ دیسی اشیاء ہی کا استعمال کرنا ملک کی بے لوث خدمت کا مرادف ہے۔

نمونہ مفت
سہ روزہ (و) روزانہ
مدینہ
بجنور

۱۔ ۲۲ سال سے نہایت آب و تاب اور کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ ملک کے ہر گوشہ اور ممالک غیر میں بکثرت جاتا ہے۔

۲۔ مدینہ میں ہندوستان و بیرون ہندوستان کی تازہ ترین خبریں اور انگریزی، عربی، فارسی اخبارات کا خلاصہ جلد از جلد شائع ہوتا ہے۔

۳۔ مدینہ اشتہار دینے کا بہترین اور کامیاب ذریعہ ہے

۴۔ مدینہ محنتی اور دیانتدار ایجنٹوں کے لیے بہترین روزگار ہے کمیشن معقول دیا جاتا ہے قواعد کیسی طلب فرمائیں۔

قیمت روزانہ مدینہ	سالانہ	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ
	۱۵ روپیہ	۸	۴	۱۲

قیمت سہ روزہ مدینہ	سالانہ	ششماہی	سہ ماہی
	۷	۳	۲

رسالہ غنچے۔ جو ہر ہفتہ بچوں اور بچیوں کے لیے شائع ہوتا ہے۔ علم کا خزانہ اخلاقیات کا ذخیرہ۔ قیمت سالانہ للعہ
ملنے کا پتہ: محمد مجید حسن مالک اخبار مدینہ بجنور (یو۔ پی)

تصانیف میر ولی اللہ بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ وکیل ایبٹ آباد

بادۂ ناب: مجموعہ رباعیات فارسی جس میں تعلیم اسلامیہ کے حقائق و معارف کتاب مجلد ہے، قیمت ایک روپیہ۔

لسان الغیب: شرح دیوان حافظ مع مکمل تاریخ خواجہ۔ نہایت مبسوط شرح ہے جلد اول ..، جلد دوم ..، جلد سوم ..، جلد چہارم ..۔

گلدانِ فصاحت: اردو فارسی اور عربی کے بہترین علمی، ادبی، تاریخی اور شاعرانہ لطائف کا مجموعہ قیمت ..۔

بندگی: امام ابن تیمیہ کی مشہور کتاب العبودیت کا اردو ترجمہ۔ حقائق دینی اور عقائد اسلامی پر نہایت جامع کتاب ہے۔ قیمت ..۔

خلق عظیم: اخلاقی مضامین پر احادیث نبوی کا مکمل مجموعہ۔ ایک کالم میں احادیث عربی اور دوسرے کالم میں اردو ترجمہ با تشریحی نوٹ۔ کتاب ابواب پر مشتمل ہے اور مجلد ہے۔ قیمت ..۔

کاس الکرام: رباعیات حکیم عمر خیام کی مفصل شرح اور ان کے مفصل حالات زندگی۔ قیمت ..۔

ملنے کا پتہ: منیجر ادارہ اشاعت بادۂ ناب۔ ایبٹ آباد

تابع و متبوع سے مقدم ہو۔ جیسے اغل بغل۔
اختر شیرانی صاحب نے ابرت مشورت بصیغہ تانیث
خسروط فرمائی ہے اس وجہ سے ہمیں نہیں لگتا۔
پھر بھی ہم نے اشارۂ اصلاح کے متعلق بہت سی
باتیں بتا دیں۔ (باقی آئندہ)

مراد ———

ادبار اللغات

وقت ناصر علی سے متعلق کوئی مدرسہ نہیں البتہ مسجد ہے۔
طالب العلموں کو وہاں رہنے کی اجازت ہے (یعنی
ہمیں پہلے غلط اطلاع دی گئی تھی مضمون کی اشاعت
کے بعد نگران مسجد کی کارگزاریوں کی جانچ شروع ہوئی
نئی نئی چٹائیاں آگئیں۔ حساب فہمی ہوئی۔ نگراں صاحب نے
ڈیڑھ دو برس اس طرف اپنی شادی کی تھی راوی
کہتا ہے کہ غالباً اس وقت سے حوض کا پانی بدلا
نہیں گیا تھا۔ اور بطور یادگار غسل شادی جوں کا

ممکن ہے کہ یہ حساب واجب الادا مصارف کی فہرست
ہو اور جو امور ناغہ ہو چکے ہیں وہ یک بار ادا کرنے
مقصود ہوں۔ کیا ایسا ہوتا نہیں؟۔
ایک صاحب ٹہلتے ہوئے دریا کے کنارے جا نکلے
گرمی کا زمانہ تھا دیکھتے کیا ہیں کہ کوئی شخص ہاتھ میں
ایک ناڑا لیے پانی میں غوطے لگاتا اور ہر غوطے پر
ڈورے میں گرہ دے رہا ہے۔ تعجب ہوا سبب
استفسار کیا۔ غوطہ خور پاک حساب نے جواب دیا۔
"سردی کے موسم میں تمام غسل
ناغہ ہوئے۔ رفتے رفتے بڑا
جمع ہو گیا۔ اب موسم بدل گیا ہے
تو قرض غسل ادا کر رہا ہوں۔
غوطے بھول نہ جاؤں اس لیے
گرہ لگاتا ہوں"۔
بہرکیف ہم خوش ہیں کہ متولی
صاحب نے اپنے معتمد ملازم سے
باز پرس کی۔ امید ہے کہ واقف
مرحوم کی روح بھی خوش ہوگی۔

مولانا پنچ کی نوٹ بک

"غیر متوقع نوید"

ہماری عادت آپ جانتے ہیں
کہ بات بڑھانے سے گھبراتے ہیں۔
مگر جو کوئی خود ہی بھینس کا دل
بڑھائے تو مجبوری ہے۔
جو اوقاف، شتر صفت متولیوں
کا چارہ ہیں ان سے ہمیں ہمدردی
ہے مگر اس کے ساتھ ہی ہم ان
شہزور پرخور متولیوں کے دل
گردے کی مدح و ثنا بھی کرتے
ہیں جو مصداق یاکلون فی
بطونہم ناراً اپنے شکم مبارک
کو جہنم کا طبقہ بناتے نہیں تھکتے
واللہ برکت جیسے کے لوگ ہیں
دنیا میں خدائی قانون کی زد سے
بچنے کے لیے مروج الوقت قانون
کی آڑ پکڑنا بزدلی کی دلیل ہے۔

جاپان

چین

جاپان: "ہاں! میرے بچوں کو۔ ہاں!! نہیں تو۔......... !"
چین: "ابے جاتا ہے کہ؟"

جب یہ قانون ان کی پشت گرمی کرتا ہے تو یہ
اینڈے اینڈے اکڑے بڑے اطمینان سے "تمال مجوز
دیکھی خورے اڑے" بنے پھرتے ہیں "پھر دم ہو تو بنالو"۔
لہذا ہمیں جب ایک صاحب نے یہ اطلاع دی کہ وقف
دیوان ناصر علی کی بابت جو چند سطریں ہم نے لکھی تھیں
انھوں نے اثر کیا تو ہم بہت متعجب ہوئے اور ایسے
بزدل متولیوں کی فہرست سے جن کا تذکرہ اوپر ہوا۔
متولیان وقف مذکور کو خارج کرنا پڑا۔ ہم نے سنا کہ

تیوں رہنے دیا گیا تھا اب تبدیل ہوا ہے۔ نگراں صاحب
نے خرچ کی ایک یاد داشت بدستخط خاص مرتب
فرمائی جس میں عجیب و غریب گل بوٹے بنائے ہیں۔
آمدنی کا پتا نہیں مگر ہر مد خرچ موجود۔ مثلاً پیش نماز
کی تنخواہ بہت مدت سے واجب الادا تھی۔ دی
نہیں گئی ہاں کاغذ میں ان کے نام لکھی ہوئی ہے
مولانا پیش نماز صاحب سے پوچھا گیا تو وہ پانے سے
انکار فرماتے ہیں۔

گیان معرفت

خدا جانے سید حسن شاہ چشتی
جلالی قلندری دہلی کو کس
بے وقوف نے یہ مشورہ دیا کہ
وہ اودھ پنچ کے دفتر میں اپنی
گیان معرفت روانہ فرمائیں۔
بے بھلا کہاں ہم اور کہاں معرفت
کے یہ دقیق نکات جنھیں انسان سمجھ ہی نہیں سکتا۔
مفصل تبصرہ غالباً بشرط فرصت حضرت ادبار التصوف
تحریر فرمائیں گے۔ ہم تو وہ پاک صورت کو دیکھتے ہی بکے
عارف بن گئے جو کتاب پر پیر صاحب نے چھاپی ہے پیر صاحب
کا حلیہ مبارک بقدر ہماری قوت بیانیہ کے دیکھیے اور
محو ہو جائیے۔
سر مبارک پر ایک چھوٹا بندھا ہے جس کا سرا الطویٰ تہ
تحت الحنک پشت پر نہیں کندھے سے ہوتا ہوا

سامنے وار بازوے معرفت کو سے

نیند اُس کی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اُسکی ہیں
جس کے بازو پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

سنا رہا ہے۔ داہنا ہاتھ جو زانو پر ہے بائیں طرف ہو گیا ہے بلند ہے کلمے کی انگلی یکہ و تنہا کھڑی آسمان کو غالباً تعین ذات کا نشان دے رہی ہے یا ذات واحد با کمال کے لیے مکان تجویز فرما رہی ہے ریش اقدس ممکن ہے کہ ہو بلیتی مارے بیٹھے ہیں تلیان کی ہتالی منہ سے لگی ہوئی شکلے گنتی اور اپنی گرد گرد ہیں سے

حقا حق حق می کند دریاد او
لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا

کہہ رہی ہے۔ دوسرے ہاتھ میں جو زانو پر رکھا ہے سفید دستے کی چھڑی ہے بھلا یہ صورت یا راہ معرفت کی ہادی نہ ہو تو کون ہو۔ پیر صاحب نے اپنی گیان معرفت کے سات آنے مقرر کیے ہیں جو لبوا متی بلڈنگ نمبر ۱۷۵ سو بازار اسٹریٹ کلکتہ سے مل سکتا ہے۔ چھوٹا سا کوزہ ہے مگر عرفان کے دریا بہا دیے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"مسمع سے اسم یعنے چار حرفوں سے نام بنتا ہے اور نام سے جسم یعنے چولا اور چولے سے۔ روح اور روح سے بلندی اور بلندی سے پستی اور پستی سے نیستی اور نیستی سے ہستی مثل نو خیز کلیوں کے نمودار ہو جاتی ہے"

جل شانہ کیا معرفت ہے جو سمجھے وہ سڑی ہو جائے اوّل تو سن الٰہی قربان ہو جانے پر اڑا ہوا ہے۔ قسم پیر صاحب کی مسمع بھی عجب کرامت رکھتا ہے اور یہ عرفان تو قرآن میں بھی کسی عرفانی (عارف) کو ڈھونڈھے نہ ملا ہو گا جسے منلق سے خس برابر لگاؤ نہیں۔

باقی حوالہ بہ ادبار

جن حضرات کے نام وی پی روانہ ہو چکے ہیں وہ مہربانی فرماکر وصول فرمالیں یا قیمد ار اصحاب قیمت کا منی آرڈر بھیج دیں۔ (ناچیز احمد حسین بارڈی منیجر اودھ پنچ لکھنؤ)

جلد نمبر ...

اودھ پنچ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۶۸۳

ظریف ہفتہ وار
LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
अवधपंच
लखनऊ
OUDH PUNCH
PUNCH
سالانہ
M B KHAN ARTIST LUCKNOW

جلد ۱۸ نمبر ۱۵

مضامین

(مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۳۳ء)

کلام سید ضمیر حسن اعجاز

طرح: میں چپ ہوں اور دنیا سن رہی ہے داستاں میری

تھپے ہیں کی ہر تار برقی ہوں زباں میری
تماشا چپ ہوں اور دنیا سن رہی ہے داستاں میری

اسے بیگم خدا آہستہ ڈانٹو کیا قیامت ہے
تماشا چپ ہوں اور دنیا سن رہی ہے داستاں میری

سفینہ وہ شیک کرتے ہیں کماتا ہوں قلابازی
وہ بزم آرا نہیں لگی ہے بزم آرائیاں میری

سمجھتے ہیں سام ہر قرات کا خدشہ نہیں ساعت کا
تو پھر کیوں جائے باہر صحن مسجد کے اذاں میری

لیے جاتا کر رہا بنا شکنجہ سار دامن خوب
تصور میں ہوا کرتی ہیں اکثر شادیاں میری

ہیں انصار و بہتر ظفر ہ غنضر وماسیت فریکر
کہ بھتے ہیں یاد آتے حسین پر چھپائیاں میری

شب فرقت کٹا کرتی ہے کیونکہ اکثر قلابازی
کہ دیکھے جی اب ہی ہیں کاشوق وسرگرمیاں میری

ہوئی ہے اس طرح تذکیر سے تانیث اب داخل
کہوں میں ہیں ابی بی آپ فرمائیں میاں میری

لگی ہے آگ گھر میں سب میں بچوں کو بچاتا ہوں
وہاں بیگم چلاتی ہیں آہ برسار یاں میری

بدن کا لوٹنا بھی اصل میں مخدوش ہوتا ہے
پچل نہیں نہ انگوٹھے تک انگڑائیاں میری

جناب شیخ کی داڑھی نہ لے آتا جب سلجھی
تو ابن الشیخ بولا لائیے قینچی ہے کہاں میری

"زندہ عجائب خانہ"

(گزشتہ کی دم سے پیوستہ)

۲- کھونسٹ:- اس جانور کے اور بھی بہت نام ہیں۔ اس کو عربی میں بوم۔ فارسی میں چغد۔ اُردو میں اُلّو۔ ہندی میں گھگھو۔ اور دیہاتی زبان میں مرغ یا کہتے ہیں مگر عجائب خانے کی فہرست میں اس کا نام صرف کھونسٹ درج ہے۔ یہ جانور شام کے وقت کھنڈروں میں یا کبھی کبھی گنگا جی کے کنارے کسی خشک ببول کے ٹھونٹھ پر منڈلاتا ہے۔ دیہاتی چوہوں یا چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی تاک میں بیٹھا دکھائی دیتا ہے۔ ہادیان دین و مفتیان شرع متین اس جانور کو نحس ترین پرند تصور کرتے ہیں اور اس کی صورت پر کدورت دیکھنا حرام سمجھتے ہیں۔ یہ جانور اس درجہ منحوس خیال کیا جاتا ہے کہ جہاں کہیں یہ کبھی بولتا ہے تو بُڈھے تالی پیٹ کر اس کو بھگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ زندہ عجائب خانے کے گائیڈ یعنے رہبر و ہادی نے ہم کو اس جانور کے مختصر سے حالات بتائے تھے۔ خواب سے چونکنے کے بعد کچھ واقعات تو پینک میں خیال کی پختگی سے نکل بھاگے مگر کچھ بیٹھے رہ گئے جن کو ہم نذر ناظرین کرتے ہیں۔ وھوھذا۔

یہ کھونسٹ کابلی نژاد اور ہندی کھونسٹوں کی مخلوط نسل کی بیٹ ہے۔ اس عجائب خانے میں یہ کھونسٹ سالہا سال سے پلا ہوا ہے۔ کسی زمانے میں یہ جانور بڑا شکاری تھا مگر اب زیادتی عمر کی وجہ سے اس کے پر پرنے کچھ ضرور ڈھیلے پڑ گئے ہیں اور اس کی فطرت کے پردوں میں لاسا لگ گیا ہے لیکن پھر بھی چھوٹی موٹی چڑیوں کے پھانسنے میں ایسے ایسے جال پھیلاتا ہے کہ بڑے بڑے جعلساز چڑیمار اس کے آگے پناہ کان پکڑتے ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی چڑیوں کے جھرمٹ میں رہنے کا اس درجہ مشتاق ہے کہ اگر کبھی اس کے گھونسلے کا جائزہ لیا جائے تو اس میں دو چار پھدکیاں ہر وقت ضرور نظر پڑیں گی۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں یہ کھونسٹ مانک پور کے ایک سادہ لوح آغا کی بھتیجی یعنے گھر سے ایک گلدم اُڑا لے گیا تھا۔ پہلے تو اس کا ارادہ تھا کہ اس مشت پر سے اپنا پیٹ پالے مگر اس کی گپھے دار چوٹی اور لال لال دُم دیکھ کر اس کے دام اُلفت میں ایسا پھنسا کہ بجائے نوش جان کرنے کے اُس کو اپنے گھونسلے میں رکھ کر اُس گلدم سے خوش فعلیاں کرنے لگا کچھ دنوں کے لیے اُس بیچاری چڑیا کی جان تو بچ گئی مگر بقول میاں سعدیؒ ؎

کبوتر با کبوتر باز با باز / کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

ہم عجب گر فرو رود نفسش / عندلیب و غراب ہم قفسش

اُس غریب گلدم کا اس کھونسٹ کے ساتھ جھوج میں دم گھٹنے لگا اور آخر کار بیچاری کی لال سی جان نے قفس عنصری کی تیلیاں توڑ کر پھُر سے پرواز کی اور عالم جاودانی کی سدا بہار باغ میں جا کر بسیرا لیا۔ جہاں نہ چڑیمار کے گیہوں کا لالچ نہ کسی شکاری چڑیا کے پنجۂ ظلم کا اندیشہ۔ غرضکہ اُس گلدم کو ہاتھ سے کھونے کے بعد اُس سادہ لوح آغا نے اس کھونسٹ کی گرفتاری کے لیے دور دور سے چڑیمار اور بہیلیے بلوائے طرح طرح کے جال پھیلائے اور کمپے لگوائے مگر یہ خرانٹ اُس کے پھندے میں نہ پھنسا عقلمند تھا۔

اب سُنا جاتا ہے کہ اس کھونسٹ نے پھر اسی گھر میں جہاں سے گلدم کو اُڑا لے گیا تھا اپنا گھونسلا بنانا شروع کر دیا ہے اور اب تو ایسے پنجے جمائے ہیں کہ وہ غریب دُم یعنے سادہ لوح صاحب خانہ اُس کے وجود کو اپنے لیے ظل ہما سمجھتا ہے اور بغیر اُس کی موجودگی کے دنیا کا کوئی کام نہیں کرتا اور یہ کھونسٹ اُس غریب دُم کو اُلّو بنا کر اپنا پوٹا گرم کیا کرتا ہے۔ اس کھونسٹ نے کتّے کی سی خو بو پائی ہے۔ یعنی کہ یہ کتّے کی طرح اپنے سگوں کو سوتیلا سمجھ کے غرّاتا اور آنکھیں دکھاتا ہے مگر جب کوئی غیر کھو جانور اس کے گھونسلے کے پاس آتا ہے تو یہ اظہار رفاقت و وفاداری میں اپنی چھوٹی سی دُم ہلاتا ہے۔ اس جانور کی خوراک دیہاتی چوہے تالاب کے مینڈک۔ اور گیدڑ یا بجو کا پس خوردہ ہے۔ مردار خوری کی وجہ سے اس کے پنجاور سے چرے ہوئے دہانے سے اس طرح خون رسا کرتا ہے جس طرح کسی مدقوق بڈھے کی باچھوں سے پان کھاتے وقت رال یا پیپ بہتی ہے۔ اگر کوئی گیدڑ یا بجو کسی قبر کو کھود کے مردار خوری کرتا ہے تو یہ کھونسٹ نہ صرف

میدانِ آزمائش و اسپِ اصلاحات

تجربہ کار شہسوار { بادپا ہے - صاحب! بادپا!!
بادپیمائی ہے! - بادپیما بھی!!
بادخوار بھی ضرور ہوگا - ذری چال تو دکھا - شاباش

کہ دیجیے کہ آپ کا قرطاس ابیض اسے دیکھیے تاقابل ہے "تعبرا! تعبرا!" قرطاس ابیض کے ٹکڑے اسلام کی فاختہ کی طرح فضا میں اڑنے لگے اور تالیاں پٹنے لگیں۔

مشہور ہے کہ ابن راوندی (مشہور مجذوب) نے اپنی ریاضت ... کی شکایت کی ابھی الفاظ زیر لب تھے کہ کچھ واقعے سے کسی بہتر نے کیچڑ بھرا کثیف ... ٹوپی ہوا کو دیتے میں اچھالی۔

اتفاق کی بات کہ وہ جو اچھلی تو سیدھی ابن راوندی صاحب کی چندیا پر بیچ سے گری کیچڑ کی چھینٹیں اڑیں حضرت نے بہت غور سے ٹوپی پر نگاہ فرمائی پھر اچھالتے ہیں تو پردے آسمان "اسعد این کلاہ را بجبریل بخورت بخش بیچارہ کلاہ ندارد" غالباً یہ طالب علم ابن راوندی کا مفتی کسی جہنم میں شاگرد ہو چکا ہے۔

امید ہے کہ جس طرح ٹوپی جبریل تک نہ پہونچی اسی طرح قرطاس ابیض کے ٹکڑے سر اقدس حضرت رئیس سے میاں اطمینان تک نہ پہونچیں گے۔ بایں معنی کہ وہاں آسمان حائل تھا یہاں ڈاکٹر شفاعت احمد خاں کی خوشامد خوری حائل ہے۔

ادبی شبہہ شعر فہمی کا حاصل

شہادت کی نئی قسم سننے میں آئی ہے کہتے ہیں کہ ایک کشمیری ہندو طالب علم (پنڈت) کلام عمر خیام پر ایسا لٹو ہوا کہ رباعیات کی جلد پوتھی کی طرح بغل میں دبائی اور جان دے دی۔ پاس سے ایک رقعہ نکلا جس میں لکھا تھا کہ اب عمر خیام کے ساتھ ستاروں کی سیر ہوگی۔ روشنی کا لطف ہوگا۔ اجرام سماوی کی سیاحت ہوگی شعر فہمی کا اس سے بہتر حاصل مشکل سے پھر کوئی دیکھے گا۔ قابل حل یہی ہے کہ عمر خیام نے اپنے سخن کے عاشق سے کیا برتاؤ کیا نئی دنیا میں وہ نایاب بازار سرد ہو گیا ہو جب سے عمر خیام کی باچھیں بھی کھلی بے مزہ ہو گئی ہوں گی جب گرم تھا سو تب بھی کوئی ایسا سرست حال عاشق بھی پیدا نہ کر سکی سرزمین ہند نے کیا کہنا!

ظریف ہفتہ وار
LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
M B KHAN ARTIST, LUCKNOW

فروخت کیا جانا پسند نہیں کیا۔ یہ خچر پہلے نقرہ تھا مگر اب دیا بی عمر کی وجہ سے گو سینگ لگا کے بچھڑوں میں داخل ہونے کی ناکامیابی کوشش کرتا ہے گلدار بن رہا ہے اور اگر ابلق ایام کی گردش کی یہی چال رہی تو عجب نہیں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ جانور خچر سے زیبرا بن جائے۔

بعض قمار بازوں نے اس خچر کو اکثر شرط لگا کر دوڑ میں بھی دوڑایا مگر ہمیشہ یہ بیچارا پھسڈی ہی ثابت ہوا۔ بہرحال یہ خر مسکین بھی قابل دید جانور ہے۔ (باقی دارد)

راقم وہی افیونی

جامع اللغات

(تابع ماقبل)

مولف نے الف نسبت کا ذکر جو اکثر اردو الفاظ کے آخر میں آتا ہے نہیں کیا۔ جیسے پُروا (وہ ہوا جو پورب سے منسوب ہے) پچھوا (وہ ہوا جو پچھم سے منسوب ہے) اگلا پچھلا (اگل پچھل سے منسوب ہے)۔ اگل پچھل اب متروک ہے مگر اگلا پچھلا اب تک بولتے ہیں بجائے اضافت و توصیف یہی الف یائے مجہول اور یائے معروف سے مضاف الیہ یا منسوب الیہ کی تذکیر و تانیث ظاہر کرنے کے لیے بدل جاتا ہے مثلاً پچھلے وقت اگلی مصیبت۔ بہرحال حضرت مصنف غیر زبانوں کے پیچھے ایسے پڑے کہ اردو سے غافل ہو گئے حالانکہ غیر زبانوں کے الفاظ کی تحقیق یا قواعد و متعلقات کی تفصیل عہدہ مؤلف سے خارج ہے۔

ایک فرو گزاشت یہ بھی ہے کہ مؤلف نے لہجہ لفظ ظاہر کرنے کے لیے علامات معین نہیں کیے۔ عربی لغات والے یا تو پورا اعراب تعیین حرف منقوط (تحتانی یا فوقانی) و غیر منقوط لکھتے ہیں یا غیر مشہور لفظ کے آگے مشہور لفظ اسی وزن کی لکھ دیتے ہیں۔ اس عیب کی وجہ سے کم استعداد یا وہ شخص جو زبان داں نہ ہو ضرور شک میں پڑ کے بہک جائے گا۔ چنانچہ ایک پنجابی شاعر نے "دن دہاڑے" کو بے نقط کے استعمال کے شوق میں "دن دھاڑے" سے بے نقطہ نظم کر دیا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ محاورہ وہ پنج میں دیکھا تھا۔ مسئلہ جب ہم تک پہونچا تو ہم نے تصحیح کی۔ چند علامات ہم نے کبھی وضع کیے تھے مگر پابندی اور مشق کی نوبت نہیں آئی۔ اگر پسند ہوں تو حاضر ہیں۔

واؤ مجہول ماقبل مضموم کو اگر اس طرح لکھیں کہ اس کی مُنڈیا میں گُھنگی کی سفیدی آشکارا ہو تو لکھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی مثلاً چوِر (سارق)۔ واؤ معروف ماقبل مضموم کے لیے علامت کی ضرورت نہیں۔ واؤ ماقبل مفتوح کم آتا ہے دفع التباس کے واسطے جہاں ضرورت ہو زبر دیں جیسے دَور۔ یائے معروف ماقبل مکسور کے نیچے تلے اوپر نقطے لگا دیں مثلاً تیر

سمن بغرض انفصال مقدمہ

نمبر مقدمہ ۳ سنہ ۱۹۳۳ء تصفیہ نمبری

عدالت خان بہادر بابو محبوب حسین خانصاحب بہادر آنریری منصف مقام درن گڈھ ضلع فیض آباد

رامیشن ولد بھگوان داس قوم بقال ساکن موضع بہادرپور پرگنہ امن تحصیل و ضلع فیض آباد مدعی

بنام

بھیکہ دھوبی مدعا علیہ

بنام بھیکہ دھوبی ولد لیٹن دھوبی ساکن دوار کاپور پرگنہ امن تحصیل و ضلع فیض آباد

ہرگاہ کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت للعہ کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۰ ماہ مئی سنہ ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوی مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوے کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویز پر تم بھروسا کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۲۰ ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۳ء کو جاری کیا گیا۔

مہر عدالت — دستخط حاکم بخط انگریزی

سمن بغرض انفصال مقدمہ

نمبر مقدمہ ۱۰۴ سنہ ۱۹۳۳ء تصفیہ نمبری

عدالت خان بہادر بابو محبوب حسین خانصاحب بہادر آنریری منصف مقام درن گڈھ ضلع فیض آباد

فرم رامسوروپ رام سہائے جلال پور ریلدیہ مالک فرم رامسوروپ رام اوتار مارواڑی ساکن قصبہ جلال پور پرگنہ سرہر پور ضلع فیض آباد مدعی

بنام

رام فقیر کلوار مدعا علیہ

بنام رام فقیر کلوار ولد لا معلوم ساکن موضع کہریا پرگنہ سرہرپور ضلع فیض آباد

ہرگاہ کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت للعہ کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۰ ماہ مئی سنہ ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوی مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جوابدہی کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویز پر تم بھروسا کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۲ ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۳ء کو جاری کیا گیا۔

مہر عدالت — دستخط حاکم بخط انگریزی

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(از آرڈر ۵ قاعدہ ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی سنہ ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۱۰۱ سنہ ۱۹۳۳ء

باجلاس جناب بابو کرشن پرشاد صاحب اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم فرخ آباد بعدالت تحصیلدار صاحب صدر تحصیل فرخ آباد مقام فرخ آباد ضلع فرخ آباد

مسمی سکندر سنگھ ولد ... ٹھاکر ساکن ... موضع کمال الدین پور پرگنہ کہاکت تحصیل صدر ضلع ... مدعی

بنام

گنگا سنگھ و ... سنگھ پسران ... سنگھ ... ٹھاکر ساکنان ... تحصیل ... ضلع ... کاشتکار ... موضع کمال الدین پور پرگنہ کہاکت تحصیل و ضلع فرخ آباد مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت بقایا لگان کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۷ ماہ مئی سنہ ۱۹۳۳ء بوقت دس بجے دن بمقام فرخ آباد اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوی کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم تائید اپنے جواب دہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۵ ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۳ء کو جاری کیا گیا۔

مہر عدالت — دستخط حاکم بخط انگریزی

یائے مجہول کے نقطے بدستور یاس پاس جڑے ہوئے لگائیں جیسے دیر۔ (کہا بھینے گرد۔ کیا بھینے پیر) - یائے ماقبل مفتوح کے نقطے جڑے ہوئے نہ لگائیں جیسے دیر۔ علیٰ ہذا القیاس مخلوط تلفظ نون غنہ کا نقطہ اگر یوں شکل ترکیبی میں سرے پر شہ ہو بیچ میں ہو تو ہو ورنہ نہ لگائیں مثلاً بھنور اور شکل ترکیبی میں کسی ایسے حرف کے بعد جو اپنی شکل پر قائم رہتا ہے مثلاً پہونچا کہ اس میں واو دونوں سے متصل نہیں بلکہ اپنی شکل پر قائم ہے (یہ نون خطی کہلاتا ہے) تو نون کے سرے کو بیچ کی طرف کھدار جھاد دینا کافی ہے پہونچا۔ کسرۂ معروف کو کھڑے زیر کی طرح لکھیں مثلاً اون کسرۂ مجہول کو اپنی شکل پر رہنے دیں۔ یہ پابندی صرف اس لفظ میں کرنی ہوگی جس کا بیان مقصود ہے۔ باقی عبارت میں زیادہ ضروری نہیں۔ تاکہ لہجہ لفظ کا معلوم ہو جائے۔ ہائے مخلوط کو دو چشمی اور غیر مخلوط کو شکل متعارف لکھنے کا دستور اسی طرح یائے معروف و یائے مجہول کو چھوٹی ی اور بڑی ے سے لکھنے کا معمول، عام ہو چکا ہے۔

لہجہ ظاہر کرنے کے لیے اور بھی علامتیں جو لکھنے میں زیادہ دقتیں نہ پیدا کریں ایجاد کی جا سکتی ہیں۔ حرکات مرکبہ ثنائیہ و ثلاثیہ بھی مرموزات کے

نکالے ہیں۔ ضرورت ہوئی تو پھر بیان کریں گے۔

اب لیجیے آ۔ یعنے الف ممدودہ کو۔ مؤلف صاحب نے ایک طویل عبارت اس کی تفصیل میں لکھی ہے مثلاً یہ کہ "بازی گر غائب چیزوں کو منگانے کے لیے یہ کلمہ کہتے ہیں۔" اس تطویل کی ضرورت نہیں۔ طلب کرنا یا بلانا لکھ دینا کافی تھا۔ چاہے کوئی مرغی کو بلائے یا آدمی کو بلائے یا غائب چیز طلب کرے۔ آ بیٹے۔ کوئی مستقل محاورہ نہیں۔ بچوں کے بلانے کے لیے ایک جملہ کا جز و ہے۔ آ بیٹے کچھ دوں گی گھوڑے کی تنی لوں گی۔ اسے بطور مخفف بھی استعمال نہیں کرتے کہ جب کوئی "آ بیٹے" کہے تو ذہن اس جملے کی جانب متبادر ہو۔ آ بیٹے کئی گیتوں کے سرے پر ہے اگر وہ تمام گیت جو آ بیٹے سے شروع ہوتے ہیں لکھ دیے جائیں تو ایک رم کاغذ سیاہ کرنا پڑے۔

"آ بے لونڈے جا بے لونڈے کرنا" کی تشریح یوں کی ہے "کام نہ کرنا حیلے حوالے سے ٹال دینا" ہر موقع پر ان معانی میں یہ مثل صحیح نہیں۔ مورد صحیح اس کا صرف وہ محل ہے کہ کوئی شخص اس طرح دوڑے دھوپے جس سے انہماک شدید ظاہر ہو مگر بیکار۔ یہ زنانہ محاورہ ہے مردانی بول چال نہیں۔ حیلے حوالے سے ٹال دینے کو اس سے کوئی علاقہ نہیں۔ مؤلف صاحب نے اکثر یہ ضروری تفصیل چھوڑ دی ہے کہ یہ محاورہ زنانہ ہے یا مردانہ اگر مرد بولنے لگے تو بری ہوگی۔ اکثر افعال و مصادر کے قبل مؤلف صاحب نے "آ" کو بطور سوابق کلمہ رستم فرما کے اس کا مطلب ظاہر کیا ہے مثلاً ابھرنا۔ آ پڑنا۔ اسے شروع بحث میں یوں لکھنا چاہیے تھا " آ۔ دفعتہً تاثیر و قبول فعل کے اظہار کے لیے قبل میں اکثر مصادر و افعال کے آتا ہے "۔

اتنی سی عبارت لکھ دینے سے ایجاز بھی ہو جاتا اور ایک ہی طرح کے بہت سے لغات لکھنے کی زحمت بھی نہ اٹھانی پڑتی۔ آ پڑنا کے معنے گھر جانا۔ آ پھنسنا۔ مصیبت پڑنا۔ اور متعلق ہونا۔ غلط ہیں مصیبت پڑنے کے معنی میں "آ بنی" اور "بن گئی" مستعمل ہے۔ خالی "آ پڑی" کوئی کہے تو اس سے مصیبت کبھی نہ جانے گی جب تک "مصیبت" زیرو نہ ہو۔ بخلاف پھر "آ بنی" یا "بن گئی" کے جس کے ساتھ لفظ مصیبت ضم کرنے کی ضرورت نہیں۔ متعلق ہونا ذمہ رہو کا مفہوم جب ادا ہوگا جب آ پڑی کے قبل کچھ اور بھی نحو کریں اور یوں کہیں کہ فلاں بات میرے سر آ پڑی یا ذمہ آ پڑی یا میرے اوپر آ پڑی۔ علیٰ ہذا القیاس آ رہنا کے معنی میں "آ پڑنا" مشتبہ ہے شاید کسی نے استعمال کیا ہو۔ مثال مطلوب ہے۔ "آ بنی" اور "آ رہنا" کی لغت مؤلف سے رہ گئی۔ "آ رہنا" اور "گر پڑنا" بعض مقامات پر ہم معنی ہے مثلاً چھجا سر پر آ رہا۔

آ پڑوسن لڑیں۔ یعنی ٹھیک ہے لیکن عورتیں کہتی ہیں "وہی مثل ہے آ ؤ پڑوسن لڑیں۔" تنہا آ ؤ پڑوسن لڑیں نہیں کہتے۔ کہاوت کی تلمیح یہ ہے کہ ایک منھیں بی لڑاکا بال بچے تھے نہیں میاں تھے پردیس میں۔ اکیلی بیٹھی گھبرائی تھیں آخر پڑوسن سے پکار کے کہنے لگیں "بی کچھ باتیں کرو" انھوں نے عدم الفرصتی کا عذر کیا تھوڑی دیر کے بعد پھر باتوں کی فرمائش کی۔ اب کی انھوں نے کہا مجھے بات کرنی ہی نہیں آتی۔ یہ بولیں کہ بات نہیں آتی تو آ ؤ لڑیں۔ پڑوسن نے جواب دیا "اے میری بلا"۔ چلیے جی کھیلنے کا سامان ہو گیا۔ انھوں نے کہا "بلا۔ بلا۔ بلا!!! پڑی آئی وہاں سے۔ بلا لگے تیرے ہوتوں سوتوں کو"۔ انھوں نے فرمایا "تجھے

۵ نعت کی تحریک کو بھی بے ربطی کہتے کہ زبردستی نکالا جو کہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شروع فصل سے لے کر آخر فصل تک ایک ہی لفظ کا بیان ہے۔ چنانچہ "آ بنا" اور "آ رہنا" دونوں کو اسے جامع اللغات میں ہم نہیں کر رہ کہنے کے بعد سمجھاں بیٹھے "آ بنا" کے معنی تو صحیح لکھے ہیں لہٰذا اعتراض غلط سمجھا جاتا ہے لیکن "آ رہنا" بمعنے (۱) پیسہ روپے آنا مقبول رہنا۔ (۲) جھک پڑنا غلط ہے۔ فلاں شخص اکثر آتا رہتا ہے۔ یا یہ آتا رہتا ہے لیتے ہیں نہ کہ "آ رہتا ہے"۔ آتے رہنا۔ اور "آ رہنا" میں بہت فرق ہے ۱۲ ادبار ـــ

بعدالت جناب سید علی حامد صاحب ڈسٹرکٹ جج بہادر اناؤ

درخواست دیوالیہ نمبر ۵ سنہ ۱۹۳۳ء

مقدمہ قرار دیئے جانے دیوالیہ مسمی منڈی لال ولد رام لال قوم برہمن ساکن بیگم پور کلاں پرگنہ گوراتحصیل پوروا ضلع اناؤ

بنام

جملہ مہاجنان

ہرگاہ مسمی منڈی سائل نے عدالت ہذا میں بذریعہ عرضی ورخہ ۲۰ ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء درخواست کی ہے کہ وہ حسب منشاء ایکٹ دیوالیہ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء دیوالیہ قرار دیا جائے اور تمہارا نام فہرست مہاجنان میں جو مدیون مذکور نے داخل کی ہے پایا جاتا ہے لہٰذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ عدالت نے بتاریخ ۱۵ ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۳ء واسطے سماعت درخواست مذکور تصدر اور لینے بیان مدیون کے مقرر کی ہے اگر تم کچھ معاملہ میں پیروی کرنا چاہتے ہو تو اصالتاً یا بذریعہ وکیل جو حال مقدمہ سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو حاضر ہونا۔

آج بتاریخ ۲۵ ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

پالیمنٹری کمیٹی کا پارٹی ڈسپلین

(قبل از سواری)

”ہیوں - ہیوں - ہیوں ـــــ ہنی نی نی نی“

یا گوئی اور ریختی گو) ؎

ادھر دیکھو تمہاری خفتیں میرے سر آنکھوں پر
نہیں "آئے" تو تم بالیدے ہے...... جہ پوچھو

عذر یہ کیا جائیگا کہ یہ فحش ہیں مگر لغت اور طب اور شرعی مسائل کا موضوع فحش نہیں بلکہ نیت جیسے مسائل کی ہے۔ انگریزی ڈکشنری (مصنفہ ڈاکٹر جانسن) اردو لغت (مولفہ سرجان شکسپیر) میں تمام الفاظ مجبوراً درج کرنے پڑے۔ فحش تو وہ ہے جس کو دیکھ یا سن کے آدمی بد اخلاقی پر آمادہ ہو جائے۔

(باقی آئندہ)

مراوف ــــــ

ادبار اللغات

جو جلتا تو کونے میں لیٹ رہے بزمانہ ماضی شہر میں حسن آغا کا ورود اطفال شہر کی دلبستگی خاص کا موجب ہوا کرتا تھا۔ اور یہ بھی مشہور تھا کہ آغا اکثر بھلے بدمزاج کٹ کھنے ہوتے ہیں۔ آغا نے جو اطفال نا نجیب کے شور و غل کو ٹھنڈے کلیجے برداشت کیا تو لڑکوں نے کہا "یہ آغا تھے فقیر ہیں" یا تو آغا مُنڈ یا مزدور سے

ملکوں کی غذاؤں سے تو ہم کو اناڑی سپاہی کی بندوق بنائے اس مطلب کی ہوا شکم غبارہ نما میں بھر کے وارد ہوا ہے کہ تمام ہندوؤں مسلمانوں میں اتحاد کا نقارہ پیٹے گا۔ اب دیکھنا ہے کہ شکم خالی کی چلتی ہے یا شکم پُر باد کی مطلب تو دونوں کا بظاہر اعلیٰ ہے۔ گو "دَہر مُوزی" (دہر سوری) بدنام ہو چکی ہے مگر دنیا سے بنگلر اُن کا اسلام سے یہ کہنا کہ ؎

گو ہم سے ہیں شکوے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

دری دل میں تو بدھا پیدا کرتا ہے۔

***

جو ناماہ آیا کیب کٹ گئی گردن تیرکی
رقیب اُنہ خود غلط یونہی اُڑا دیتے ہیں بے پرکی

سید ابو محمد صاحب وفا بریالیہ رام پور مطلع کرتے ہیں کہ ریاست رام پور سے بیگار اور شخواہ محزادہ کے حقوق (زندرانہ) کا بڑا اثر حکم نواب صاحب بہادر بالکل زائل کر دیا گیا۔ اسی کے ساتھ ہی دوسری اطلاع یہ ہے کہ یاروں نے جو ۳ لاکھ روپیہ (ایڈ دینس) کی تھیٹر کو نواب صاحب کی طرف سے دیے جانے کی خبر اڑائی تھی وہ بے اصل ہے۔ یا سن نجت کو ملازم رکھنے کا ارادہ فرمایا تھا وہ بھی سرتاپا غلط ہے۔

"ہندوستانی طویلہ خر"
بسکون عقل و سکوت حماقت۔

مولانا پنچ کی نوٹ بک

"تقابل شکمین"

ہمارے گاندھی جی خالی پیٹ لے کے جیل سے برآمد ہوئے اور اسی خالی پیٹ کا دباؤ اُن بھرے پیٹوں پر ڈالیں گے جو بنی آدم ہونے کے باوجود دوسرے آدم زادوں کو اپنی لونڈی کا بچہ سمجھتے ہیں۔ بھوک کی نافرمانی کرنے کے بعد حکومت کی نافرمانی چنداں ضروری نہیں۔ اس لیے کہ پیٹ کی نافرمانی حکومت کی عدول حکمی سے زیادہ سخت ہے، آپ نے خود ہی اعلان کر دیا ہے کہ ایک ماہ تک خالص پیٹ کی نافرمانی کی جائے گی دوسری نافرمانیاں معطل رہیں گی۔

لوگوں کا خیال ہے کہ ایک ماہ یہ تعلق عجب نہیں کہ دوامی تعلق نافرمانی کا موجب ہو اور "بابا غریب نیستم بیمارم" والی مثل نہ صادق آئے۔ کہتے ہیں کہ ایک تھے آغا بیچارے کو بخار

مست مارے پڑے تھے یا کفن پھاڑ کے بولے تھے مر دو کہ "غریب نیستم بیمارم"

ایک شکم کا تو یہ حال ہوا۔ دوسرے پُر شکم کا حال جس کے بارے میں شاعر کہہ گیا ہے ؎

ایں شکم بے ہنر پیچ پیچ
صبر ندارد کہ بسازد بہیچ

سنیے کہ ایک عدد لیڈی کے ساتھ امریکہ اور دوسرے

آخری خبر کو سن کے ہمیں بھی تعجب ہوا تھا مگر اس وجہ سے خاموش تھے کہ "عالم جوانی ہاست"، ممکن ہے کہ خزانۂ عامرۂ ریاست تو رونی خزانے کی مصیبت میں مبتلا ہو کے تباہی کی دلدل میں دھنس جاتے مگر اب اطمینان ہوا۔ دوسروں کی کمزوری جن لوگوں کی رازق مطلق بنی ہوئی ہے وہ ضرور سر پیٹیں گے کہ ہمارے مضمون بازی کا موقع نہ ملا اب ایسے

لوگوں کو چاہیے کہ اُس تھیٹر یا فلم کمپنی سے اجرت خدمت مانگیں جس کی روئیداد اس کمپنی میں بابتہ کہ اس جھوٹی خبر کی بدولت مس کجن اور تھیٹر دونوں کی اچھی شہرت ہوگئی۔ اور بجائے خودکشی کی تازہ خبریں کہ ہر ہفتے جو مس کجن کے تخیلی عکس (فوٹو) کی اشاعت مالی اور تفریحی نفعات مہیا کرتے رہتے تھے۔ اُن کا سلسلہ ابھی قائم رہے گا۔ دل ہا سوختہ نہیں ہوا۔ اور بی کجن کے عشاق کو بھی رنگیلے پیروں کی خدمت میں چڑھاوا چڑھانا چاہیے کہ جاں بازی اور نظر بازی کا میدان غرق نہیں ہوا ؎

پھر وہی ہم ہیں وہی تم وہی رسوائی ہے

ہندوستان کے یاد رکھنے کے قابل بات

مسٹر ٹامس نے ایوان عام میں فرمایا کہ آئرلینڈ نے جو حلف برداری سے انکار کر دیا تو اس کے معنی کھلم کھلا چھم چھپا کے ہرگز نہیں۔ ایک آزاد پارلیمنٹ کے ممبروں کی وفاداری حلف سے وابستہ نہیں ہوتی ہاں اتنی سی بات ہے کہ معاہدہ کی مخالفت ہے۔

ہم اہل ہند کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ بھائیو تم کہیں اس زعم باطل میں کہ ایسی مخالفت جائز ہے "سکیم سکیہ ٹریوس سکیہ" کی شل پر عمل نہ کر بیٹھنا۔

پہلے آئرلینڈ والوں نے خراج دینا موقوف کیا۔ پھر گورنر کو نکال باہر کیا۔ پھر وفاداری کے حلف سے انکار کیا۔ یہ تمام جرائم معاہدے کی غیر قابل اعتنا مخالفت پر ہیں۔ واہ کیا قصہ مختصر کیا ہے جیو مسٹر ٹامس۔

جب آپ سفر میں ہوں!
تو
مندرجہ ذیل اسٹیشنوں کے ویلر اینڈ کمپنی کے ریلوے بک سٹالوں سے
روزنامہ پرتاپ لاہور
کا تازہ پرچہ صرف ایک آنہ کو خرید فرمائیں جس میں آپکو ہندوستان اور غیر ممالک کی
تازہ بتازہ خبریں۔ چٹپٹے ہوئے راز و نیاز دلچسپ مضامین مطالعہ سے گزریں گے
لاہور پلیٹ فارم نمبر ۲-۴-۵- وزیر آباد- لالہ موسیٰ- لائلپور- جہلم- راولپنڈی-
نوشہرہ- پشاور- ملتان- خانیوال- حیدر آباد سندھ- کراچی شہر- کراچی چھاؤنی- سکھر سندھ-
روہڑی- کوئٹہ- بھٹنڈا- فیروزپور- امرتسر- جالندھر شہر- جالندھر چھاؤنی- لودھیانہ- انبالہ-
دہلی- غازی آباد- فیض آباد- پرتاپ گڑھ- بنارس چھاؤنی- ٹونڈلہ- اٹاوہ-
کانپور- الہ آباد- پٹنہ- بھوپال- جبلپور- سکندر آباد- اٹارسی- جھانسی- جے پور
گرانٹ روڈ بمبئی- کھنڈوہ- وغیرہ وغیرہ۔
جنرل مینیجر

آجکل بھی تجارت کامیاب ہوسکتی ہے
بشرطیکہ
آپ اپنی تجارتی چیزوں کا اشتہار ایسے اخباروں میں شائع
کریں جو ملک میں عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔
دیسی چیزوں کا اشتہار صرف انہیں اخبارات میں کامیاب ہوسکتا ہے
جو دیسی کی ترقی کے حامی ہیں اس قسم کے اخباروں میں۔
الجمعیۃ۔ کی حیثیت بہت ممتاز ہے ایک کارڈ لکھ کر اجرت
اشتہارات کا نرخ دریافت کیجئے۔
منیجر صیغہ اشتہارات اخبار الجمعیۃ دہلی

REGISTERD No. A. 785
ظریف ہفتہ وار
LUCKNOW
OUDHPUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
M B KHAN ARTIST LUCKNOW

جلد ۱۸ نمبر ۱۷

مضامین

(مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۳۳ء)

قواعد کے گلے پر چھری

مطبع انوار احمدی الہ آباد کی ایک کتاب

اب جانیں آزادی کا دور ہے جسے چند حروف کھینچنا آگیا وہ مصنف یا مولف بن بیٹھا۔ اب اُس تصنیف کے خواہ مطالب غلط ہوں اُس سے فائدہ کے بجائے نقصان پہونچے لیکن مصنف صاحب اُسے چھپوا کے رہیں گے۔

حال میں جناب مولوی حافظ سید جلال الدین احمد صاحب جعفری۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس لندن نے عمدۃ القواعد (گرامر) تصنیف کر ڈالی۔

اس تصنیف شریف کے لکھنے کا "مولف مذکور کے الفاظ میں" یہ منشا ہے کہ وہ طلبا جو انگریزی مدارس میں تعلیم پا رہے ہیں پورا پورا فائدہ اُٹھا سکیں۔ کچھ تعجب نہیں کہ مصنف میں قوم پروری اور وطن دوستی کا خیال پیدا ہو گیا ہے اس لیے آپ نے اس تالیف کی غرض یہی قرار دے ڈالی "کہ ملک اور قوم کو فائدہ پہونچے" یعنی سوراج حاصل ہو جائے۔"

واقعہ تو یہ ہے کہ حکومت نے جو گول میز کانفرنس پر روپیہ اور وقت فضول ہی برباد کیا۔ مولانائے جعفری کی اس گرامر کو کسی آرڈیننس کے ذریعے سے ملک کے سر منڈھ دیا ہوتا ہم سے شوریدہ سر شور مچایا کرتے ملک کو سوراج تو مل جاتا۔

انعام تو ہم بھی کہیں گے کہ خواہ اس کتاب سے ملک کو سوراج ملے یا نہ ملے لیکن اسکول کے لڑکوں کو زبان کے متعلق جتنا سوراج ملا ہوا ہے اس سے کئی درجے اور آگے بڑھ جائے گا۔

ہم نے بھی ذاتی سوراج حاصل کرنے کے لیے پوری کتاب صحیح ذوق کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پڑھ ڈالی۔ مزے مزے کے لطیفے ملے "زبان اتنی نفیس کہ مسل و حل"! مطالب اتنے اچھے کہ سبحان اللہ بالفعل عمدۃ القواعد کی چند مزے کی باتیں لکھی جاتی ہیں آیندہ پھر ناظرین کی ضیافت کی جائے گی۔

۱۔ عمدۃ القواعد کے لائق مصنف نے صفحہ ۱ پر زبان کی یہ تعریف کی ہے۔

"زبان یا بولی وہ ہے جس کے ذریعے سے انسان اپنے دل کا مطلب ظاہر کر سکے"۔ گویا مصنف کی تحقیق میں حرکات و اشارات بلکہ بعض اوقات کا سکوت بھی زبان یا بولی کی تعریف میں داخل ہے کیونکہ انسان ان کے ذریعے سے بھی اپنے دل کا مطلب ظاہر کر سکتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص زبان یا بولی اُن الفاظ یا معنے تک محدود رکھتا ہے جن سے دل کا مطلب ظاہر کیا جا سکتا ہے تو یہ اُس کی غیر رواداری ہے۔ آخر حرکات و اشارات نے کیا بگاڑا ہے جو زبان اُن سے قطع تعلق کرتی۔ مصنف صاحب لائق مبارکباد ہیں کہ اُنھوں نے یہ اجتہاد فرما کر حرکات و اشارات کی آبرو رکھ لی۔

۲۔ صفحہ ۱۰۲ پر مصنف نے فعل سے بحث کر ڈالی ہے۔ آپ نے زور تحقیق یا انگریزی گرامر کی تقلید میں عربی کے فعل کو انگریزی کے درب (verb) کا مرادف قرار دے لیا ہے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ پوری بحث چیستاں بن کر رہ گئی ہے"۔

اصل یہ ہے کہ انگریزی میں درب کا جو مفہوم ہے وہ عربی میں فعل کا نہیں ہے۔ مصدر یعنے (Infinitive mood) درب میں داخل ہے لیکن مصدر فعل نہیں کہا جا سکتا کیونکہ عربی میں فعل میں زمانے کا پایا جانا ضروری ہے خود مؤلف نے بھی فعل کی تعریف میں یہ قید لکھی ہے۔ صفحہ ۱۱۱ پر فرماتے ہیں فعل کے لیے زمانہ کا ہونا ضروری ہے مگر مصادر میں یہ بات نہیں ہوتی۔ غالباً مؤلف نے انگریزی گرامر کی غلط تقلید اس لیے ضروری سمجھی کہ سوراج ملنے کا بس یہی عنوان ہے۔ سمجھے سمجھ کر تقلید کرنے سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

فعل کے متعلق اُن کی پوری بحث انگریزی گرامر کی نقالی ہے جو اُردو کے مزاج کے بالکل مطابق نہیں ہے اسی لیے متضاد باتیں اس باب میں بکثرت ملتی ہیں۔

اصل یہ ہے کہ انگریزی میں جملہ (finite verb) کا مفہوم ہے وہ عربی میں فعل کا مفہوم ہے مگر اسے کون دیکھے یہ تحقیق آزادی کے خلاف ہے"۔

صفحہ ۱۲ میں (Idiom) محاورہ کا ترجمہ اصطلاح فرما دیا ہے یہ بھی آزادی کی نمائش ہے۔

۳۔ صفحہ ۲۷۹ پر اقسام نظم لکھتے ہوئے یہ تجلیات فرمائی ہے کہ "باعتبار تقسیم عروضی کے دس قسمیں ہیں قصیدہ غزل وغیرہ وغیرہ"۔ باعتبار تقسیم عروضی کی قید اس مقام پر کس قدر بامحل ہے۔ اگر اس کا محل سمجھ میں نہیں آتا تو آپ کی قابلیت کا قصور ہے۔ لائق مؤلف نے تو یقیناً یہاں پر کوئی منطقی معجزہ دکھایا ہے۔

۴۔ صفحہ ۲۸۳ پر مثنوی کے ذیل میں لکھتے ہیں "مثنوی کے لیے تمہید شرط ہے۔ اور ربط کلام واجب ہے اس کے دیباچے میں کئی چیزیں ضروری ہیں۔ حمد۔ مناجات نعت۔ مدح سلطان زماں۔ تعریف سخن و سخنوران سبب تالیف و تصنیف۔ مثنوی میں ان ضروری چیزوں کا سراغ لگانا کتنا مشکل کام تھا بغیر ان باتوں کے مثنوی کا اطلاق کسی نظم پر نہیں ہو سکتا۔ اگر مثنوی مولانا روم یا بہائی کی مثنوی نان و حلوی یا اُردو کی مثنوی زہر عشق میں یہ ضروری چیزیں آپ کو نہیں ملتیں تو آپ کا قصور ہے مصنف سے مشورہ کر کے ان مثنویوں کو پڑھیے تو یہ تمام ضروری چیزیں مل جائیں گی اور اگر بد قسمتی سے نہ ملیں تو پھر کیا ضروری ہے کہ ان کو مثنوی کہیے۔ لوگ اب تک جھک مارا کیے جو انھیں مثنوی کہتے رہے۔

۵۔ صفحہ ۳۳۴ میں لائق مصنف نے صنائع لفظی و معنوی کا بیان کیا ہے۔ صنائع کی تعریف یوں کی ہے "وہ باتیں ہیں جن سے کلام میں خوبی حاصل ہو"۔ آپ کو اس بحث کے چھیڑنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ یہ تعریف مانع نہیں ہے یعنی اس میں غیر افراد بھی داخل ہو جاتے ہیں۔

صنائع کا تعلق علم بدیع سے ہے جو علم بیان و علم معانی سے

بالکل الگ شے ہے لیکن اس تعریف کی رو سے تشبیہ استعارہ بلکہ ایجاز وغیرہ سب صنائع کے تحت میں آجاتے ہیں کیونکہ یہ سب وہ باتیں ہیں جن سے کلام میں خوبی حاصل ہوتی ہے۔ تشبیہ کی تعریف کرتے ہوئے لائق مؤلف نے خود ہی لکھ دیا ہے "اس صفت سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کلام میں لطافت اور خوبی پیدا ہوجاتی ہے" استعارے کی بھی یہی کیفیت ہے۔

اصل یہ ہے کہ لائق مؤلف علم بیان وعلم بدیع کی الجھنیں مٹانا چاہتے ہیں اور انہیں ایک نئے قالب میں ڈھال دینے کے خواہشمند ہیں۔ اسی لیے تو مؤلف نے اس مصرع

"شیروں کا شیر عازم دشت نبرد ہے"

میں شیروں کا شیر کو تشبیہ قرار دیدیا ہے حالانکہ ہم پرانی لکیر کے فقیر اسے استعارہ سمجھتے تھے۔

۷۔ صفحہ ۲۲۰ میں تجنیس کی تعریف یہ مؤلف نے یہی کی ہے۔

"کلام میں ایسے دو لفظ لانا جو تلفظ میں مشابہ ہوں اور معنی میں مختلف ہوں لیکن اس کے بعد ہی اس کی ایک قسم تجنیس تام کی بھی بعینہ یہی تعریف کردی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب مقسم اور قسم میں عام خاص مطلق کی نسبت نہیں رہی بلکہ مرادفت کی نسبت ہوگئی تو اب یہ قسم دوسرے اقسام میں بھی پائی جائے گی۔"

فن کا اب تک یہ مسلمہ مسئلہ تھا کہ قسیم ایک دوسرے سے متبائن ہوتے ہیں لیکن یہاں یہ صورت نہیں رہ سکتی کیونکہ تجنیس تام کا دوسرے اقسام میں محفوظ رہنا ضروری ہوگیا اس لیے کہ تجنیس تام اور تجنیس میں کوئی فرق ہی نہیں ہے۔

زندہ باد عمدۃ القواعد۔ مردہ باد منطق بالفعل اتنے ہی معنوی لطائف پر اقتصار کیا جاتا ہے لیکن لگے ہاتھوں زبان اور عربی کی معلومات کے چند لطیفے بھی سنتے چلیے۔

۷۔ صفحہ ۲۳۲ میں اسم فاعل کے اوزان کا ذکر کرتے ہوئے مفعل کے تحت میں مجبر بھی لکھ دیا ہے حالانکہ مجبر کو مفعل سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ مفعل کے وزن پر ہے۔

۸۔ (صفحہ ۲۴۸) اردو میں مستعمل اسم مفعول کے عربی اوزان لکھتے ہوئے محتاج بھی اسی سلسلہ میں گھسیٹ لیا ہے۔

اردو میں محتاج اسم فاعل کے معنی میں مستعمل ہے۔ اس کے معنی حاجتمند کے ہیں۔

۹۔ صفحہ ۲۶۷ پر مصنف نے عربی کے سہ حرفی لفظ گناتے ہوئے "سزا" کو بھی درج فرمایا ہے۔ سزا کو عربی بنانا مصنف اجتہاد کا خاص کارنامہ ہے جو لائق کے سوا اور کسی کے حصے میں نہیں آیا۔ فی الواقع جب جزا عربی ہے تو سزا عربی کیوں نہ ہو۔ اگر عربی زبان میں یہ لفظ نہیں ملتا اور فارسی والوں نے بھی

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(دفعہ [illegible] قواعد و مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ [illegible] ۱۹۳۲ء

بعدالت جناب [illegible] اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم تحصیل و مقام و ضلع [illegible]

[illegible] راجہ [illegible] مدعی

بنام

[illegible] وغیرہ مدعاعلیہم

بنام [illegible] وغیرہ پسران [illegible] موضع [illegible] ساکنان موضع [illegible] ریاست [illegible] کاشتکاران موضع [illegible] پرگنہ و ضلع [illegible]

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت بقایا لگان کی دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۶ ماہ مئی ۱۹۳۳ء بوقت دس بجے بمقام [illegible] اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے بخوبی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوے کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم بتائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۰ ماہ اپریل ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

مہر عدالت دستخط حاکم بخط انگریزی

سمن بغرض انفصال مقدمہ

نمبر مقدمہ ۱۴۱ سنہ ۱۹۳۳ء

بعدالت جناب سید [illegible] حسین صاحب بہادر آنریری منصف [illegible] ضلع کھیری مقام اورنگ آباد

گھوڑی شاہ ولد کریم شاہ قوم فقیر ساکن اورنگ آباد پرگنہ اورنگ آباد ضلع کھیری مدعی

بنام

شیو رتن لال وغیرہ مدعاعلیہم

بنام شیو رتن لال ولد نرائن لال قوم برہمن ساکن [illegible] پرگنہ [illegible] مدن موہن لال ولد [illegible] پرشاد قوم برہمن ساکن [illegible] ضلع کھیری

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت [illegible] کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۵ ماہ مئی ۱۹۳۳ء بوقت دس بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوی مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جوابدعوی کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر روز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ دس ماہ مئی ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(دفعہ [illegible] قواعد و مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۵۳

بعدالت جناب لالہ شنکر سہائے صاحب گپتا آنریری اسسٹنٹ کلکٹر بہادر درجہ دوم مقام قنوج ضلع فرخ آباد

راجہ گیا نرائن سنگھ مدعی

بنام

سماۃ شتابو مدعاعلیہ

بنام سماۃ شتابو بیوہ [illegible] قوم لودھ ساکن [illegible] کاشتکار موضع [illegible] پرگنہ [illegible] ضلع فرخ آباد

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت بقایا لگان کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۰ ماہ مئی ۱۹۳۳ء بوقت ۸ بجے دن بمقام قنوج اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوی کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم بتائید اپنے جوابدہی کے استدلال رکھو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۰ ماہ مئی ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

مہر عدالت دستخط حاکم بخط انگریزی

اسے اس معنی میں استعمال نہیں کیا تو یہ قصور مصنف کا نہیں ہے خود ان زبانوں کا قصور ہے۔

۱۰- اسی صفحہ میں عربی مفعول (اسم مفعول) گنائے ہوئے منشا کو بھی بیچ میں گھسیٹ لیا ہے معنف کے منشا میں کون دخل دے سکتا ہے؟۔

۱۱- صفحہ ۶ پر صحرا، شجر، پا کو اسماے فارسی قرار دے لیا ہے حالانکہ یہ الفاظ عربی میں بھی مستعمل ہیں اور ث اور صاد تو آپ بھی جانتے ہیں کہ خالص فارسی کے حرف نہیں۔ ان اسمار کو یقیناً فارسی کے اسما ہونا چاہیے۔

۱۲- صفحہ ۱۵ پر اسم معاوضہ کا ذکر کرتے ہوے لکھتے ہیں "بعض اسمائے معاوضہ سماعی ہیں جو اسم سے بنائے گئے ہیں جیسے نائی سے نوائی۔" ہمارے لیے یہ نوائی بالکل نئی چیز ہے۔ لکھنؤ یا دہلی کے مستند اہل زبان غالباً اس ایجاد کی داد عنایت فرمائیں گے۔ اگر مصنف کی یہ خاص الخاص ایجاد عرض بازار کی جائے تو کیا مضائقہ ہے۔

راقم۔ راقم

رضاکار خالائیں

(از فیروز لدھیانوی)

مولانا پنچ بہادر۔ تسلیمات عرض ہے۔ کیوں قبلہ آپ تو زمانے کی ہوا کا رخ بخوبی پہچانتے ہوں گے۔ کیونکہ آپ سے بزرگواروں کی ریش درازا اکثر مقیاس الہوا کا کام دیا کرتی ہے۔ یعنی جدھر کی ہوا ہو ادھر کو اڑا کرتی ہے۔ یہ بھی آپ سے مخفی نہ ہوگا کہ بہی خواہان وطن کی توجہ آج کل اس مسئلہ کی طرف ہے جسے پنجاب کے اخباری کاغذوں کی اصطلاح میں "مجلس شدہ مسئلہ" کہتے تھا

ہم بھی عرصہ دراز سے روایتی قاضی کی طرح شہر کے اندیشے میں دبلے ہو رہے تھے۔ اور دعائیں مانگ رہے تھے کہ یا الہ العالمین ہماری طبع رسا کے کنکوے کو ادھر ہی اڑا جدھر کی ہوا ہو۔

شکر کا مقام ہے کہ ہماری دعائے نیم و زری زوال کے وقت کی خالی نہ گئی اور ایک غلولہ دعا کی قلیل سے ایسا پہنچا کہ اجابت کی گرہ بان مجبوری ہوگئی اور ہم اس قابل ہوگئے کہ اس مجلسی مسئلہ کے متعلق اپنی سنجیدہ تجویز پیش کر سکیں۔

آج ہم آپ کا اور دیگر قصیبین کا تعارف ایک ایسی متبرک معزز اور مفید چیز سے کرانا چاہتے ہیں جس کا علم اب تک آپ کو نہ ہوگا۔

اس کا اسم گرامی ہے۔ ان آفیشل والنٹری آنٹ یعنے غیر سرکاری رضاکار خالہ۔

آپ حیران ہوں گے کہ یہ کیا معمہ ہے۔ لیجیے صاحب اس کا حل بھی۔ دانشمندان یورپ کی روشنی طبع کے قربان جائیے جب ان بزرگواروں نے دیکھا کہ یورپ کی لڑکیاں ہندوستان کے سخنوروں کی طرح بے شمار ہیں۔ بیکار ہیں اور سوسائٹی کے گلے کا ہار ہیں تو انھیں خیال آیا کہ ان الہڑ چھوکریوں کو قابو میں لانا چاہیے۔ چنانچہ ان کو رضاکار خالائیں بناکر شادی شدہ جوڑوں کی خدمت پر کمر بستہ کر دیا۔ اور رضاکار باندیوں کی یہ جماعت تیار کردی ان رضاکار خالاؤں کا وجود یورپ کے کثیر العیال لوگوں کے لیے بہت مفید ہے۔

مثلاً ایک رضاکار خالہ اپنی ایک بیاہی ہوئی سہیلی کے گھر جاتی ہے تو یوں سلسلۂ گفتگو آغاز کرتی ہے۔

لو بہن، لو نا میں آگئی ہوں۔ بس تم اب کام دھندا چھوڑ دو۔ اور ہاتھ منہ دھو نیا جوڑا پہن سینما دیکھنے کی تیاری کرو۔

ننھے فریڈی کی ذرا بھی فکر نہ کرو۔ میں اس کا جھولا جھلاتی رہوں گی۔ ہاں اس کے دودھ کی بوتل کہاں ہے۔ اوہو اس کی چوسنی کیسی بوسیدہ ہے میں بدل دوں گی۔ کیا پیارا فراک ہے۔ لاؤ میں تمھارے بال سنوار دوں۔ تمھارے بہن کیسے میلے ہو رہے ہیں۔ بازار سے نیا ہیر بن لیتی آنا۔

کیا کہا؟ پیسے نہیں ہیں۔ میاں کی تنخواہ نہیں آئی۔ نہیں آئی تو تمھاری بیزاری سے۔ سینما ہال کے دروازے پر تمھارا پرانا قدردان جوزف تمھارا منتظر ہوگا۔ بچپن کے دوستوں سے تحفہ قبول کرنا کوئی عیب نہیں۔ وہی تمھارے ٹکٹ کے دام بھی ادا کرے گا۔ فریڈی کا بابا آتا ہوگا تو کیا فکر ہے آنے دو۔ میں سنبھال لوں گی۔ اچھا اچھا جاے تیار ہوگی مجھے معلوم ہے وہ ایک پیالے میں شوگر کی تین ڈلیاں پسند کرتا ہے۔ تم اب جاتی کیوں نہیں۔ میں اس کے کوٹ کے بٹن بھی ٹانک دوں گی۔ پتلون کی مرمت میرے لیے کوئی نئی بات نہیں۔ بیسیوں پھٹی ہوئی میانیاں سی چکی ہوں۔ یہی کام کرتے کرتے میری پوریں گھس گئیں۔

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قواعد ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی سنہ ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ضمن ۱۷ موضع موی برہمنان

بعدالت جناب بابو نرد ترداس اگروال صاحب بہادر تحصیلدار مقام تحصیل سندیلہ ضلع ہردوئی

بسرا ولد بخیا قوم برہمن ساکن موضع موی برہمنان پرگنہ کلیان مل تحصیل سندیلہ مدعی

بنام

۱- دین ولد بہادین قوم برہمن ساکن موضع گھوناتو پرگنہ کلیان مل تحصیل سندیلہ

۲- سیورام پسران [illegible] قوم برہمن ساکن موضع موی برہمنان

۳- [illegible] پرگنہ کلیان مل تحصیل سندیلہ

۴- [illegible] قوم [illegible] ساکن موضع [illegible] پرگنہ کلیان مل تحصیل سندیلہ

۵- لالہ پسران [illegible] قوم برہمن ساکن موضع [illegible] پرگنہ

۶- [illegible] کلیان مل تحصیل سندیلہ مدعا علیہم

واضح ہو کہ مدعی نے تمھارے نام ایک نالش [illegible] مالگزاری کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۵- ماہ جون سنہ ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن بمقام تحصیل سندیلہ اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور متعلق مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دعویٰ کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمھاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات [illegible] اپنے جواب دہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوئے تو مقدمہ بغیر حاضری تمھارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۱- ماہ مئی سنہ ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

مہر عدالت دستخط حاکم [illegible] [illegible]

او یہ اپنا میلا فراک بھی دید و تمھارے میاں کی قمیض سے وقت بچا تو اسے بھی دھو رکھوں گی۔

لیجیے صاحب یہ ہے ایک رضا کار خالہ کے فرائض منصبی کی فہرست۔ دیکھیے کس قدر ایثار اور انکسار کا طومار ہے۔ ایسی رضا کار خالائیں تمام غریب گھرانوں میں جاکر اپنی عدیم الفرصت بہنوں کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ ان کی ذمہ داریوں کا بار گراں اپنے شانوں پر اٹھا کر ان کو سینما کا تماشا دیکھنے۔ بازار سے سودا سلف لانے۔ ان کے احباب کے ہمراہ سیر کو جانے کا موقع دیتی ہیں۔ اور اشناس یوروپین بزرگوں نے ان آیہوان وحشی کو خانہ داری کے دام میں پھنسانے کی جو معقول ترکیب سوچی ہے اس میں یہ مصلحت پوشیدہ ہے کہ خدمت خلق کے بہانے سے ان کو ازدواجی زندگی کے مزے کا موقع دیا جائے۔ جب رضا کار خالاؤں کے روپ میں یہ کنواری لڑکیاں بیاہی ہوئی عورتوں کے کار و بار میں دخل دیں گی۔ کبھی کسی گھر میں جاکر چولہا سنبھالیں گی۔ کبھی کسی کے میاں کی پتلون میں پیوند لگائیں گی تو ان کی بھڑک دور ہو جائے گی۔ انھیں خانہ داری میں خاص لذت محسوس ہوگی۔ اور آخرکار ایک دن وہ بھی آئے گا کہ انھیں اپنا بیاہ رچانے اور اپنا گھر بنانے کا شوق دامنگیر ہوگا اور یہ شادی کرکے ان فرائض کو ادا کرنے میں منہمک ہو جائیں گی جن کے لیے خلاق عالم نے انھیں جامہ نسوانی پہنا کر دنیا میں پیدا کیا تھا۔۔۔۔۔۔

ہندوستانی لڑکیوں نے بھی یوروپین تہذیب کے گہوارے میں کافی پرورش پائی ہے۔ اور اسی خراد پر چڑھ کر یہ جو مہذب لیڈی معلوم ہوتی ہیں ان کی وضع قطع۔ تراش خراش اوضاع و اطوار سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی افتاد مزاج بھی تبدیل ہو چکی ہے۔ یوروپین لڑکیوں کی طرح یہ بھی خانہ داری کے جوے کے تلے گردن رکھنے سے مجتنب اور آزاد رہنے کی خواہاں ہیں۔ نسوانی کانفرنسوں کے ریزولیوشن اس امر کے شاہد ہیں۔ بہی خواہان ہند کو آخرکار اس یوروپین درد کی یوروپین دوا ہی استعمال کرنی پڑے گی یعنی رضا کار خالاؤں کا دفتر کھولنے کی حاجت محسوس ہوئی۔

اس لیے ہم پرانصیبن صاحبہ کی خدمت میں مودبانہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ کار خیر جاحت پیچ استخارہ نیست اللہ کا نام لے کر اٹھیں اور رضا کار خالاؤں کی بھرتی شروع کر دیں ہم نے اس قسم کی انجمنوں کا نام تجویز کیا ہے وہ نہایت مرصع ہے یعنی انجمن مرغ مرغ مجروح ہے م۔ و۔ خ کا۔ اس سے مراد ہے مسلم ہندو رضا کار خالائیں۔

اگر کسی زنانی انجمن کی مادہ سکریٹری کو یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر آئے تو وہ اس مہینے کی کمشنری کا عہدہ قبول فرمائیں۔

ہم اب عالم خیال میں یہ نظارہ دیکھ رہے ہیں کہ سکریٹری مرغ "ہیڈ آفس" میں رضا کار خالاؤں کی کمشنری کے فرائض ادا کر رہی ہیں۔ تمام ملک کے مشہور شہروں کے ٹیلیفون اس دفتر سے ملحق ہیں جن کی گھنٹیاں بج رہی ہیں اور پیغاموں کی بھرمار ہے۔

پیغام اول۔ بوا! اے بوا! سنتی ہو۔ میں بول مسز اختر۔ میرے میاں کو ایک ٹی پارٹی دینی ہے جس میں کچھ معزز بیگمات بھی مدعو کی گئی ہیں۔ ایک رضا کار مس کو جلد بھیج دو۔ مجھے تو ننھے نے حیران کر رکھا ہے رات سے اس کے کان میں درد ہے۔ سارا کام ادھورا پڑا ہے۔ ٹی کے سٹ صاف کرنے ہیں مٹھائی کشتریوں میں چننی ہے۔ ہاں ہاں تانگے میں بھیج دو۔ میں کرایہ دے دوں گی۔ مگر کوئی سلیقہ شعار رضا کار خالہ ہو۔

دوسرا پیغام۔ ہیلو کمشنر۔

ایک اور رضا کار خالہ بھیج دو۔ پہلی میرے کار آمد نہیں۔ تم سے میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ سوچ سمجھ کر رضا کار منتخب کرنا۔ تم نے ایک ناولسٹ چھوکری بھیج دی۔ میرے میاں بھی خیر سے جرنلسٹ ہیں وہ نامراد آتے ہی ان کے دار المطالعہ میں گھس گئی۔ اب وہاں واقعات حاضرہ پر گفتگو ہو رہی ہے میں نے ابھی دروازے سے جھانک کر ان کی گفتگو سنی تھی۔ آرمانی شادی کا تذکرہ تھا دیکھنا بوا کہیں میرا بنا بنایا گھر نہ اجڑ جائے۔ ارے کوئی من سے اتری ہو تو بڑھیا بھیج دو۔ جو دو کالست کے امتحان میں فیل ہو چکی ہو۔ وہ بچوں کو سنبھال لے تو میں زینت شادی کی [illegible]

جاؤں۔ تمھیں میری جان کی قسم دیر نہ لگانا بیٹے نے زخم اور گلے تک رکھے ہیں ٹھنڈے ہو جائیں گے جلدی کرو۔ کہار ڈیوڑھی پر لگے ہیں۔

تیسرا پیغام۔ کیا یہ رضا کار خالاؤں کا دفتر ہے برا ہو تم نے کیا غضب ڈھایا۔ میرا جی مالش کرتا تھا میں گھبرائی ہوئی تھی تم سے ایک رضا کار خالہ طلب کی تو ایک برہمنی بھیج دی۔ سانجھی دل لگی ہے۔ توبہ! اس نے آتے ہی باورچی خانہ نجس کر دیا۔ پہلے تو گوبر سے چوکا لیپ کر میرا سیمنٹ کا فرش خراب کر دیا۔ پھر مونگ کی دال چڑھا دی۔

اللہ کی قسم تھالی میں دال دیکھ کے جی گھٹا گیا۔ لو! تم تو ٹھٹھوں میں بات اڑا تی ہو۔ ایسی دل لگی نہیں بھاتی۔ اور کمال دیکھو ننھے ننھے پھلکے پکاتی ہے جو توے پر پھول کر والی بال بن جاتے ہیں بچے انھیں دیکھتے ہی اچھل اچھل کر پکڑتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہیں اصغر کے ابا نہ آجائیں۔ وہ ٹھہرے کٹر شیعہ۔ ہندنی عورت کو باورچی خانے میں دیکھ کے جل جائیں گے۔ آیندہ کے لیے خیال رکھنا۔

چوتھا پیغام۔ ہیلو۔ بوا۔ کیا تمھاری رضا کار خالہ نمبر ۱۱۲ موجود ہے۔ نہیں۔ بڑا غضب ہوا۔ مجھے اس کی بہت ضرورت ہے۔ نہیں نہیں اور کسی سے کام نہیں نکلے گا۔ یہ رضا کار کسی خانساماں کی لڑکی ہے۔ مرغ پلاؤ اچھا پکاتی ہے۔ ہمارے لالہ جی کو اس نے ایک دن مرغے کا ماس کھلا دیا اس دن سے اس کے نام کی مالا جپتے ہیں۔ اسے بلوا کر فوراً میرے ہاں بھیج دو آج مجھے کتھا سننے جانا ہے۔ ادھر لالہ جی دکان سے

"سول میرج کا قریب الوقوع منظر"

قاضی :- "گاجر کی پینڈی گل خیرو کا پھول ۔ کہو میاں بنے ہو قبول"........شادیانہ بارکباد۔ ہاں شہ ہاں شہ......

مسٹر پنچ :- "ارے بابل بھی تو گاؤ ـــــ اماں بی بی نے ہارے ہیں بول ۔ نبھا ہوا ہم چلے......"

آگئے ہیں مرسوں میں بہت نفع ہوا ہے پھولے نہیں سماتے۔ کہتے ہیں اسی چھوکری کو بلاؤ ہم منہ میٹھا پلاؤ کھلوائیں گے۔

مگر ہمیں کسی کو پیسہ نہ جانا ورنہ برادری حقہ پانی بند کر دے گی۔ اور ہمیں ہر دوار اشنان کے لیے جانا پڑے گا۔

پانچواں پیغام۔ ہیلو۔ ہوا۔ مزلج تجیے۔ آپ کی رضاکار نمبر ۲۱۲ کی خدمات کا اعتراف کرنے کے لیے آپ کو فون پر طلب کیا ہے۔ کیا کہنا کیسی متعد کیسی ہوشیار لڑکی ہے۔

میرے میاں ٹھہرے افیمی آدمی منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت شام کے چار بجے سے افیم کا گولا نگل کر حقے کی نے جو منہ سے لگاتے ہیں تو مشا کی خبر لاتے ہیں۔ اس ضاکار نے کل مجھے کامل چار گھنٹے کے لیے سبکدوش کیا اور میں پر ہوش طلب نہ جانے کو لمبا کیا ذی بڑے میاں کہتے ہیں کہ یہ رضاکار حقہ بہت اچھا تازہ کرتی ہے۔ چلم خوب بھرتی ہے کہیں مجوسائی کی لونڈیا تو نہیں ہے۔ اسے گاہ بگاہ طلب کیا کروں گی۔

ریفارم

"ایک تعلیم یافتہ اسلامی جوڑا"

جامع اللغات

نمبر ۴

(پیوستہ بہ گزشتہ)

مؤلف صاحب لکھتے ہیں "آنی جانی چیز۔ بے فائدہ چیز۔ فانی شے" انھوں نے خدا جانے "بے فائدہ" کہاں سے اخذ کیا۔ آنی جانی چیز سے مراد ہے وہ چیز جس میں حدوث کا اثر جلد جلد ہو۔ اس کے لیے بے فائدہ لازم نہیں۔ اگر ہر حادث چیز غیر مفید ہو تو پھر دنیا کی خلقت ہی عبث ٹھہرتی ہے اور یہ باطل ہے۔ عقلا کے نزدیک اعتنا کے قابل نہ ہونا امر دیگر ہے۔

فرماتے ہیں "آؤ بھگت، بھگتی کرنا لینا ملنا کے ساتھ" اس میں بھگتی غیر مستعمل ہے صرف آؤ بھگت زبان زد ہے "آؤ بھگت کی یا ہوئی" کے علاوہ لینا اور ملنا غیر مسموع ہے۔ ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ "آؤ بھگت سے" ملے۔

اسی طرح "آؤ تو جاؤ کہاں" کے یہ معنی بھی کچھ بے ڈھنگے ہیں (غصے کی شدت ظاہر کرنے کے لیے کہتے ہیں) یوں کہنا چاہیے کہ "مفر باقی نہ رہنے یا نہ رکھنے کی جگہ پر کہتے ہیں خواہ امر موجب غصہ ہو یا تشفی" دوستانہ یا ناو جب سخن پروری وغیرہ۔

آؤ دیکھا نہ تاؤ کے بارے میں لکھا ہے "جب کوئی جلدی سے بے محل کوئی کام کرے.... الخ" اس میں "بے محل" کی قید فضول ہے یوں کہنا چاہیے "بے اندیشہ انجام و وسوسۂ ضرر کوئی کام کر بیٹھنا، یا بغیر مالہ وماعلیہ پر نظر کیے کوئی بات کرنا"

آؤ مہربان بڑی دیر لگائی، راہ دکھائی۔ یہ کوئی محاورہ نہیں۔ یہاں درج کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ راہ دکھانے کے معنے انتظار کرانا ضرور ہیں مگر اس کے ذکر کا یہ محل نہیں۔ ردیف "ر" کے تحت میں لکھنا تھا۔

آئے تو کوڑھی کا سوانگ لے کر آئے۔ یہ جملہ ہم نے نہیں سنا۔ شاید کہیں بولا جاتا ہو۔ اس میں "کوڑھی کا سوانگ" قابل تفصیل ہے جس سے مؤلف نے تعرض نہیں کیا۔ اور "ٹسوے" سے اس کی تعبیر کی "ٹسوے" کے معنی ہیں غیر صحیح عذر، حجت، ضد، یا رونے دھونے کے ذیل بچانا یا فیل لانا۔ کھیر ولانا، بسر جانا، مچل جانا۔ چھنال ٹھنگھوٹے کرنا۔ دھاندلی کرنا۔ (وغیرہ) یہ سب الفاظ اپنے اپنے محل پر قریب المعنی ہیں۔ ان کا فرق بشرط انشاء اللہ ظاہر کیا جائیگا۔

آئی گئی بھول جانا۔ یہ بھی خدا جانے کہاں کا محاورہ ہے غیر مسموع ہے۔

آ بڑے باپ کی بیٹی ہو تو نبیڑ کر لے۔ یہ ایک مثل ہے جس کی بنا یہ ہے کہ ایک تھے بوالہوس قسمی سن رسیدہ امیر۔ ایک زمانہ تھا جب رنڈی بازی جزو ریاست بلکہ خاص علامت تمول تھی۔ شان ریاست دکھانے کے لیے رئیس مذکور نے رنڈی بلائی مگر اپنے ناطاقتی۔ جوان رنڈی سے بڑے میاں کا رات بھر بس نہ چلا۔ بھور (صبح) ہو گئی۔ غسل کی ضرورت نہ تھی۔ حضرت اُٹھے وضو کیا نماز پڑھی مگر دل ہی دل میں کھسیانے ہو رہے تھے کہ آج تمام شہر میں "جنس ناکارہ" ہونے کا ڈھنڈورا پیٹ جائے گا۔ آخر اظہار طاقت بدنی کو کھسیان پن کا بدل قرار دے کے مخاطبہ یوں مٹائی "دستو بائی صاحب اپنے دل میں یہ خیال نہ کرنا کہ بندہ بڈھا ہو گیا ہے۔ اور میں ہو ا۔ جوان ہوں گو نیزہ بھر آب ندامت میں ڈوبے کے صبح سامنے چلی آئی۔ یعنی جو یہ گھمنڈ ہے تو ابھی خیریت ہے "بڑے باپ کی بیٹی ہو تو آ نبیڑ کر لو"۔

مؤلف صاحب نے یہ حکایت نہیں لکھی۔ اُنھیں لکھنا چاہیے تھا کہ مثل کسی کا کھسیان پن مٹاتے کے وقت بولی جاتی ہے۔

آ بلا لب مجھے مار۔ یہ محاورہ بھی غیر مسموع ہے۔ لکھ دینا تھا کہ کہاں مروّج ہے۔ "آ بیل مجھے مار" البتہ زبان زد ہے۔

آبے سونٹے تیری باری کان پھوڑ کن پٹی ری۔ نہ محاورہ ہے نہ مثل بلکہ ایک فقرہ ہے جو شیخ چلّی علیہ الرحمہ کو پریوں نے سکھایا تھا۔ شیخ صاحب کی والدہ نے اُن پر زور ڈالا کہ بیٹا کہیں نوکری چاکری کرو۔ شیخ صاحب زادراہ کے طالب ہوئے ماں نے چار روٹیاں سیر بھر آٹے کی پکا کے ساتھ کر دیں۔ شیخ صاحب توکل بر خدا چل کھڑے ہوئے جب گرسنہ ہوئے تو کنویں کی جگت پر بیٹھ کے دسترخوان کھولا چاروں روٹیاں چاروں کونوں پر دسترخوان کے رکھیں اور بڑبڑانے لگے "ایک کو کھاؤں دو کو کھاؤں تین کو کھاؤں چاروں کو کھا جاؤں" اس کنویں میں چار پریاں رہتی تھیں یہ صدا انھوں نے سنی تو گھبرائیں اور سامنے آکے ہاتھ باندھے۔ گڑگڑائیں کہ پیر صاحب رحم کیجیے ہمیں نہ کھائیے۔ لے لیجیے یہ تھیلی طلسمی ہے جس طرح کا کھانا آپ کو درکار ہوگا تھیلی میں ہاتھ ڈال کے مانگ لیجیے گا۔ شیخ صاحب تھیلی لے کے سرائے میں آکے ٹھہرے تھیلی کی یہ کرامت بھٹیاری نے جو دیکھی تو اپنی تھیلی سے بدل لی شیخ جی گھر پلٹے اور ماں سے کہا تو یہ تھیلی اس میں یہ صفت ہے اب میں نوکری کرنے نہ جاؤں گا۔ مگر اُن کی والدہ نے امتحان جو کیا تو معجزہ نہ ظاہر ہوا۔ انھوں نے پھر چار روٹیاں پکا کے شیخ جی سے کہا اب کے پھر کوئیں پر جاؤ اور وہی کہو جو پہلے کہا تھا۔ یہ گئے۔ دوسری پری نے ایک سونے کی مینگنیاں دیتی بکری حوالے کی مگر وہ بکری چرواہے نے بدل ماری۔ تیسری دفعہ سونے کا انڈا دینے والی مرغی ملی وہ بھی پڑوسن نے ہتیالی۔ آخری مرتبہ پری نے ایک سونٹا دیا اور کہا جب تم یہ منتر پڑھوگے "ہوں ہنگے تیری باری کان پھوڑ کن پٹی ماری" تو جس طرف اشارہ کر دوگے بس اُس کے چوتڑوں پر یہ سونٹا برس پڑے گا۔

الغرض اس طلسمی ڈنڈے نے تینوں عجیب چیزیں شیخ صاحب کو واپس دلا دیں پھر انھیں تلاش معاش کی حاجت نہ رہی۔

مؤلف کا یہ لکھنا صحیح نہیں کہ آخری تدبیر کے موقع پر بولتے ہیں۔ یہ کہاں بولا جاتا ہے آیا یہ محاورہ ہے یا مثل ہے؟

(باقی آئندہ)

مراد ــــــــــــــــــ م

ادبار اللغات

الغضب

پندرہ کرور سولہ لاکھ۔ وزیر ہند پر ہتک عزت دائر کرنا کیا ہنسی ٹھٹھا ہے۔ سنتے ہیں کہ ایک شہزادے صاحب کو غالباً وہم ہو گیا کہ میں ہوں سرکاری خیر خواہ مستعد خدمتگزار مجھے پرنس آف ویلز بہادر نے ورود ہندوستان کے زمانے میں پندرہ کرور کی جائداد کا پروانہ اور سولہ لاکھ کا چک عنایت کیا تھا جس کی تعمیل نہیں ہوئی لہٰذا وزیر ہند اس غیر موتے رستم کو ادا کرے۔ یہی وہم قوت سے فعل میں آگیا۔ مگر جائداد کا نقشہ یا چک پاس نہ تھا اس وجہ سے دعویٰ خارج کر دیا گیا۔ افسوس ہے بیچارے شہزادے صاحب کی حالت پہ وہ نہ ہوا یا بھی میسر ہو جائے کہ ہمیشہ خواب ہی دیکھا کیے پھر کو شکے اب زندگی کی ایک شکل یہ بھی نکل سکتی ہے کہ ناکامی پر مغرور رہو جائیں اور خارج شدہ مقدمے کی تجویز کی نقل حاصل فرما کے دُنیا بھر کی زبانی ہمدردی سمیٹتے پھریں۔ شاعر بھی تو ایسا ہی فخر کرتا ہے ؎

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں

ضعیفی ورکر یکی تدابیر

بیٹھے لیٹے اعضا کو حرکت دیتے رہیے ورنہ کبھی قبض اور بدہضمی کی شکایت ہوگی اور بواسیر کا یا دیگر امراض کا اندیشہ۔ اعضا کو کس طرح حرکت دی جائے اسکے واسطے کتاب میں ۱۴۴ تصاویر موجود ہیں قیمت باوجود ان اوصاف کے صرف ۱۲ مـر

ملنے کا پتہ: سنسکھ تیار ک کمپنی متھرا

ایک بی معقولہ ہے لکل حسن را ممن مال و دراس مال الدلال الکذب یعنی ہر ایک کے پاس ایک سرمایہ ہوتا ہے۔ دلال کا سرمایہ جھوٹ ہی ہے ہمارے نو مل دوست مسٹر شوکت علی الرامپوری الدہلوی البمبوی الامریکی ہندو مسلمانوں کے درمیان حق دلالی ادا کر رہے ہیں۔ خدا کرے اپنا قیمتی سرمایہ صرف نہ کریں ورنہ کشتی نہ چلے گی۔

بفضل خدا ہمارے گاندھی جی نے فاقہ کر کے پولیٹکل معرکے میں کم از کم چھ ہفتوں کے لیے خاک اڑا دی۔ اب اخباری کاغذوں میں فاقہ ہی فاقہ دکھائی دیتا ہے۔

شکریہ عالی جناب حاجی محبوب علی خاں صاحب ممبر کونسل گورنمنٹ پنجاب کی ذات بھی ہمارے لیے غنیمت مغتنم ہے جنھوں نے گیارہ خریداروں کے نام اودھ پنچ جاری کرنے کی ہدایت کی اور تین خریداروں کی نقد قیمت بھجوا دی مثل مشہور ہے "سوکھے ٹکڑے بھی تو فاقے میں مزا دیتے ہیں" اس نوازش کا شکریہ بایں نیت ادا کیا جاتا ہے کہ اور دو کے بڑے بڑے بے پروا ہمدرد اس مخلصانہ خدمت کو دائم و......

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قواعد ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

مقدمہ نمبری ۳۳۳
بعدالت مال جناب تحصیلدار صاحب بہادر مقام زینی ضلع بانزہ
پنڈت لالمن ولد باور رام قوم برہمن ساکن بانزہ نمبردار موضع کمتوارہ پرگنہ گروان مدعی

بنام

سو رجدین عرف دیکل مدعا علیہ
بنام سورجدین عرف دیکل ولد گورسی قوم برہمن ساکن موضع اترا بزرگ پرگنہ گروان

واضح ہو کہ مدعی نے تمھارے نام ایک نالش بابت بقایا لگان کے دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۹ ماہ جون ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن بمقام زینی اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوے کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمھاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز جملہ اپنے گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم بنائے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔ اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمھارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۰ ماہ مئی ۱۹۳۳ء کو جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی	مہر عدالت

جب آپ سفر میں ہوں!
تو
مندرجہ ذیل اسٹیشنوں کے ویلر اینڈ کمپنی کے ریلوے بک سٹالوں سے
روزنامہ احسان لاہور
کا تازہ پرچہ صرف ایک آنہ کو خرید فرمائیں جس میں آپکو ہندوستان اور غیر ممالک کی
تازہ بتازہ خبریں۔ پھڑکتے ہوئے راز و نیاز دلچسپ مضامین مطالعہ سے گزریں گے
لاہور پلیٹ فارم نمبر ۲۔۴۔۵۔ وزیر آباد۔ لالہ موسیٰ۔ ملک وال۔ لائلپور۔ جہلم۔ راولپنڈی۔
نوشہرہ۔ پشاور۔ ملتان۔ خانیوال۔ حیدر آباد سندھ۔ کراچی شہر۔ کراچی چھاؤنی۔ سکھر سندھ
روہڑی۔ کوئٹہ۔ بھٹنڈا۔ فیروزپور۔ امرتسر۔ جالندھر شہر۔ جالندھر چھاؤنی۔ لودھیانہ۔ انبالہ
دہلی۔ غازی آباد۔ بریلی۔ لکھنؤ۔ فیض آباد۔ پرتاپ گڑھ۔ بنارس چھاؤنی۔ ٹونڈلہ۔ اٹاوہ
کانپور۔ الہ آباد۔ مغل سرائے۔ پٹنہ۔ بھوپال۔ چیلیرا۔ سکندر آباد۔ اٹارسی۔ جھانسی۔ جے پور
گرانٹ روڈ بمبئی۔ نصیر آباد۔ کھنڈوہ۔ وغیرہ وغیرہ۔
جنرل مینیجر

اودھ پنچ لکھنؤ
رجسٹرڈ نمبر اے ۸۳

REGISTERD Nº A, 783
ظریف ہفتہ وار
مشہور با تصویر
LUCKNOW
OUDHPUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
M B KHAN ARTIST LUCKNOW

اودھ پنچ لکھنؤ جلد ۱۸ نمبر ۱۸

جلد ۱۸ نمبر ۱۸

مضامین

(مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۳۳ء)

نظم

(از حضرت آغا فیض آبادی)

غصے نے اُن کو بیر بہوٹی بنا دیا — فطرت نے رنگ حسن ہمیں پر کھپا دیا
آ پہونچا شیخ تاک کے نئی روشنی کا دور — بیوی کو گھر سے بال میں لا کر نچا دیا
عاشق کی بعد مرگ بھی کی قدر شوخ نے — احوال تین بار پڑھا فاتحہ دیا
انگریزی پڑھکے عشق نے بدلی ہے صورتیں — لیلےٰ کو میم اونٹ کو موٹر بنا دیا
سینس کی بھی قید تھی اور جوش عشق بھی تھا — فرہاد نے غریبی میں پھاوڑا چلا دیا
مجنوں نے پوچھا ناقۂ لیلےٰ کا جب مزاج — وہ ٹھینگا کہ تو کہہ نہ سکا بلبلا دیا

اُس شوخ تند خو کا جو بگڑا کا سمند ناز
آغا نے نیاز کا آسن جما دیا

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۵)

"بابع ما قبل"

آخاہ! اب معلوم ہوا کہ ؎

وہ جو اُستاد فصیح نور ا ہے — اس کے دم کا یہ سب ظہور ا ہے

ہمارا تبصرہ چھٹے نمبر تک پہونچا تھا کہ ایک محترم دوست نے ہمیں نور اللغات کی دو جلدیں عنایت فرمائیں اور ستم یہ کیا کہ مؤلف جامع اللغات کی فروگزاشت زیادہ قابل مواخذہ نہیں اس لیے کہ انھوں نے نور اللغات سے تمسک کیا ہے جب متمسک ہی غلط ہے تو وہ غریب مجبور ہیں۔ انھوں نے یہ خیال کیا کہ ایک ضخیم کتاب لکھنؤ کے ہمسایہ قصبے سے دھوم دھام کے ساتھ شائع ہوئی ہے حکومت نے دو ہزار روپیہ سالانہ سے اعانت کی۔ انجمن اُردو (خدا جانے یہ کہاں رہتی ہے) لکھنؤ نے دو طلائی تمغے عطا و عنایت کیے۔

میسور اور دکن کی ریاستوں نے کتب خانوں میں اس کا رکھنا تجویز کیا۔ محکمہ تعلیم بمبئی اور ڈسٹرکٹ بورڈ لکھنؤ نے اسکولوں کے واسطے اس کی خریداری منظور کی۔ پرنس مرزا اثر یا قدر بہادر مرحوم نے نوحہ گوئی اور کبوتروں کی خدمت سے وقت بچا کے علمی مشورہ دیا اور ریاض خیر آبادی نے مداحی آب آتشیں سے مہلت حاصل کر کے مساعدت فرمائی۔ ایسی حالت میں نور اللغات جس چیز کا نام ہے وہ کوئی بڑی چیز ہوگی جس میں غلطی کو دخل نہ ہوگا۔ کیا ہوا۔ جب کبھی کوئی شخص جو کسی فن سے ناواقف ہوتا اور واقف بننا چاہتا ہے تو آسانی سے دھوکے میں آجاتا ہے۔ چنانچہ ایک تھے تحصیلدار صاحب اُنھیں موسیقی سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ ایسی صحبت میں شریک ہوئے جس میں سب کے سب موسیقی کے ماہر جمع تھے۔ گویا سینہ الاپ رہا تھا۔ تحصیلدار صاحب کو مہارت جتلانے کی ہوس نے جو گھیرا تو ایک دوست سے پوچھا۔ کیوں بھئی یہ کیا گا رہا ہے؟ دوست کو دل لگی سوجھی اُنھوں نے کہہ دیا گُن کلی ہے۔ اتنا اشارہ کافی تھا۔ تحصیلدار صاحب نے گویے سے ارشاد کیا "استاد ننھے خاں ہمیں عمر گزر گئی۔ ایسی گُن کلی جیسی تم آج گا رہے ہو ہم نے نہیں سنی۔ اہا ہا۔ واہ واہ واہ۔ کیا کہنا"

اب تو استاد ننھے خاں نے تیوریاں چڑھائیں۔ کان کھڑے کیے۔ حاضرین محفل نے قہقہہ لگایا کسی نے کہا لال بجھکڑ ہو تو ایسا ہو۔ سبحان اللہ تانت باجی راگ بوجھا۔ ہمارے تحصیلدار صاحب دل میں بہت کھسیے۔ جب قہقہے اور طعنے کسی طرح ختم نہ ہوئے تو جھلائے اور کہنے لگے "اجی میں کیا جانوں اس مسخرے نے جو نام بتایا وہی میں نے بے دیا۔ میں کیا کوئی گویا ہوں؟"

نور اللغات کے مطالعہ کا اشتیاق ہمیں برسوں سے تھا۔ تھوڑا زمانہ ہوا کہ حکیم آشفتہ صاحب پر بعض محاورات سے متعلق چند اعتراض ہوئے تھے۔ نور اللغات کے مؤلف صاحب نے بھی اس بحث میں مداخلت فرمائی۔ بس اسی وقت سے ہمیں بھی شوق نے گھیرا۔ آپ جانیے ایسی کتابوں کی خریداری کا بار جن سے علم میں زیادت و ترقی متوقع نہ ہو جیب پر ڈالنا کیونکر گوارا ہوتا چپ ہو رہے۔ بات گئی گزری لیکن شوق برقرار رہا۔

خدا سلامت رکھے ہمارے ان مکرم دوست کو جنھوں نے دیرینہ حسرت نکال دی الحاصل یک نہ شد دو شد۔

ہم دیکھتے ہیں کہ صاحب جامع اللغات نے اپنے سامنے نور اللغات رکھ لی اور جو بے ڈھنگا عنوان تحریر نور اللغات کے مؤلف نے اختیار کیا تھا اُسی کی پیروی پر کمر باندھ لی۔ جہاں ممکن ہوا وہاں عبارت بدل دی اور جہاں بس نہ چلا وہاں جوں کی توں نقل پر اکتفا کی۔ یا حذف و اسقاط سے کام لیکر عبارت لنڈوری منڈی کر دی۔ ٹیڑھے منہ کی نقل سے اچھا بھلا منہ بگڑنا لازمی ہے۔ کئی اچھے بھلے یوں ہی نقل کرتے کرتے ہکلے تتلے بھینگے ٹھگنے ہو گئے۔ بھلا عیب کی نقل معیوب نہ ہوگی؟

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ صاحب جامع اللغات باہر کے رہنے والے ہیں اُنھیں خبر نہ تھی کہ منقول عنہ معیوب ہے۔ اور نقل را چہ عقل مشہور۔ پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ نقل کرنی کیا ضرور ہے؟ اگر جامع اللغات سے سنسکرت یا انگریزی ہندی لغت کا کام لینا یا ہیا گرفی جغرافیہ اور علم الرجال کی کتاب بنانا مقصود تھا جیسا کہ اُنھوں نے کیا بھی تو علحدہ کتابیں مرتب کر کے نور اللغات کا ضمیمہ تیار کر دیتے۔ اس طرح تطویل لاطائل سے محفوظ رہتے وقت بچتا۔ اور موجھوں پر تاؤ دینے کا موقع بھی آ ملتا کہ اپنا ہی چیز کو

فعل بدل گئی، کسی کی حرکتیں بدلیں کسی کے معنی کچھ سے کچھ ہوگئے۔ ایک ہوشیار محتاط مستند جامع لغات والغاظ کا فرض ہے کہ معنی لفظی حقیقی و معنی خاص و معنی فوری افرادی و اصطلاحی و معنی مجازی میں فرق امتیاز قائم رکھے تاکہ طالب خلط و التباس میں مبتلا نہ ہو۔ پوری کتاب میں (باستثنائے چند) کہیں اس تفصیل سے کام نہیں لیا گیا۔

دیباچے میں مذکرہ متروک الفاظ کا جھگڑے کے خواہ مخواہ کاغذ سیاہ کیا ہے۔ پوچھیے ترک و اختیار کی تفصیل تو خود بخود جب لفظ کے بیان کا محل آتا ظاہر ہو جاتی دیباچے میں اصول لغت کی توضیح یا قواعد مختصر کے ذکر کی ضرورت تھی۔ مثلاً اُردو میں ایک عظیم الشان سلسلہ توابع مہمل کا ہے۔ عربی میں تو یہ تابع مہمل صرف دو ایک حرفوں کے ساتھ آتا ہے مثلاً شیطان بیطان۔ ہرج مرج۔ لیکن اُردو میں متعدد حرفوں کے ساتھ آتا ہے۔ ایک مؤلف لغات کو دیباچے میں اس کا بیان یوں کرنا چاہیے:-

"تابع مہمل" اُس بے معنی لفظ سے مراد ہے جو کسی بامعنی لفظ کے ساتھ (مقدم یا مؤخر) ضم کی جائے۔ یہ دونوں لفظیں بدون حرف عطف کے بولی جاتی ہیں یعنے ان کے درمیان حرف عطف نہیں ہوتا۔ بسا اوقات دونوں لفظیں بامعنے ہوتی ہیں اس حالت میں تابع اپنے اصلی معنی سے عدول کرکے مہمل اور بے معنی ہو جاتا ہے جیسے بول چال۔ جس کے معنی گفتگو کے ہیں یہاں "چال" اپنے اصلی معنی میں نہیں۔ "بول" کے معنے میں مستعمل ہے۔

اُردو میں تابع مہمل اگر متبوع پر مقدم ہو تو ہمیشہ الف کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے ایرے غیرے جس سے مراد صرف اغیار یا غیر ہے۔ اَغل بَغل آر پار۔ اینڈا بینڈا۔ ایرے پھیرے۔ وغیرہا۔ کبھی "ہ" کے ساتھ بھی آتا ہے جیسے ہیرا پھیری ہیر پھیر۔ مگر ایسے الفاظ کم ہیں۔

اگر متبوع پر مقدم نہیں تو مختلف حروف کے ساتھ مستعمل ہے:-

ب۔ (بائے ابجد موحدہ تحتانی) کے ساتھ مثلاً "ٹالا بالا دینا" ٹالے بالے بتانا۔ اس سے مراد ہے کسی فرمائش کو ٹال دینا۔ "بالا" یہاں مہمل ہے یا دیکھا بھالا میں "بھالا" مہمل ہے۔

پ۔ (مثلثہ فارسی تحتانی) کے ساتھ مثلاً "مکند بھا لوٹ پوٹ کے اٹھ کھڑا ہوا"۔ پوٹ مہمل ہے۔ لوٹ سے مطلب ادا ہو سکتا ہے لیکن بغیر تابع مہمل کے بولتے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اسی طرح "اُلٹ پُلٹ" اور بعض اشخاص کی رائے ہے کہ پلٹ کی پ مفتوح ہے اور دونوں بامعنی لفظ ہیں جو ساتھ ساتھ بولے جاتے ہیں۔ لیکن اہل زبان سے ہمیشہ اُلٹ پُلٹ بضم پائے فارسی مسموع ہوا)۔ لدا پھندا وغیرہ۔

ت۔ (قرشت) کے ساتھ۔ مثلاً مڑا تڑا اترا وترا۔ شاعر کہتا ہے ؎

جو یوں ہی مڑا وڑا اترا وڑی رہے گی
تو کاہے کو انگیا ماگوڑی رہے گی

الگ تھلگ۔ تڑا وڑا: و رتھلگ دونوں مہمل ہیں وغیرہا۔

ٹ (ہندی) کے ساتھ۔ مثلاً ہوتگے "ماموں ٹاموں"۔ ہم نہیں جانتے کون سی خالہ ٹالہ"۔

ج۔ (ابجد) کے ساتھ۔ مثلاً "سونا جھونا" فلاں بیگم سونے جھونے سے لدی پھندی آئیں۔ وغیرہ۔

چ۔ (مثلثہ تحتانیہ فارسی) کے ساتھ۔ مثلاً "حال چال" "کہو کیا حال چال ہے"۔

د۔ (ابجد) کے ساتھ مثلاً رونا دھونا "پکڑا دھکڑا" وغیرہ

ڈ۔ (ہندی) کے ساتھ۔ مثلاً "اُچھال ڈھال" وغیرہ۔

س۔ کے ساتھ مثلاً "اُترا اُسرا" "رہنا سہنا"۔ یہاں سہنا مہمل ہے اگرچہ بجائے خود بامعنی ہے۔ وغیرہ۔

ک۔ (کلمن) کے ساتھ۔ جیسے "مٹی کٹی" وغیرہ۔

گ۔ (عجمی) جیسے "باجا گاجا" وغیرہ۔

م۔ کے ساتھ جیسے جھوٹ موٹ وغیرہ۔

(الفاظ بہت ہیں کاغذ میں گنجائش کم۔ پہلے سوچا تھا نہیں ورنہ ترتیب و تفصیل کے ساتھ لکھتے اور سنیے تو حضرت میرا اس محنت سے فائدہ کیا؟ نہ حکومت قدردان ہے نہ رعایا۔ یہ ہنر مند ال (انیجانب) مُرفہ ہوگیا بجائے ایشان گرفتند۔ یہ تو خالی دل لگی ہے)

یہ ضروری نہیں کہ تابع متبوع کے ہم وزن ہو۔ یا تشابہ رکھتا ہو۔ سڈول ڈول۔ سکا آنا پٹیا۔ تم دھاگا۔ موڑ کے دیتا بولتا اٹھنا۔ وغیرہا کے تابع و متبوع میں کوئی اشتقاقی رشتہ نہیں۔ نہ ایک دوسرے کے وزن پر ہے۔

ایسے مرکب الفاظ بھی ہیں جن میں اشتقاقی رشتہ محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً چھوڑ چھاڑ کے الگ ہوگئے۔ یا بڑی دھوم دھام تھی۔ چھیڑ چھاڑ چلی جاے پھیر پھار کی بات ہے۔ لاج لو جی بہت کی۔ پوشاک ٹیم ٹھیک ہے۔ شادی کی ٹھیک ٹھاک کی۔ دامن جھاڑ جھوڑ کے چپت۔ دھارم دھار رولے۔ وہ دولی کھا کھو کے چلتے ہوئے۔

ایسے دو مہمل الفاظ بھی ہیں جو بحالت ترکیب ایک خاص مستقل معنی پیدا کر لیتے ہیں۔ زمین بھی ہیں جیسے آئیں بائیں شائیں۔ حالانکہ بحالت انفرادی دونوں میں سے کوئی بھی معنی دار نہیں۔ مثلاً جھکوں پھنوں روتی تھی۔ چکر مکر دیکھ رہے تھے۔ ٹانکا ٹوئکہ۔ نزا باندھا۔

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(حسب ذرہ ۵ رول ۲ ضابطہ دیوانی)

مقدمہ نمبر ۳۳ سنہ ۱۹۳۳ء

اجلاس جناب خان بہادر منشی علی حسن خانصاحب بہادر آنریری منصف مقام گڈھی صمدآباد ضلع پرتاب گڈھ

رام کمار ولد ٹھاکردین برازساکن بازار کنڈہ وگنج پرگنہ وضلع پرتاب گڈھ مدعی

بنام

سکھنندن ولد لامعلوم قوم لوہار ساکن موضع بوڑھیمپور لگو کھاڑی پرگنہ رامپور تحصیل کنڈہ ضلع پرتاب گڈھ مدعا علیہ

بنام سکھنندن ولد لامعلوم قوم لوہار ساکن بوڑھیمپور لگو کھاڑی پرگنہ رامپور تحصیل کنڈہ ضلع پرتاب گڈھ

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت دلاپانے مبلغ [illegible] تحصیل مذکور کے دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۵ جولائی سنہ ۱۹۳۳ء بوقت دس بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے بخوبی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوی مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کی تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جوابدعوے کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔ مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہاری مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۱۹ ماہ مئی سنہ ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

مہر عدالت	دستخط حاکم بحروف انگریزی

اول جلول بات کا جواب کون دے۔ اول فول بکنے
ـ فائدہ ؟ ۔ جی رانگا تانگا ہوا تا ہے مجھے جھکتے
کیا ہوگا شیخ جی الٹے سیدھے پھرتے ہیں سالمہ کپڑے بہتر تیری کرنے
میں انھیں لستے لیٹے نہیں کرسکتی تم تو بہتر سے بہتر ہوگئے ہو
دلشبلکہ بہتر ابہتر سے اعوذ ہوا نے لیونے جلادم طلب منچ
جیسے جھکی سنہ نہیں۔ اس طرح کی صد ہا مثنیاں ہیں۔ سمجھ میں
نہیں آتا کہ ان کی صورت ترکیبی کیونکر وجود میں آئی۔
اسمائے اصوات مثلاً دھڑ ادھڑ۔ جھا جھم۔
کھٹا کھٹ۔ دھڑ دھڑ۔ کھٹ پٹ۔ جھیں جھیں
ٹھن ٹھن وغیرہ۔ کہ ان میں سے ہر ایک کسی خاص
قسم کی آواز کے لیے مستعمل ہے اور یہ ہر زبان
میں ہیں بلکہ علمائے اصول لغت قائل ہیں کہ مبتدائے
جمیع اسما یہی آوازیں ہیں تمام الفاظ انسانی کا منشا
انھیں آوازوں کو کہنا چاہیے۔ تمہید میں کچھ تھوڑی
سی روشنی اس مسئلہ پر بھی مؤلف صاحب کو ڈالنی
چاہیے تھی۔

خیر اس قسم کے مشورے تو ہم سلسلۂ مضمون میں
برابر دیتے رہیں گے۔ یہ مضمون کوئی آج تو ختم
ہوتا نہیں۔ اوپر کی سطروں میں ہم نے "اخوت" کے
مقدمے کا ذکر کیا ہے اب ایک فرضی مقدمہ "نور اللغات"
کے افادات واہیہ کی بنیاد پر یہاں کھڑا کرتے ہیں تاکہ
مطلب زیادہ واضح ہو جائے۔

فرض کیجیے ہم نے لکھا "ڈپٹی کمشنر صاحب تھوڑی
دیر میں ہم سے آملے"۔ ڈپٹی کمشنر صاحب ہیں خالص الخاص
انگریز۔ اور ہم سے کسی قدر ناراض بھی۔ انھوں نے
اٹھائی نور اللغات کی جلد "آملنا" کے معنی ملاحظہ
فرمائے۔ ایک معنی تو اس کے "ملاقات کرنا" ہیں اور
دوسرے معنی "قالب اور صورت بدل کے کسی
رنگ میں مل جانا"۔ انھوں نے جھٹ سے دعویٰ دائر
کر دیا۔ کہ "ول مسٹر ادبار تم ہم کو بہروپیا بنایا"۔
اچھا ہم ڈفاد (دفعہ) پانسو کا مکدما (مقدمہ) چلانا مانگتا"۔
ہم نور اللغات کا مالک مکدما چلانے سکتا۔

لیجیے جناب آگئی شامت۔ مکدما (مقدمہ) چل گیا۔ ہم
لاکھ عذر کرتے ہیں کہ جناب۔ مجسٹریٹ صاحب
"آملنا" کے ہرگز یہ معنی نہیں۔ نور اللغات چڑیل

جھک مارتی ہے۔ نسیم نے بھی اس شعر میں ؎

جادو سے بنی وہ آدمی زاد
انسانوں میں آملی پری زاد

آملی کے معنی "آکے مل گئی" لیے ہیں۔ ابھی مجسٹریٹ
صاحب قسم بکاولی کی "آملنے" کے معنی روپ بدلنے
کے نہیں۔ یہاں تو شاعر نے واقعہ پورا بیان کر دیا
ہے۔ چاہیے "آملی" کہیے چاہے "مل گئی"۔ لفظ
نے اپنے معنی نہیں بدلے تو ائی مطلب جو ترکیب
الفاظ سے پیدا ہو۔ لغوی مطلب سے بالکل جدا گانہ
ہوتا ہے۔ حضور حوالہ دیوانی کی مار پڑے۔ جو
جھوٹ کہتا ہو۔

گر بھلا بھی ہوئی اور حکومت کی منظور کی ہوئی
لغت کے آگے کس کی چلتی ہے۔ "اونو نو نو نو"
خدا غارت کرے اس نونو نو نو کو اور جہنم میں جائے
یہ لعنت مردار۔ لو بھائیو۔ بھتیجے اور بڑے بھتیجے
خدا حافظ ــــــ

(باقی آئندہ)

راف ــــــــــــ ھ

ادبار اللغات

✕

پنچ ل خدا ـ خدا ل پنچ

"ٹھنڈ کیا اور ٹھائیں ٹھائیں"

"چھپا سے چھپا سے کے ٹھاکر کا ناس مارن"

محرم کے زمانے میں مرثیہ خوانوں کی ٹولیاں گدائی پر
نکلتی اور قصبوں قریوں میں پھر کے جہاں [illegible]
وصولی رہا کرتی تھیں۔ اب نہ تعزیہ دار [illegible] تنا

رواج ہے نہ مرثیہ خوانوں کی اتنی افراط۔ چنانچہ
نقل ہے کہ لکھنؤ کے تمام مرثیہ خوانوں کا ایک
گروہ ایک تعلقدار ٹھاکر (نام لینے کی ضرورت نہیں)
کے یہاں اس طرح بیاباں میں وارد ہوا جیسے جاڑوں
کے موسم میں قازوں کا جھنڈ۔
ٹھاکر صاحب پر وہٹے ڈیوڑھی میں تشریف رکھتے
تھے۔ نو وارد اجنبی جماعت کو دیکھ کے مستفسر ہوئے
"کاہے ہو! آپ لوگ کہاں چلے"۔ جواب ملا "حضور
خدا سلامت رکھے ہم لوگ مرثیہ خوان ہیں محرم
کی فصل ہے۔ جہاں کہیں تعزیہ رکھا ہوگا وہاں
مرثیہ پڑھ کے ثواب حاصل کریں گے اور جو کچھ مقدور
کا ہوگا لے کے چلے جائیں گے"۔
ٹھاکر "تو صاحب! تعزیہ ہمرے یہاں بھی رکھا
جات ہے۔ آپ کی مرضی ہوئے تو ہیں ڈیرا ڈال دیں۔
تین دن تا بیچے داری ہوت ہے۔ تہہسا (تم) مرثیہ
پڑھیں جون ہم کا مؤسر (میسر) ہے حاضر کرب"۔
بستر کھل گئے۔ منسے (مرثیے) پڑھے جانے لگے۔
آپ جانتے ہیں گلے باز کی قدر کہاں نہیں۔ ٹھاکر صاحب
نے خوب مدارات کی۔ اتفاق کی بات کہ آخری
شب کو ٹھاکر صاحب ہیضے کی بیماری میں مبتلا
ہو کے دار البقا سدھارے۔
کسی معلول کی غیر حقیقی علت قائم کر لینا دن کا رات
پر وکار (؟) ہندوستانیوں کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے
اور بڑے بڑے عقائد کی بنیاد اسی بنا پر محکم
پر قائم ہے۔ لہذا ٹھاکر صاحب مرحوم کی علت انتقال

برآمد زر کی بندش

رزیڈنٹ روزولٹ: مومانی خانم صاحب! آپ بھلے اپنا گھر بھلا۔ گھر میں بیٹھو۔ سچ پوچھو تو ہم نے [illegible]

ایک مقتدر خاتون کارخانہ ہذا کی فہرست ملاحظہ کرنے کے بعد عطروں کے انتخاب پر غور فرما رہی ہیں۔

اپنی سنجیدہ اور متین تحریرات، بلند پایہ علمی سیاسی اور میکانک مقالات، دلچسپ افسانے، معیاری نظمیں، اعلےٰ ظریفانہ مضامین ہر ہفتہ کابل ۶۴ صفحے کے تازہ بہ تازہ رنگین فوٹو بلاک، دیدہ زیب رنگین ٹائیٹل، دبیز کاغذ اعلےٰ لکھائی چھپائی اور اپنی ضخامت کے اعتبار سے

ہندوستان بھر کے ہفتہ وار اخباروں میں

امتیازی شان رکھتا ہے

قیمت باوجود ان خوبیوں کے صرف ۳ روپے سالانہ ۲ شش ماہی اور ۱ روپے سہ ماہی مقرر ہے نمونہ کا پرچہ مفت طلب فرمائیے۔ اعلیٰ طبقہ میں بہت مقبول ہے اس لئے دستور میں اشتہار نہایت کامیاب ثابت ہوتا ہے۔

منیجر اخبار دستور کوچہ چیلان دہلی

روزانہ

ہند جدید

کلکتہ سے نکلتا ہے۔ مگر ہندوستان کا کوئی حصہ نہیں جہاں شوق و دلچسپی سے نہ پڑھا جاتا ہو وجہ یہ ہے کہ نہایت اہتمام و قابلیت سے مرتب کیا جاتا ہے۔ روزانہ ہے، مگر تازہ ترین خبروں کیساتھ اتنے مضامین ہفتہ بھر میں شائع کرتا ہے کہ کسی ہفتہ وار میں بھی مل نہیں سکتے مضامین کی بلندی کے بارے میں کچھ کہنا بے سود ہے۔ چند نمبروں کے مطالعہ ہی سے اندازہ ہو جائے گا۔ روزانہ بالالتزام اسلامی دنیا کے تازہ ترین سچے حالات بھی شائع ہوتے ہیں۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ چند نمبر پڑھنے کے بعد آپ ہمیشہ کے لئے اس اخبار کے دلدادہ ہو جائیں گے۔ نمونہ مفت طلب کیجئے۔ بنگال، برہما، آسام اور بہار میں خصوصیت کیساتھ اشتہار دینے کا بھی بہترین ذریعہ یہی اخبار ہے۔ سالانہ چندہ للعہ ششماہی مہ سہ ماہی للعہ

منیجر ہند جدید نمبر ۲۸/۱ چترنجن ایونیو۔ کلکتہ

اُن کے صاحبزادے سلطان اقبال نے یہ قرار دی کہ مرثیہ خوانی دستور سابق کے خلاف تھی اسی نے ٹھاکر صاحب کو لقمۂ اجل بنایا۔ یہ خیال دل میں آتے ہی دوران گریہ وزاری میں ملازم خاص کو حکم ملا:۔

"سٹ اسے گر دیا۔ او گر دیا۔ ان سارے نہتّا کمائن کا گنیس لے سنسر چھاپے چھاپے کے بجے ٹھاکر کا ناس مارن [illegible] سارن کا بند کیا رے کے ہو ہو ہو ہو ہو ہو دگر یہ [illegible] سے اڑوا دیب۔ ہو ہو ہو ہو" انا للہ الاغرب مرثیہ خوانوں کی آنکھوں میں مقتل کی تصویر پھر گئی۔ سمجھے زمین ماریہ دکربلا ہی ہے۔ نہ تو کہیے گردیال بیچارہ قسمت خوب باعمل نیک کی طرح آڑے آیا کہ راتی رات ان سب کو اس نے رخصت کر دیا ورنہ "ٹھائیں دے نی" اڑجانے میں کسر ہی کیا رہ گئی تھی۔

جس طرح ٹھاکر کے ارتحال کی علت مرثیہ خوانوں کی چچاہٹ بنی۔ اسی طرح بعض محترم اخبار نویسوں کے نزدیک ہر شورش جو کسی ہندوستانی ریاست میں برپا ہوتی ہے خواہ وہ کتنی ہی بے اصل اور خواہ مخواہ ہو والی ریاست کو "ٹھائیں دینی" بندوق کا نشانہ بنا دینے کا مستحق قرار دیتی ہے۔

ہم ریاستوں کے حالات سے زیادہ باخبر نہیں۔ نہ رئیسوں کے زخم کو مکھی کی طرح ڈھونڈھتے پھرتے ہیں کہ اس پر بسیرا کرکے کبھی مواد چوسیں اور کبھی ننھے ننھے ہاتھوں سے بھن بھنا کے سر پیٹیں۔ ہماری رائے پہلے بھی یہی تھی اور اب بھی یہی ہے کہ یہ بے پرواہ اور خودسر والی ریاست کیسے ہی بدرویہ ہوں پھر بھی بساغنیمت ہیں اور اب تو چند ریاستوں کے نوری انقلاب نے ان کا استوالاین دور کر دیا ہے۔ وہ کم و بیش اصلاح پر مائل نظر آتی ہیں۔ ممکن ہے کہ خواہ مخواہ کی اخباری شورش ہی راہ اصلاح میں دیوار فاصل بن جائے۔

ہم نے ان اخبار نویسوں کی روش کو دو قسموں پر منقسم پایا۔ ایک تو وہ جن کا شیوہ محض خوشامد ہے۔ یہ سال بھر میں دو چار نمبر مشتمل بر خوشامد نکال کے انعام کا حق لے مرتے ہیں نہ یہ صاحب رائے ہیں نہ بجز خوشامد نامے یا اختلاف حال نوحہ نامے شائع کرنے کے انھیں کچھ آتا ہے دوسرے گروہ جو صاحب رائے ہیں لیکن کسی مصلحتی انتقامی خواہش کی ماتحتی میں اپنے اصلی فرائض فراموش کر دیتے ہیں ایک "بندگیا" جیسے قلم ان کے ہاتھ میں ہے اور ایک "بندگیا" جیسے

استبدادی سانپ (علاء الدین کانفرنس)

جرمنی بازیگر ہٹلر

ہات تمہارے کی موذی ہو۔ تمہاری ایسی تیسی

بدرۂ زر والی ریاست کے قبضے میں ہے۔ دونوں اپنی اپنی گھات میں ہیں۔ کشمیر سے جو ٹھائیں کی آواز آئی پہلے تو پولیٹیکل حقوق کی بارود اس میں کارفرما تھی۔ بعد ازاں اخباری "بندگیا" نے اس میں مذہبی گولی بھر دی۔ اب سوال برطرف کیا ہے مسلمانوں [illegible] کے زیر اہتمام وہاں سے متعدد [illegible] ہو رہے ہیں ان کے ملاحظے سے بالکل آشکار ہو گیا کہ مذہب کو اس لڑائی میں بالکل دخل نہ تھا۔ اس کے بعد الور کی "بندگیا" چھتیائی گئی اس میں بیشک مذہبی بارود بھری تھی۔ مسجدیں چھین اپنا قبرستان کو

قبضہ۔ عربی اور اردو پڑھنے پڑھانے کی ممانعت۔ ٹیکسوں کی بھرمار اور اسی طرح دیگر حرکات بوزنیگی ہرگز برداشت کے قابل نہ تھے۔

کشمیر تو اب محفوظ ہے اور غالباً محفوظ رہے گا لیکن الور "ٹھائیں دے نی" اڑ گیا۔ مدتوں میں حالت سدھرے گی۔

بہاول پور۔ اودے پور اور دوسری کئی ریاستیں بچپاہٹ کے نذر ہونے والی ہیں۔ ہمارے مکرم دوست "ریاست دہلی" کی "بندگیا" نے بھوپال اور حیدرآباد دکن کو تاکا ہے۔ خیر بھوپال کی قحط الرجال اور بدنظمی کا افسانہ اگر شمہ تو یہی ہے کہ ریاست دہلی کے مقابلے میں اسے منھ کی کھانی پڑی لہٰذا اسے خواہ مخواہ حق حاصل ہے کہ بھوپال کے خلاف جو منھ میں آئے کہے لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ "حیدرآباد دکن" کی مخالفت کس علت پر مبنی ہے۔ کون سا ترقی کا میدان ریاست نے غیر مسلم رعایا کے واسطے بند کیا؟۔ کتنی مذہبی عمارتیں ضبط کیں؟۔ کس مندر و معبد کی مدد نہیں کی جاتی؟۔ رعایا میں تعلیمی مساوات و آسانی کے خلاف کیا ثبوت ہے؟۔ کیا قانون میں مسلمانوں کو ترجیحی درجہ دیا گیا ہے؟۔ کیا کوئی ایسا ٹیکس رعایا پر بندھا ہوا ہے جو تحمل کے قابل نہ ہو؟۔ کیا رئیس زن مرید اور تماشبین فضول خرچ اور مسرف ہے؟۔ کیا وہاں سنسکرت یا دوسرے مذہبی علوم کی درس و تدریس کی ممانعت ہے؟۔ کیا رفاہ عام کے کاموں میں فیاضی کے آثار موجود نہیں ہیں؟ ہم تو کہتے ہیں کہ جتنی علامتیں آسودگی کی حیدرآباد میں نظر آتی ہیں کہیں اور ان کا عشرعشیر بھی دکھائی نہیں دیتا۔ پھر یہ بندگیا کی ٹھائیں کس بنیاد پر آمادہ بہ عناد ہے۔ اگر ٹھکانے سے رعایا ابھری تو کیا ہاتھ لگے گا؟۔

یہ سوال بھی پیش ہوا اور اس تکمیل سے رہ گیا کہ بلا زمین ریاست میں غیر مسلم رعایا کی کمی ہے۔ لہٰذا ایڈیٹر دیال کا

گینس لے۔ بھور میں سب کا بند کیا ہے اڑوا دے۔ یہ
کی صدا بالکل بے بنیاد بلکہ مبنی بر فساد نیت معلوم ہوتی
ہے۔ کم از کم ہمیں ریاست دہلی سے یہ امید نہ تھی کہ
ہر ہفتے میں دو مہند و مہا سبھا کو زبردستی مرد میدان
بننے اور بندگیا چلانے پر ابھارے گا۔ نظام
حیدر آباد کی ذات سے ہندو رعیت کو کسی قسم کا
نقصان نہیں پہونچا۔ بغاوت بھی کسی مضبوط دلیل
کی محتاج ہے۔ اگر فی الواقع ہندوؤں کو حکومت نظام
سے کوئی واجبی اور جائز شکایت ہے تو ہندو مہا سبھا شریفانہ
طریقے سے مطالبہ کر سکتی ہے اور اس مطالبہ کا جواب جلد دیا
جائے گا اس کا ہم ذمہ لیتے ہیں۔
کسی مذہبی جس کو بلا وجہ ابھارنا اخلاقاً درست ہے نہ
قانوناً۔ اور اگر حیدر آباد کے متعلق جائز ہے تو پھر برٹش انڈیا
میں بھی جائز ہونا چاہیے۔ فوج میں بھرتی کیجیے اور لڑئیے
بشرطیکہ قانون فساد انگریزی و منافرت حائل نہ ہو
اور برٹش انڈیا جسے اپنی رعایا کے جان و مال کا محافظ ہونا
چاہیے اس طرح کی خونریزی جائز رکھے۔

ہمیں افسوس ہوا اور بہت افسوس ہوا کہ مہاراجہ
الور عذر و دیدلوانے کے بعد بھی بندگیا کے نذر ہو گئے۔
سنا ہے کہ تین روپیہ روز اپنے کھانے کے اُنھوں نے
مقرر کر لیے ہیں حکومت برطانیہ انھیں تین لاکھ روپیہ
سالانہ دینا چاہتی ہے بشرطیکہ وہ ریاست سے
"ٹھالیں دے نی" اُٹھ جائیں پچیس ہزار ماہوار
کی بہ نسبت تو نٹے روپیہ ماہوار بہت ہوتے ہیں۔
کیوں؟ اس لیے کہ "گھر کے فاقے بھلے" یہ بھی خبر
ہے کہ اُنھیں چوبیس گھنٹے کے اندر اپنی ریاست
کے حدود سے باہر نکل جانا چاہیے۔ غالباً اب
تک نکل گئے ہوں گے۔
آہ کاش وہ مسلم ہوتے تو ہمارے خلیفہ شوکت
بخوشی صرف آدھی تنخواہ یا پنشن لے کے اپنا منصب
انھیں عنایت کر دیتے یعنی خود خلع خلافت فرما کے
انھیں اپنا جانشین بنا دیتے۔ مگر مجبوری ہے
کہ اُن میں روحانیت کی قلت ہے۔

جب آپ سفر میں ہوں!

تو

مندرجہ ذیل اسٹیشنوں کے ویلر اینڈ کمپنی کے ریلوے بک سٹالوں سے

روزنامہ احسان لاہور

کا تازہ پرچہ صرف ایک آنہ کو خرید فرمائیں جنہیں آپکو ہندوستان اور غیر ممالک کی تازہ بتازہ خبریں۔ پھڑکتے ہوئے راز و نیاز دلچسپ مضامین مطالعہ سے گزریں گے

لاہور پلیٹ فارم نمبر ۲۔۴۔۵۔ وزیرآباد۔ لالہ موسیٰ۔ ملک وال۔ لائلپور۔ جہلم۔ راولپنڈی۔ نوشہرہ۔ پشاور۔ ملتان۔ خانیوال۔ حیدرآباد سندھ۔ کراچی شہر۔ کراچی چھاؤنی۔ سکھر سندھ۔ روہڑی۔ کوئٹہ۔ بھٹنڈا۔ فیروزپور۔ امرتسر۔ جالندھر شہر۔ جالندھر چھاؤنی۔ لودھیانہ۔ انبالہ۔ دہلی۔ غازی آباد۔ بریلی۔ لکھنؤ۔ فیض آباد۔ پرتاب گڑھ۔ بنارس چھاؤنی۔ ٹونڈلہ۔ اٹاوہ۔ کانپور۔ الہ آباد۔ مغل سرائے۔ پٹنہ۔ بھوپال۔ بھیلسا۔ سکندرآباد۔ اٹارسی۔ جھانسی۔ جے پور۔ گرانٹ روڈ بمبئی۔ نصیرآباد۔ کھنڈوہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

جنرل منیجر

آجکل بھی تجارت کامیاب ہو سکتی ہے

بشرطیکہ

آپ اپنی تجارتی چیزوں کا کافی اشتہار ایسے اخباروں میں شائع کرائیں جو ملک میں عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ دیسی چیزوں کا اشتہار صرف انہیں اخبارات میں کامیاب ہو سکتا ہے جو دیسی کی ترقی کے حامی ہیں اس قسم کے اخباروں میں الجمعیۃ کی حیثیت بہت ممتاز ہے ایک کارڈ لکھ کر اجرت اشتہارات کا نرخ دریافت کیجئے۔

منیجر صیغہ اشتہارات اخبار الجمعیۃ دہلی

نمونہ مفت

سہ روزہ (مدینہ) روزانہ

مدینہ

بجنور

۱۔ ۲۲ سال سے نہایت آب و تاب اور کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ ملک کے ہر گوشہ اور ممالک غیر میں بکثرت جاتا ہے۔

۲۔ سرزمین ہندوستان و بیرون ہندوستان کی تازہ ترین خبریں اور انگریزی عربی فارسی اخبارات کا خلاصہ علاوہ جلد شائع ہوتا ہے۔

۳۔ مدینہ اشتہار دینے کا بہترین اور کامیاب ذریعہ ہے

۴۔ مدینہ محنتی اور دیانتدار ایجنٹوں کے لیے بہترین روزگار ہے کمیشن معقول دیا جاتا ہے قواعد ایجنسی طلب فرمائیں۔

قیمت روزانہ

مدینہ } ... ...

قیمت سہ روزہ

مدینہ } سالانہ ... ششماہی ... سہ ماہی ...

رسالہ غنچہ ملک کے بچوں اور بچیوں کے لیے شائع ہوتا ہے۔ علم کا خزانہ اخلاقیات کا ذخیرہ۔ قیمت سالانہ ...

ملنے کا پتہ:۔ محمد مجید حسن مالک اخبار مدینہ بجنور (یوپی)

جلد نمبر ۷ نمبر
اودھ پنچ لکھنؤ
رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

وسعتِ عمل ...

REGISTERD № A, 783
ظریف ہفتہ وار
مشہور باتصویر
LUCKNOW
OUDHPUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
अखबार अवध पंच लखनऊ
OUDH PUNCH
PUNCH
M B KHAN ARTIST LUCKNOW

جلد ۱۸   نمبر ۱۹

مضامین

(مورخہ ۵- جون ۱۹۳۳ء)

نظم

(از حضرت فرزاد شاعر غمگین یگانہ احمق پھپھوندی)

اک زمانہ ہو گیا دل کی تمنا دل میں ہے   مدتیں گزریں کہ یہ لیلیٰ اسی محمل میں ہے
شیخ کا سا مفلس و قلاش بھی کونسل میں ہے   حیف اس پر جو ابھی اس سعی بے حاصل میں ہے
جس کو ہوگا اس کو ہوگا جان کے جانے کا غم   ہم تو خوش ہیں سر ہمارا دامن قاتل میں ہے
غیر ہی کو موت ماضی پر مبارک ہو یہ رقص   حال جدا اپنا تو پنہاں لحن مستقبل میں ہے
اب دم بسمل تڑپنے کی ملیں گی لذتیں   مژدہ باد اے دل کہ خنجر ابھی کف قاتل میں ہے
غور سے یوں دیکھئے ۔ اے کسی کے سر کی چوٹ   زخم وہ بھی تو ذرا دیکھیں جو میرے دل میں ہے
اے قضا فرصت میں آنا چاہیے مجھ کو ابھی   روح ہماری حساب ایکڑ و ڈسمل میں ہے
تھا کا غم نوکری کی فکر بچوں کا خیال   سچ تو یہ ہے بھائی صاحب زندگی مشکل میں ہے
آپ چاہیں تو نکل سکتی ہے دل کی آرزو   آپ مشکل ہیں کہا ہے تو وہ مشکل میں ہے
میری عرضی تو کبھی کی داخل دفتر ہوئی   غیر کی درخواست سنتا ہوں ابھی فائل میں ہے

ہو گئی پشتوں سے حاصل اس کو اعزاز وفا
مدتوں سے یہ خمیر احمق کی آب و گل میں ہے

نا منطقی اسکیم بنام گاندھی جی

بھیا ۔ بندگی ۔ لے ہے کیا دل گھبراتا تھا جب سنتی تھی کہ تم نے کئی دن سے کچھ نہیں کھایا ۔ دھجی کی طرح پلنگ پر پڑے ہو ۔ ہڈی چمڑا ایک ہو گیا ہے ۔ جو آتا ہے دیکھتا ہے کڑھتا ہے اور بسورتا ہوا رخصت ہوتا ہے ۔ اخباری کا غذادہ بھی آدمی جان کیے لیتے تھے ۔ آج کیا ہے ڈیل کا وزن آدھ سیر گھٹا ۔ کل سیر بھر گھٹا ۔ پرسوں ڈیڑھ سیر خشک ہوا ۔ ادھر تم سوکھتے جاتے تھے ۔ ادھر مجھے قلق ہوتا تھا ۔ لاکھ لاکھ ذہن پر زور دیتی تھی کہ آخر یہ کیا معاملہ ہے ۔ بدکاری کرے دنیا اور فاقے کرو تم ۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ "اپنے بچے کو اتنا ماروں کہ پڑوسن کا دل دکھے" بھلا پڑوسن کا دل کیوں دکھنے لگا تھا ؟ ۔ اپنے بچے کو مار کے اپنا ہی دل دکھے گا ۔ جو پڑوسن ایسی ہی نرم دل ہوتیں تو تمھاری باتیں کیوں اس کان سنتیں اس کان اڑاتیں ۔ جو تم نے کہا تھا اس پر عمل نہ کرتیں ؟ ۔ اور کیا اب تمھارے اتنے فاقے کرنے سے پڑوسن نے اپنی مت پلٹ دی ہوگی ۔ ارے توبہ ! ایک طرف تم فاقے کرتے تھے دوسری طرف پرجا اور اچھوتوں کے خلاف جلسے کیے جاتے تھے دو چار تمھارے ہم خیالوں کے علاوہ باقی کوئی پنڈت اتنی بات کا بھی روادار نہ ہوا کہ اچھوت اُن کا پنڈا اچھوے ۔

رہی یہ بات کہ اس فاقہ کشی کی بدولت ہندوستان کی ادنےٰ امتیں تمھیں مانتے لگے گی تو بھیا اس کے لیے خواہ مخواہ فاقہ کشی کی ضرورت نہیں ۔ ادنیٰ امت یوں ہی تمھیں اپنا پیشوا مانتی ہے ۔ کاہے کو اپنی ننھی سی جان دیے ڈالتے ہو ۔

خیر جو کچھ ہوا اچھا ہوا ۔ کل بل ٹل گئی تم پلنگ پر لات مار کے اُٹھ کھڑے ہوئے ورنہ ملک میں اندھیر ہو جاتا ۔ خدا نہ کرے کہ پھر وہ گھڑی آئے جو تم فاقوں پر اتارو ہو جاؤ ۔ دیکھو اتنے ہی دنوں میں دنیا کی چہل پہل آدھی رہ گئی ۔ کوئی آنکھیں نکالتا ہے کہ نافرمانی کا ڈھچر خاک میں مل گیا ۔ یہ عارضی تعطیل نہیں ہمیشہ کے لیے الوداع ہے ۔ بابو سبھاش چندر الگ تیوریوں پر بل ڈالے بیٹھے ہیں اور وی جی پٹیل جدا آنکھیں پٹ پٹا رہے ہیں ۔ کوئی کہتا ہے کہ گاندھی جی سٹھیا گئے ہیں انھیں پولیٹیکل باتوں کی باریکیاں سمجھائی نہیں دیتیں ۔ کہو یہ بھی کوئی روٹھنے بگڑنے کی بات ہے ؟ ۔

نافرمانی کا چرخا نہ کبھی چل سکتا تھا نہ اب چل سکے گا ۔ ساری دنیا اپنے قاعدے کو چھوڑ بیٹھے یہ تو ناممکن ہے ۔ خدا رکھے مولانا اودھ اودھ پنچ کو جب انگریزی تعلیم ترک کر دینے کا ہڑا ہوا تھا اس وقت بھی انھوں نے اودھ پنچ سمجھا دیا تھا کہ یہ بیل منڈھے نہ چڑھے گی ۔ پھر جب سرکاری نوکریاں چھوڑ دینے کی ہوا چلی تو اُس وقت بھی انھوں نے تنبیہ کی کہ یہ ٹھیکرا بھی ٹوٹے بغیر نہ رہے گا ۔ سول نافرمانی کا ہنگامہ تیسرا وار تھا اور اسے بھی اودھ پنچ نے قومی شکست اور لاحاصل کوشش سے تعبیر کیا ۔ سودیشی بدیشی کا جھگڑا کسی قدر جاندار ضرور تھا ۔ مگر ملک میں صنعت حرفت کی روح نہیں اس لیے "پانڈے جی پچھتائینگے پھر وہی چنے کی کھائینگے" کی مثل پوری اُتری ۔ ولایتی مال نہیں تو جاپانی مال سے منڈیاں بھر گئیں ۔ آخر وہی ہوا جو تجربہ کار مولانا کے قلم سے نکلا تھا ۔

اب اچھوت ادھار کا قصہ چھڑا ہے اس میں بھی اتنی ہی جان ہے جتنی سودیشی کے مسئلے میں تھی ۔ یعنی میرے نزدیک یہ "بائیکاٹ" کی ترقی یافتہ شکل ہے ! ۔ کیوں بھیا سچ ہے نہ ؟ ۔

ارے میں تو ابھی سے خواب دیکھ رہی ہوں کہ تمھارے چیلے (کانگریس والے) ہر گلی کوچے میں منادی کرتے پھرتے ہیں "حکم کانگریس کا ۔ مرضی مہاتما گاندھی کی برہمن مہا سبھا نے مہتروں کے ساتھ شادی بیاہ کرنے سے انکار کر دیا ۔ لہذا آج سے کوئی مہتر کسی برہمن کے یہاں کوڑا اُٹھانے پیخانہ کمانے نہ جائے ۔ اور آج سے جو کوئی ہندو مسلمان امیر غریب بھنگیوں کے ساتھ کھانا کھانے یا رشتہ داری کرنے میں ہیر پھیر کرے گا تو کوئی مہتر یا چمار یا پاسی یا مزدور اس کی خدمت کسی اجرت پر

جیادہ (زیادہ) دھونس چھوڑے گا تو لیجے ہمارا استی پھا (استعفا) ہم ہجور ایسا کام نہیں کرسکتے"
آپ جانتے ہیں یہ زمانہ ڈانٹ ڈپٹ کا تو ہے نہیں اگر ذری سی نگاہ ٹیڑھی کریں یا سخت بات کہیں تو بیٹلے کے مزدور سے جھاڑو دینے والے کے لڑنے پر مستعد ہو جائیں۔ تو حضرت اپنی آبرو اپنے ہاتھ ہے۔ جبراً کام نہیں لیا جاسکتا۔ مہتروں میں کوئی پھر گئی ہے وہ سرکاری ملازم کے یہاں ہرگز کمانے نہ جائیں گے۔ آپ نوکری چھوڑ دیجیے اور کم از کم مہترانی کے منہ کا چبایا ہوا لقمہ نوش کیجیے تو سب کام بن جائے۔

ہائے پنڈت جی کی قسمت۔ مہتروں کے آگے ہاتھ جوڑے مگر انھوں نے بھی التفات نہ کیا۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

ذری دیکھنا۔ یہ سڑک پر کیسی بھیڑ ہے۔ ارے غسلخانے والے صاحب کا خانساماں یہاں کیوں آیا تھا؟۔
یہ مار پیٹ یہ شور و غل کیسا۔ کیوں بھئی کیا معاملہ ہے؟
—"اجی دیکھیے کمبخت (کمبخت) دھوبی کی گھسیاد (خوشامد) کرتے ہیں کہ میل کے صاحب کا پتلون دھو دے تو کہتا ہے ہم ہواں (وہاں) نہ جائیں گے۔
ابے جائے گا کیسے نہیں۔ پولیس ٹنٹڑیاں کس کے لے جائے گی۔ جانتا نہیں صاحب کو (کھنٹیس) نمک حرام کہیں کا۔ جب صاحب مفلس (مفلس) باصطلاح خاص بمعنی غیر متاہل) تھے تو تیری جورو کو انھوں نے میچ (میز) پر من چاہا کھلایا تھا سونے میں پیلا کر دیا تھا۔ آج ان کی میم صاحب اپنے بابا لوگ کے کلوٹ (پوتڑے) صاف کرواتے کو بلاتی ہیں تو نکھرے کرتا ہے۔ جب گنڈہ (صاحب) بھی ہوا لی بھوادے گی تب مانے گا۔ بنگلے بھر کی ہوا (العبس) مکدر اب ہو رہی ہے۔
ڈاکٹر کہتا تھا صاحب یہ المٹیاد (زچہ خانے کی کثافت) اٹھواؤ نہیں تو تم کھنگانا (خفقانی) ہو جائے گا"
اودھر تو خانساماں الجھا ہوا ہے کہ دھوبی کو سیدھی کر کے چھوڑیں گے اُدھر دھوبی کہتا ہے:-
"ارے بس، اکھاموس (خاموش) جبان (زبان) سے اول فول دکھتا ہے پہرا کر دوں گا۔ مجھے بھی ٹال مٹال کے کوئی اور دیا ہی ہے۔ تو سبھی جو بلیچن نکال دیا ہو۔ وہ گنڈی کروں گا کہ پسلیاں (پسلیاں) میاں کی ٹوٹ جائیں گی۔ کہیں صاحب کی نوکری پر نہ بھولنا۔ دھوبن الگ کلپ کلپ کے مرے گی۔ کوئی ہم صاحب کے باپ کے نوکر ہیں۔ جاؤ نہیں جاتے۔ تمہارے دبیل نہیں نہ۔ ہونہہ! ہم جائیں صاحب لوگوں کی اشیا دھونے! صاحب نے کو سرکاری نوکری چھوڑ دیں اور ہمارے جم (مذہب) میں آجائیں تو ہم بھی ان کا ساتھ دیں۔ دوسرے سو بات کی ایک بات یہ کہ ان کے کپڑے ہیں بدیشی۔ ہم ان کو ہاتھ لگائیں تو جات برادری سے کھارج (خارج) کر دیے جائیں۔ ایسی لت روندن میں کون پڑے۔ بولیے؟"
بات بڑھی۔ ریش خانساماں بدست گاندھی و گردن گاندھی بچنگ خانساماں۔ دھر پٹک چل پوں۔ ہٹ ترے کی۔ دھت ترے کی۔ ابے اور لے گا۔ بڑا آیا ہے کھانساماں بن کے۔ پولیس۔ پولیس۔ پولیس۔
کیسی پولیس اور کہاں کا تھانہ۔
وہ دیکھو کچہری میں بھی گڑبڑ معلوم ہو رہی ہے۔ سائیس گھوڑے کا ساز لیے اجلاس پر کھڑا ہے۔
"لے ہجور! آج ہم کو ڈسمس کر دیو"
"او مین کیا بولتا؟ ڈسمس کیسا۔ ٹم کوئی گلٹ مانا ہیں پھر کس مافک ڈسمس مانگٹا۔ بولو۔!۔
"صاحب ڈسمس کا مطلب یہ کی ہم ہجور اب ڈوٹی (ڈیوٹی) نہ کرب۔ اور گراس کٹ (مطلب) کبھی نوکری ناہیں مانگت"
"او مین کاہے واسطے؟۔ جاؤ۔ اسٹوپڈ فاؤ"
"صاحب یو رکھاہے ساج۔ چاہے آپ اپنے سامنے دھرے (دھر) لیں چاہے چپراسی کے موڑ (اسر) پر رکھوائے کے بنگلے پہنچے دیں۔ اسے رم دیو (گھسیارا) گھانس اٹھائے کے اجلاس پر گریبے (ڈال) دے۔ ہاں ہجور آپن (اپنا) اسباب دیکھ لیں۔ یو ہیں دوئی (دو) ٹوبڑا۔ ایک جون (جو) پھٹا ہوا ہے یو پران (پرانا) رہے اور دوسر (دوسرا) کوا (نیا) ہے۔ یو ہیں چھو نعل ہیں۔ یو ہے ہتھی۔ یو ہے کھریرا۔ یو ہیں تین کھانٹیں بیکمیں (میخ) ہیں۔ یو ہے بالٹی ای مال (اس میں) چار سیر دانہ بھیگا ہے"
(تمام سامان اجلاس پر ڈھیر ہوگیا۔ گھاس کا گٹھا بھی ایک کونے میں کھول دیا گیا۔ کچھ نہ پوچھیے صاحب کی بے بسی۔ چپراسی طلب کیا گیا۔
"ول چپراسی سائیس کو بولو کاہے واسطے جانا مانگٹا۔ بلا ڈی"
اب چپراسی اور سائیس میں جھڑپ ہونے لگی۔
"ابے جا بدتمیز یہ تو نے اصطبل بھر کا سامان لاکے صاحب کی میز پر لگا دیا۔ ابھی جو تو ہیں عدالت کا کیس چلا دیا جائے تو بیٹا نانی کو پکارنے لگو۔ کہاں جائے گا۔ آٹھ دن تجھ کو قانونا کام کرنا پڑیگا جب دوسرا آدمی اپنی جگہ پر نوکر رکھوا دے گا تب تیرا استعفا منظور ہوگا"
"لے ہم سے لام کاپھ (لاکاف) کریہو تو ہم یوں کھری کھری سناؤب (سنائیں گے) استی پھا (استعفا) گو اتھوں دم مال۔ ہم نوکری نہ کرب۔ اب ہم ہیں کان سیا کے ممبر (ممبر کانگریس)۔ کیہوں کے لونڈی (برائے ہندی غلام) ناہیں۔ صاحب کان رسیلے ممبرن (ممبروں) کا دین ہیں سجا (سزا) ہمار برادری مال حقہ پانی بند ہوئے جائی تو کہ کی (کس کی) مہتاری کا مہتاری کسب۔ رم دیو ابھی ہمری برادری (مال) ہے) جو ہم تو بڑا اینٹھی کھریرا چانگر کے لید صاف کرنے کا نیچا (نتیجہ) بالٹی باگ ڈور صاحب کے سامنے نہ رکھ دیتیں تو گل پھوٹ دے (فوراً) رپٹ ہوجاتی کہ سار (سالا) مال لے کے بھاگا۔ تم کا بت صاحب سے اشک (عشق) ہے تو باندھو ساج اپنی پیٹھ پر۔ اور دوکی پوئی سر پٹ کیر چال کھاؤ"
چپراسی نے گستاخی پر دو چار چانٹے رسید کر دیے۔ دہائی تہائی کی صدا بلند ہوگئی۔ رم دیوا گھسیارا تان کے کھڑا ہو گیا اور سائیس نے اٹھائی میخ۔ جو بیچ بچاؤ نہ ہوتا تو اجلاس پانی پت کا

میدان بن جاتا۔

آخر نا اہل آدمی سے کام لینا کیونکر ممکن ہوسکتا تھوڑی سی بحث کے بعد میاں سائیس اور گھسیارے نے اصطبل کا چارج دے کے سلام کیا۔ یہ جا وہ جا۔

ایسے ایسے لڑوں کی تفصیل کی جائے تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں۔

خلاصہ یہ کہ تم نے دو چار ناٹے کہ کے اتنی بڑی طاقت پیدا کرنے کی فکر کی ہے جس کے استعمال سے تم اپنے مخالفوں کو ناکوں چنے چبوا سکتے ہو خواہ وہ مخالف ہندوستانی ہوں یا غیر ملک۔ تو بیٹا یہ جو ارادہ ہو تو ابھی سے کہہ دو۔ بندی کچھ اپنا سبیتا ابھی سے کر رکھے۔ کیا معنے کہ میرے نواب میاں خان بہادر۔ اور اللہ رکھے ابھی ابھی انار ڈی مجسٹریٹی کے اختیارات ملے ہیں۔ چاہے دنیا بھر تمہارے ان ارادوں سے خوش ہو مگر میں خوش نہیں ہوسکتی۔ خدا کے فضل سے گھر بچے بالوں سے آباد ہے۔ جو چار دن بھی نگوڑی حلال خوری گھر میں نہ آئی تو اچھا بھلا گھر بے پولس ہو جائے گا۔ اور نواب صاحب کی جو بری گت ہوگی اُس کے خیال سے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ بے بھلا اس بڑھاپے میں وہ کمر پر ٹوکرا اٹھا سکیں گے؟۔

اور جو تم یہ کہو کہ ہر ایک اپنا...... آپ سمیٹے تو بڑی مشکل ہوگی۔ گھر میں دو نل دو پائپ ہیں دو لونڈیاں ہیں دو در جن آدمی کیونکر غوطہ طہارت کریں گے اور کتنی دیر لگے گی؟۔ میں تو ابھی سے عیسائی مشنوں میں نئے عیسائی خاکروب بھنگی۔ چوہڑے چمار۔ حلال خوریاں تلاش کرنے کا لگا لگاتی ہوں۔

ہاں ممکن ہے جو بوڑھے آئینے جاہل کلرک یا ڈپٹی بننے سے بچ رہیں وہ دونی چوگنی تنخواہ پر اپنا کام کرنے لگیں۔ انھیں برادری سے نکال دیے جانے کا دھڑکا بھی نہ ہوگا۔ آخر میں میری طرف سے "روزہ بخیر" قبول کرو۔ فقط

راقمہ

مسماۃ اودھ بیگم

محمد عربی تین حصہ

مؤلفہ پادری برکت اللہ صاحب ایم اے فتح گڑھ چوڑیاں پنجاب۔ پادری کے لقب ہی سے مؤلف صاحب کا مذہب عیاں ہے۔ لہذا رسول عربی کے مکارم اخلاق کا جتنا حصہ پادری صاحب کی نگاہ میں قابل ستائش ہے اُسی کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ پادری صاحب نے اس مختصر کتاب کی ترتیب میں کافی محنت کی ہے اور جو کچھ حالات جمع کیے ہیں اُن کے بیان میں تہذیب کے دائرے سے قدم باہر نہیں نکالا۔ اگرچہ ہزاروں کتابوں میں سے مؤلف صاحب کو وہی واقعات قابل انتخاب والتفات نظر آئے جو پادریوں کو اسلام و نبی اسلام پر ایراد کرنے میں مدد دیں۔ اسلام کے مضبوط قانون پر اعتراضات وارد کرنے کی جرأت اب کسی غیر مسلم کو نہیں ہوتی اس لیے کہ ہر متمدن سلطنت یا قطعہ ارض کو ان اصول قانون کے اختیار کیے بغیر زندہ رہنا دشوار ہوگیا اور رفتہ رفتہ باختلاف الفاظ اپنے اپنے مجالس وضع قوانین میں ان سلطنتوں نے اسلام کے کلیات عدل و انصاف پیش اور پاس کیے جن پر عمل ہو رہا ہے معترضین کے ہاتھوں میں اعتراض کے لیے لے دے کے پیغمبر صلعم کی ذات رہ گئی یا اُن کے قائم مقاموں کی ذات۔ اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ خود اس میں کوئی روح ترقی کرنے کی نہ تھی۔

(۲)۔ اسلام نے کوئی نیا مذہب پیش نہیں کیا۔ بائبل سے مذہبی باتیں سُن سنا کے آیتوں کی صورت میں پیش کر دیں۔

(۳) پیغمبر اسلام ایک چالاک ور ذی فہم یا پالیٹیشن آدمی تھا روحانیت سے اس کی ذات کوئی علاقہ نہ رکھتی تھی۔

(۴) پیغمبر اسلام مثل عیسیٰ اپنے شہوات نفسانیہ پر قابو نہ رکھتا تھا۔ چنانچہ ہر وقت نکاح کرنے پر آمادہ رہتا تھا۔ تقریباً ہر غزوے میں اُس نے ایک نیا نکاح کیا۔

(۵) ماسیوں اور بیویوں کی صحبت اُس کے نیوفس مذہبی کا سرچشمہ ہے۔ وحی والہام وغیرہ کا دعوے ایک ڈھکوسلا ہے۔

(۶) پیغمبر اسلام کے ازواج مثل معمولی عورتوں کے تھے اور انھوں نے پیغمبر کی عقل پر تسلط حاصل کر لیا تھا۔

(۷) پیغمبر اسلام اپنی نجات اخروی کی طرف سے بیم و رجا کی حالت میں تھا یہی وجہ تھی کہ وہ انجام بخیر ہونے کی دعا مانگتا اور ہر وقت استغفار و توبہ میں مشغول رہتا تھا۔ جس کے معنے یہ ہوئے کہ وہ اپنی رسالت یا خدا کی رحمت پر وثوق نہ رکھتا تھا۔

الغرض یہ کتاب باوصف مہذب ہونے کے ایسی ہی باتوں کی تائید کرتی ہے۔ اگرچہ نہایت عمدہ و نفیس وسلیقہ حسن تا بہ معترضانہ لہجے سے اعراض کیا گیا ہے۔ انجناب کا خیال ہے کہ "ایں ہم غنیمت است" آخر کتاب میں انھوں نے ایک لمبی فہرست اُن اسلامی تاریخوں یا حدیث کی کتابوں کی شامل کی ہے جو "محمد عربی" کا ماخذ ہیں۔

کتاب کا انداز یہی ہے۔ لہذا جو غرض تالیف ہمارے ذہن میں کتاب کے مطالعے سے آئی اُسے ہم نے لکھ دیا۔ آگے کچھ لکھیں تو میدان مناظرہ کی جھاڑیاں جھنکاڑ صاف کرنے اور صف آرائی کے لیے مستعد ہونے کا سامان کرلیں۔ بھلا مولانا اودھ پنچ کیوں اس کی اجازت دیں گے۔ مگر بحیرا راہب کا قصہ دیکھ کے جس کے وقوع کا انکار بحسب ارشاد مؤلف صاحب شمس العلما علامہ شبلی نعمانی نے "سیرۃ النبی" میں

الواع آخری

نافرمانی بہ نرمی: "سلام ہجور - اب جائت ہے"
مہاتما: "اچھا تو دو تین ہفتے کے بعد پھر آؤ گے؟"
نافرمانی: "نہیں ہجور - اب کبھی ناہیں"

کیا ہے؟ اتنا لکھ کر پیر ہم مجبور ہو گئے کہ اچھا صاحب ہم مانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام سے اور بحیرا سے ملاقات ہوئی۔ مگر آپ کہتے ہیں کہ عمدہ اصول اسلام اسی ملاقات کا نتیجہ ہیں جو بحیرا نے پیغمبر کو دی۔ مگر واقعات سے اس کا الحاق کیونکر ہوگا کیا معنے کہ بحیرا نے اپنے مذہب تثلیث کی ہی تعلیم دی ہوگی۔ اور یہاں اسلام اس کی نفی کرتا ہے۔ بحیرا نے وہی شرائع تعلیم کیے ہوں گے جو بائبل میں ہیں۔ قرآن ان شرائع کی ترمیم و تنسیخ کا مدعی ہے۔ بحیرا نے وہی قوانین بتائے ہوں گے جو بائبل میں ہیں۔ مگر قرآن ببانگ دہل کہتا ہے کہ "لاؤ کوئی اس سے بہتر کتاب یا عمدہ دلیل"!

بھئی اگر بحیرا مرحوم اسی دم خم کے آدمی تھے اور پیغمبر اسلام بقول تمہارے اُن کے رشید شاگرد تھے تو پھر قرآن اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بزبان بحیرا جو پیغام پہونچایا ہے اُسے مان لینا چاہیے۔ بحیرا مرحوم عیسائیت کی روح سے بہ نسبت [illegible] زیادہ واقف تھے پس اسلام نام ہوا اصلی عیسائیت کا۔ اس کتاب کی قیمت ایک روپیہ ہے۔

پہلے ہی سے متنبہ کر دیا۔ حضرت آپ کا شکریہ۔ اور بے وقوفی دیکھیے کہ نور اللغات یا جامع اللغات پر جو اعتراض ہم نے کیے ہیں انھیں سمجھنے کی سعی نہ فرمائی اور مہمل دلائل میں مبتلا ہو گئے۔ ہمارے دوست نے کتب لغات پر بہت گہری نظر ڈالی ہے وہی مثل ہے۔ آگے تو پڑھس شکند و پڑھس گرگن پہ کبیش دھاوا۔ مورا جیا پرات ہے کہیں بہوت بھیر نہ ہو جائے۔"

یہ ابھی تک وزن تو ہمارا ہی پڑ رہا ہے! دوسرے کی ضرورت نہیں۔"

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۲)

اس مضمون کے ابھی پانچ ہی نمبر شائع ہوئے تھے کہ لوگوں کے پیٹ میں چوہے چھوٹنے لگے۔ ایک عقلمند مگر بے وقوف (جمع نقیضین یعنے ایک اعتبار سے عقلمند اور دوسرے اعتبار سے بے وقوف) دوست تحریر فرماتے ہیں کہ صاحب پنجاب کی لغت میں اکثر لکھنوی لغات کی ہمزبانی کی ہے۔ آپ کے اعتراضات اُن اساتذہ پر بھی بعینہ وارد ہوں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پنجابی مؤلف تو سوءِ ظن سے محفوظ رہے گا البتہ جناب کے علم پر ضرور حرف آجائے گا۔ کجا آپ کجا امیر و رشک و جلال۔ ان مکرم دوست کی عقلمندی تو یہ ہے کہ ایک دوست کو وہم کی بدگمانی سے بچانے کے لیے ہمیں بھی دوسرا کہا ہے ہمارے دوست کہیں پیر علم لغت نہ ہو جائیں۔ چونکہ ان حضرات کے ذہن میں نوعیت [illegible] نہیں آئی اس لیے مناسب ہے کہ ہم اپنے اعتراضات کی توضیح کر دیں امید ہے کہ یہ توضیح ہول دل کا تعویذ بن جائے گی۔

(۱) ظاہر ہے کہ اُردو زبان تمام زبانوں سے مرکب ہے۔ وقتاً دون وقت ملک پر حاکم ہوتی گئیں۔ یہ قومیں تو زائل ہو گئیں مگر اپنے آثار بول چال پر چھوڑ گئیں۔ علم لغت میں مدلولات جواہر مفردات اور ان مفردات کی کیسی جزئی بجائیوں سے بحث کی جاتی ہے جن کے لیے یہ جواہر اپنے مدلولات بحیثیت وضع کیے گئے ہیں۔ یہ بحث شامل ہے اُن معانی جزئیہ کو بھی جو کہ من حیث الوضع والدلالۃ بحالت ترکیب پیدا ہو جائیں طالب علم کے ذہن کو معانی سمجھنے میں غلطی یا تخلط سے محفوظ رکھنا اس کی غایت و غرض ہے۔ اس تعریف میں علمی اصطلاحات سے کام لیے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ مگر جب سے علوم کا ترجمہ اُردو میں ہونے لگا یہ اصطلاحات بھی خاص طبقے میں مروج ہیں۔ کتاب لغت میں ان کا بیان بھی متفرقاً ہر لفظ کے تحت میں ہونا چاہیے۔

ہمارا اعتراض یہ ہے کہ مؤلف نور اللغات و جامع اللغات نے جو ڈھنگ لکھنے اور سمجھانے کا اختیار کیا ہے اس میں ایسی بے سلیقگی ہے کہ غرض ہی فوت ہوتی ہے۔ لفظ کا ایک مفہوم بحالت انفرادی ہوتا ہے اور دوسرا بحالت ترکیبی۔ یہ ضروری نہیں کہ بحالت ترکیب بھی وہی مفہوم باقی رہے جو بحالت انفرادی تھا۔ جب ایسے معانی میں فرق نہیں کیا گیا تو کتاب کس مرض کی دوا ہے۔ اس کا ثبوت ہم ابتدائی نمبروں میں دے چکے ہیں۔ لہذا دہرانے سے فائدہ نہیں۔

(۲) اگلے لوگوں نے مثلاً حضرات امیر مینائی و جلال و رشک وغیرہم نے جو کتابیں ترتیب دیں اُن میں زیادہ ہمت و کوشش محاورات پر صرف کی کہ یہ بگڑنے نہ پائیں۔ شاعر ہونے کی حیثیت سے انھوں نے جو کچھ سعی کی وہ ضرور ایک حد تک درست ہے۔ لیکن اُن کی کتابیں مدرسوں یا طالب علموں کے لیے زیادہ مفید نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حال میں جو کتابیں لغت کی تیار کی گئی ہیں انھوں نے پرانے مصنفین و مؤلفین کی محنت بھی "ایجاد بندہ" کو دخل دے کے ضائع کر دی۔ آپ یقین رکھیے کہ وہ اُردو قصائد جن میں اصطلاحات علمیہ صرف کیے گئے ہیں (مثلاً سودا اور مومن کے قصائد) ان لغت کی کتابوں سے بالکل حل نہیں کیے جا سکتے حالانکہ وہ مدارس کی درسی کتابوں میں اکثر درج کیے جاتے ہیں۔ بہ لحاظ ابتدائیے کتب خانوں و تعلیم گاہوں میں

پناہ لیں کبھا تیر کا کام دیتی ! (تیر)

(۲) مثل کے اقسام ہیں۔ ایک تو وہ جس میں مبالغہ وتشبیہ مقصود ہو مثلاً فلاں شخص ہرن سے بھی زیادہ وحشی ہے۔ دوسرے وہ مختصر جملے (نظم ہوں یا نثر) جو مخصوص واقع اور حکایت پر مشتمل ہوں قائل اس حکایت کو دوسرے واقعے سے مطابق دیکھ کے نظیر میں وہی جملہ کہے۔ مثلاً جب ہم کسی شخص کو دیکھیں کہ باوجود قدرت واستطاعت وہ بے سروسامان رہتا اور پرائے مال پر موقع پا کے متصرف ہو جاتا ہے، تو کہتے ہیں کہ فلاں شخص "تیر تکے پر اوقات بسر کرتا ہے"۔ تیر تکے والی حکایت اودھ پنچ میں کبھی لکھی جا چکی ہے۔ مگر نور اللغات میں نہیں ہے۔ اس لیے مکرر لکھتے ہیں۔

ایک تھے میاں سپاہی۔ اگلے وقتوں میں سرکاری سپاہی بطور ایک تھانے دار کے قریوں اور قصبوں میں معین ہوتے تھے۔ کیا پوچھنا ان کے خدائی اختیارات کا۔ خیر میاں سپاہی کا تقرر کسی گاؤں میں ہوا۔ دھوپ تیز۔ راستے میں سناٹا تھوڑی دیر دم لینے پر دل مچلا ہوا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک بنیا اپنی نئی دُلھن کو ساتھ لیے درخت کے نیچے تکان راہ دور دفع کر رہا ہے۔ اس کے پاس لٹیا ڈور بھی ہے۔ بس میاں سپاہی نے بھی اُسی درخت کے سایے میں پناہ لی۔ زین پوش بچھا کے بیٹھ گئے۔ بنینی کا حسن گھونگٹ سے چھن چھن کے سپاہی کی آنکھوں میں چکا چوندھ پیدا کرنے لگا۔ جھکی ہوئی نگاہوں کے تیر زمین سے اُچٹتے تو میاں سپاہی کے دل میں پیر جاتے تھے۔ سپاہی صاحب کے متروکۂ والد (قوت شہوانیہ) میں وسعت و انتشار ہوا۔ اور بنیے کا وجود تیر کی طرح آنکھوں میں کھٹکنے لگا۔ آخر پہلے تو بنیے سے پانی بھروا کے پیا۔ پھر ترکش سے دو چار تیر چلّہ کمان میں جوڑ کے جنگل کے چاروں طرف گھنی گھانس میں پھینکے اور بنیے کو حکم دیا کہ تیر ڈھونڈھ لا۔ بنیا تھا سمجھدار مصلحت اسی میں دیکھی کہ ارشاد کی تعمیل کر دی جائے ورنہ ایک آدھ تیر مجھ غریب کے سینے تک بآسانی پہونچ جائے گا۔ پتا ہی کتنا ہے۔ اس نے عمداً تیر ڈھونڈھنے میں دیر لگا دی۔

میاں میاں سپاہی نے ... سے غنی

کے نور و عصمت پر مشق فرما کے فراغت حاصل کی بنیا اپنی راہ۔ سپاہی اپنی راہ۔ بعد چندے انھیں سپاہی صاحب کی تعیناتی اس گاؤں میں ہوئی جس میں بنیا رہتا تھا۔ بنیا کیوں نہ انھیں پہچانتا اور یہ بنیے کو بھول کیوں نہ جاتے۔ انھیں دیکھتے ہی بنیا دکان پر کھڑا ہو گیا "آئیے حضور بیٹھیے" دو الائچیاں نذر دیں تھوڑا سا گڑ کا شربت پلایا۔ اور پوچھا "کہیے کہیں شادی بھی کی یا وہی تیر تکے پر اوقات بسر ہوتی ہے"۔ جب سے "تیر تکے پر اوقات بسر ہونے" کا جملہ مقام مطائبہ و مزاح میں زبان زد ہو گیا۔

امثال اور مقولہ میں فرق ہے۔ اس قسم کے باریک مابہ الامتیاز نہ تو نور اللغات میں بتائے گئے ہیں نہ اُس کی مقلد کتاب جامع اللغات میں۔ بلکہ اکثر انتہائی بے پروائی اور غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک جرم ہے آپ کتاب لکھنے بیٹھے ہیں پبلک اور سرکار سے مالی مدد لیتے ہیں آپ کا فرض ہے کہ تحقیق کا حق ادا کیجے۔ نہ کہ دوسروں کی محنت سے غاصبانہ فائدہ اُٹھائیے

چنانچہ اسی مثل کو لیجیے۔ صاحب نور اللغات لکھتے ہیں "تیر تکوں پر گزارا (گزران) ہونا بے اطمینانی سے بسر ہونا۔ در بدر پھر کر گزر ہونا۔ مشکل سے گزر ہونا؎

گر خدنگ آہ پہونچے ناوک مژگاں کبھی
تیر تکوں پر یوں ہی اپنا گزارا ہو گیا"

انصاف کیجیے ... اعلام

ہے۔ شاید شعر ذکر کرنے کے ذہن میں مولف صاحب بنا لیں تو واضح رہے کہ شعر میں شاعر نے اس مثل کی جانب اشارہ ہی نہیں کیا۔ اُس نے واقعہ بیان کر کے تیر تکے کی وضاحت کر دی ہے۔ طرفہ ماجرا یہ ہے کہ شعر پر صرف "ایذا میں بسر ہونے کے معنی" منطبق ہوتے ہیں۔ اور یہی دلیل ہے اس کی کہ شاعر نے ضرب المثل سے علٰحدہ ہو کے ایک بات کہی ہے۔

جناب مؤلف صاحب کی قدرت سخن فہمی کی اور بھی مثالیں پیش کی جائیں گی اگر بے وقوف دوستوں نے سلسلۂ وار اصلاح کے درمیان بقول نواصبین کے بیک کی سپاری "کا ناگوار کام نہ کیا۔ چنانچہ نور اللغات میں لفظ "حَبَس" بالفتح جیم ابجد ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:۔ "(۴) نام" یعنی چوتھے معنی "حبس" کے "نام" ہیں اور بحر کا یہ شعر مثال میں پیش کرتے ہیں ؎ مرے حبس پر نہ چار آنسو بہائے اس نے مرنے پر ہوا ثابت کہ پانی بہہ گیا چشم مروت کا + اب غور کیجیے کہ بمقتضائے ذہانت جس کو نوع جیم ابجد پڑھا اُس پر اعراب بھی لگا دیا اور حب وہ تین معنی جو پہلے بیان کر چکے ہیں صادق نہ آئے تو جھٹ چوتھے معنی گڑھ لیے کہ اب تو کام نکل جائیگا۔ مگر معنی بگڑتے ہی گئے۔ حالانکہ شاعر غریب نے "حِبس" بکسر جیم نظم کیا ہے۔ وہ شکایت کرتا ہے کہ دنیا میں مروت کا دیدہ ہی پھوٹ گیا جس کسی پر مرتے تھے اُس نے لاش پر چار آنسو بھی نہ بہائے۔ مشک ہی پھٹ گئی تو پانی کہاں سے آتا۔ اللہ ری تحقیق واقعی یہ لغت مدارس کے قابل ہے۔ دنیا ترے جائے گی ...

آجکل بھی تجارت کامیاب ہو سکتی ہے
بشرطیکہ
کرائیں جو ملک میں عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔
منیجر صیغہ اشتہارات اخبار الجمعیۃ دہلی

ظریف ہفتہ وار
مشہور باتصویر
REGISTERD No. A, 78
LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
अवध पंच
लखनऊ
قیمت فی پرچہ دو آنہ
M D KHAN ARTIST LUCKNOW

اودھ پنچ لکھنؤ جلد ۱۸ نمبر ۲۱

جلد ۱۸ — نمبر ۲۰

مضامین

(مورخہ ۱۲- جون ۱۹۳۳ء)

غزل

(از حضرت فخر زمانہ شاعر بے مثل و یگانہ احمق پھپھوندوی)

بچ گئے ہو جز نمائش مقصد اپنا کچھ نہیں
بس بزرگان سلف کے غرض طعن کچھ نہیں

کب تلک آخر اس طرح کوئی رہے امیدوار
صاف وعدہ کیجیے یہ وعدہ ولاسا کچھ نہیں

مجھ پہ ناصح کچھ اثر ہوگا نہ وعظ و پند کا
آپ کی اس عمر کا وہی کا نتیجا کچھ نہیں

ایک آنا دعوت کے لیے بندہ نواز
آپ کی یہ قید و بند ماشل لا کچھ نہیں

یہ نہیں ممکن کہ پھر سرزد نہ ہو جرم وفا
عشق و الفت میں ضمانت اور مچلکا کچھ نہیں

ان سے عرض وصل کر کے مفت ہو نا خجل
حضرت دل اس حماقت کا نتیجا کچھ نہیں

جز تری حسرت کے دل میں دوسری حسرت ہو
اس تمنا کے سوا میری تمنا کچھ نہیں

سب سے زائد مضحکہ دیکھا ہے دنیا میں انھیں
بیٹھ کر منبر پہ جو کہتے ہیں دنیا کچھ نہیں

اپنے بل بوتے پہ جو کچھ بھی ہو اے دوستو
دوسروں کے دست و بازو کا سہارا کچھ نہیں

کیا فقط اسٹیج ہی کے ہیں جناب لیڈر
کہتے سب کچھ ہیں مگر حضرت سے ہوتا کچھ نہیں

احمق اس کی دوستی میں جان سے بھی ہاتھ دھو
دل کو کیا روتا ہے اے ناداں یہ دنیا کچھ نہیں

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۲)

(۴)۔ ان لغتوں میں الفاظ کے معنی اپنے دعوے کے ساتھ لکھے گئے ہیں جس کا ثبوت مثال سے واضح نہیں ہوتا مثلاً حضرت نور اللغات "آ" کے متعلق فرماتے ہیں "برابر سے کم مرتبے والے کو بلانے کے لیے۔ (نسیم) "آ کہیں وعدہ فراموش کر فرصت کہے"۔ اب غور کیجیے کہ یہاں مرتبے کی کس طرح ظاہر ہوئی۔ یہ تو کلمۂ دعوت ہے یعنے کہنے والے کا مقصود بلانا ہے۔ خواہ وہ مرتبے میں کم ہو یا زیادہ۔ کیا یوں نہیں کہتے؟ "آ اے خدا کی رحمت آ"۔ اس "آ" میں اور نسیم کے "آ" میں کیا فرق ہے؟ یہاں مرتبے کی پستی اور بلندی کی قید مغالطہ ہے یا نہیں؟ — دوسری بات یہ ہے کہ لفظ اگر کئی محلیں رکھتا ہے۔ صاحب لغت کا فرض ہے کہ ذیل میں تمام محلوں کی تفصیل کر دے۔ جو مثال ہم نے دی ہے وہ "بڑے مرتبے والے" کی ہے۔ "خدا کی رحمت" (معاذ اللہ) برابر سے کم مرتبہ کی نہیں ہو سکتی۔ تعجب یہ ہے کہ "کم مرتبہ" کی قید لگانے کے وقت مؤلف کا ذہن مقابل کی جانب کیوں نہ رجوع ہوا۔

اسی طرح "آپ بوڑھے جلاپے بوڑھے" تماشے کے محاورے میں حضرت نور اللغات کا ارشاد ہے کہ جب کوئی خادمہ عمر گزار دی کرتی ہے تو یہ جملہ دہلی میں بولا جاتا ہے۔ خدا جانے "خادمہ" کی قید کہاں سے ماخوذ ہے۔ یہ جملہ لکھنؤ میں اور دلی میں یکساں زبان زد ہے۔ بے تکلفی کے موقع پر عورتیں آپس میں کہتی ہیں لہٰذا دہلی کی قید فضول ہے۔ کاکوری سے لکھنؤ دور نہیں۔ تحقیق کا شوق مؤلف صاحب کو ہوتا تو لکھنؤ والوں سے پوچھ لیتے۔ سلے حضرت جن خدا کے بندوں کو تحقیق کا شوق ہوتا ہے وہ جان پر کھیل جاتے ہیں۔ سر اسحق نیوٹن بیچارے آدھی رات کو جاڑے پالے میں رصد گاہ کی گیلری سے تجربہ کرنے اترے تو نیا ہوا مر گئے۔ خدانخواستہ مصنف صاحب کے واسطے کوئی خطرہ اس قسم کا متوقع نہ تھا۔ (پہلے تو ہم مؤلف صاحب لکھتے تھے اب مصنف کہیں گے۔ اس لیے کہ حضرت نے تالیف کے ساتھ ہی تصنیف کا حق بھی ادا فرمایا ہے)۔

آپ یقین فرمائیں کہ جو صفحہ ہم الٹتے ہیں اسی میں غلطیاں نکلتی ہیں۔ سلسلہ وار غلطیاں یا اردو کی وہ مستعمل لفظیں لغت میں جن کا ذکر ضروری تھا، انشاء اللہ آئندہ بیان ہوں گی۔ اس وقت ہم آنکھیں بند کر کے جلد اول اٹھاتے اور فال کی طرح دفعتہً کشادہ کرتے ہیں۔ ہمارے سامنے صفحہ ۲۵۳ آ جاتا ہے۔ الماس پر نظر جا پڑتی ہے۔ فرماتے ہیں "الماس خانی: ایک قسم کے کپڑے ہوتے ہیں۔" ہم نے جوہریوں سے پوچھا۔ اُن عورتوں سے پوچھا جنھیں خدا نے ہیرے جواہر کے زیور دیے ہیں۔ کپڑوں کی یہ قسم کسی نے نہ بتائی۔ واقعہ یہ ہے کہ لکھنؤ میں ایک شخص میاں الماس علی خاں تھے جن کا امام باڑہ آصف الدولہ امامی خاں کی سرائے میں ہے۔ انھوں نے ایک قسم کی بڑی اینٹ ایجاد کی تھی وہ الماس خانی اینٹ کہلاتی ہے (جس طرح حکیم اللہ خاں نے نرکل کو جھکا کے ایک خاص قسم کا نیچہ ایجاد کیا تھا)۔ یہ دوسری بات ہے کہ الماس میں پتھر ہے اور اینٹ بھی کنکر پتھر کی قسم۔ "کڑا" کہتے ہیں سخت کو اور زیور کی بھی ایک قسم "کڑا" کہلاتی ہے۔ ان مشابہتوں کے اعتبار سے جناب مصنف کو وہم نے گھیرا ہو کیا معنی کہ الماس ہے ضرور ایک جوہر کا نام جس کا جڑاؤ زیور پر کیا جاتا ہے۔

ایک ایسے ہی مصنف حاجی کا حال فاضل اجل نعمت خان عالی نے اپنے مضحکات میں لکھا ہے جنھوں نے قاضی کے سامنے دعویٰ کیا کہ میں حاجی ہوں۔ حریف نے کہا یہ جھوٹا ہے۔ کیسا حج اور کیسی زیارت۔ قاضی نے امتحان کے طور پر پوچھا کہ اچھا اگر تم حاجی ہو تو بتاؤ زمزم اور عرفات کیا ہے۔ کہنے لگے واہ بس اتنی سی بات۔ کیا میں حضرت زمزم کو جانتا نہیں۔ واللہ کیا نورانی شکل پائی ہے۔ ہمیشہ عرفات کی دربانی کیا کرتے ہیں۔ قاضی صاحب یہ جواب سنتے ہی مارے ہنسی کے لوٹ گئے اور فرمانے لگے ابے سفرے تو بڑا جھوٹا ہے۔ زمزم کوئیں کا نام ہے اور عرفات صحرا کا۔ بس یہی تو حاجی ہونے کا دعوے کرتا تھا۔ مصنوعی حاجی صاحب نے جواب دیا۔

"اخاہ تو کیا حضرت پیر زمزم صاحب میرے آنے کے بعد انتقال فرما گئے اور اب پانی ہو گئے ہیں۔ سن کے بہت افسوس ہوا اور شاید اسی وجہ سے عرفات کا باغ ویران ہو کے صحرا بن گیا۔"

اُڑو وگانا..... کھیلیں "میٹھے سے بیگا رکھیلی"

اصولاً یہ مقولہ ب مکی بحث میں درج ہونا چاہیے۔

ہندی مصرعہ نہ تو کوئی کہاوت ہے نہ کوئی تلمیح ہے۔ شاعر نے "میٹھے سے بیگا رکھیلی" سے اپنے مذاق کے موافق فائدہ اُٹھانے کی سعی کی ہے۔ آپ کو بھی "میٹھے سے بیگا رکھیلی" کی سند میں یہ شعر لکھ دینا چاہیے تھا۔ الف کی بحث میں لکھنا بیکار ہے۔ اسی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں سہ آیا کتا کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا۔ "غافل اور بے فکر عورت کی نسبت کہتے ہیں" (گویا عام رواج ہے) حالانکہ یہ دوسرا مصرعہ ہے۔

حکایت یہ ہے کہ امیر خسرو دہلوی چلے جاتے تھے راہ میں پیاس لگی۔ ایک جگہ چار عورتیں پانی بھر رہی تھیں۔ انھوں نے پانی مانگا۔ وہ جانتی تھیں کہ یہ خسرو شاعر ہیں۔ پانی پلانے کا وعدہ تو کیا مگر فرمائش کر دی کہ شعر کہہ کے سناؤ تو پانی ملے گا۔ خسرو نے کہا اپنی اپنی پسند کی چیز بتاؤ۔ ایک بولی مجھے کھیر پسند ہے۔ دوسری نے کہا مجھے چرخے سے دھماتما گاندھی کی طرح) عشق ہے۔ تیسری کوئی اگلے جنم کی میم صاحب تھی جسے کتا مرغوب تھا۔ چوتھی چھوڑے کی مزے دار تھی ڈھول ڈھمامے کا شوق رکھتی تھی امیر خسرو تھے پیاسے بہت۔ مگر ایک ہی شعر میں چاروں کی فرمائش پوری کر دی۔ کہنے لگے سہ

کھیر پکائی جتن سے چرخا دیا جلا
آیا کتا کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا

"اری لا۔ پانی پلا۔"

اب غور کے قابل یہ ہے کہ آیا مصرعہ مذکورہ (ادھورا) بمعنے مذکور زبان زد ہے یا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں۔ صرف آیا کی خاطر سے اس کے یہ معنی گڑھ لیے گئے ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس آیا کر تو جا یا کر یٹی مت کھڑکا یکہ آیا منگلیہ جاڑہ، تنگ سیر۔ آیا نہ گھاؤ دیدنگا کے۔ ممکن ہے کہ مثل کے طور پر کہیں زبان زد ہو۔ لیکن عام کہاوت یا مثل نہیں اور ان کے الفاظ بھی اجنبی ہیں۔ ایسے الفاظ کے لیے ضروری ہے

کہ جہاں بولے جاتے ہوں وہاں کا نام بھی دیکھیے اور جس کتاب سے ماخوذ ہوں اُس کا حوالہ بھی دیا جائے۔

صاحب جامع اللغات "آب" کے معنی یوں لکھتے ہیں: (۱) پانی ۲ مجازاً پسینہ ۳ آنسو ۴ عرق ۵ شراب ۶ مواد ۷ شوربہ ۸ پھلوں کا قدرتی رس ۹ اموّنڈ چمک ۱۰ دھار ۱۱ کاٹ ۱۲ تازگی۔

صاحب نور اللغات "آب" کے معنی لکھتے ہیں۔ "مذکر۔ اربعہ عناصر میں سے ایک عنصر کا نام ہے ۱ پانی جیسے آب چاہ۔ آب باراں ۲ پسینہ جیسے آب خجلت آب ندامت ۳ آنسو جیسے چشم پر آب ۴ عرق جیسے آب انار۔ گلاب"

"پسینہ" کا املا ہائے مختفی کے ساتھ غلط ہے۔ ہائے مختفی فارسی الفاظ کے لیے مخصوص ہے "پسینا" اُردو ہے "شوربہ" کا املا بھی غلط ہے۔ فارسی میں "شوربا" ہے (الف آخر میں) یار واملا کو درست کر لو۔ تمھاری کتابیں دنیا میں سند کے طور پر پیش ہوں گی۔

جامع اللغات میں معنی گنوا دیے ہیں محل استعمال نہیں لکھا یہ عیب ہے۔ لکھنا یہ تھا کہ "آب" کے اصلی معنی "پانی" ہیں۔ باقی جتنے معنی ہیں سب مجازی ہیں یعنی یہ ایسے معنی ہیں جو معنی موضوع لہ سے جداگانہ ہیں۔ اور یہ فحوائے کلام یا قرینہ اور ترکیب سے پہچان لیے جاتے ہیں۔

اتنی عبارت بڑھا دینے سے مطلب واضح ہو گیا صاحب جامع اللغات نے (مجازاً) لکھ دیا ہے مگر نمبر علیحدہ کر دینے سے "مجازاً" صرف پسینے کے متعلق سمجھا جائے گا باقی معانی اصلی سمجھے جائیں گے۔

بہر حال نور اللغات کہ اس کے مصنف سے یہ بھی نہ ہو سکا۔ سلامتی سے آپ بھی "پسینہ" آگے آئی آیت "پسینہ" تحریر فرماتے ہیں۔ اے شاباش۔

(باقی آئندہ)

راقم

ادبار اللغات

نوٹ:- ابھی جناب ملا ادبار اللغات صاحب یہ توضیح ہے کہ "الماغوچی" غیر معقول تحریر و تقریر کے لیے کلمہ تحقیر

لیکن اگر کوئی شخص مجہول النسب یا غیر معقول النسب کے بارے میں بھی "الماغوچی" کہے تو کیا عیب ہے۔ ایسی حالت میں یوں کہنا ہوگا کہ فلاں شخص کا نسب الماغوچی ہے"۔ "الماغوچی" کے معنی میں فرق نہ آئے گا۔ بندہ کی یہ تجویز کسی دلیل پر مبنی نہیں صرف مؤلف نور اللغات کی خاطر سے کہتا ہے۔

مؤلف نور اللغات کی عادت ہے کہ لفظ کے جو معنی کسی دوسرے لفظ سے مرکب ہونے کے بعد پیدا ہوتے ہیں وہ بھی اُسی لفظ کے سر منڈھ دیتے ہیں جو کہ زیب عنوان ہے۔ اس سے بیچارے نوآموز اور خالی الذہن طالب العلم یا مدرس دھوکے میں پڑ جائیں گے اس کے علاوہ اور کوئی نقصان پبلک کا نہ ہوگا۔ اور حضرت "دمڑی کے دودھ میں مکھی نہ پڑے گی تو کیا ہاتھی پڑے گا"

خوب سمجھ لیجیے کہ یہ لغت نہیں کسی ایرانی یا افغانی کثیف الطبع مسکین کا پوستین ہے۔ بہر بال میں لیکھیں دھکیں جو بہ گنج موتی کی طرح پروئی ہوئی نظر آئیں گی اور جناب والا کو ہاتھوں کے دونوں انگوٹھوں سے "چیٹ و میٹ" کی کارروائی انجام دینی پڑے گی۔

"خاکسار اڈیٹر"

مغل اور اُردو

کرم و محترم دوست نواب سید نصیر حسین صاحب خیال کو واقعی اُردو زبان سے ایک عشق ہے اُنھوں نے اُردو کے خدمات نہایت جانفشانی سے ادا کیے ہیں

پُر معنی گفتگو

سوبھاشی پارٹی:- "سنو جی مہاتما تم تو چلتے چلتے گر پڑے!"

گاندھی جی:- "تو پھر مجھے اُٹھاؤ نہ؟"

مسٹر دی جی پٹیل:- "یہ ہمارے مان کی بات نہیں۔ جو کبھی چلا ہی نہ ہو اُسے کیونکر چلائیں۔"

شاخیں۔ قنوج حیدرآباد دکن دہلی
واکسیر امراض چشم
ایک مقتدر خاتون کارخانہ ہٰذا کی فہرست ملاحظہ کرنے کے بعد عطروں کے انتخاب پر غور فرما رہی ہیں۔

اتفاق میں کچھ پہلے مولوی صاحب سے زیادہ اچھے تھے اس لیے نمازیوں نے انھیں ترجیح دی۔ مجمع بھی بڑھ گیا اب چوہدری صاحب وطن سے واپس آئے تو مسجد کا رنگ ہی دوسرا تھا۔ ایک آدھ روز تو انھوں نے صبر کیا اور اپنے جانشین سے تخلیہ میں کہا کہ "اب تو میں آگیا ہوں آپ یہاں سے کھسکیے" مگر وہ بندۂ خدا کسی ان سنی کر گئے مولوی صاحب نے دل میں کہا "اچھا"

ظہر کے وقت جبکہ آخری صف باندھ کے استادہ اور سامعین تھی کی اقتدا پر آمادہ ہوئے ابھی نیت کی تکبیر ہی بلند ہوئی تھی کہ صف اول میں حرکت ہوئی میں تکبیر (مولوی صاحب) جو امام کی پشت پر تھا۔ تھوڑا سا آگے بڑھا۔ اتنے میں سورہ ختم ہوا رکوع کے واسطے امام صاحب جھکے بس ان کا جھکنا تھا کہ مولوی نے چوتڑوں میں ہاتھ دے کے ڈھکیل ہی تو دیا۔ حملہ اچانک تھا۔ امام صاحب زبردستی راکع سے ساجد بننے پر مجبور ہوئے بیچارے پونچھ کے اٹھنے نہ پائے تھے کہ مولوی صاحب نے مصلے پر قبضہ کر لیا۔ اللہ اکبر۔ رکوع ختم قیام شروع۔ بیچارے امام کے لیے اور کوئی تدبیر باقی نہ رہ چکی تھی شکستہ نماز بغل میں دبائی اور منہ بسورتے ہوئے گھر سدھارے۔

وقت پڑا آن لگا ہے ہم غیر مسلم لیگ میں شریک ہونے یا صدر بننے یا بن بیٹھنے والوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ آیندہ اگر صدر بننے کی ہوس ہو تو پہلے تھانے پر اطلاع دے کے چند سپاہیوں کو اپنی حفاظت کے واسطے طلب فرمالیں۔ اور خود زرہ بکتر خود چار آئینہ سار سنگر ٹے سے آراستہ ہو کے جلسے میں جائیں۔

یہی نہیں بلکہ اللہ اگر میں زندہ ہوں تو دودھ و بریانی بھی بھجوانا بھی لازم ہے اور زیادہ عاقبت اندیشی کا تقاضا تو یہ ہے کہ وصیت نامہ بھی دو چار دن پیشتر بایں عبارت رجسٹری کچہری میں جا کے لکھوایا کریں۔

"من کہ فلاں ابن فلاں ساکن فلاں قوم مسلمان مالک فلاں فلاں جائداد منقولہ و غیر منقولہ کا بحالت صحت حواس خمسہ بلا شائبہ اجبار و اکراہ حسب ذیل بطریق وصیت نامہ تحریر کرتا ہوں۔

ازبسکہ دنیا گزشتنی و گزاشتنی ہے اور من موصی کو ایک اسلامی جلسے کی صدارت کا مرحلہ درپیش ہے اور چونکہ اسلامی جلسوں کی صدارت اور جنگاہ کی قیادت آجکل بہ شل مرادف ہے یعنی موت کے منہ میں جانا اور اسلامی جلسے کی صدارت کرنا ایک ہی بات ہے پس کیا عجب ہے کہ فرائض صدارت بجا لانے میں یہ روح ضعیف جسم کی

صدارت سے مستغنی ہو جائے اور کالبد خاکی کچہ پنڈال ہی میں بھیروں ناچنے لگے۔ یا خدانخواستہ ضربات شرکائے محفل سے بالقضا یا فیہا مسلّم زرہیں اور اسپتال جانا پڑے۔ لہٰذا بشرط از کار رفتہ ہو جانے یا جان بحق تسلیم ہونے کے ..... کو اپنا وصی قرار دیتا ہوں نہ وصی مذکور .... الخ

واہ کیا اسلامی شان ہے! اے جیو تم اسلام کا نام روشن کرنے والے۔ ہم تمھیں اس وجہ سے برا نہیں کہتے بلکہ جب تم خدانخواستہ قیامت تک زندہ رہنے کے بعد انجہانی ہو جاؤ گے تو تمھارے ہوا خواہ تمھیں بانی اسلام منزہ عن جمیع الخطا یا قرار دے کے تمھیں کم از کم رسول اللہ کا ہم پایہ ضرور بنا دیں گے بڑی بڑی کتابیں تمھاری سیرت کی (سب جھوٹ) لکھی جائیں گی اور جو کوئی سیرت کو غلط ٹھہرائے گا اس کی گردن ناپی جائے گی۔ پس پہلے ہی سے کیوں نہ ہر خبیث کو طیب کہیں جھوٹ سچ بولنے کی کیا ہے۔

مسہری کا قلعہ

پلنگ کے چاروں پایوں پر ڈنڈے کھڑے کر کے جو پردہ ڈالتے ہیں اُسے مسہری کہتے ہیں۔ اس میں چھت بھی ہوتی ہے۔ مسہری دراصل مچھری ہے یا یوں معنی کہ مچھروں کا حملہ روکنے کے لیے یہ خاص قسم کا قلعہ ایجاد کیا گیا تھا۔

ع۔ بس سے بدل گئی۔ تاتاریوں کی مداخلت روکنے کیلیے چینیوں نے سیکڑوں میل لمبی دیوار بنائی تھی تاتاری تو رہے الگ جاپانی دوسری راہ سے گھس پڑے اور چینیوں کے بنائے کچھ نہ بنی ے

> ہم جاہیں تو در توڑ کے دزدانہ چلے آئیں
> پردہ لیے بیٹھی رہے دیوار تمھارا

ہی مال جبل پور کی ایک نرس کا بھی المیہ ہے مچھروں کی
ناحت سے بچنے کے لیے مسہری بنا لی کاٹے مچھروں کو تو
مجال نہ ہوئی کہ پھر اس حصن حصین میں نفوذ پاتے مگر ایک گیرا
مچھر (انگریزی مسہری کا حصار توڑ کے مس صاحب کے پہلو
میں جالیٹا اور خدا جانے کیا کہا کہ مس صاحب کی آنکھ
کھل گئی۔ مگر یہ مچھر خاموش رہتا تو شاید خواب و خیال
پر محمول ہو جاتا اور مس صاحب بحالت نیم خوابی کروٹ
بدل کے پھر خراٹے لینے لگتیں۔ لیکن مشہور ہے ؎

پٹھے سے سیکھے شیوۂ مردانگی کوئی
شب خون کرنے آئے تو پہلے پکار دے

سفید مچھر نے کان میں یوں "پن پن" کی کہ "ابی پڑی
بھی رہو۔ لاؤ گال ادھر لاؤ"۔

اب تو مس صاحب چونکیں۔ اور غل مچایا۔ اللہ رے ڈھٹائی
کہ گھبر ہو جانے کے بعد بھی مچھر صاحب نہ ٹلے اور ٹلے بھی
تو آہستہ آہستہ ٹہلتے ہوئے گویا سچ مچ کی سسرال ہے۔
سنا ہے کہ یہ پہلا واقعہ نہ تھا۔ ایک مرتبہ اور بھی ہو چکا
ہے۔ مگر وہ صبح کا وقت تھا۔ مس صاحب نے
"مچھر کشتن روز اول" پر عمل نہ کیا۔ وہ کمبخت اسے
رضامندی کی دلیل سمجھا۔

اب ہماری تو یہ رائے ہے کہ میم صاحب اور ان کی
دونوں سہیلیاں لوہے کی مسہری بنوائیں یا آتشبازی
کے جگنو کا مسالا پلنگ کے گرد چھڑک کے سویا کریں
بس وہی "مچھر بھاگا" "بن جائے گا"۔

عراق ریلو

نجف۔ کربلا۔ کاظمین اور سامرہ کی مقدس مساجد کی زیارت کے لیے عراق ریلوے
سے سفر کرنا بیحد آرام دہ اور سستا ہوگا۔ علاوہ بریں سفر بہت کم وقت میں طے ہوگا

مکہ معظمہ جاتے ہوئے عراق کے متبرک مقبروں کی زیارت کیجیے

بمطابق ذیل زائرین کو ایک سو پچاس روز کے لیے اسپشل کوپن ٹکٹ مل سکتے ہیں
نیز بلا چارج پچاس کیلو زا اسباب لے جانے کی اجازت ہوگی۔

	درجہ دوم	درجہ سوم
(الف) بصرہ سے کربلا۔ کاظمین سامرہ اور بصرہ کو واپسی	۵۵۔۔۔۔۰	۲۱۔۔۸۔۔۰
(ب) بصرہ سے کربلا۔ کاظمین اور بصرہ کو واپسی	۵۲۔۔۰۔۔۰	۲۰۔۔۰۔۔۰

بصرہ میں تمام زائرین سے ہمارا ایجنٹ ملاقات کرے گا۔

تین برس سے کم عمر والے بچوں کا کوئی کرایہ نہیں لگے گا اور بارہ برس سے کم عمر کے بچوں
کا نصف کرایہ ہوگا۔ تمام شہروں کے درمیان روزانہ ٹرین سروس کا سلسلہ قائم ہے بغداد
سے دمشق تک صحرا سے ہو کر موٹر کا راستہ دو روز میں طے ہوتا ہے (کرائے حکومت عراق کے
کنٹرول میں ہیں) دمشق سے جدہ اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک

درجہ دوم	درجہ سوم بلا خوراک
۱۹۰۔۔۔۔	۹۵۔۔۔

تمام معلومات اور ٹکٹیں ایجنٹ برائے عراق گورنمنٹ ریلوے بمبئی سے یا حضرات ذیل سے
دستیاب ہو سکتی ہیں۔

(۱)۔ مولوی محمد باقر مسافر خانہ حاجی دیوجی جمال جبل روڈ عمر کھاڑی بمبئی۔
(۲)۔ مسٹر ای۔ ای لوکمیا منڈوی کوٹی ڈرا بمبئی۔
(۳)۔ مسٹر حبیب حاجی رحمت اللہ خارادر کراچی۔
(۴)۔ آنریری جائنٹ سکریٹری فیض پنجتنی پالاگلی بمبئی۔
(۵)۔ آنریری سکریٹری فیض پنجتنی کوڈی گارڈن کراچی۔
(۶)۔ مسٹر عبدالعلی عیسیٰ جی پیر روڈ کراچی۔

نوٹ:۔ جب سو یا سو سے زیادہ زائر ایک ہی جہاز پر سفر کریں گے تو بصرہ کے
لیے اسٹیمر کے کرایہ میں رعایت کرنے کے معاملہ پر غور کیا جائے گا۔

جب آپ سفر میں ہوں!
تو
مندرجہ ذیل اسٹیشنوں کے ویلر اینڈ کمپنی کے ریلوے بک سٹالوں سے
روزنامہ ... لاہور
کا تازہ پرچہ صرف ایک آنہ کو خرید فرمائیں جس میں آپکو ہندوستان اور غیر ممالک کی
تازہ بتازہ خبریں۔ پھڑکتے ہوئے راز و نیاز دلچسپ مضامین مطالعہ سے گزریں گے
لاہور پلیٹ فارم نمبر ۲۔۴۔۵۔ وزیر آباد۔ لالہ موسیٰ۔ ملک وال۔ لائلپور۔ جہلم۔ راولپنڈی۔
نوشہرہ پشاور۔ ملتان۔ خانیوال۔ حیدر آباد سندھ۔ کراچی شہر۔ کراچی چھاؤنی۔ سکھر سندھ۔
روہڑی۔ کوئٹہ۔ بھٹنڈا۔ فیروزپور۔ امرتسر۔ جالندھر شہر۔ جالندھر چھاؤنی۔ لودھیانہ۔ انبالہ
دہلی۔ غازی آباد۔ بریلی۔ لکھنؤ۔ فیض آباد۔ پرتاپ گڑھ۔ بنارس چھاؤنی۔ ٹونڈلہ۔ اٹاوہ
کانپور۔ الہ آباد۔ مغل سرائے۔ پٹنہ۔ بھوپال۔ بھیلسا۔ سکندر آباد۔ اٹارسی۔ جھانسی۔ جے پور
گرانٹ روڈ بمبئی۔ نصیر آباد۔ کھنڈوہ۔ وغیرہ وغیرہ۔
جنرل منیجر
آجکل بھی تجارت کامیاب ہو سکتی ہے
بشرطیکہ
الجمعیۃ
منیجر شعبۂ اشتہارات اخبار الجمعیۃ دہلی

REGISTERD No. A, 703
ظریف ہفتہ وار
مشہور باتصویر
LUCKNOW
OUDHPUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
अवध पंच
लखनऊ
M B KHAN ARTIST LUCKNOW
قیمت فی پرچہ دو آنہ

جلد ۱۸ نمبر ۲۱
مضامین
(مورخہ ۱۹ - جون ۱۹۳۳ء)

غزل

(از حضرت فرزانہ شاعر غزل و یکتا نثار احمق پھپھوندوی)

خون دل ہم کو تو دے سکی انھیں پینے کے لیے — کوئی مرنے کے لیے ہے کوئی جینے کے لیے
دل مرا ہے جو پسند ان کو تو رکھ سکتے ہیں — چند دن کے لیے کیا چند مہینے کے لیے
ان کے یہ تیر یہ نشتر یہ سناں یہ پیکاں — مجھ کو معلوم ہے سب ہیں مرے سینے کے لیے
عاشقوں کو تو بہر حال ہے مرنے سے غرض — کہ یہ پیدا ہی نہیں ہوتے ہیں جینے کے لیے
پھاوڑا لے کے کہو اس سے کہ باہر نکلے — پڑھ رہا ہے جو عمل گھر میں دفینے کے لیے
سخت مشکل ہے مرا ہوش میں آنا ساقی — ابھی کنٹر میں بہت ہے مرے پینے کے لیے
ہو گیا شیخ پہ فیضان تمدن کا نزول — آج پتلون دیا جاتا ہے سینے کے لیے
دیکھتے ہیں وہ مرے دل کو تو فرماتے ہیں — چیز اچھی ہے انگوٹھی پہ نگینے کے لیے
بام رفعت پہ پہونچنے کی ہوس ہیں ہیں بہت — کم ہیں لیکن متردد ہیں جو زینے کے لیے
شیخ صاحب کو میسر ہے کہاں اکل حلال — کہ یہ نعمت تو ہے مخصوص پسینے کے لیے
ایک میں جس کو رہا ہجر میں مرنے ہی سے کام — ایک وہ جس نے مرے وصل میں جینے کے لیے
غیر مجہول نسب سے ہے الجھنا بے سود — چاہیے کوئی کمینہ ہی کمینے کے لیے

ہے مرا دوست جو بریا ہیں تو احمق ہر وقت
دل بری طرح تڑپتا ہے مدینے کے لیے

منطق آرا۔ بیگم بنام گاندھی جی

بیٹا۔ میرا پہلا رقعہ تم کو مل گیا ہوگا جس میں تمھاری تازہ دنگا کا حال میں نے اپنے دل کے شورے سے بیان کیا ہے۔ ہر ایک کی سمجھ الگ الگ (یکساں) نہیں ہوتی اس وجہ سے جو کوئی تمھاری بڑھی عقل کی نزاکت نہیں سمجھتا وہ ہرگز نہیں رہ سکتا کہ تم کتنے پانی میں ہو ظاہری بات کی تہہ ادھر لم لعنتوں پر نہیں کھلتی تو بھلا تمھاری گہری باتوں کو لوگ کیا سمجھیں گے؟ ۔

مثلاً تمھارے منہ میں دانت نہیں (میں بناوٹی دانت لگائے ہوئے ہوں) جب منہ میں دانت ہوتے ہیں تو دونوں جبڑے آپس میں بچھے رہتے اور بولنے یا چبانے کے وقت ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں مگر منہ پوپلا ہو جانے کے بعد دونوں جبڑوں میں اتنا ہی فاصلہ ہوتا ہے جتنا کہ دانتوں نے ٹھیر رکھا تھا۔ جبڑے بغیر سہارے

کے نکلتے نکلتے تھک جاتے ہیں اور عقل مٹانے کو نیچے کے سوڑے اوپر کے سوڑھوں سے خواہ مخواہ چھپلی چپلیا کھیلا کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی دشمن اس چھپلی چپلیا کو دیکھ کے "منہ چڑھانے" کا الزام لگا دے یا خواہ مخواہ ہوا خالی یعنی خائیدن ہوا یعنی ہوا چبانے کا گمان کرے تو ظاہری عقل کے اعتبار اور عداوت کے سوء ظن کے لحاظ سے کوئی مقام تعجب نہیں۔ سو دشمن کیسے اب تو دوست بھی اس اشتباہ میں ہیں کہ آیا بجز فاقہ کشی کے تمھارے کسی دوسرے ارادے میں استقلال کی پٹ شامل ہوتی ہے یا نہیں۔ کانگریس میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔ ہر ایک لیڈر اپنی اپنی ڈفلی اپنے اپنے راگ میں مست ہے۔ اور عام طور پر یہ مثل کہی جا رہی ہے "کہاں تاؤ کس نے ڈبوئی کہا خواجہ خدر (خضر) نے" پہلے تم نے کھٹ (عدم تعاون) کے بل بوتے پر بغیر انسانی نبض ٹٹولے چٹکی بجاتے سوراج حاصل کر لینے کا دعویٰ کیا۔ دس پانچ نے نوکریاں چھوڑ دیں باقی سرکاری نوکروں کے کان پر جوں بھی نہ رینگی۔ جنھوں نے ملازمت کو طلاق دی پھر وہ بھی پچتائے کہ طلاق بھی "بائن" ہے رجوع ہونا غیر ممکن۔ اپنی جگہ پر تابالی بجاتی رہ کے بیٹھ رہے۔ زیادہ نقصان ان طالب علموں کا ہوا جنھوں نے جوانی کی ترنگ میں پڑھنا لکھنا چھوڑ کے سڑکوں پر تعلیم سے نفرت دلانے والے بھجن گائے۔ سوراج ملا یا نہیں ملا مگر اس میں شک نہیں کہ ان بیچاروں کو ناقص تعلیم کی وجہ سے نوکری بھی نہ ملی گویا نانی کے ہوتے کا ٹھیکرا بھی لوٹ گیا۔ اب ڈنڈے گو پائی کرتے پھرتے ہیں۔

تم نے اسی دوران میں سارے دنیا کو خواجہ سرا یا دوسرے الفاظ میں "اولیا" بن جانے کی بھی ہدایت کی مگر کچھ نہ ہوا۔ میں ہرگز نہیں کہتی کہ یہ سب کچھ بدنیتی پر مبنی تھا۔ مگر تھی یہ انہونی بات۔ ہزاروں رشی منی ولی پیر پیمبر آئے۔ دنیا کی مذمت کی تو دنیا نے کب سماعت کی جو تمھاری باتیں سب لوگ مانتے۔ اس کے بعد سودیشی بدیشی اور بائیکاٹ کا سلسلہ جاری ہوا۔ سودیشی مصنوعات بے شک مظلوم تھے اور اس وجہ سے یہ تجویز کسی قدر پھبکی نہیں مگر اس میں ہرے چرکی اور چھینا جھپٹی جو دخل پایا تو مظلوم نے ظالم کی شان پیدا کر لی۔

بھلا دنیا کس طرح جس چیز میں دل کا لہو (روپیہ) صرف کیا ہے اس کی تباہی پر ٹھنڈے کلیجے صبر کرتی؟ بزازوں کا الگ ناک میں دم ہوا۔ پولیس جدا فرائض کی فہرست کی لمبائی دیکھ کے گھبرائی۔ خریدار الگ مخمصے میں پھنسے۔ گویا اس تحریک میں بھی مثل ترک ملازمت والی تجویز کے ہندوستانیوں کو سراسر اپنا ہی نقصان نظر آیا۔ دنیا اپنی غرض کی میت ہے۔ پھر دنیا بھی کون سی؟ مفلس ہندوستانیوں کی دنیا!۔

غرضمند اندھا ہوتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا کام جس سے پیٹ کا دھندا چل سکتا اس نے ہوتا تو شاید کچھ سوجھائی بھی دیتا۔ آخر اندھے بگلوں کی طرح ہندوستانی بالکل ٹامک ٹوئیاں مارتے اسی مقام پر پہونچ گئے جہاں سے چلے تھے۔ اس بوکھلاہٹ میں بانکی ادا بھی گئی۔ اگرچہ بہت سے کھدر میں لپٹے ہوئے اب بھی "چھوڑ روبی بی" میں بانکا کی شکل پوری کر رہے ہیں مگر جو تم سوچے تھے وہ تو نہ ہوا۔ ان بانکوں سے نہ پہلے ہی کچھ مطلب پورا ہوا نہ اب ہوگا۔

"چھوڑ روبی بی" میں بانکا ملکا قصہ یہ ہے دیکھو لوغت کی کتابیں لکھنے والوں ایسی

حکایتیں ہم نے اودھ پنچ ہی سے لی ہیں) کہ ایک تھے میاں گوک سا بانکے وہ اپنی بی بی سے جو کہ بہت ہوشیار تھی ہر بات میں بانک پن کی لیتے اور کہتے "میں ہوں بانکا" ایک دن بی بی کو دل لگی سوجھی تو انھوں نے کہا "اس وقت میں تمھیں بانکا جانوں گی جب تم شیش محل کی رانی سے آشنائی کرو" آپ جانیے بانک پن اور تجربہ کار کا بانک پن بھلا ایسا کڑا طعنہ کب سہ سکتا ہے —
میاں بانکے نے پٹیاں چکنائیں پان کھایا آنکھوں میں سرمہ لگایا سر پہ بانکی ٹوپی رکھی۔ آئینے میں منہ دیکھا ڈیڑھ ہتھی (ڈیڑھ ہاتھ نیچی ہوئی لکڑی) بغل میں دبائی اور راجہ کا محل پوچھتے ہوئے راہی ہوئے۔ ادھر ٹہلے ادھر ٹہلے۔ مکان کے پچھواڑے پائیں باغ تھا ادھر جا نکلے۔ رانی کوٹھے پر کھڑی ہوا کھا رہی تھی۔ نگاہیں چار ہوئیں انھوں نے للچائی ہوئی چتون سے دیکھا وہ مسکرائی آئینہ اٹھا کے اپنی صورت دیکھی۔ چار انگلیاں کھڑی کر کے دکھائیں۔ پھر بالوں کی لٹ منہ میں دبا کے نیچے اتر گئی۔ یہ وہاں سے گھر پلٹے۔ بی بی نے دیکھا میاں کچھ کھوئے ہوئے سے ہیں۔ حال پوچھا۔ اشارہ سمجھایا کہ وہ تمھیں آدھی رات کو شیش محل میں بلاتی ہے آج کے چوتھے دن جانا اور کمند پھینک کے پچھواڑے سے کوٹھے پر چڑھ جانا۔ دکئی دن ناشکیبے ہوتے رہے۔ کہانی طویل ہے کون کہے مختصر یہ کہ چوتھے دن کمند کے ذریعے سے میاں بانکے محل کی دیوار پر چڑھے اب جو دیکھتے ہیں تو دیوار کی چوٹی تک پانی بھرا ہے۔ اور اسی پانی پر ایک چھپر کھٹ تیر رہا ہے۔ بہت گھبرائے ہاتھ پانی میں ڈبونے کی نیت سے بڑھایا تب معلوم ہوا کہ پانی نہیں آبگینہ (شیشہ) ہے۔ جان میں جان آئی۔ چھپر کھٹ کی طرف چلے۔ رانی محو خواب تھی اسے جگایا۔ باتیں ہوتی رہیں پھر نیند آ گئی سو رہے۔ اتفاق سے کوتوال روند پھرتا پچھواڑے آیا۔ کمند کو دیکھ کے گھبرایا۔ کھوج لگانے کی نیت سے اوپر چڑھا۔ رانی کو غیر کے ساتھ سوتے پایا۔ بہت جھلایا۔ چپکے سے اترا اور چار سپاہیوں کو لا کے نہایت خاموشی سے کہ پٹ کا پانی نہ ہلے پلنگ اٹھوایا۔ جب چاروں کونوں میں رسی باندھ کے پلنگ لٹکایا گیا تو رانی کی آنکھ کھلی مگر بانکے صاحب کو ابھی ہوش نہ آیا۔ رانی دم بخود چپکی پڑی رہی۔ پلنگ تھانے کی ایک کوٹھری میں رکھ دیا اور پہرہ بٹھا کے کوتوال گشت کرنے نکل گیا۔
اب رانی نے بانکے کو جھنجوڑا "اٹھو مردے" بانکے صاحب کی آنکھ اندھیرے میں کھلی حالات دیکھ کے گھگھی بندھ گئی۔ رانی ہمہ تن پہیلی ہے۔ آپ بغلیں جھانکتے اور کھیسیں نکالتے ہیں۔ سمجھ گئی کہ "نرا جانگلو مورکھ نادان ہے" پوچھا کہ تم ایسے ہی بے وقوف تھے تو کیونکر میرے اشاروں کو سمجھے — آخر کھل گیا کہ بی بی کے برتے پر عشق بازی ہے۔ ان حضرت سے ان کے مکان کا پتہ نشان پوچھا — پہرے کے سپاہیوں کی منت کی کہ "یہ لو میرے ہاتھ کے جڑاؤ کڑے اور سیدھے فلاں محلے میں فلاں مکان پہ آہستہ سے پکار آؤ جس کسی کا کبوتر کھو گیا ہو آ کے چھڑا لے ورنہ صبح گردن کاٹی جائے گی"۔ بات آسان تھی سپاہی نے منظور کر لی۔ جب یہ معمی بانکی یعنی بانکے صاحب کی مادہ کے کانوں تک پہنچا تو وہ الٹ پچھیرے پہن پھول کی تھالی میں حلوا لے کے سیدھی حوالات کی طرف آئی۔ اور سپاہیوں سے کہا "میں نے قیدیوں کو حلوا کھلانے کی منت مانی تھی یہ لو پانچ روپیہ انعام۔ اور اتنی مہلت دو کہ میں حلوا کھلا کے الٹے پیروں چلی آؤں۔ اکیلی جاتی ہوں اکیلی واپس آؤں گی۔ پہرے دار نے چنیں چناں کے بعد دروازہ کھولا اس نے اپنا تمام لباس رانی کو پہنایا اور خود رانی کا لباس پہن کے چھپر کھٹ پر لیٹ رہی رانی تھالی چوہک ہاتھ میں لے کے باہر نکلی اور سپاہیوں سے کہا خبردار رہنا دیکھو میں جس طرح گئی تھی اسی طرح پلٹ آئی ہوں۔
صبح کو قیدی حاکم کے سامنے پیش ہوئے۔ کوتوال اس دھوکے میں تھا کہ رانی کو دیکھتے ہی کچہری میں ہڑبونگ مچے گا وہاں الٹی ہوئی گنگا بی بانکی جان نے دہائی تہائی چہ معنی دینا شروع کی کہ کیا اندھیر ہے کہ لوگ میاں بی بی کی خلوت میں دخیل ہوتے اور گھنٹے میں اٹھا لاتے ہیں۔
قصہ تو ابھی بہت سا باقی ہے مگر ہمارا مطلب حسرت اتنا ہے کہ اس روز سے میاں بانکے نے "مجھ نٹ بی بی میں بانکا" سفر بانا چھوڑ دیا اور بی بی کے آزاد کردہ غلام ہو گئے کاش ہمارے کھدر دوش بانکے اس بانکی سے تھوڑی سی عقل بھی مانگ لیتے جو آزادانہ بانکپن کا دعوی کر گئے۔
بانکے کو رہے الگ۔ اب اس بد خیالی کا دوسرا نتیجہ دیکھیے (ہر دم خیالی ہی نہیں بلکہ لکل نوت الکل بھی اس کے ساتھ شامل ہے) کہ مذہب کی آڑ میں شکار کھیلنے والوں نے ڈھیلی رسی پاتے ہی پیٹ سے پاؤں نکالے۔ ان کے کرتوت چھپے ہوئے نہیں۔ مگر کانگریس میں جو پھوٹ ہوئی تو وہ بڑھ جانے ڈھیلی اور اس نے زیادہ یہ بات حالی کر دی کہ گن پٹے (رکن کشتی کھینچنے کی ڈنڈ) میں بیڑا پار ہونا مشکل ہے۔ جو لیڈر بیکار نافرمانی (ذمک سازی وغیرہ) کی علت میں دھرے گئے تھے وہ تو جیل خانے میں سدھار رہ گئے سگان کوئے دوست جن کو چچوڑی ہوئی ہڈیوں میں ایک دھریشے کی تلاش تھی بس وہ سے

سگ شنید بجائے گیانی

پر عمل کر کے اس اندھیرے میں اپنا اپنا الو سیدھا کرنے لگے چند آدمی ہمارے ہم خیال باقی رہ گئے انھوں نے اس میدان میں اپنی ذات کو بے یار و مددگار پایا۔ گزشتہ قصے میں کہاں تک یاد دلاؤں اور کہی ہوئی بات کو کہاں تک پھیلاؤں اب ہماری نئی تجویز بھی جسے اچھوت دھار کے نام سے لوگ پکارتے ہیں چند مختلف عینکوں سے دیکھی جاتی ہے۔ مسلمان تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ معناً "تبلیغ مذہبی اسلامی" کا جس سے مسلمانوں کا شمار ہر شخص ہندوستان میں بڑھتا جاتا ہے پورا جواب ہے اور اگر اسی وقت ہم تبلیغی اوزار و سنے آراستہ ہو کے نکل نہ پڑے تو پھر جس چھوٹی امت پر ہماری تلقین اور مساوات داؤ چلتا تھا وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔
کٹر ہندو یہ خیال کرتے ہیں کہ مردم شماری کی پڑھتی گھٹی چھلے میں ہزاروں برس کا دھرم ناس ہوا جاتا ہے "ارے رام رے یہ ٹوکرا اٹھانے والے مسٹر جس کرسی پر بیٹھتے ہیں اس پر ہم کو بھی بیٹھنا پڑے گا"۔
اس خیال کے ہندو ابھی اتنے کم نہیں ہیں کہ جلسے بازی اور دکھاوے کی راہ سے چھوٹی امت کی بھوکی پھیر میں

منم کہ ملک سخن را بحیثیت سلطانم
غلیمہ کر بزندانت و ر سخن گوئی

من آسیائے فلک بہ سرش بگردانم

کا رجز پڑھتے چلے۔ ملاؤں نے بہ سیف اشنا المسلول علے عنق المجاحد المجہول " کا کتاب بگڑھے پر لادی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاعر صاحب کا قافیہ نیزوں نے تنگ کر دیا اور مولانا قلم آہن زبان (نیزہ) دیکھتے ہی۔ ہاں ملی والی کی چوکڑی بھولے رجعت قہقری پر قناعت فرمائی۔

دونوں اپنے بادشاہ کے سامنے خستہ وخراب آئے شاعر صاحب نے عرض کی " قربانت شوم ہمہ شان پدر ریختہ سخن نا فہم اند چہ بدر را از ہزل وقطعہ را از غزل فرق نمی توانند کنند " مولانا نے ارشاد کیا " ہے بے دین سے کافر۔ خدائے شان را نیامرزد۔ خدایا تو می بینی ہر چہ گفتم گوش اینہا نخورد۔ کدام شریعت مال دیگران بجبر ظلم خوردن جائز است؟ ۔ شاہا بگزار۔ دنیائے دنی ثباتے نہ دارد ۔ روز حشر ما و گریبان این بدکیشاں۔ بہ اجر آخرت قناعت کن۔ ان اللہ یحب الصابرین "۔ خوشامدیوں کو منہ نہ لگا۔ ان نگوڑوں کے منہ کو سانپ چھپیروں کا ہیونس۔

دل موہ لینے کا طریقہ ہم عورتوں سے سیکھو جو کتنا ہی سخت مزاج خاوند ہو اُسے دوشالہ میں لپیٹ کے ذرا لگا کر اور سیدھا بنا دیتی ہیں۔

میری یہ نصیحتیں نہ تو قوم نے سنیں نہ حکومت کے نوکروں نے ۔ قوم کیوں سنتی وہ لیڈروں کے بس میں تھی حکومت کیوں سنتی وہ اپنے ڈنڈ بھوں کے بل پر تھی۔ خیر اب سے ابا گھر سے آئے اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔

بھیا جب سے میں نے سنا ہے کہ ایکی فاقے نے تمہارا حال بہت پتلا کر دیا ہے دعا مانگا کرتی ہوں کہ تم جیو تمہاری عمر بڑھے ۔ بے بھلا ایسی دلچسپ زندگی کس کو عزیز نہ ہوگی۔

باقی پھر کبھی
راقمہ دنیا بھر کی خیر خواہ
منلق آرا بیگم

مشعل ہدایت

مؤلفہ مولوی محمد حسین قادر خاں صاحب (علیگ) پانی پتی سب ڈپٹی مجسٹریٹ وغیرہ ودربھنگا (بہار) یہ ایک مختصر سا معمولی کتاب ہے باوجود اختصار نہایت دلچسپ ہے۔ ربیع الاول کا مہینہ آنے والا ہے جبکہ میلاد کی محفلیں دھوم دھام سے ہوں گی جن لوگوں کو ان محفلوں میں زبان کھولنی پڑتی ہے انھیں یہ کتاب بھی اپنے پاس رکھنی چاہیے۔ کام کی چیز ہے۔ اس میں عرب کا نقشہ مکے اور مدینے کا نقشہ۔ اسلامی فتوحات کا نقشہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ مواعظ ہیں۔ نصیحتیں ہیں بھلائی کی طرف دعوت ہے قیمت معلوم نہیں۔ شیخ عبدالکریم صاحب جنرل مرچنٹ چوک قلندر صاحب پانی پت سے طلب کیجیے۔

✻

آگ کھائیں انگارے.....

ایک دلچسپ ڈرامہ۔ وحید اللہ صاحب حواری ایڈیٹر

ارادۂ غوّاصی

شیر برطانیہ "غُسَل غُسَل ٹھنڈا۔ دریاؤ کا پانی ٹھنڈا۔ لے ذری کود دو تو!"

گاؤ ہند "کودیں گے میاں شیرا۔ گرابھی "اگرچہ مگرچہ چونکہ چنانچہ" کا سبق باقی ہے۔ تھوڑی دیر دم بر کرو۔ آخر فنا۔ آخر فنا۔"

خشمات نادر علیگڑھ نے نیم ماہی ظریف ہر کے قلم اوقت قلم کا نتیجہ
چند روز ہوئے ایک کتاب "انگارے" کے نام سے
شائع ہوئی تھی جس میں دوزخ بہشت کو ملا کر دونوں ایک
خود حضرت باری سے بھی دل لگی کی گئی تھی۔ غالباً ایسی
کتاب کا ترکی بہ ترکی جواب ہے۔ ہمارے بڑھاپے کی آزیہ
رائے ہے کہ "انگارے" کے سے ہذیانات کا جواب خاموشی
ہے لیکن جوانوں کے دل میں صبر کہاں۔ بہرحال اینٹ
کی دینی پتھر کی یہی کی مثل ہے۔ امید ہے کہ شوقین مزاج
حضرات جو آنے کے
ٹکٹ بھیج کے اسے
منگائیں گے۔ اس
کتاب میں جدید نوجوانی
ذہنی تہذیب کی ہجو
ملیح ہے۔

جامع اللغات و نور اللغات

نمبر

مؤلف نور اللغات کی
شعر فہمی کے ہم قائل ہیں
دو ایک اشارے گزشتہ
نمبروں میں مذکور ہوئے
اب ایک دو شعر سنیے "آباد"
کے معنی لکھتے ہیں "۔ ۴
رونق پر چہل پہل ہوگیا۔
(غالب) کم نہیں جلوہ گری
میں ترے کوچے سے بہشت
یہی نقشہ ہے مگر اس قدر آباد نہیں +

مؤلف کے نزدیک اس شعر میں آباد کے معنی "چہل پہل
یا رونق" کے ہیں حالانکہ شاعر کی مراد لفظ آباد سے "آدمیوں
کی کثرت" ہے اور یہ تعریض ہے کوچۂ یار کے مقابلے
میں بہشت پر یعنی بہشت ایک ایسی جگہ ہے جو
صالحین کو ملتی ہے دنیا میں صالحین کی تعداد کم ہے
لہذا ایسی بہشتیں جن کی عمارتوں کا ایک ایک درجہ
دنیا کے طول و عرض سے ہزار گنا بڑا ہے آباد کیونکر

ہو سکتی ہیں۔ اُن کی جلوہ گری اور رونق سے انکار نہیں
اُن کے معمور ہونے سے انکار ہے۔ وہ کوچۂ یار کی
آبادی ہجوم مردم کے مقابلے میں ہیچ ہیں جہاں صالح
و طالح کی قید نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اس بیت میں
آباد کے معنی "رونق" کے لیے جائیں تو "جلوہ گری"
کی نفی ہوئی جاتی ہے جس کا اثبات و اقرار شاعر
پہلے بہشت کے متعلق پہلے مصرعے میں کر چکا۔
مؤلف صاحب آباد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ

آباد مرکب ہے "آب" اور "آد" سے "آد کلمہ نسبت ہے"
"آدہ" کو تو صاحب بہار عجم نے (جو ایرانی نہ تھے) حرف
نسبت قرار دیا ہے اور "پیادہ" کے ذیل میں صاحب
غیاث اللغات نے بہار عجم کا حوالہ بھی دیا ہے ہم نے
ایرانیوں کی ترتیب دی ہوئی لغت "فرہنگ نوبہار"
مولفہ محمد علی تبریزی خیابانی مطبوعہ مطبع کرلوساری
الاٹرک شرق" اور تنبیہ الصبیان (صرف و نحو فارسی)
مؤلفہ مقرب الخاقان معتمد السلطان حاجی میرزا جہانگیر خاں

نائب دل وزارت خارجہ طہران اور دوسری
ایرانی لغتوں یا قواعد کی کتابوں میں "آدہ" کا وجود
بہ حیثیت کلمہ نسبت ہونے کے نہیں پایا۔ تاہم صاحب
بہار عجم ایک وسیع النظر آدمی تھے اس لیے مان لیتے
ہیں کہ ہوگا۔ لیکن "آدہ" کے قیاس پر "آد" کے حرف
نسبت ہونے میں ہمیں اشتباہ ہے۔ فارسی ہم جانتے نہیں
اس لیے سند کے طلبگار رہیں۔ سند مل گئی تو خیر "اعتراف
نادانی و لاعلمی" کافی ہے۔ ورنہ ہم اسے بھی ایک جرأت
خیال کریں گے۔
اور جن الفاظ (خواہ
عربی ہوں یا فارسی
یا ہندی) میں "آد"
ہوگا انھیں مرکب
سمجھیں گے۔ مثلاً
"شاد" کو "ش۔ آد"
کی معجون "برباد" کو
"بر۔ ب۔ آد" "شمشاد
کو "شمش آد" "نژاد" کو
"نژ۔ آد" "باد" کو
"ب۔ آد" خیال کر کے
ان اجزا کے معنی علیحدہ
علیحدہ ڈھونڈھیں گے
اور دیکھیں گے کہ
جناب مؤلف کے افادات
عالیہ کہاں تک ملبند پایہ ہیں
کا حق ادا فرماتے ہیں۔
یعنی انھوں نے "ش"
کے شاد میں "بر ب" کے برباد میں "شمس" کے شمشاد
میں "ب" کے "باد" میں کیا معنی لیے ہیں۔ اور آیا
یہ بھی مرکب ہیں یا مفرد؟ ۔
حقیقت یہ ہے کہ "آباد" ایک مفرد لفظ ہے اور
کسی فارسی لغت میں خواہ وہ ہندوستانی کی ترتیب
دی ہوئی ہو یا ایرانی کی یہ لفظ مرکب یا مجموعہ دو لفظوں
کا نہیں قرار دیا گیا۔
اس قسم کے دعاوی کا بدون سند پیش کرنا ہی مؤلف کے

"زنگ آلود ہتیار پر صیقل"
مسٹر پنچ: سہ رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو ❊ بدنام ہوگے جانے بھی دو امتحان کو

غیر محتاط اور حاجی زمزم کے مقلد ہونے کی دلیل ہے ہم خوش ہیں کہ صاحب جامع اللغات نے یہ اجتہاد قبول نہیں کیا ورنہ اعتراض اُن پر بھی وارد ہوتا۔

جو کام خاکسار ادبار اللغات ان دو کتابوں سے متعلق انجام دے رہا ہے وہ نیا نہیں۔ برہان قاطع کی اصلاح غالب مرحوم نے بنام قاطع برہان اور صراح کی اصلاح ایک فاضل نے بنام "القراح فی اغلاط الصراح" فرمائی۔ منتخب اللغات شاہجہانی مؤلفہ عبد الرشید حسینی میں مولوی محمد علی نے "ایجاد بندہ" کی قوت پر کچھ تصرف فرمایا اور اُسے چھاپا تو پرنسپل کے حکم سے مولانا نے حکیم عبد المجید خاں بہادر اور مولوی بدیع الزماں صاحب مرحوم نے اس پر نظر ثانی فرمائی بعد صحت ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء) میں اسی منتخب اللغات شاہجہانی کا دوسرا نسخہ چھاپا گیا۔ جو لوگ عربی زبان سے واقف ہیں انھیں "صحاح" جوہری پر اعتراضات کا حال معلوم ہوگا۔ قاموس کے بعض افادات بھی اہل زبان کے رد و قدح سے محفوظ نہیں۔ ابن اثیر جزری نے مثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر لکھی۔ ابن ابی الحدید معتزلی نے الفلک الدائر علی المثل السائر کے نام سے اس کی اصلاح کی اور اس طرح دنیا غلط افادات کے شر سے بچی۔ جنھوں نے تہذیب الالفاظ (امام ابو زکریا تبریزی) یا الموشح (امام مرزبانی) یا اُن کے دیگر تصانیف ملاحظہ کیے ہیں۔ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کتب لغات کی صحت میں ہمیشہ کتنا اہتمام ہوتا رہا اور زمانۂ مابعد کے مصنفین نے اُن سے کتنا فائدہ حاصل کیا۔ انھیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ مؤلفین کتب لغت نے ایک دوسرے کی غلطیاں بھی پکڑی ہیں۔

(باقی آئندہ)

الـــــــــــــــــــمـ

خاکسار ادبار اللغات

ضروری التماس

اصلاح لغت ایک ضروری فرض تھا اس وجہ سے

گنجائش نوٹ بک یا پوسٹ بیگ کی نہ نکلی اس گرما گرمی کے زمانہ میں سیاسیات پر ایسے اولے پڑے ہیں کہ غضب کی ٹھر ہے۔ اڈیٹر کے قلم پر ایک تو ٹھر کا اثر دوسرے اتفاقاً برقی پنکھے سے جو کہ اپنی کامل رفتار سے چل رہا تھا دو انگلیاں مجروح ہو گئیں لکھا نہیں جاتا۔ کمبخت نے ہاتھ پر بُری طرح چوٹ لگائی پس ان اتفاقی امور پر نظر فرما کے ردی پہلے کے مضامین پر قناعت فرمایئے انشاء اللہ یہ خشک سالی جلد دفع ہو جائے گی۔

نیاز مند اڈیٹر

نینا امرت انجن

زنانہ ڈسپنسری محلہ جابان بٹالہ پنجاب کا تیار کیا ہوا سرمہ ہمیں اس لیے بھیجا گیا کہ استعمال کرنے کے بعد اس کے فوائد کا اعلان کریں۔ ایک تو بڑھاپے نے سامان رائش کی طرف سے بے نیاز کر دیا ہے دوسرے زنانہ ڈسپنسری کا نام دیکھ کے جس کی مربی ایک معمر ترین خاتون ہیں بقول کسے

ایک تو نینا رہو بھرے دو بے انجن لسار
اے بارے کوئی دوست تو ارن ہتیار

یہ سرمہ تو الونکو مسلح کرنے کیلیے ہوگا آخر منیجر صاحب کے حوالے کو یا ہی آنکھ دُکھنے کی کسی قدر شکایت بلا وجہ آنسو بہانے کی تھی انھوں نے استعمال کر کے بتایا کہ اسکے مفید ہونے کی اطلاع دی غالباً نامعمرہ جوان تو نیز کیلیے بھی مفید ہوگا۔ ضرور منگا لیجیے۔

اطلاعنامہ حسب دفعہ ۸۰ ایکٹ ۲ سنہ ۱۹۲۶ء صوبہ آگرہ

نمبر ۱۳۶

بعدالت مال مقام کھاگا ضلع فتحپور

چونکہ مقدمہ نالش چودھری جے چند سنگھ ولد بابو سنگھ قوم ٹھاکر ساکن اور ہامرو ۔۔۔ پرگنہ ۔۔۔ بنام ۔۔۔ درگا ولد ہنومان قوم اہیر ساکن و کاشتکار موضع ۔۔۔ کا نمبر ۔۔۔ کی کوٹل نمبر ۸۰ مں درگا پیدا رکھے جو عدالت میں منفیصل ہوا ایک ڈگری بقایا لگان بابت ۱۳۴۳ف لغایت ۱۳۴۳ف بتاریخ ۱۹ صادر ہوئی اور مبلغ ۔۔۔ جو از روئے ڈگری مذکور واجب الادا ہیں جن کی تفصیل حاشیہ پر درج کی جاتی ہے اور چونکہ آج کی تاریخ تک ڈگری بلا انفاذ رہی ہے

	روپیہ	آنہ	پائی
اصل	۲۵	۱	.
خرچہ نالش	۷	۱۳	۹
سود بابت زر اصل و خرچہ نالش	.	۱۵	.
خرچہ اجرائے ڈگری	۲	۱۱	.
سود بابت خرچہ اجرائے ڈگری			
میزان	۳۶	۸	۹
محنتانہ کرر	.	۱۲	.
رسوم درخواست		۱	۲
صرفہ اخبار	۲	۲	
میزان	۴۳	۹	۳

لہٰذا بذریعہ اس تحریر کے تم درگا مذکور کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تم زر مذکور یعنی مبلغ ۔۔۔ جو از روئے ڈگری کے واجب الادا ہیں اس عدالت میں پندرہ روز کے اندر تاریخ موصول ہونے اطلاعنامہ ہذا سے ادا کر دو ورنہ وجہ ظاہر کرو کہ تم مندرجہ ذیل کھیتوں سے جن کی بابت بقایا ڈگری شدہ واجب الادا ہے بے دخل کیوں نہ کیے جاؤ۔

تفصیل اراضی

پرگنہ	موضع	محال	نمبر کھیت کا	رقبہ کھیت کا
سکارم	بہارپور	[illegible]	۳۷۰	۱۰ او
			[illegible]	[illegible]

دستخط حاکم — مہر عدالت

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(دارڈرہ قواعد ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی سنہ ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۲۴۰ ۔ بقایا لگان

بعدالت تحصیلدار صاحب بہادر مقام باندا ضلع باندا

ربی دین ولد لو کی قوم برہمن ساکن موضع سند ہن کلاں مزرعہ گورگیا پرگنہ ملانی ضلع باندا مدعی۔

بنام

مساۃ اندرانی دختر راجہ رام ٹھاکر سکنہ موضع ۔۔۔ و گنگا چرن ولد رام چرن و راجہ رام و رام چرن پسران للو و جگناتھ ولد گوری شنکر اقوام برہمنان ساکنان موضع سند ہن کلاں پرگنہ ملانی ضلع باندا مدعا علیہم بنام مساۃ اندرانی دختر راجہ رام قوم ٹھاکر ساکن موضع ۔۔۔ پرگنہ ملانی ضلع باندا

واضح ہو کہ مدعی نے تمھارے نام ایک نالش مبلغ ۔۔۔ بابت بقایا لگان کے دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۳۰ ماہ جون ۱۹۳۶ء بوقت ۱۰ بجے صبح بمقام باندا اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعویٰ کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمھاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو حاضر کرو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات پر جس پر تم بتائید اپنے جواب دہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کر دو اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمھارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۳ ماہ جون ۱۹۳۶ء جاری کیا گیا۔

نام موضع	نمبر کھیت	رقبہ	لگان	بڑی جہرت	باقی جہرت	محصول باقی
[illegible]	۱۳۳	[illegible]	۲/۹	.	۲/۴	۲/۴
	۱۳۴	[illegible]	۲/۶	.	۲/۱۳	۲/۱۳
		[illegible]	۲/۹		۲/۷	۲/۷

دستخط حاکم — مہر عدالت

REGISTERD M.A. 703
ظریف ہفتہ وار
مشہور با تصویر
LUCKNOW
OUDHPUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
ویرون ہند
دس روپیہ

جلد ۱۸ — نمبر ۲۲

مضامین

(مورخہ ۲۶ جون ۱۹۳۳ء)

قطعہ تاریخ در تہنیت خطاب شمس العلماء از طرف حضرت فیوض مآب مدظلہ

منشی اودھ پنچ خاں صاحب بجھو عرض ہے۔ اجی حضت (حضرت) امسال خطاب یافتگان کی فہرست کو دیکھ کر جی میں آتا ہے کہ اینجانب بھی کسی نہ کسی بوم زادہ (زادہ بوم، پسر خاک وطن) کو گرفتار کریں۔ اسکی دم میں خانصاحبی کی جھلّی چپکا کے نکل بنا دیں تاکہ حروف تہجی کی دم کے نقش بے رنگ اس بوم زادہ کو باعتبار دُم دراز دیکھنے والے کی نظر میں کچھ طاؤس بنا دیں۔ دنیا عجیب و غریب جگہ ہے۔ اگر قوم فروش یا ایمان باختہ اشخاص مستحق نوازش ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ باعث وحش یا نہ کالو جیکل گارڈن اس نعمت سے محروم رہے۔ سنتے ہیں کہ جہاں گھوڑے داغے جاتے تھے وہاں کوڑے نے بھی اپنی ٹانگ اڑا دی اور بقول عوام ملبا آخر ہو گیا۔

امسال موسم گرما کی سرد مہری نے خطاب کی بارش کی امید منقطع کر دی تھی۔ غریب امیدواروں کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے تھے مگر خطابوں کی فہرست نے بعض گھروں میں پھر گرما گرمی پیدا کر دی بلکہ یوں کہیے کہ بعض مردہ جسموں میں ایمان فروشی کی روح از سر نو پھونک دی۔

خدا رکھے بی جمالو کو جو پرائے گھر میں آگ لگا کے تماشا بھی دیکھتی اور پانی کو بھی دوڑتی ہیں اور آگ بجھانے والوں کو خطابوں کا لالچ دے کر ہمت افزائی بھی کرتی ہیں مگر بقول ہوا زن اگر کوئی اپنے گدھے کو دہی خشکا کھلائے تو کسی کے ..... کا کیا اجارہ۔

ہم کو تو اپنے مرزا انبارسی لعل کے بے خطاب رہنے اور باوجود ایمان فروشی قدر و منزلت نہ بڑھنے پر صد ہزار افسوس ہے۔ تعجب ہے کہ ایک خرنا شخص تو خطاب پا لے اور ہمارا ولایتی نابو دنہ اس عزت سے محروم رکھا جائے۔ تفو بر تو اے زنال دنیا تفو۔

ہمارا ولایتی نما چمپینزی یعنی مسٹر بوزنہ سرکاری خطاب کو اپنے لیے شرف عظیم تصور کر کے شجر امید پر مدتوں سے بیٹھا اپنی قدرتی لیبے کی دھار سے اس درخت کی آبیاری کرتا رہا۔ مگر اس بیچارے کی شاخ تمنا ہری نہ ہوئی اور غریب کی وہی مثل ہوئی کہ نہ خان میں ہے نہ خان کے اونٹوں میں۔ سچ ہے۔

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں ۔۔۔ طوق زریں ہمہ در گردن خر می بینم

مگر دنیا بامید قائم۔ چونکہ مسٹر ڈارون آنجہانی کے اس انسان نابندر کو خوشامد کا مرض شدید ہے لہذا ہم کو یقین ہے کہ اگر یہ بوزنہ صفت انسان بدستور قوم فروشی و ناحق کوشی میں مصروف رہا تو آئندہ موسم سرما میں خطاب کے انجکشن سے اس کے سرد شدہ جسم میں پھر گرما گرمی پیدا کر دی جائے گی۔ گو مسٹر دست تبدیل اب نسل و نطفہ ایک امر محال معلوم ہوتا ہے مگر آجکل کے سائنسداں ڈاکٹروں سے کچھ بعید نہیں کہ ایک قسم کی نسل کو دوسری قسم میں تبدیل کر کے جس کسی کو چاہیں شیخ سے مغل یا پارسی سے پٹھان بنا دیں۔

بہر حال ہمارے ایک تربیے دم کو جو پٹھانی کا خلعت عطا ہوا ہے اس کی تقریب خوشی میں ایک قطعہ تاریخ حاضر خدمت ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کا گدھا نہ سمجھے اور بدستور گھانس چرنے میں مشغول رہے مگر آپ تو عجب نہیں جو فرط مسرت سے بھول کر فیل بے خرطوم بن جائیں۔ وھو ہذا:—

قطعہ تاریخ در تہنیت عزت افزائی خر

یہ خواب دیکھا اتفاقاً لیٹے لیٹے بستر پر ۔۔۔ کہ خاں صاحب اک مدت سے سوار ہیں خر پر

بڑھا میں اور کیا میں نے اُن کو جھک کے سلام ۔۔۔ جواب انہوں نے دیا رکھ کے ہاتھ کو سر پر

جو عرض کی کہ کجا آپ اور کجا یہ گدھا ۔۔۔ تو بولے کیا کروں قابو نہیں مقدر پر

میں کیا بتاؤں کہ اندھا سمجھ کے یاروں نے ۔۔۔ بٹھا دیا ہے مجھے آج اس گدھے پر

جواب سن کے مری آنکھ کھل گئی پٹ سے ۔۔۔ نظر اٹھائی تو اک پوسٹ مین تھا در پر

اٹھا میں آنکھوں کو ملتا پھر اپنے بستر سے ۔۔۔ لپک کے ڈاک لی۔ ڈالی نگاہ لیڈر پر

تو دیکھا فہرست ہے اس میں خطاب والوں کی ۔۔۔ ہے اک کلاہ تفاخر حمار کے سر پر

یہ تب میں سمجھا کہ ہے خواب کی یہی تعبیر ۔۔۔ جو دیکھا سوتے میں۔ ظاہر ہوا وہ منظر پر

نہیں خطاب یہ نظروں میں استبازوں کی ۔۔۔ لدا ہے بوجھ گناہوں کا دُم کٹے خر پر

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں مادہ تاریخ بذریعہ تخرجہ نکالا ہے۔ ملاحظہ ہو کہ

فضول پہلے تھا دعویٰ اسے پٹھانی کا ۔۔۔ پٹھانی اب سے پڑھی ہے سفید خچر پر

۱۹۳۳ء

راقم

تمری چیر فارسٹر مجرا ہیب ہیپ ہُرّے

بوسہ بلائے جان

سنا آپ نے مولانا عجب سے ایک نہایت دل جلانے والی بلکہ ہر عضو نہانی و عیانی کی جلانے والی خبر سنی ہے اُس وقت سے دل میں ہول سما گیا۔ دُہری تہری زین کی لنگی اور چمڑے کا پیجامہ پہنے گھر میں ٹہلتا رہتا ہوں۔ خدا خیر کرے مہذب ممالک میں جو نیا انداز جور و صاحبات اختیار فرما رہی ہیں واللہ نہایت روح فرسا ہے۔

سنتے ہیں کہ امریکا میں ایک میم صاحب نے اپنے شوہر پر یہ دعویٰ کیا کہ معلوم نہیں خدا جانے کس کی نسل سے ہے یا بھڑ (زنبور) کا بچہ ہے یا بھونرے کا سگا ہے۔ جب تب خلطے میں آ کے میرے میٹھے رب السوس ولایتی یا گلبرگ سے ہونٹ اس طرح چوستا ہے کہ وہ شفتالو کی طرح پھٹ جاتے ہیں نیز یہ نگوڑا اکما طلاق کی جوتری بغیر دفان نہیں ہو سکتا۔ لہذا مجسٹریٹ صاحب اپنے خدا کو مان کے میرے ہونٹوں کو بچا لیجیے۔ میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ مگر عدالت نے میم صاحب کی ایک نہ سنی اور فیصلہ کر دیا

کہ ہر شخص کے لیے اپنی "اے جی" کے لب ہائے تند آگین کا رس چوسنا جائز ہے۔ تجویز سنتے ہی میم صاحبہ آگ لگے اس عدالت کو کہتی ہوئی گھر آئیں۔ اب سنیے کہ میاں کو تو لپکا پڑا ہوا تھا۔ کچھ دنوں بعد خلوت میں پھر ہونٹوں پر ہونٹ رکھ بیٹھے۔ سمجھے تھے کہ شاید اس عمل پیہم سے ان کی گھناؤنی حرکت قابل درگزر ہو۔ بھلا میم صاحب کب طرح دینے والی ہیں۔ ایک مرتبہ ڈبل ساد صبر جو لات ماری ہے تو بہو نہ صاحب آتش خانے کی انگیٹھی سے واصل ہو گئے۔ اگلا پچھلا جلس کے کوئلہ ہو گیا۔ (غالبا برہنہ تھے اس وجہ سے جلنے میں دیر نہیں لگی)۔ اب مقدمہ بازی ہو رہی ہے حالانکہ ایسی حالت میں طلاق ہی زیادہ موزوں تدبیر ہے ؎

جلا ہے جسم جہاں سب ہی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

جلنے اور جھلسنے کے بعد بشرطیکہ آگ نے پوری تاثیر کی ہو۔ کمیدان لب ہائے شیریں کا ذوق بیکار ہے۔ البتہ جو اعضا جل گئے ہیں شاید اُن کی قیمت میم صاحب سے دلوا دی جائے۔ اگر یہ ہوا بھی تو کیا ملا؟ کچھ نہیں ؎

دل ہی نہ رہا امید کیسی
جڑ کٹ گئی نخل آرزو کی

فرمائیے کہ ایسی دھڑکن پیدا کرنے والی خبریں ہوش گوش رکھنے والوں کو آرام سے کب بیٹھنے دیتی ہیں بایں معنی کہ ہندوستان تو ہے مہذب ممالک کا غلام بے دام۔ نسوانی تمدن یہاں اسی طرح ترقی کر رہی ہے جیسی کہ ان تہذیب گاہوں میں۔ بہت سی ہندوستانی عورتیں تو تہذیب کا سبق پڑھا چکی ہیں۔ خدا نخواستہ جو یہاں بھی ایسی ہی ہوا چلی اور ایک بوسۂ لب شیریں کے عوض دولتی اور رد دولتی کے بعد سوختہ شدن اعضائے نہانی کا عذاب پالنا پڑا تو واللہ بری ہوگی۔ اے حضرت بندہ بھی ایک تعلیم یافتہ آزاد منش بے پردہ و بے حجاب "اے جی" کی تلاش میں تھا۔ اب اس خبر سے دہل گیا ہے۔ بایں معنی کہ بندہ تو رہے قانونی حق سے استفادے کی دھن میں۔ اُدھر جل جائے قانونی حقوق جسمانی پڑا۔ تو پھر کیسے کیسی ہو۔ ہائے ؎

اگر یک بوسہ سر انجام من زن

وناں بلغزن تمام ہوے فونن

ایسی حالتوں میں سب خودی بھی انسان پر طاری ہو جاتی ہے۔ اہانت کی جملے سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ آزادی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ میم صاحب پر جرم ثابت نہ ہو۔ ڈاکٹر آکے شوہر صاحب کی گندہ دہنی کا فد پیش کردے یا اس طرح کے بوسے کو حسن کے حق میں مضر اور صحت کے واسطے سم قاتل قرار دے یا میم صاحب کی جسمانی نازکی پر بہانہ رکھ کے اس طرح کی لات کو یہ ہٹے کٹے شوہر کو دو گز پر اُچھال پھینکے غیر ممکن تصور کرے۔ حاکم صاحب کہیں کہ "واں آپ کو ہونٹ چوسنے کا حق ہے میم صاحب کو لات ملنے کا حق ہے۔ آپ ہونٹ چوسیے وہ لات ماریں۔ یعنی یہ وجہ بھی طلاق کے لیے مکتفی نہ ٹھہرے تا کہ ایک مرتبہ ہی بوسہ جان لیوا بن جائے۔

نہ رہے بانس نہ بجے بانسلی

ہماری رائے ہے کہ میم صاحب اگر پھر بھی اپنے گس طبیعت شوہر کے حوالے کر دی جائیں تو انھیں چاہیے کہ وہ بھنبوڑ کھانے کی عادت ڈالیں۔ یعنی جب شوہر صاحب اپنی بے چینی کا اظہار ہونٹ چوسنے کے ذریعے سے فرما چکیں تو میم صاحب صبر کریں بعد ازاں باظہار جوش محبت والفت کچ کچا کے صاحب کے گالوں پر ایسی چکٹ ماریں کہ تا ابدالآباد نشان بوسۂ محبت قائم و دائم رہے۔ جاؤ میاں ہر بی بی کو اختیار ہے کہ اپنے میاں کے گالوں پر بوسہ دے۔ فقط

راقم

بوسہ بمن دادی ورنجیدۂ
باز ستانم نہ پسند یدۂ

نیم پڑھے لکھے جورو خصم کا مکالمہ

سہارنپور کی زبان میں

(سلسلہ کے لیے دیکھو اودھ پنچ ۲۶ اپریل [illegible])

زوجہ۔ اُس دن اور باتوں میں لگ گئی تم گھڑی بھر بھی گھر ماں نی ٹکتے جو کچھ کہہ سکوں۔ مجھے ایک بات ہے ضروری کہنی تھی کوئی موقع ہی نہیں ملتا۔ خدا جانے او منہ سے سیدتے سے مونڈ آئے کہاں کہاں چلے گئے جو شام کو کئی گھنٹے ماں آئے۔

خصم۔ اس روز میں سلیم پور چلا گیا تھا۔ راؤ اصغر خاں صاحب نے ایک جلسہ از جانب امن سبھا جسے یہاں کے لوگوں نے انجمن احباب کے نام سے موسوم کیا ہے کرایا تھا۔ اور میرے لیے راؤ صاحب نے موٹر بھیجا تھا۔ اُس جلسے میں کلکٹر صاحب صدر تھے۔ شہر کے تمام ہندو مسلمان عمائدین اور راؤ سے دھوسے (آس پاس) کے گوانڈ (جمع گاؤں یعنی دیہات) کے ہزاروں زمیندار اور کرسان (کسان۔ کاشتکار) اور عام لوگ کوئی دس ہزار کے قریب جمع ہوئے تھے۔ خیر یوں تو بہت سارے لکچر و کچھ ہوئے مگر جو نظم شیخ نثار احمد صاحب ممبر چنگی نے دیہاتی بولی میں پڑھی وہ سب لوگوں نے بہت پسند کری۔ میں اسکی نقل کرلایا ہوں۔ دیکھو تو کیسی مزے دار ہے:—

۱۔ راؤ اسگر کھان نے یو وجڑ سا (جلسہ) بڑا بڑھیا کیا
دیکھ لیں (دیکھنے) اس کو سہرتے (شہر سے) میں بھی
لوگو آ گیا۔

ہم آج تو گاؤں ہپ ماں مہاٹے (ہمارے) ہے جڑ سا
جوڑ کا (جلسہ زور کا)۔

دیکھ میں چل توں بھی باپو جبڑ رسا ڈھور کا (دیکھنے
چل تو بھی باپ بڑیسا مویشی کا جوڑ دے)۔

۳۔ کے کٹورے (کیا دیکھتا) ہے کھڑا ٹیں (تو) کھیت
کی ڈھب (طرف) لے نٹیا۔

بیس منڑ (۲۰ من) اکے بیسے تے جو۔ جو بیچے سب
اُدھار (اُدھار)۔

۴۔ روجی مجدوری (روزی مزدوری) تو دکھنیلا
(دیکھنے میں) کہیں آتی نہیں۔ کانگرس پودیہ) کم کنت
(کمبخت) یہاں سے کہیں جاتی نہیں۔

۵۔ باپو (باپ) ایکے لمبری گئنے کا کُھم (تخم) لاوینگے
ہم لگا دیں گے)۔ اور بڑے بابو کا بھا ہے کے [illegible]
بھجن گا دیں گے ہم۔

۶۔ ممباری بھاری (ہماری) تو کم کھیتی ماں بد کسی میں
پڑی اب جان (پڑی ہے اب جا) نر (جان) دیکھا

یکے ہو کیت کا جب ساماں از ساری [illegible])—

دید یہ اہتمام کمال گیا از نصیحت عمل خیالات) سے پیچھول (فضول) صاحبان (اب) نثار
گو نہیج (گول) میز) جب کر رہی ہے بھیلہ (فیصلہ) اچھا تھا

زوجہ — اس نظم کو سن کے تو گنوار بڑے خوش ہوئے ہوں گے — واقعی خوب کہی ہے۔

شوہر — ہاں جلسہ بڑا کامیاب رہا — اور یہ تجویز ہوئی ہے کہ ۱۸ جنوری ۱۹۳۱ء کو ایک جلسہ اسی قسم کا صاحب کلکٹر کی کوٹھی پر اس انجمن کی طرف سے ہوگا۔

زوجہ — بس تم تو انہیں جلسوں تماشوں کے ہو رہے ہو — گھر کا کام کاج جاوے چولھے بھاڑ میں۔

شوہر — تو گھر میں بیٹھ کے انڈے سیئوں یا عورتوں کے ...... سوکھوں؟۔

زوجہ — تمہیں کچھ خبر بھی ہے — آگے پیچھے کا کچھ ہوش ہے — سوا پہر دن چڑھے تک گھر میں آگ رہتے ہے!!!۔

شوہر — خدا کرے — میں تو کہیں آگ واگ دیکھتا نہیں — تمہارا تو ایک بال بھی نہ جلا

زوجہ — تم کیا جانو جس کے دل پر گزری ہو وہی جانے۔ ایک بال کیا؟ میں تو ساری ہی جلوں جاؤں ہوں — یہ دو دو جوان (بجار) اود بچاہ یعنی سانڈ بیل) کی بچاہ کنواری بیٹیاں (لڑکیاں) میرے سر پر سوار ہیں — مجھے ہر وقت اُن کی رکھوالی اک تو آئی (مصیبت) ہے تو تیسرے ہوں تو اتنی فکر نہیں — لنگوٹیا دھن ہے تم سے سیوں دفعہ کہا کہیں ان کا بھلسا دا کر دو۔ تمہارے کان پر جوں بھی نہیں چلتی — اس کان سنی اُس کان اُڑا دی۔ ان کی رائیں (ہم عمر) لونڈیوں کے ماشاءاللہ تین تین بچے ہو چکے۔ میں اسی سوچ ماں مروں جاؤں ہوں — دیکھو اللہ وہ دن کب کرے گا جب عزت آبرو کے ساتھ یہ رخصت ہوں گی — خدا جانے تم کس خواب غفلت میں ہو۔ بیٹیاں تو بادشاہوں سے بھی نہیں ٹھہائی جاتیں — ؟ اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اک (کہ) مردہ کے دفن کرنے اور لڑکیوں کو بیاہ دینے میں (جب جوان ہو جاویں) جلدی کرنی چاہیے — قربان جاؤں اس میں بڑی مصلحت ہے۔

شوہر — تمہیں تو ایک بات کی دیڑ لگ جا ہے — بیاہ شادی گڑیوں کا کھیل نہیں۔ کئی دفعہ کہہ تو چکا ہاتھ میں جب پیسا ہو تو کچھ کیا جاوے — خالی ہاتھ منھ تک نہیں جاتا — تم تو جانو ہو کیسی مشکل کا سامنا ہے گاؤں سے کچھ وصول نہیں ہوتا — کھیتی باڑی کا وہ احوال — پیداوار کی ارزانی کی وجہ سے کچھ فائدہ نہیں — کوئیں کی مٹی کوئیں ہی میں لگ جاہے کیا کروں — میں خود اسی سوچ بچار میں ہوں ایک زمین بیچ رہا ہوں اس کا انتظار ہے — وہ بک جا تو یہ کام انجام ہو — اور جو قرضے کا بار ہے وہ بھی ہلکا ہو۔

زوجہ — چار برس سے اٹھنوں (اب) تک تمہارے ہاتھ میں اس کنوار خیر (کار خیر سے مراد ہے) کے لیے پیسا ہی نہیں آیا — خدا جانے اور فضول خرچیں کو کہاں سے جڑ جا ہے — ابھی اس دن ایک سو روپے بیٹھ گئی (دنگئی) اٹن سبھا کے چندے میں دے آئے — کیا تے (کیا جانیں) ایسے ایسے کتنے اٹھا دیے ہوں گے — بس اپنا شوق پورا ہو جا — ناک رہے چاہے کٹ جا — گھر ہوتا رہے۔

شوہر — لونڈیاں تمہیں اتنی دو بھر کیوں ہو گئیاں — وہ غریب کیا تم سے کچھ مانگیں ہیں — جب تک اُن کا نصیبہ ہے اور کھا پہن لینے دو — پھر تو وہ اپنے اپنے گھر کی ہیں۔

زوجہ — جب وہ کچھ نہیں مانگتیاں تو اُن کا پہلے خیال کرنا چاہیے — شریف زادوں کی لڑکیاں کیا اپنے منھ سے مانگا کریں ہیں — اُن کا جوان اور بالغ ہونا ہی عمر کا ایک سب سے بڑا تقاضا ہے — میں نہیں جانتی اس بارہ وفات کے چاند میں ضرور دونوں کو مائیوں دے بٹھاؤں گی — گو تمہیں سمدھانے والوں کا بھی روز آدمی آوے ہے — اور ہم بھی اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ کچھ تمہارے ہاتھ میں ہو نہ ہو کچھ کرو نہ کرو — مجھے اس سے کچھ بحث نہیں — میں تو جانوں ہوں نہ آج سے نکل ہے — ابا جان اپنی ہی جھوٹی نسیل میں گرم ہیں — سالٹی (پینشن) سے میں نے اسی دن کے واسطے تھوڑا تھوڑا کر کے کچھ زیور جوڑ جمع کر رکھا تھا۔

شوہر — اس کا تو میں قائل ہوں کہ تم ہو دور اندیش عقلمند — کچھ ایسی ہی اُفتاد ہوتی گئی کہ دن کٹتے چلے گئے — زیور کپڑا تو تم نے کر لیا — مگر اور بھی تو بہت سارے اخراجات ہیں — برادری کا کھانا — دوستوں اور حکام کی دعوت — کمینوں کا نیگ — کچھ ہنسی ٹھٹھا تو نہیں — ڈیڑھ ہزار نہیں تو بارہ سئے روپے کا خرچ ہے — نہ کروں گا تو لوگ کیا کہیں گے وہی مثل ہے "نام بڑا درشن چھوٹے" کنبے برادری والے الگ نام دھریں گے — ہم چشم انگلیاں اٹھاویں گے — برادری والوں کا تو کھانا کھلانا ہے — ساری عمر لوگوں کا کھاتے رہے — ہم نے تو آج تک کوئی کار نہیں کی — ذرا صبر کرو — دیر آید درست آید — چند مہینے اور نہ شد نہ شد — دھان بھی ہو جانگے اور موسم بھی اچھی آجاوے گی — (باقی آئندہ)

الراقم :- محمد باقر حسن سہارنپوری

تشبیہ لطیف از طبع ظریف

چمنستان ذکاوت کے بیخ دسترخوان ظرافت کے لنچ مسٹر بیخ زادت تحقیقکم —

سلام علیکم — شاید آپ کو خبر نہیں کہ اینجانب بر اعظم نثر میں بادیہ پیمائی کرتے کرتے مجبور نا متناہی نظم سے بھی دُر ہائے آبدار مضامین نکالنے لگے طبیعۃً آپ بھی بادولت کا اشہب خامہ اُسی طرح کا وے ایڑن کا تماشا دکھاتا ہے جس طرح طبیعۃً خاکی یہ قافیہ و ردیف کے باہر قدم ہی نہیں رکھتا چنانچہ بطور نمونہ سطر اول کو ملاحظہ فرمائیے کہ لکھ تو رہا ہے نثر مگر قافیہ تنگ کیے دیتا ہے نظم کا بھلا خواب میں بھی کبھی آپ کو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ بیخ کا کوئی ہم ردیف ہو سکتا ہے ؟ — جس طرح مرغ کا چوزا جیسے لوگ بزبان شاعری قافیہ کہنے لگے ہیں قدرت نے خلق نہیں کیا — آپ بھی اپنے کو بیخ عدیل یعنی فرد سمجھتے رہے — مگر اینجانب کی طبع موزوں نے ایک چھوڑ دو دو قافیے ڈھونڈ ڈھونڈ نکالے — اور وہ بھی اُسی قبیلے سے جس سے

عہ بیخ — شگوفہ ۱۲

غیر معین آسائش

آرام گیر مہاتما: "کیسی کانگریس اور کیسی کمیٹیاں، تم پاؤں دباؤ ہم سوئیں اچھے ہو جانے پر ہم خدمت کریں گے تم آرام کرنا۔ ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔"

مخبر طائر: "بس۔ معلوم ہوا۔ الحمد للہ سب طرح خیریت ہے چوں چوں چوں چوں۔"

جاری شدہ ۱۸۳۰ء
ٹیلیفون نمبر ۱۳۰
تار کا پتہ حسنا لکھنؤ
شاخ
قنوج حیدرآباد دکن دہلی
بسر پرستی حضور نظام خلد اللہ ملکہ
فرمائش کی تعمیل فوراً کی جاتی ہے
تاجروں کے ساتھ خاص رعایت کی جاتی ہے
اس کارخانے نے دیسی صنعت کا ستارہ اوج فلک پر چمکایا ہے
سرمہ دافع ضعف بصارت و اکسیر امراض چشم
طلب کرنے پر بلا قیمت روانہ کیا جاتا ہے
نرخ نسبتاً ارزاں رکھا گیا ہے
اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

REGISTERD Nº A. 785
مشہور با تصویر ظریف ہفتہ وار
LUCKNOW
OUDHPUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
अवध पंच
लखनऊ

جلد ۱۸

مضامین

نمبر ۲۳

(مورخہ ۵- جولائی سنہ ۱۹۳۳ء)

نظم کے سمندر میں بدنظمی کا طوفان

درہم و برہم نظامِ شاعری ہے آج کل
ہے یہ بدنظمی ہے نظم و ضبط جس کا نام ہے

ترجمانی جرم ہے اس عہد میں جذبات کی
شعر پر معتوب شاعر موردِ الزام ہے

ہے تغزل کا لقب تخریبِ اخلاق آجکل
ذکرِ احساسات کا بیہودہ سرائی نام ہے

خبط میں داخل ہیں شکوے انتظار و اشتیاق
جذبۂ دل ہے واہمہ الفت خیالِ خام ہے

ہے زمستانِ حماقت شوقِ وصل شوقِ دید
مظہرِ پیمان خیالی نامہ و پیغام ہے

محض فرضی نام ہیں ضبطِ فغاں پاسِ وفا
نالہ و فریادِ عاشق شورِ بے ہنگام ہے

اب اصولِ ارتقائی جامعِ اضداد ہیں
ہر نظامِ کار کا تقلیدِ بیجا نام ہے

دشمنِ تقلید ہیں ترکِ قدامت کے لیے
مغربی تقلید لیکن پھر بھی فرضِ عام ہے

اک طرف تو خود یہ کہتے ہیں کہ ہم تعلیم کا
بے ٹریننگ کے نہ کچھ حاصل نہ کچھ انجام ہے

نیتی ایک ایم اے ڈل تک پڑھا سکتا نہیں
ہو نہ جب تک تجربہ تعلیم اس کی خام ہے

اک طرف عروض کی یہ حالت کہ بے سیکھے پڑھے
جتنے علم و فن ہیں اُن پر ان کا قبضہ عام ہے

یعنی یہ اعجاز بھی ہیں عالم بھی ہیں شاعر بھی ہیں
اور جو ان کی سمجھ میں آئے وہ الہام ہے

فن طب، علم سیر، منطق، ادب، قرآن، حدیث
سب میں یہ فاضل ہیں اور ان کی فضیلت عام ہے

لفظ پڑھواؤ تو رنجیدہ کو الجبنڈا پڑھیں
نام کو پوچھو تو فرمائیں کہ شاید نام ہے

جب یہ تشبیہ ٹم کو دیں ٹم اور ویل کو ول پڑھیں
نقل میں پوچھو تو کہہ دیں بس قاف اور لام ہے

فتح کو فتہ لکھیں تحریر پڑھیں تنجیر کو
ہم بتائیں عام ہے یا اسکو سمجھیں آم ہے

چار کو یہ چار سمجھیں نون سمجھیں نون کو
لفظ ہو سرسام لیکن یہ کہیں سرسیام ہے

حرفِ جار

جب تراویح ان سے لکھوا لو ترابی ہی لکھیں
اور مطلق ام سے لکھیں جو استفہام ہے

تذکیہ ز سے لکھیں تنزیہ لکھیں ذال سے
ہم کہیں ضرغام جسکو یہ کہیں ظرغام ہے

کیا تعلق ان کو جذبات اور احساسات سے
اور اگر ہو بھی تو اظہار ان کے بس کا کام ہے؟

حسن اک بکتا ہوا پوڈر ہے انکی رائے میں
ہے حسین وہ حقیقت جو دایرِ نیلام ہے

کوچۂ جاناں سینما، گارڈن یا ہال روم
وعدۂ دیدار تھیٹر کے ٹکٹ کا نام ہے

یہ کھلا کھیل اور یہ بے روک ٹوک آزادیاں
جن کو حاصل ہوں تخیل سے انھیں کیا کام ہے

اے قمر یہ لغزشوں کو جانتے ہیں اجتہاد
موجدِ اغلاط گویا مجدد نام ہے

(قمر بدایونی)

"تتمہ عجائب خانہ"

(گزشتہ کی دُم سے پیوستہ)

۸- ابلقستان یعنی ابلق دریائی گھوڑوں کا تھان۔ سفید گیدڑ کے معائنے کے بعد عجائب خانے کے گائیڈ نے اینجانب کو ایک پختہ اصطبل کے سامنے لا کھڑا کر دیا یہاں ایک عجیب الصورت ابلق جوڑی کو دیکھ کر طبیعت بگڑ گئی۔ دل کا ٹٹو دولتیاں اچھالنے لگا۔ حواس کا گھوڑا جو کڑی بھر کے گیٹ بھاگا۔ قریب تھا کہ روح کا پونی بھی عناصر اربعہ کی اگاڑی پچھاڑی توڑ کے جسم کے اصطبل سے نکل بھاگے۔ کہ اتنے میں عقل کے سائیس نے چمکاری دی۔ اور سمجھایا کہ میاں "نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد" اگر تم نے ابھی بزدلی دکھائی تو عجائب خانے کے سارے جانور جو ابھی تک گیدڑ بنے ہوئے ہیں بدھے کتے بن جائیں گے۔ اور تو اور بزکری بھی باوجود سینگیں نہ ہونے کے ٹکر مارنے پر تیار ہو جائے گا۔ یہ سن کر ہوش و حواس درست ہوئے اور پھر تو ایسی ہمت بندھی کہ اینجانب شیر بن گئے۔ اب کیا تھا عنانِ فرسِ نظر اس طرف پھیری۔ ان دریائی گھوڑوں کو دیکھا اور خوب دیکھا۔

اس اصطبل میں گھوڑی اور گھوڑا دونوں ابلق ہیں۔ یہ دونوں جانور صورت شکل چال ڈھال میں دریائی گھوڑوں سے مشابہ ہیں۔ بایں معنی کہ ہاتھ پیر تو گھوڑے کے ایسے ہیں مگر منہ پہاڑی لنگور سے ملتا جلتا ہے اگر نر گھوڑے کے منہ پر داڑھی نہ ہوتی تو گھوڑے اور گھوڑی میں تمیز کرنا دشوار تھا۔ ہم نے قصے کہانیوں میں ایسے جانوروں کے حالات سنے تھے۔ مگر اس سے پہلے ہم تو ہم ایسے جانور چشمِ فلک نے بھی نہ دیکھے ہوں گے۔ ان جانوروں کو دیکھ کر مشہور عالم جنتری کا ٹائٹل پیج یعنی سرورق یاد آ گیا اور براق کی تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ غالباً فرشتۂ قدرت نے اسی نمونے کو دیکھ کر ان جانوروں کا ٹھپا تیار کیا تھا۔ خوش قسمتی سے عجائب خانے میں مولانا و مرشدنا ابوالفروس حضرت پیر شاہ گھسیٹے صاحب جہاں گشت قدس سرہ کی زیارت ہو گئی۔ استفسار کرنے پر حضرت موصوف نے ارشاد فرمایا کہ نر جانور وحیدِ عصر و فریدِ دہر ہے۔ بایں معنی کہ اس کا جواب کسی عجائب خانہ میں تو کیا روئے زمین پر بھی نہیں ہے۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کے بعد اگر کوئی وحیدِ زمانہ کہلائے جانے کا مستحق ہے تو وہ یہی جانور ہے۔ حضرت مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ پہلے یہ جانور انسانوں سے ملتے جلتے تھے۔ مگر ان کمبختوں نے عبدالرجیم یعنی شیطان لعین کے بہکانے سے اللہ والوں کی شان میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کیں۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان بدبختوں پر عذاب نازل فرمایا اور ان کی صورتوں کو مسخ کر دیا۔ اور اب یہ جانور انسانوں کے زمرے سے نکال کر دریائی گھوڑے بنا دیے گئے (اللّٰھم احفظنا من کل بلاء)

یہ جانور دوغلے پٹھانوں کی طرح تھان کے ترے ہیں۔ گھوڑا تو پیرانہ سالی کی وجہ سے ذرا کلیلیں کم کرنے لگا ہے مگر گھوڑی بلا کی بنی ہوئی ہے۔ باوجود بڑھیا ہو جانے کی بھی اتنی تیز ہے کہ بڑے بڑے شہسوار اس سے پناہ مانگتے ہیں۔

ادھر کسی سوار نے (خواہ صغیر ہو یا کبیر) اس پچھاری کا ٹھی اُدھر اس نے پشتک پر پشتک جھاڑنا شروع کر دی۔ جیسے آسن اکھڑا اور سوار صاحب سرنگوں گھوڑی کے سامنے آ گئے۔

یہ عجیب تماشا ہے کہ جوڑی تو ابلق ہے مگر اس کے بچھیرے گلدار سبزے نکلتے ہیں۔ غالباً یہ بچھیرے منتظمین عجائب خانہ کی غفلت سے کراس برِیڈ (مخلوط النسل) ہو کر اپنی اصلیت کھو بیٹھے۔

آپ نے مرغیوں کو خاکی انڈے دیتے تو سنا ہوگا مگر اس اصطبل کے منو سائیس سے معلوم ہوا کہ اسی جوڑی کی بچھیریاں کسی زمانے میں خاکی بچے دیا کرتی تھیں۔ اور منوا لکو دانے کے ساتھ بجائے پانی کے چوزوں کی یخنی دیا کرتا تھا۔ مگر افسوس کہ وہ دڑ یا بھاگ گیا اور وہ بچھیریاں غائب ہو گئیں۔

یہ دریائی گھوڑا کاغذ چرنے کا بہت عادی ہے ناظم عجائب خانہ کی زبانی معلوم ہوا کہ کسی زمانے میں اس گھوڑے نے ایک مقدمہ باز تماش بین کے ہاتھ سے ایک دستاویز جھٹک کر نگل لی تھی اور سرپٹ بھاگا تھا۔ اس دستاویز کا نگلنا تھا کہ اس کے گڑگڑی اٹھی۔ آخرکار اس کے منھ میں نال دے کر گھوڑوں بنڈی کو تیل پلایا گیا تب کہیں وہ دستاویز بھرا، خرابی اس کی لید کے ساتھ دوسرے دن برآمد ہوئی اور اس جانور کی جان بچی۔

سنتے ہیں کہ اکثر دریائی گھوڑے اور سفید خچر میں لتیا ڈرج ہوا کرتی ہے۔ مگر غنیمت ہے کہ دونوں کا تھان الگ الگ ہے جس کی وجہ سے زائد لید اُچھلنے کا موقع کم ملتا ہے۔

اس اصطبل کے معائنہ کے بعد ہماری نظر بزکوہی پر پڑ گئی جو ایک چھپتے کے پاس بیٹھا پاگر یعنے جگالی کر رہا تھا اور اس کے دو مختلف البطن بچے (نر و مادہ) آپس میں خوش فعلیاں کر رہے تھے۔ یہ سین نہایت پُر کیف تھا۔

(باقی دارد)

وہی افیونی شہسوار

حضرت پنچ کا پوسٹ بیگ

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب اودھ پنچ لکھنؤ۔ السلام علیکم

آپ نے اپنے موقر اخبار مورخہ ۵ فروری ۱۹۳۳ء میں صاحب واکوس کا نام دریافت فرمایا تھا۔ افسوس کہ آج تک کسی نے اس طرف توجہ نہ کی۔ خود صاحب واکوس کے فرزند ملیہ امام منشی علی اصغر صاحب ملازم ریاست محمود آباد ضلع سیتاپور بھی اس وقت تک خاموش ہیں۔ جس سے یہ نتیجہ نکال کے کہ ان کو اطلاع نہیں ہوئی میں اس فرض سے سبکدوشی حاصل کرتا ہوں۔ و ہو ہذا:۔

صاحب واکوس کا اسم گرامی (منشی) احسان علی اور تخلص فصیح تھا۔ حافظ قرآن و خوش الحان تھے۔ موطن و مدفن قصبہ فتح پور ضلع بارہ بنکی ہے۔ تقریباً اسّی سال کی عمر میں وفات پائی۔ بہت ہی ظریف۔ بذلہ سنج، سیر چشم، مہمان نواز ہنگ تھے۔ کسی کے شاگرد نہ تھے۔ مبدء فیاض نے طبع موزوں و مذاق سلیم سے سرفراز فرمایا تھا۔ فارسی و عربی میں اس زمانے کے شرفا کے مطابق اچھی دستگاہ تھی۔ ان کے والد بزرگوار کا نام منشی نثار علی تھا جو عالم بھی تھے اور عامل بھی۔ جناب فصیح مرحوم میری والدہ کے حقیقی ماموں تھے۔ راجہ امیر حسن خاں مرحوم کی استادی کا فخر حاصل تھا حضرت امیر مینائی و داغ دہلوی کا زمانہ دیکھا تھا۔ ایک مشاعرہ میں جس میں دونوں جلیل القدر استاد موجود تھے غزل پڑھی جس کا مطلع درج ذیل ہے حضرت امیر مینائی نے اس مطلع کی بہت تعریف فرمائی:۔

غضب کا شوق شہادت سوار ہے سر پر گلے کی جان نکلتی ہے اس کے خنجر پر

بیاض سرہانے رکھی رہتی تھی اس میں لکھتے جاتے تھے۔ ان کی زندگی میں کوئی صاحب دس پندرہ ورق بیاض کے پھاڑ لے گئے۔ چار قصیدے مرحوم میر محبوب علی خاں آصف سادس والی حیدرآباد کی شان میں لکھے تھے لیکن پہونچنے نہ پائے تھے کہ آصف جاہ سادس کا انتقال ہو گیا۔ میں نے خود یہ قصائد ان کی زبان سے سنے ہیں لیکن اب کہیں پتا نہیں۔ ماموں علی اصغر صاحب قبلہ کے پاس سے کوئی اُن کے معتقد قلمی دیوان بغرض طباعت لے گئے تھے بعد میں معلوم ہوا کہ بہت سی غزلیں بہ تبدیل تخلص شائع کر دیں۔ معلوم نہیں دیوان واپس کیا یا نہیں۔

خدا مغفرت کرے فقط نیاز مند (وارث حسین شاؔ پور کرمانی وکیل)

انکشافات

خدمتگزاریوں کا ملا یہ صلا مجھے
اب بت پکارنے لگے حاجت روا مجھے

ڈائرکٹری میں دیکھ کے پہونچوں گا اسکے گھر
پروا نہیں ہے گر نہ ملے رہنما مجھے

آخر پولیس مین نے پہونچایا اُس کے گھر
جب ہو گیا میں گم تو ملا راستا مجھے

سر پیٹ پیٹ کر یہ عدو سب سے کہتا ہے
اب کیا کروں کہ اس نے لکھا ہے چچا مجھے

کیونکر کہوں رقیب سے رتبہ بڑھا دیا
کہتے ہو اس کو "وہ" تو فقط آشنا مجھے

کر دوں حرام بہر عدو اس حسین کو
کر دے خدا جو مفتی دار القضا مجھے

فرمائشوں پہ اس کی میں آخر کو بول اٹھا
لکھنا پڑے گی ایک نہ رانڈ یا مجھے

شوئنگ ڈریس میں اس کو لب بحر دیکھ کر
تو بہ پکارتی ہے الٰہی بچا مجھے

کھولوں میں اپنے شہر میں ایک نرسری کلاس
بخشے خدا اگر دل درد آشنا مجھے

شائستہ ہے وہ حفظ مراتب کا ہے خیال
دے نیم سوپ عدو کو تو دو نیولیا مجھے

جنبش ہے دل کو صبح سے مانند پنڈولم
بلوایا اس نے آج ہے بعد عشا مجھے

بلشائیے جس کے واسطے میں نے ہزار بار
اس نے جواب آج ٹکا سا دیا مجھے

عـ ‘‘ع’’ کو گرتے دیکھیے صابون کی تیزی کا اثر ہے ۱۲

ہے نوروا ز ڈے بے شک سب بچھو رآر مڈ — کچھ نہ ماہچوں نے یہ بتلا دیا مجھے
کتراکے اب بھی بیچو پن جنت تو عیب ہے — بخشا ہے حق نے آلڈر و دوزخ نما مجھے
عناب لب کہ سیب ذقن کوئی چیز ہو — بکتے ہیں آلڈ کچھ تو ملے ناشتا مجھے
لیلائے مالِ ستی صبح شب وصل یوں کہا — وہ ذبح کر کے پیار سے دیکھا کیا مجھے

ھوتی ہے صبح سو نے بھی دے تھوڑی پلیپ
خاشِ اذ برائے خدا مت ستا مجھے

روح ادب

سید حمید عباس صاحب عابدی بی۔ اے منشی کامل ساکن رام نگر بنارس دریاستم کی یہ مختصر کتاب مشتمل ہے بعض ایسے الفاظ کی تصحیح پر جنھیں عوام ہی نہیں بلکہ اکثر خواص بھی غلط استعمال کرتے ہیں۔ اودھ پنچ اٹھارہ انیس سال سے یہی خدمت انجام دے رہا ہے مگر کسی نے پلٹ کے بھی نہ دیکھا کہ یہ کام توجہ و قدر کے قابل ہے یا قدح و اعراض کے لائق۔ با ایں ہمہ دلی مدعا یہی تھا کہ لوگ اس طرف متوجہ ہو جائیں۔ کیا معنی کہ زبان ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے وسیلے سے دین و دنیا کے تمام مطالب ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اگر وہی غلط ہوئی تو پھر دونوں جہان غلط۔ شکر ہے کہ نوجوان تعلیم یافتہ گروہ کے بعض افراد کا دل پسیجا اور یہ کتاب اُن کی دلی رغبت کی علامت ہے۔ اس کتاب میں ڈیڑھ سو کے قریب غلط الفاظ کی تصحیح کی گئی ہے۔ مصنف کے بعض افادات سے ہمیں اتفاق نہیں۔ مثلاً "ذرا" کو وہ "ز" سے لکھنا تجویز کرتے ہیں۔ حالانکہ "ذرا" ماخوذ ہے "ذرہ" سے (بلکہ ذرہ کا مصدر ہے) اس لیے کہ ماخذ کا نشان باقی رہے۔ لوگوں نے اسے ذال ہی سے لکھا اور یہی ہونا چاہیے ورنہ جو الفاظ غیر زبان سے ماخوذ ہیں اگر اُن میں اصلی آثار باقی نہ رہے تو پھر تمیز دشوار ہو جائے گی۔ ہم اکثر عربی فارسی لفظوں کی جمع اُردو کے قاعدے سے بناتے ہیں (مثلاً لفظ کی جمع الفاظ ہے مگر اُردو میں لفظوں یا لفظیں بولتے ہیں) اگر تصرف ہونے کے بعد ہم اُن کی "ط" کو ت سے یا ذال کو "ز" سے بدل دیں گے تو صد ہا خرابیاں پیدا ہونے کا احتمال ہے (جن کے اظہار کا یہ محل نہیں)

اسی طرح "آذر" کو مؤلف صاحب زائے ہوز سے لکھنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ حالانکہ عموماً ایرانی اسے ذال ہی سے لکھتے ہیں یہ "ذال" دال ابجد سے کبھی بدل بھی جاتی ہے چنانچہ آذر اور "آدر" کے معنی ایک ہیں۔ آزر زائے ہوز سے حضرت ابراہیم کے چچا کا نام تھا۔ رومی سال کے چھٹے مہینے کا نام بھی آزر ہے۔ جو آذر ذال معجمہ سے ہے وہ بشہادت فرہنگ جہانگیری دراصل آذر (بضم دال ابجد) تھا وہ لکھتے ہیں کہ ترتیب لغت کے وقت ژند و پاژند و استا پڑھی جا رہی تھی کہ آذر ی شرب پڑھے نے ٹوک دیا اور کہا کہ یہ دال بے نقطہ سے پڑھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ فرہنگ انجمن آرائے ناصری میں ہے کہ قدیم زمانے کے پارسی ہر جگہ دال پر نقطہ دے کے لکھتے تھے گویا اُن کا رسم الخط یہی تھا۔ شعرا نے خنجر و نشتر کی طرح آذر کو بالفتح نظم کیا۔ یہ لوگ اہل زبان ہیں ہمیں ان کے معتقدات میں دخل دینے کا حق نہیں۔

بہرحال اختلافی مواقع بہت کم ہیں۔ مؤلف صاحب کی سعی مشکور ہے مگر قیمت آٹھ آنے زیادہ ہے اسے کم کرنا چاہیے۔ تاکہ ہم سے مفلس بھی فائدہ حاصل کر سکیں۔

اثنا عشریہ

پادری ایڈورڈ سیل صاحب ڈی۔ ڈی مشہور مستشرق ہیں ان کی کتاب "ہسٹاریکل ڈیولپمنٹ دی قرآن" بین العلما شہرت خاص رکھتی ہے۔ منجملہ دیگر کتب کے اُن کی یہ کتاب شیعوں کے بارہ اماموں کے تاریخی حالات پر مشتمل ہے۔ بقول مترجم ان کا قول تھا کہ اسلام عیسائی مذہب کی راہ میں ایک سنگلاخ قلعہ ہے جو آگے بڑھنے نہیں دیتا عیسائیوں کو لازم ہے کہ اس قلعے میں گھس کے انھیں اوزاروں سے حملہ کریں جو اس قلعے میں دوسروں کے خلاف مہیا کیے گئے ہیں۔ حتی الوسع والامکان مؤلف ممدوح نے اپنی عمر کے ستاون سال اسی قلعہ شکنی میں صرف کیے۔

سیل صاحب بارھویں امام کی والدہ کے بارے میں ارشاد کرتے ہیں کہ ان کی ماں کا نام نرجس تھا جو کہ ان کی پھوپی کی لونڈی تھیں مگر اتنی بات چھپا گئے کہ وہ عیسائی شہزادی اور یورپین بھی تھیں۔ خدا جانے سیل صاحب کو شرم کیوں آئی۔

کتاب دلچسپ ضرور ہے۔ فاضل مترجم نے جن کا اسم گرامی ظاہر نہیں کیا گیا جن واقعات کا تذکرہ تاریخ دسیر میں نہیں ہے انھیں حاشیے پر لکھ دیا ہے قیمت بھی مناسب ہے یعنی صرف ۲ سر یوسفی پریس فرنگی محل لکھنؤ میں اچھے کاغذ پر چھپی ہے۔ دواخانہ اکسیر ہند وکٹوریا اسٹریٹ لکھنؤ سے مل سکتی ہے۔

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۱۰)

آزوقہ کو شعرائے فارس نے بسقوط واؤ یعنی "آزقہ" بھی نظم کیا ہے۔ آزوقہ کے متعلق اور بھی قیاسات ہو سکتے ہیں جو بخیال طول سخن متروک ہوئے۔

ترکیبات میں جامع اللغات نے بہت غلطیاں کی ہیں مثلاً

(۱) کسی مقام پر اس کی تصریح نہیں کی ہے کہ آب کسی دوسرے لفظ کے ساتھ مضاف ہے یعنے اس کی "ب" کو بالکسر پڑھنا چاہیے یا بسکون۔ بلکہ بعض مقامات پر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف صاحب خود بھی صحت لفظ سے ناواقف ہیں چنانچہ صفحہ ۲ پر "آب نان" (بسکون با) کو "آبِ نان" (بکسر با) لکھ گئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ غریب کاتب گنہگار ہو۔

(۲) جہاں کہیں کنایہ ہے تو وضاحت نہیں کرتے کہ یہ کنایہ ہے۔ (۳) جس محل پر فارسی اور عربی سے کوئی لفظ مرکب ہے وہاں بھی توضیح نہ دارد۔ (۴) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس مقام پر "آب" لکھا ہوا نظر آیا بس وہیں پر قلم بیڑھی کے ٹٹو کی طرح جو پانی کا جھتر دیکھ کے رکوع کرنے لگتا ہے بیٹھ گیا۔ اب چاہے تک بیٹھے یا نہ بیٹھے معنی گڑھے اور لکھ دیے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "آب جوش" (مذکر) یخنی، سوڈا، اٹیشہ دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں "آب حسرت" (مذکر) خواہش۔ بھوک۔

"آب جوش" مویز کی ایک قسم ہے (خدا جانے فارسی ہے یا ہندوستانی علما۔ دل کی اصطلاح خاص)۔ مؤلف صاحب نے دونوں معنی گڑھے "آب گوشت" کو آب جوش سمجھ کر لونیڈ، سوڈا واٹر کو جوش کھاتے دیکھ کے ایجاد بندہ کے چشمے میں خود لگا کے بوتل نکال لائے۔ سبحان اللہ تیری جگہ "آب مروّق" کے معنی نتھرا ہوا پانی لکھے ہیں اور یہ صحیح ہے۔ دراصل مروّق شراب کا وصف ہے (منتہی الارب وغیرہ) لیکن اردو میں یہ لفظ (مروّق) اطبا کے طفیل سے مروّج ہوا۔ "آب مروّق" سے سبز قیموں کا اچھا اترا ہوا پانی مراد لیتے ہیں۔ اس کے اظہار کی ضرورت تھی۔ مگر نہ تو صاحب نور اللغات کو سوجھی نہ جامع اللغات کو۔ کہ یہ لغوی معنی میں یہاں کون بولتا ہے؟۔

اس قسم کی فروگذاشت ان حضرات کے لیے نئی نہیں۔ اسی طرح "آباد" کے معنی ہمیشگی دعا دینا لکھنا دونوں حضرات بھول گئے۔ حالانکہ "الٰہی آپ ابدالآباد تک زندہ سلامت رہیں" عورتیں بھانڈ اور ڈومنیاں تک بولتی ہیں۔ ذی علم حضرات "ابدالآبدین ابدالآباد" برابر لکھتے اور کہتے ہیں۔

مزید تفصیل آب مروّق کی یہ ہے کہ سبز قیمیاں کوٹ کے نچوڑی جاتی ہیں پھر اس گاڑھے عرق کو آگ پر رکھ دیتے ہیں۔ پھدک آتے ہی ثفل یعنی کھوپڑا کائی کی طرح سمٹ کے کنارے جا لگتا ہے اور نسبتاً زیادہ پانی جدا ہو جاتا ہے جسے چھان لیتے ہیں۔ یہی چھنا ہوا جزو آب مروّق ہے۔ کوئے رسنگترے۔ تربوز کی شراب کی ترویق بھی اسی طرح کی جاتی ہے۔

(۵) دونوں صاحبوں نے کتاب کا حجم بڑھانے میں سعی بلیغ فرمائی ہے۔ غالباً مطلب یہ ہوگا کہ جتنا اچھا بھلا کاغذ ردی ہو سکے ثواب کماؤ اور سیاہ کر ڈالو۔ موٹی موٹی جلدیں دیکھ کے لوگ ڈر جائیں اور دل میں کہیں اللہ اکبر مؤلف کے پیٹ میں کتنا علم بھرا ہوا ہے۔ ایک لفظ آب، آبرو آب۔ آباد، آنکھ کی بحث میں دستے کے دستے کاغذ رنگ ڈالے ہیں۔ اور یہ تو دیکھو معدے میں کتنی مثالیں ٹھسی ہوئی ہیں کہ نکلتی ہی چلی آتی ہیں۔

خواہ ترکیب میں آئیں معنے کی شکلیں بیان بدلیں ان کو لکھ دینے سے مطلب۔

جامع اللغات صاحب نے تو "آیا" اور "آپ" سے جتنے جملے شروع ہو سکتے تھے لکھ ڈالے۔ گویا دنیا میں "آپ" کے معنی کوئی نہیں جانتا اور وہ "آپ" کی بسی آسمان لغت کو حل ہی نہیں کر سکتی۔ حالانکہ باستثنا چند یہی جملے "تم" اور "تو" سے بھی شروع ہو سکتے ہیں۔ بس معلوم ہوتا ہے کہ ایک پائی افسانے ان کے ہاتھ لگ گئے۔ اشخاص افسانہ کی گفتگو میں جس فقرے کی ابتدا "آپ" سے ہوئی وہ ٹانک لیا گویا جڑی بوٹی ہاتھ لگی۔ دوسری دل لگی یہ ہے کہ "آیا" کو الف ممدودہ مع الیا کی بحث میں لکھنا چاہیے تھا۔ حضرت نے "آ" کے تحت میں "آئی، آیا، آؤ" سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانک دیا۔ اور اس سے بھاگنے میں "آیا" جو حرف استفہام ہے اس کی شرح بھول گئے۔

بے احتیاطی یا نادانی کا حال یہ ہے کہ "مزاحاً" کی جگہ "مذاقاً" لکھتے ہیں (صفحہ ۴ کالم ۳) مذاق اور چیز ہے مزاح اور۔ اسی طرح آب و نمک (صفحہ، کالم ۱) کے ذیل میں لکھتے ہیں "مصالحہ جو سالن میں ڈالا جاتا ہے"۔

جس کھانے کی ترکیب امتزاجی میں کوئی نقص نہیں ہوتا اس کی بابت کہتے ہیں کہ "آب و نمک درست ہے" مؤلف نے خدا جانے مطلق "آب و نمک" کے یہ معنی کہاں سے پیدا کیے۔ دوسری بات قابل تحقیق یہ ہے کہ "مصالحہ" کیا چیز ہے!۔ اور مصالحت کو سالن سے کیا تعلق؟ سالن کوئی اکھاڑا نہیں جس میں لڑنے والے آپس میں مصالحہ کریں یا تو اس کو "مصالح" لکھنا تھا یا اصل لفظ سے بالکل قطع تعلق کرکے "مسالا"۔ "مصالح" (عربی) جمع ہے مصلحت کی۔ لیکن ایرانی اس کے معنی سامان و ضروریات کے لیتے ہیں۔ طعام کے ضروری سامان میں "افاویہ و ابازیر" (گرم مسالا وغیرہ) داخل ہیں۔ ان معنی میں "مصالح" بفتح میم و کسر لام ایک فارسی لفظ ہوا یعنی ایسا عربی لفظ جس پر فارسیوں نے تصرف کیا۔ نظماً و نثراً فارسی شعرا کے کلام میں مصالح بمعنے سامان و اسباب اصلاح بکثرت موجود ہے۔

ہندوستانی حاے حطی کو صحیح مخرج سے نکالنے کے عادی نہیں۔ انھوں نے پہلے "مصالے" کہنا شروع کیا پھر اس "ے" کو جو "ح" کی بدل تھی اردو جمع کی "ے" خیال کرکے اس کا واحد "مصالا" بنا لیا بہرحال اس کا املا "مصالحہ" کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا یعنی اس کے آخر میں تاے مصدری جو کہ بحالت وقف ہ ہو گئی ہے کسی طرح ضم نہیں کی جا سکتی۔

محرری نور اللغات صاحب نے بھی برخلاف دستور اہل لغات لغت اور اصطلاح یا محاورے میں فرق نہیں کیا یعنی جو معنی کہ ایک لفظ کے دوسرے لفظ سے ملنے کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور پھر وہ معنی اس ترکیب کے ساتھ مخصوص بھی ہوتے ہیں علحدہ نہیں لکھے۔ مثلاً "آنا" کی لغت لیجیے۔ "آنا" ایک ہی معنی مستقل رکھتا ہے۔ اب اسے آنکھ کے ساتھ ترکیب دیجیے تو آنکھ آنے کے معنی ہوں گے آنکھیں دکھنا۔ اگر کہیے "منہ آنا" تو اس کے معنے ہوں گے منہ میں چھالے پڑنا۔ اس طرح بھی کہتے ہیں کہ فلاں شخص بہت منہ آتا رہا۔ یا "منہ کی آیا" اس محل پر اس کے معنی طعنہ زنی و خندہ زنی۔ جلی کٹی سنانے کے ہو جائیں گے۔ دل کے ساتھ آنا لگائیے تو عاشق ہونے کے معنی لیے جائیں گے۔ علیٰ ہذا القیاس "در آنا" کے معنی "پیٹھ جانا" وغیرہ۔ ترکیب میں جتنے الفاظ اور بڑھتے جائیں گے معانی بھی بدلتے جائیں گے۔ مثلاً یوں کہیے کہ "دل بھر آیا" تو اس کے معنی ہوں گے دل مائل گریہ و بکا ہوا۔ دل رقیق ہوا۔

یہ جملہ معانی قرینے کے موجود ہونے سے سمجھ لیے جاتے ہیں۔ لغت نویسی کے قاعدے سے انھیں دل آنا۔ منہ آنا۔ آنکھ آنا کے ذیل میں لکھنا چاہیے نہ کہ صرف "آنا" کے تحت میں۔ اب دو ہی حالتیں ہیں یا تو آنا کے تحت میں ان مزجی و فحوائی معانی کو لکھ کے بیٹھ رہیے جسے تلاش ہو وہ "آنا" کی بحث پوری دیکھے اور یہ جھک مارتا رہے۔ یا جب دوسرے حروف کا محل آئے تو انھیں پھر دہرائیے۔ پہلی صورت میں "دل آنا" کا محاورہ کسی کو تلاش کرنا ہوگا تو فطرتی طور پر دال کی بحث دیکھے گا وہاں سے نظر کا ٹھوکا نہ کام چلے گا تو اٹھا کے جلد کو سوتے بچے کی طرح پٹک دے گا۔ دوسری صورت میں مؤلف صاحب کی لیاقت پر آنسو بہائے گا کہ ہزار بار ایک ہی بات کو دہراتے میں پھر بھی نباہ نہیں۔ بنتی لاحول ولا قوۃ۔

آپ نور اللغات میں "آنکھ آنا" یا "آنکھیں آنا" ڈھونڈھ کے ذرا دیکھیے ان شاء اللہ ناکامی ہی ہوگی۔

تاش کا پتا

من آں رستم وقت روئیں تنم کرده پاپڑ از مشت یک بشکنم

لے بھائیو میں تلوار کا بھی دھنی ہوں اور قلم کا بھی ۔ دونوں چیزوں کا زور باوجود غلامی ہندوستانیوں کی تفریق میں صرف کرسکتا ہوں ۔

لے ست بچن ۔ ست بچن ۔ آپ ایسی ہی ہیں ....

(ایک مسافر لندن کا نعرۂ غیر محسوس)

ایک مشکل یہ بھی ہے کہ مؤلف صاحب کنایہ، تشبیہ، استعارہ، مجاز وغیرہ کے اصطلاحی فرق سے واقف نہیں۔ ایسی کوجہل کا ثبوت ہر صفحۂ کتاب میں مل سکتا ہے۔ مثلاً جناب نے (شاید نقل رابہ عقل ہو عمل فرما کے بابلود ایجاد بندہ) آب رواں کی تعبیر یوں کی ہے "کنایۂ گھوڑا" حالانکہ یہ ہے تشبیہ اور ماخوذ ہے عربی محاورے سے گھوڑے کی سبک روی وتیز روی کے بابت ملا کہتے ہیں "یجری کجری الماء" (اس طرح چلتا ہے جیسے پانی) یعنی رفتار میں شکان کا نام مشبہ بہ کے ذکر کے (صراحۃ یا اشارۃ) آب رواں کہہ دینے سے گھوڑے کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ دونوں لفظ فارسی ہیں لہذا "آسند اور معانی" ضروری ہے۔ ایسے معنی لکھنے سے کیا فائدہ۔ ہر قدم پر مؤلف صاحب کا آب رواں (گھوڑا) سکندری کھاتا ہے "آب زر" کا کھلا ہوا ترجمہ سونے کا پانی ہے مگر آپ تحریر فرماتے ہیں کہ وہ پانی جس میں سونا چاندی حل کیا ہو یہ صحیح ہے کہ "زر سفید" کے معنی چاندی کے ہیں لیکن عموماً "آب زر" سے محلول سیال سونا ہی مقصود ہے۔ "زر" کے معنی "سکہ" بھی ہیں درجو عام شامل ہے درہم و دینار دونوں کو لیکن وہ محل کلام سے معلوم ہو جاتا ہے جیسے "زر زر درم"۔ کمال و نقد پاس نہ ہونے سے مراد ہے۔ یا اُردو آمیز فارسی کی مشہور مثل "زر نیست عشق ٹیں ٹیں" خلاصہ یہ کہ آب کی لغات میں مؤلف صاحب نے خوب ہی ناک پکڑ کے غوطے لگائے ہیں۔ انہیں غوطوں کی بوکھلاہٹ میں بیچارے کئی لفظ لکھنے بھول گئے مثلاً "آب زیر کاہ" جو اردو میں کافی مستعمل ہے۔ (باقی آئندہ) راقم ادبار الفقات۔

مولانا پنچ کی نوٹ بک

"نعم البدل کی دعا"

ٹیکے بھی رود و دیگرے بھی آید۔

حیدرآباد دکن کے رزیڈنٹ مسٹر ٹینس کینز نے پہلے اپنی لیڈی کو وطن بھیجا پھر خود بھی بوریا بدھنا باندھ کے عازم وطن ہوئے۔ بولتا پہپا الیتا ترا نام "آدمی معقول تھے اور اُن کے عہد میں حیدرآباد کو ضرر نہیں پہونچا۔ بلکہ (حسب تقریر حضور نظام) کسی قدر فائدہ ہی ہوا یہی غنیمت ہے۔ ایسی حالت میں ہز اکزالٹڈ ہائینس نے الوداعی جلسے میں اظہار تشکر فرمایا تو بالکل بجا ہے۔ یہ تقریر دیر کے بعد ہمارے دفتر میں پہونچی جبکہ ہم کئی پرچوں میں اُسے دیکھ چکے تھے اور ہماری طرح دنیا کو بھی اس کا علم ہو چکا تھا۔ لہذا بات دُہرانے سے کوئی فائدہ نہیں یہی کہہ دینا کافی ہے کہ صاحب نے بھی خوب جواب دیا اور حضور نے بھی خوب ہی فرمایا۔ اب دعا یہی ہے کہ خدا مسٹر ٹینس کینز سے بھی بہتر رزیڈنٹ حیدرآباد کو عنایت کرے یہ آدا جاہی تو لگی ہی ہے گی۔

اسپنے اسٹمنٹ (مرہم)

نافرمانی: آ- آ- آ- دانت دانت!

دنداں ساز: تم میری دل لگی بازی محسوس بھی کرتے ہو یا نہیں؟

جیو جیو سب برابر

ایک تھے پنڈت جی اتفاقاً گنگا پار اُترنے کی ضرورت سے ناؤ پر بیٹھے دریا میں بھنور پڑ رہے تھے۔ چڑھاؤ پر تھا کشتی ڈگمگائی تو پنڈت جی نے "بل دان" دینے کی منت مانی کہ "ہے پربھو تا جو اس بار کشل سے پہونچ گیا تو گنگا مائی کو ایک بھینسا بھینٹ چڑھاؤں گا" مراد بر آئی۔ ناؤ کنارے لگی۔ پنڈت جی ترے و فائے عہد ضروری تھا مگر لاگی اُتاری سیو لوں تھکنوں کی تلاشی لی ایک موٹا سا کٹا (جوں) پکڑا اور "لیو ماتا جیو جیو سب برابر" کہہ کے منت پوری کر دی۔ ہماری مہربان گورنمنٹ بھی سول ڈس او بیڈینس کی گنگا پار کرنے کے بعد بھینسوں (برٹے لیڈروں) کے عوض لاشی پاشی قیدیوں کو رہا کر رہی ہے "جیو جیو سب برابر" اُدھر کانگریس جان بھی "گپت دان" (صدقۂ المستر پوشیدہ خیرات) پر آمادہ ہیں۔ دس بندرہ بڑے بڑے لیڈر نہ سہی چھوٹے موٹے لیڈر ہی جمع کر کے چند روز میں ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیں گی "جیو جیو سب برابر"۔

اُدبائے ملت

حقیقت لکھنؤ نے "ملت" کے اس عنوان پر کہ نواب صاحب بھشاری پٹ گئے "نکتہ چینی کی ہے" سرخی ہے تو لغو کیا نہی کوئینس میں ہار جانے کے معنی "پٹ جانا" ہرگز نہیں لیکن اگر جریدۂ ملت اپنے دماغ میں "نور اللغات" بیشِ کرے جس نے "پٹنے" کے معنی "لوٹا جانا اور جھکڑ جھک" لکھے ہیں تو اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ بازی بدی گئی ہو اور ہز ایکسیلنسی داؤں ہار گئے ہوں جسے اُس نے لٹ جانے سے تعبیر کیا ہو اور وہ لٹ جانے کو "پٹ جانے" کے ہم معنی سمجھا ہو۔ دوسری تاویل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جھکڑ جھک (جسے کسی شریف و وضیع کی زبان سے ہم نے کبھی نہیں سنا) ہم معنی ہو ہار جانے کے اور ہار جانا ہم معنی ہو پٹ جانے کے۔
اس کے ہم ذمہ دار ہیں کہ اردو کی نظم و نثر میں خواہ وہ پرانے زمانے کی ہو یا نئے زمانے کی "جھکڑ جھک" موجود نہیں کوئی جاہے کہ اُسکے اصلی معنی کسی کتاب لغت میں کھادے تو امکان سے باہر ہے۔
خدا سلامت رکھے اس کتاب کو بڑے کام کی چیز ہے نور اللغات کی۔ اور جسے اُس ندیدے محکمے کی جسکے نزدیک جھنجھی کوڑی بھی موتی کی سی عزت رکھتی ہے۔

عراق ریلوے

عراق ریلوے مسلمانوں کی متبرک مساجد نجف۔ کربلا۔ کاظمین اور سامرا کی زیارت کے لیے سب سے زیادہ تیز۔ آرام دہ اور سستا سنو پیش کرتا ہے

مکہ معظمہ جاتے وقت عراق میں متبرک درگاہیں دیکھیں

زائرین کے لیے خاص کوپن ٹکٹ جو ۱۵۰ دن کار آمد ہوں گے اور ۵۰ کلو اسباب معاف ہوگا مندرجہ ذیل نرخوں پر مل سکتے ہیں۔

	درجہ سوم	درجہ دوم
بک اے۔ برائے سنو (بصرہ)۔ کربلا بغداد۔ کاظمین۔ مگل سامرا اور واپسی مگل	للعہ	عللعہ
بک بی۔ برائے سنو مگل (بصرہ) کربلا بغداد۔ خادمین اور واپسی مگل	عہ	للعہ

زائرین کی ان کتابوں کی قیمت ۱۹ جون سے بہت کم کر دی گئی ہے آئندہ صرف تیسرے درجہ کے زائرین کی کتابیں ہندوستان میں مل سکینگی۔ درجہ دوم کے زائرین کی کتابیں مگل میں پہونچنے پر ہی خریدی جاسکتی ہیں۔

ہمارا زیارت کا ایجنٹ تمام زائرین کا استقبال مگل (بصرہ) میں کریگا

تین سال سے کم عمر کے بچوں کا کرایہ معاف ہوگا اور بارہ سال سے کم کے بچے کا نصف کرایہ لگے گا۔ ہر روز تمام قصبوں کے درمیان گاڑیاں چلیں گی۔ بغداد سے نگرانی حکومت عراق کے اختیار میں ہے۔ دمشق سے جدہ برا سے مکہ شریف و مدینہ شریف۔ درجہ دوم لعہ درجہ سوم بغیر کھانا لعہ

جملہ معلومات و ٹکٹ مندرجہ ذیل اصحاب سے مل سکتے ہیں

(۱) مولوی محمد باقر۔ مسافر خانہ حاجی دیوجی جمال صاحب بیلسیس روڈ۔ عمرکھاڑی بمبئی۔
(۲) مسٹر ای۔ لوٹیا۔ مانڈوی۔ کالی وادہ بمبئی۔
(۳) آنریری جوائنٹ سکریٹری فیض پنجتنی بھاگی۔ بمبئی۔
(۴) مسٹر حبیب حاجی رحمت اللہ۔ خرادور۔ کراچی۔
(۵) آنریری جوائنٹ سکریٹری فیض پنجتنی کوڈی باغ۔ کراچی۔
(۶) مسٹر عبدالعلی شیخ علیسیٰ بن صاحب بنیپر روڈ کراچی۔

نوٹ:- ایک ہی جہاز پر سو یا اس سے زائد بصرہ کو سفر کرنیوالے زائرین کے کرایہ میں کمی کے سوال پر غور کیا جاوے۔

التماس رحم

ایک زمانہ ایسا بھی گزر گیا ہے کہ ہم اپنی ذات کو طلب تقاضا سے ارفع سمجھتے تھے مگر اب یہ حال ہے کہ پرچہ بھیجنا بند کرتے ہیں تو اکثر خریدار آنکھیں نکالتے ہیں قیمت مانگتے ہیں یا وی پی بھیجتے ہیں تو نہ سماعت ہوتی ہے نہ وی پی وصول کیا جاتا ہے آؤ بیروں گھر سے بیجاؤ لہذا رحم کیجیے حضرات نقصان کبھی کبھی تو سہ لیا جائے ہر سٹے کون صبر کرتا ہے۔ منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

مشعل ہدایت پرچہ نمبر ۱۹۲ ۔ جون سنہ ۱۹۳۳ء کے صفحہ ۳ میں مشعل ہدایت پر جو تبصرہ شائع ہوا ہے اُس میں قیمت کا اندراج متروک ہوگیا ہے مؤلف صاحب مطلع فرمایا ہے کہ قیمت فی جلد ۱۰ ار ہے۔ منیجر۔

قواعد و ضوابط ادارہ ہذا

(۱) یہ ہفتہ وار اخبار ہر مہینے کی ۵-۱۱-۱۸-۲۲ تاریخ کو شائع ہوتا ہے
(۲) اودھ پنچ ہمیشہ سے غیر مذہبی رہا ہے اس لیے [illegible] مضامین نہیں چھپتے۔ یہ صرف ادبی اشاعت پر قانع اور منقولات سے بچتا رہا ہے۔
(۳) قیمت کی زیادتی پر غصہ نہ کیجیے۔ حجم کی کمی پر تیوریاں نہ چڑھائیے بلکہ گو ہر حرف میں فرق ہے بلکہ افادات کی بہتات سے کی اصابت بے رو رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور فلسفیانہ اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔
(۴) اجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ پیشگی لی جاتی ہے۔
(۵) بکمال یہ شاگردان مدارس سے بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر سالانہ قیمت صرف للعہ لی جائے گی۔
(۶) پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۱۵ دن کے اندر دیجیے ورنہ بعد میں ممکن ہے کہ نہ مہیا کیا جا سکے۔
(۷) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح پالیسی کے مطابق نہ ہوں گے وہ شائع نہ ہوں گے اور ان کی واپسی پر ہم مجبور نہیں ہیں۔
(۸) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی و ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو۔

نوٹ۔ جو حضرات خریدار ہیں انھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جواب طلب امور کے لیے کارڈ یا لفافہ آنا لازمی ہے۔

احمد حسین بابروی منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

شرائط ایجنسی اودھ پنچ

(۱) ۔ روپیہ نقد جمع کرنا ہوگا۔
(۲) ۔ رقم جمع شدہ کے ادا ہوتے ہی پرچہ کی روانگی ہر وقت کی جائے گی
(۳) ۔ پانچ پرچے فی ہفتہ سے کم ایجنسی قبول نہ کی جائے گی۔
(۴) بحساب ۲ آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائے گا۔
کسی حالت میں بھی پرانے پرچے واپس نہ لیے جائیں گے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۸ نمبر ۲۴

مضامین پنچ

(۱۲ جولائی ۱۹۳۳ء)

زلزلۃ الشعراء مسٹر ہلچل بہادر کی شاعری

آپ کے تخلص کا لطف تو آپ کو اور آپ کی زلزلہ خرامی ہی کو دیکھ کے حاصل ہو سکتا ہے صرف کلام سے محظوظ ہونے کے لیے ایک راس غزل اور ایک زنجیر سہرا ملاحظہ ہو۔

غزل

اب مریض عشق پر سیتھر نازل ہو گیا ... بڑھتے بڑھتے درد دل وجع المفاصل ہو گیا
دو ڈبل ٹیسٹ کرا کے میں بے فخر حاصل ہو گیا ... میں بھی اب انکے خریداروں میں شامل ہو گیا
کہہ دیا مجھ سے کہ لڑکی میری کمسن ہے ابھی ... میرا اسیر اب عشق میں سیاہ دابل ہو گیا
قیس کے عشق کی ڈگری کل ہوئی تھی ورآج ... قرق لیلیٰ ہو گئی نیلام محمل ہو گیا
اسے نہانے کے لیے نکلے ہیں وہ برسات میں ... بے نہائے جب انھیں ایک سال کامل ہو گیا
قتل کر کے مجھ کو قاتل کو بھی پھانسی ہو گئی ... وہ فقط قاتل تھا میں قاتل کا قاتل ہو گیا
آج میرے گھر بھی وہ تشریف لائے ہم نشیں ... یعنی یہ فرقت کدہ بھی وصل منزل ہو گیا
اس خوشی میں اب تری کیسل پلاؤں گا تجھے ... جو نپر امیر اگرے آنے سے کیسل ہو گیا

ہو گیا لیسنس میں کی بریٹ خمدار پر
ہلچل اب قانون میں نفی وہ قاتل ہو گیا

سہرا بتقریب شادی مسٹر ..... کیپٹن کرکٹ ٹیم

وکٹ الٹیوں کیوں گڑوا ہے ہر یہ گل سہرے میں ... کرکٹ کھیلنے کیا ہے ہر پھول سہرے میں
ڈفیلڈان کو گل عارض نے بیج کیا دیس شاید ... چھپا ہے منہ جو یوں شرما کے ہر یہ گل سہرے میں
الٰہی خیر کیا لڑن کے تمغے دیکھ پائے ہیں ... یہ آخر آج کیوں پھیلا ہے ہر پھول سہرے میں
یہ تمغ کیا سبز مخمل ہے اس کی آڑ کیا معنے ... چنے چھدن سے چھپ کھاتے ہیں گل سہرے میں

گل عارض سے ہلچل ہمسری کا لکھو ہوتی تھا
جبھی اُلٹیوں کے سرٹک کھاتے ہیں پھول سہرے میں

اُردو شاعری کا حشر مستقبل قریب میں

جدت کی بھاپ سے چلنے والا ادیب جدیدکا انجن اُردو شاعری کی ٹرین کو جس نا ہموار راستے پر کھینچے لیے جا رہا ہے اس کو دیکھ کر یہ سمجھنے کے لیے کہ مستقبل قریب میں ہماری شاعری کس قسم کی اونٹ گاڑیاں ایجاد کرنے والی ہے۔ ذیل کا نمونہ غور سے ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱)

دفاکے مرض سے بچنا مرض ہے عقل داروں پر ... ہے صادق اب یہ مثل احباب اور کنبے والوں پر

مرض بوزن شمس۔ فرض بوزن قمر مثل بوزن شمس۔ عقل داروں کی انوکھی ترکیب۔ اور داروں کا قافیہ والوں مستند ہے۔ اس کا ثبوت ذیل کے مطبوعہ اشعار میں نمبروار ملاحظہ ہو۔ (خارج از بحث فروگزاشتوں کو قصداً نظر انداز کر دیا ہے)۔

ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن استعمال کرنے کی سند

ہر طرف ظلم خزاں کا دور دورا تھا رواں ... عالم روئیدگی تھا وقف سب ظلم خزاں
صنوبر میں کشتی ہندی ہر سال پہلے لاؤ ... دہر میں جیکے یکتا پھر زمانے بھر کو دکھلاؤ
خوب گل پھر سا اڑائیں تجھے احباب و حبیب ... شادیانے فتح گائیں ہر صبح در رقیب

ملاحظہ ہو رسالہ رئیس ہند دہلی مئی تا جون ۳۲ء دونوں مہینوں کا یکجائی نمبر۔

وبائی مرض اس سے دور ہوں گے ... عمل سے اس کے سب مسرور ہوں گے

ملاحظہ ہو رسالہ تربیت ۲۷- جون ۳۲ء۔

رہنمائے قوم ہی ہوتا ہے قابل رسن و دار ... عاشق خستہ ہی ہوتا ہے فقط لعنت کا ہار

ملاحظہ ہو انتخاب لاجواب ۷ ستمبر ۳۲ء۔

شروع سے آخر تک قیود قوافی کی پابندی سے انحراف کے جائز ہونے کی سند۔

کھیلتے رہتے ہیں جلوے تیرے نظاروں کے ساتھ ... رقص کرتا ہے تبسم دل کے ارمانوں کے ساتھ

ملاحظہ ہو اخبار مدینہ ۲۸- جون ۳۲ء۔

میں نے تجھے پایا ہے میں نے تجھے دیکھا ہے

محبوب صبا آؤں میں معصوم اداؤں میں ... خاموش فضاؤں میں بیباک نگاہوں میں

ملاحظہ ہو روزنامہ ہمدم ۷ مئی ۳۲ء۔

حکمراں اس خاکداں پر تھی کبھی اے قوم تو ... آج وہ دن آ گئے دنیا میں ہے محکوم تو

ملاحظہ ہو انتخاب لاجواب ۷ ستمبر ۳۲ء۔

(۲)

ڈکاریں خندہ زن ہیں ہچکیوں کی گریہ بانی پر ... مرجح ہے نہال سا تبسم عاشق کو وہاں لے پر

ڈکاروں کی خندہ دستی۔ ہچکیوں کی گریہ بانی کے صحیح اور جائز بلکہ حلال ہونے کی سند جلووں کے کھیلنے۔ تبسم کے ناچنے اور نالے کے رنگین ہونے سے ملتی ہے۔

کھیلتے رہتے ہیں جلوے تیرے نظاروں کے ساتھ ... رقص کرتا ہے تبسم دل کے ارمانوں کے ساتھ

ملاحظہ ہو اخبار مدینہ ۲۸- جون ۳۲ء مذکورہ بالا۔

سیل حسرت نہ رہے گریہ پرخوں نہ رہے ... شور ماتم نہ رہے نالہ رنگیں نہ رہے

ملاحظہ ہو رسالہ ندیم جنوری ۳۲ء۔

نہال سا تبسم عاشق میں دونوں اضافتوں کے حلال ہونے کی سند

دشمنان پھول کو تو ہو خزاں ہر دم نصیب ... کل جہاں میں خوار و خستہ اور رسوا ہو رقیب

ملاحظہ ہو رئیس ہند مئی تا جون ۳۲ء مذکورہ بالا۔

قدیم شاعری میں بھی ملتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اُس زمانے میں ایسی شاعری نہ جلدوں اور رسالوں میں شائع کرنے کے لیے منتخب نہیں کی جاتی تھی اور اسے نمونہ بنا کر پیش نہیں کیا جاتا تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ مثالیں اعلیٰ لٹریچر سے نہیں لی گئی ہیں تو میں عرض کروں گا کہ جو لٹریچر معمولی سے لے کر غیر معمولی حیثیت کے اخباروں اور رسالوں تک میں شائع کرنے کے لیے منتخب کیا جائے اس کو حقیر ٹھہرانا نظر انتخاب اور کلام منتخب کی کھلی ہوئی توہین ہے۔ اس کے علاوہ مخصوص ہستیوں کو چھوڑ کر اعلیٰ طبقے میں جس کا درجہ جتنا زیادہ بلند ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ خطرناک اور بے پناہ ثابت ہوگا۔ خطرناک اس لحاظ سے کہ اس کی تقلید بھی کی جائے گی اور بے پناہ اس اعتبار سے کہ آپ اس کی استادی کے لائسنس میں کچھ ہی کا ڈپلوما بھی نتھی دیکھیں گے۔ فقط

۹۱

کھلے رستم از بدایوان

"زندہ عجائب خانہ"

(گزشتہ کی دمبے پیوستہ)

بنڈیلا بنڈیلا عرف عام میں جنگلی سور کو کہتے ہیں۔ یہ بنڈیلا عجائب خانے کے بجوسے قد و قامت میں کسی قدر بڑا ہے۔ مگر دور سے اس کا بھائی بنیے سگ زرد برادر شغال معلوم ہوتا ہے۔ اس کے اگلے بیرونی دانت کثرت استعمال سے اس درجہ گھس گئے ہیں کہ جب تک یہ سور اپنا تھوتھن نہ کھوٹے اس کے نقلی دانتوں کا پتہ نہیں چلتا۔ اس بنڈیلے کا رنگ بھورا آنکھیں جواری کی ٹہاں سے مشابہ۔ تھوتھن چپٹا۔ اگلے دانت نہ ہونے سے مادہ سد۔ کھوپڑی پر جھبرے کتے کی طرح لمبے لمبے بال۔ قد گدھے کے برابر۔ پیٹ کا ہلکا۔ دُم ....گرہ دار ہے۔ کسی زمانے میں یہ بنڈیلا جنگل جنگل مارا مارا پھرا کرتا تھا۔ آخرکار بارہ برس کے بعد گھورے کی طرح اس کے بھی دن پھرے اور عجائب خانہ بورڈ یعنی کمیٹی کے ممبراں کی نظر انتخاب اس پر پڑ گئی۔ بس کیا تھا یہ جانور بھی عجائب خانے میں داخل کر لیا گیا اور اسکی بڑی قدر ہونے لگی یہ جانور قدرت کے محکمہ صفائی کا جمعدار ہے۔ اس جانور کی خوراک انسان اور حیوان کا فضلہ اور مختلف درختوں اور پودوں کی جڑیں ہے۔ ہمارے ضلع کے عجیب اتفاق کی جڑ اس موذی اور حرام خور جانور نے کھود کھود کے اس طرح کھا ڈالی کہ آخر وہ درخت سوکھ کر گر گیا اور اب اس کے بہی خواہوں نے اس مقام پر پھوٹ کی کاشت شروع کر دی ہے اور یہ سور اس میوے کو کھا کھا کے گدھا بن رہا ہے۔ ابھی حال میں یہ بنڈیلا ایک آوارہ سورنی کے پیچھے اندھا ہو کر جال میں پھنس گیا تھا۔ مگر عجائب خانہ کمیٹی کے سکریٹری نے رحم کھا کے اُس کو رہا کر دیا۔ غنیمت ہوا کہ کسی پاسی کی للچائی ہوئی نظر اس پر نہ پڑی ورنہ یہ سور کلہاڑیوں کی نذر ہو کر کب کا کالی جی پر بھینٹ چڑھا دیا گیا ہوتا۔ عجائب خانہ کمیٹی نے مسماۃ سندا یا پاسن کو اس سور کا نگراں مقرر کر دیا ہے جو رات دن ڈنڈا لیے اس کے پیچھے پڑی رہتی ہے اور اس کی بے عنوانیوں پر اکثر بُری طرح خبر لیتی ہے۔ مگر باوجود ڈنڈے کھانے کے بھی اس بے حیا کا بدمعاشیوں سے پیٹ نہیں بھرتا۔ یہ جانور ایک اُلو کی دم کو بہت عزیز ہے اور وہ اس پر اس بُری طرح ریجھا ہے کہ اپنے کتوں کے ساتھ اس کو بھی بسکٹ مکھن۔ توس کھلاتا اور موٹر پر بٹھا کے کبھی کبھی ہوا خوری کراتا ہے۔ اور یہ سور اسالہ مہ کے گدھے کی طرح پھولتا چلا جاتا ہے۔

یہ جانور ٹھرا پینے کا اس درجہ عادی ہو گیا ہے کہ جہاں کہیں شراب کی بو آتا ہے وہاں مکان یا دوکان میں گھس کر گھڑے کے گھڑے اور بوتلیں کی بوتلیں خالی کر دیتا ہے۔ اس موذی جانور سے دنیا پناہ مانگ رہی ہے۔ مگر عجائب خانہ کمیٹی کے خوف سے کوئی شکاری اس کو گزند پہونچانے کی ہمت نہیں کرتا۔ اس کی خوش نصیبی سے یہاں کوئی یورپین نہیں ہے ورنہ اس بنڈیلے کا شکار بڑے شوق سے کرتا اور دنیا اس نجس اور موذی جانور سے نجات پا جاتی۔ سنا جاتا ہے کہ آئندہ موقع پر اگر کسی بڑے حاکم کو ڈسٹرکٹ بورڈ یا میونسپل بورڈ کے جانب سے ڈنر دیا گیا تو یہ بنڈیلا اس میں گرایا جائے گا۔ خدا ہمچنیں کند آمین۔

باقی دارد

وہی افیونی شہسوار

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قواعد ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۳۰۰ بقایا لگان

بعدالت جناب تحصیلدار صاحب بہادر بانڈا مقام تحصیل بانڈا ضلع بانڈا

رام کمار ولد رام بھروسہ قوم برہمن ساکن موضع گنوار ہ زمیندار موضع برگتی پرگنہ و ضلع بانڈا مدعی

بنام

بھیا لال ولد بھورا قوم برہمن ساکن ... موضع برگتی پرگنہ و ضلع بانڈا مدعا علیہ

بنام بھیا لال ولد بھورا قوم برہمن ساکن برگتی پرگنہ و ضلع بانڈا

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش مبلغ ... بابت بقایا لگان کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم تاریخ ۲ ماہ اگست ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے بمقام تحصیل بانڈا اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعوے کی کرو اور ہر گاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم بتائید اپنے جواب دہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کر دو اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔ بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۵ ماہ جولائی ۱۹۳۳ء کو جاری کیا گیا۔

نام سنہ	رقبہ	لگان	چھوٹ	باقی واجب	وصول	باقی	سود	میزان
ربیع ۱۳۳۲ف	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	.	[illegible]	[illegible]	[illegible]
ربیع ۱۳۳۳ف	[illegible]	[illegible]	.	[illegible]	.	[illegible]	۱۲	[illegible]
ربیع ۱۳۳۹ف	[illegible]	[illegible]	۱۲ر	[illegible]	.	[illegible]	[illegible]	[illegible]
						[illegible]	[illegible]	[illegible]

مہر عدالت

دستخط حاکم بخط انگریزی

مسٹر پنچ کا پوسٹ بیگ

محترم و مکرم و معظم بندہ جناب اڈیٹر صاحب اودھ پنچ لکھنؤ

السلام علیکم - آپ نے اپنے موقر اخبار مورخہ ۵ - جولائی ۱۹۳۳ء میں جو تبصرہ رسالہ اثنا عشریہ پر نکالا ہے۔ اس کے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ جناب کو بھی مثل دیگر حضرات کے ایڈورڈ سل اور جارج سیل میں اشتباہ ہوا۔ کیونکہ اول الذکر کا ابھی حال میں انتقال ہوا ہے اور آخر الذکر کو مرے ہوئے ایک زمانہ ہوا۔ دونوں کے ناموں میں بھی نمایاں فرق ہے۔ پہلا ایڈورڈ سل (Sell) ہے۔ دوسرا جارج سیل (Sale) ہے سیل اور سیل میں زبان انگریزی کے قواعد کے مطابق مصدر اور اسم کا فرق ہے۔ اور ایڈورڈ اور جارج کے فرق سے ہر وہ شخص جو باپ اور بیٹے میں امتیاز پیدا کر سکتا ہے بخوبی واقف ہے۔ حالانکہ ان دونوں مستشرقین میں کوئی ایسا تعلق بھی نہیں ہے جو ان دونوں کو من تو شدم و تو من شدی کر دے گر پھر بھی توام ہو کر اچھے بھلے آدمیوں کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں۔

ایڈورڈ سل مؤلف رسالہ اثنا عشریہ کی کتاب ہسٹاریکل ڈیولپمنٹ آف دی قرآن ویسی ہی بین العلما مشہور ہوتی جاتی ہے جیسی کہ جارج سیل کی تصنیف ہسٹاریکل ڈیولپمنٹ آف دی قرآن بہر حال جناب نے عوام کو بڑی غلطی سے بچایا یعنی کہ اردو زبان میں سل (Sell) کے ہم لفظ بہت کم الفاظ ہیں۔ لہذا لوگ سل (Sell) کو سیل ہم وزن بیل ریل وغیرہ (Sale یعنی مسالحہ پیسنے والی) پکارتے ہیں۔

راقم

الاحقر الاول مترجم رسالہ اثنا عشریہ

۷ - جولائی ۱۹۳۳ء

نوٹ کسرۂ مجہول کے اظہار کے لیے اردو میں کوئی علامت مقرر نہیں۔ اسی وجہ سے پنجاب میں ایڈورڈ سل کی جو کتابیں اردو میں ترجمہ ہو کر ملیں ان میں سیل ہی لکھا گیا ہے۔ جہاں تک ہمیں یاد ہے "ہسٹاریکل ڈیولپمنٹ آف دی قرآن - جارج سیل کی تصنیف نہیں ایڈورڈ سیل کی ہے۔ اچھا وہ جارج ہی کی سہی پھر؟ ——— نام تو ایک زبان سے دوسری زبان میں جاتے ہی کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں۔ مسٹر ٹینس کی قبر ماموں بھانجوں کی قبر کے پاس ہے وہ "کن کی لاٹ" کہلاتی ہے۔ گورا کلن؟ پادری انڈریو جب تک یہاں رہے دیہاتیوں نے انھیں "اندھرا صاحب" ہی کہا شیدی بلال کا نام "میاں بلار" رہا۔ یہ کوئی غلطی نہیں غلطی تو یہ ہے کہ انسان ....

.... اپنی زبان کا املا بھی نہ جانتا ہو"

انیس احمد رشدی ایم اے آئی سی ایس

یہ معلوم کر کے دلی مسرت ہوئی کہ اس مرتبہ آئی سی ایس کے امتحان مقابلہ میں عزیزی انیس میاں نے تمام مسلم اقلیت میں نمایاں اور ممتاز کامیابی حاصل کی۔

عزیز موصوف، اردو زبان کے نامور ادیب اور ہمارے محترم و معزز دوست مولانا خلیقی دہلوی مصنف "ادبستان"، کے صاحبزادے ہیں، اور انوار سرلابیہ کے مصداق متعدد علمی و ادبی ذہانتوں کے مالک ہیں۔ علوم عربیہ میں دخل تام رکھتے ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی کے عربی فارسی امتحانات مولوی فاضل و منشی فاضل بہت کم سنی میں پاس کیے۔ بعد ازاں انگریزی زبان و ادب سے آشنائی پیدا کی اور گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے اور سینٹ سٹیفنز کالج دہلی سے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔

عزیز موصوف کا تعلیمی دور ہر لحاظ سے ممتاز گزرا ہے سینٹ سٹیفنز کالج میگزین کے ادارات کے زمانے میں ان کی جودت طبع نے میگزین کا معیار ان کے پیشروؤں سے کہیں زیادہ بلند کر دیا تھا۔ ادب و انشا سے دلچسپی ان کو ورثے میں ملی ہے۔ چنانچہ پنجاب کے بعض رسائل میں رشدی کے نام سے ان کے مختلف مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔

عزیزی انیس میاں دہلی کے مسلمانوں میں سب سے پہلے مسلمان نوجوان ہیں جنھوں نے انڈین سول سروس کے امتحان مقابلے میں کامیابی حاصل کی۔ اس امتیاز و عزت کا دہلی کے لیے ان کی ذات سے فتح یاب ہوتا ہے۔ امید ہے کہ مسلمان طلبا ان کی اس کامیابی پر مسرور ہوں گے۔ اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں گے۔

ہم مسلمان نوجوانوں کو عموماً اور اپنے محترم دوست مولانا خلیقی دہلوی اور جملہ اہل دہلی کو خصوصاً تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالے عزیز محترم کی آیندہ منزلیں باعزت طے کرائے ؎

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

راقم

اختر شیرانی ۱۸ فلیمنگ روڈ - لاہور

پنچ — مبارک ہو۔ آمین!

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۱۱)

ہمارے نور اللغات والے دوست ایک مقام پر لکھتے ہیں "آرہنا"..... بہ جھک پڑنا ناسخ ؎

پاؤں پر سر آرہے ناتوانی سے جنوں
پڑ گئے حلقے مری آنکھوں میں زنجیر کے۔"

غور کے قابل یہ بات ہے کہ یہ معنی "پاؤں کا سر آرہنے" کے ہیں یا مطلقاً "آرہنا" کے؟

اسی طرح "آب بستہ" کے معنی لکھے ہیں "(ف) مذکر۔ ژالہ" اول تو یہ تعریف المجہول بالمجہول ہے۔ دوسرے یہ کہ اردو میں "آب بستہ" بمعنے ژالہ کون بولتا ہے یہاں تو "اولا" بولا جاتا ہے "آب بستہ" مقابل میں "آب جاری" کے البتہ عام طور پر زبان زد ہے۔ مؤلف صاحب "اردو لغت" لکھنے بیٹھے ہیں مگر اردو کی پروا نہیں کرتے۔ تیسرے یہ کہ فارسی میں "آب بستہ" کے

جاپان

جان بل

تجارتی تنی تنا

جاپان :۔ یار تم تو غضب کی آنکھیں نکالتے ہو۔ یوں تو نہ گھورو۔

جان بل :۔ اے جی بڑا او نہیں۔ بس آپے میں رہنا۔ زائد محصول ڈھیلا کرو۔ اسی میں خیریت ہے۔

جاپان :۔ اجی تو پھر تشمیر لے ٹھیرے بدلائی ہوگی۔ دیدہ خواہد شد۔

معنی مظہر اور معانی کے یہ بھی ہیں۔ پس باعتبار فارسی کے بھی نور اللغات غیر مکمل و ناقص ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ مرکب لفظ بدون اضافت بھی فارسی میں مروج ہے۔ اگر بسکون بائے موحدہ ہو تو اس کے معنی اس زمین کے ہوں گے جو زراعت کے واسطے تیار کی گئی ہو۔

ایک مقام پر فرماتے ہیں "آبخور اسم فارسی میں آبخور۔ آبخوار) مذکر" الخ

فارسی میں "آبخوارہ" (بہ ہائے مختفی) لکھا جاتا ہے ذکر "آبخوار" (رہا لفت) اس لغت کے طفیل میں اگر کچھ نہیں تو لوگوں کو بد املا لکھنے کی اچھی خاصی عادت پڑ جائے گی۔

بعض مقامات پر حضرت مؤلف نور اللغات بھی عجیب و غریب اجتہادات فرماتے ہیں مثلاً "آبنوس" کے بارے میں لکھتے ہیں "آبنوس ع۔ ف۔ عبرانی میں آبنی۔ پتھر۔ لاطینی میں آبنیس) ایک قسم کے درخت کا نام جس کی لکڑی بہت سیاہ اور مضبوط ہوتی ہے۔ اکثر سیاہ چیز کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں ۲ مؤنث۔ ایک قسم کی مچھلی"۔

اول تو ایک اردو کتاب لغت جس میں تحقیق لفظ یا تشریح اصول الفاظ کا التزام سرے سے نہ ہو اس میں ایک لفظ کی اصل کسی انگریزی یا اردو کتاب میں دیکھ کے لکھ دینا چنداں مفید نہیں دوسرے یہ بھی کسی سے پوچھ لینا تھا کہ صحیح لفظ کیا ہے۔ اور اس کا تلفظ کیا۔ تیسرے یہ کہ آبنی بمعنی کے معنے پتھر کے مؤلف صاحب نے لیے ہیں آبنوس سے کیا علاقہ رکھتی ہے مطلب یہ کہ جو کچھ لکھتے اس میں غلط کا شائبہ نہ ہوتا۔ درحقیقت یہ لفظ نہ تو بالف ممدودہ ہے نہ اس کے آخر میں یائے تحتانی ہے یہ אֶבֶן ابن ہے یعنے بکسر اول و ثانی و سکون نون۔ اول کے دونوں حرفوں کے نیچے "סֶגּוֹל" "سیغول یعنے کسرۂ مجہولہ ممدودہ" ہے "ابن" کے معنی "کچی دھات" "سنسا پھول (شاقول۔ لنگر) "پتھر" ہیں۔

ابنیم (جمع یا بحری) و عبرانی یا הָבְנִים یا הָבְנִים مطابق یا ہوبنی کہتے ہیں دکچھ عجب نہیں کہ لکڑی کی کرہ کے معنی میں ابینہ اسی سے ماخوذ ہوا۔ چوب آبنوس میں پتھر کی سی سختی ہوتی ہے لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ ہابنی اور ہوبنی אֶבֶן سے مشتق ہیں۔ انگریزی میں اسے Ebony کہتے ہیں۔ انگریزی زبان سب کچھ یونانی زبان کی دست نگر اور زیر بار احسان ہے۔ یونانی میں حرف "H" (ہ یا ح) نہیں ہے چنانچہ کتب مقدسہ قدیمہ (جو عبرانی سے یونانی میں ترجمہ ہوئے) کے اسمائیں جو الفاظ ح یا ہ سے شروع ہوتے ہیں سب یونانی میں A (الفا) یا کسی اور حروف علت سے لکھے گئے ہیں مثلاً Αβελ (آبیل) جو عبرانی میں ہابیل ہے یا Ααρων آرون جو عبرانی میں "ہارون" ہے یا Ναουμ "ناوم" جو عبرانی میں "ناحوم" ہے۔ ممکن ہے کہ یونانیوں نے ہابنی کو Εβενος لکھا ہو۔ اور یہ لفظ انگریزی میں اسی طرح Ebony نقل کر لیا گیا ہو۔

خلاصہ یہ کہ بہرصورت آبنی کے معنی عبرانی میں پتھر کے نہیں۔ کیونکہ אֶבֶן (دلے بن) اور "آبنی" دو جدا گانہ لفظ ہیں۔ مخزن الادویہ میں آبنوس کے دو یونانی نام درج ہیں "ابانس" "سیفاقیطو" اس وقت ہمارے سامنے کوئی عمدہ فرہنگ یونانی کی موجود نہیں ورنہ ان دونوں لفظوں کی تفتیش کرتے۔

جناب جامع اللغات صاحب مدظلہ ارشاد فرماتے ہیں "آب حسرت" (مذکر) خواہش۔ بھوک" اینجانب پوچھتے ہیں کہ حضرت! یہ کس لغت میں ہے!۔ ذری ہم بھی دیکھیں۔ ایرانی مؤلفین کی ترتیب دی ہوئی دو کتابیں (فرہنگ ناصری و فرہنگ نوبہار) ہمارے سامنے ہیں ان کے علاوہ غیاث اللغات۔ چراغ ہدایت۔ برہان قاطع مصطلحات وارستہ وغیرہا (آٹھ سات کتابیں) بھی ہیں اُن میں تو کہیں آب حسرت کے معنی خواہش یا بھوک کے نہیں ملے۔ اردو کی البتہ کوئی کتاب لغات ہمارے پاس نہیں۔ بجز ان دو کے جن کے مجروح و مقدوح ہونے کا اعلان ہر ہفتے ہوتا رہتا ہے۔ یا ایک جلد بہار ہند کی ہے۔ بہار ہند کا مؤلف کم علم ہے چنانچہ سلاک اور سلارق کو "ص" سے لکھتا ہے۔ اردو کی اور کوئی فرہنگ سامنے ہوتی بھی تو بغیر کافی تجسس و تفحص کے ہمیں بات مان لینے کی عادت نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج ہم بھی نور اللغات کی سی دس بیس کتابیں لکھ چکے ہوتے۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ اکثر مشہور کتابیں اس فن کی نظر ثانی کے قابل اور "اتقان" و اعتبار سے خالی ہیں۔

بعض مؤلفین ایسے ہیں جن کی مردانی بول چال تو درست ہے لیکن زنانی زبان پر انھیں اس وجہ سے عبور نہیں کہ اُن کے گھر میں اردوئے گنگا ترقی یافتہ گنواری زنانی زبان کا رواج ہے۔ (جس میں محاورات اپنی اصل وضع پر قائم نہیں۔ توڑے مروڑے اور بدلے گئے ہیں) اُن کو تحقیق کہنے والوں سے جو کچھ ملا وہ تو کسی قدر صحیح ہے (بشرطیکہ اُنھوں نے بمزید احتیاط اُسے جانچ بھی لیا ہو) باقی محل غور و تامل۔ اس تقریر سے یہ مقصود نہیں کہ "بس ایک ہم ہی ہیں" انانیت کا غبار اگر یہی ہوا سر میں سماگئی ہوتی تو پھر آج ہم بھی مصنف بن کے دوڑتے دھوپتے۔ موٹی موٹی جلدیں لوگوں کو دکھاتے مدد کے لیے ہاتھ پھیلاتے۔ ابھی کوڑا کرکٹ تو بک ہی جاتا ہے کیا ہماری کوشش رائیگاں ہوتی؟۔

ہمارے بس کی بات یہی تھی کہ جو مصنفات سامنے ہیں انھیں اپنی استعداد کے موافق جانچیں اور اہل خبرہ کی خدمت میں حاضر کردیں۔ نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں کتاب حرف بحرف غلط ہے نہ یہ کہ چاند میں میل ہے کتاب میں میل نہیں" جو کام ایک مجمع علما کا تھا وہ ایک فرد نے کیا۔ بحث مباحثہ۔ تحقیق و تدقیق کی مدد اُسے ملی نہیں تو لامحالہ اُس کی جانچ ضروری ہوگی۔ پہلے کوئی متوجہ نہ ہوا۔

حالانکہ بڑے بڑے ادیب خطیب شاعر مجلات ادبیہ کے مالک مہذب یافتہ علامہ محقق خدیلے سخن موجود ہیں۔

ابھی تک لوگ ادھر متوجہ نہیں ہیں مگر ایک وقت آئے گا کہ لوگ ان کتابوں پر جو آئندہ ادبیات کی ماں بننے والی ہیں اور جن پر نیا دینی کتابوں کی بنیادیں مقدم ہوں بلکہ دین و دنیا کے تمام کام حل کی قائم ہونے والی ہیں متوجہ ہونگے ہم یہ نہیں چاہتے کہ کوئی صاحب ہم سے الجھ پڑیں کہ دنیا تو تو میں میں کا تماشا دیکھے (اس لیے کہ مہذب اور نجیب مقابل گو گرد احمر ہے) نہ یہی کہ ہماری قلمی اعانت فرمائیں (اس لیے کہ اٹھارہ انیس برس میں دو تین آدمی ملے اور وہ بھی مستعفی ہو گئے) نہیں صاحب وقت نکالیے اور علٰحدہ مضامین لکھیے۔ روئے سخن اُن خران آدم صورت کی جانب نہیں جو مقلد اور کم جرأت ہونے کے باوجود ٹرّاتے رہتے ہیں۔ انیسوں کا جواب تو ہم کیا کوئی اور بھی دینے کو تیار نہ ہوگا۔ ایک مرتبہ تفصیل اپنی زحمت کی سنانی پڑتی

اس وجہ سے آج یہ چند کلمے گزارش کر رہے ہیں۔

بھلا غور تو کیجیے جامع اللغات میں آب و نمک کے ایک معنی "دن" بھی لکھے ہیں۔ یہ کیونکر صحیح ہو سکتے ہیں بھلا کسی سے کہیے کہ جناب آپ آب و نمک کو تشریف لائیے گا۔ اس وقت غلام عدیم الفرصت ہے پھر دیکھیے اس کی سمجھ میں آپ کا ارشاد سما تا بھی ہے یا نہیں۔

یا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا کا ترجمہ یوں کیا جائے کہ ہم نے آب و نمک کو تمہارے لیے معاش قرار دیا تو یہ معنی صحیح ہوں گے؟ یا اس ترجمے سے ہمارے ڈاکٹر انصاری استدلال کریں کہ مہاتما گاندھی نے جو کہیں "آب نمک" روزہ رکھا تھا وہ بالکل اسلامی قواعد سے درست ہے کیا وہ سر حق نہ ہو نگے؟ اور اسی قیاس پر نان نمک سے رات کیوں نہ مراد لی جائے؟

دیکھیے ہم نے اس مضمون میں عبارت آرائی اور مزاح سے قصداً بالکل گریز کی ہے کہ بات ہنسی میں لگی ہوئی نہ اڑ جائے حالانکہ ظرافت کے بہت سے موقعے آئے مگر ہم ٹال گئے۔

لہٰذا اگر کسی صاحب کو ہمارے خیالات سے اختلاف ہو تو وہ بھی ہمارے ہی دستور کی پیروی فرما کے ہم سے جواب استدلال کے متوقع ہوں۔ ورنہ ہم بالکل خاموش رہیں گے

(باقی آیندہ)

م۔ آ

ادبار اللغات

لکھنؤ میں نیا انگریزی دواخانہ

حضرات تیس برس تک شفاخانوں میں علاج اور صنعت جراحی سے قومی خدمات انجام دینے کے بعد اب ہم نے ایک دواخانہ نادان محل روڈ لکھنؤ میں قائم کیا ہے جس میں اصلی مناسب قیمت پر اور نہایت احتیاط کے ساتھ نسخے باندھے جاتے ہیں آزمائش شرط ہے۔ جو لوگ ذاتی طور پر ہم سے واقف ہیں وہ دوسروں سے ہماری سفارش کر سکتے ہیں۔

المشتہر مہدی حسین کمپونڈر رضوی فارمیسی

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قواعد ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۷ ہم ۱۹۳۳ء

بعدالت جناب انگریزی اسسٹنٹ کلکٹر صاحب بہادر بمقام گڑھی صمد آباد ضلع پرتاب گڑھ

رمانیجو سنگھ بہادر سنگھ تعلقہ دار ساکن بھدری پرگنہ بہار تحصیل کنڈہ ضلع پرتاب گڑھ مدعی

بنام

بھولال ولد کالی قوم کوری ساکن بلی پور دزرہ مجلی الدین نگر کاشتکار کبرا رشاہ پور پرگنہ بہار تحصیل کنڈہ ضلع پرتاب گڑھ مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت بقایا لگان کے دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۴ ماہ جولائی ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن بمقام گڑھی صمد آباد اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے کما حقہ واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم تائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔ اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۷ ماہ جولائی ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

مہر عدالت — دستخط حاکم بخط انگریزی

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قواعد ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۲۲ ضمن ۱۷

بعدالت جناب پنڈت رما شنکر صاحب مصرا تحصیلدار مصرکھ مقام مصرکھ ضلع سیتاپور

گوربخن سنگھ ولد بو کر سنگھ قوم ٹھاکر ساکن زمیندار موضع نگو ابرام پرگنہ کورو تحصیل مصرکھ ضلع سیتاپور مدعی

بنام

پنڈت شیو رام ولد کیدار ناتھ قوم برہمن ساکن سلیم پور پرگنہ و تحصیل و ضلع سیتاپور مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت بقایا لگان کے دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۲ ماہ جولائی ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے بمقام تحصیل مصرکھ اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے کما حقہ واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کیلیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم تائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔ اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۸ ماہ جولائی ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

مہر عدالت — دستخط حاکم بخط انگریزی

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قواعد ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۱۱۰۷

بعدالت مال جناب تحصیلدار صاحب بہادر بمقام تحصیل آگرہ ضلع آگرہ

مسماۃ کیلاس وتی بیوہ بابو گھاسی رام قوم کوری چھتری ساکن تو بہائی پرگنہ اعتماد پور زمیندار موضع کیلانہ پرگنہ آگرہ مدعی

بنام

سیتا رام ولد رام لال قوم کوری چھتری ساکن لور بتہ آگرہ کاشتکار موضع کیلانہ پرگنہ آگرہ مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت بقایا لگان کے دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۵ ماہ جولائی ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے بمقام تحصیل آگرہ اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے کما حقہ واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم تائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔ اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۴ ماہ جولائی ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

مہر عدالت — دستخط حاکم بخط انگریزی

REGISTERED No. A, 78
ظریف ہفتہ وار
مشہور باتصویر
LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
M B KHAN ARTIST LUCKNOW.

قواعد وضوابط ادارہ ہذا

(۱) بفضل خدا یہ اخبار ہر ہفتہ کی ۵-۱۲-۱۹-۲۶ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

(۲) اودھ پنچ میں لغو خبریں، مذہبی جھگڑے اور بیہودہ مضامین نہیں چھپتے بلکہ صرف اپنی بضاعت بھر قابل اور معقول ادب چھپتا ہے۔

(۳) قیمت کی زیادتی پر ہرگز نہ جائیے۔ بلکہ کیفیت پر خیال فرمائیے گو گو ہر وخزف میں فرق ہے، اگر شائقین کی قدردانی کی امداد رہی تو مضامین تاریخ واقعات اور دنیا کی اصلاحات اخلاقی وسیاسی ادبی پر نظر رکھیے انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائینگے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

(۴) اجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ پیشگی لی جاتی ہے۔

(۵) بکمال شاگردان مدارس سے بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر سالانہ قیمت صرف للعہ لی جائے گی۔

(۶) پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۱۵ دن کے اندر دیجیے ورنہ بعد میں ممکن ہے کہ نہ مہیا کیا جا سکے۔

(۷) جو مضامین اودھ پنچ کی صلح پالیسی کے مطابق نہ ہونگے وہ شائع نہ ہونگے اور ان کی واپسی پر ہم مجبور نہیں ہیں۔

(۸) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی و ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص ان میں نہ ہو۔

نوٹ:۔ جو حضرات خریدار مجھے خطوط یا منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہئیے، کیونکہ ان کے نام ہی چٹ پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جواب طلب امور کے لیے کارڈ یا لفافہ آنا لازمی ہے۔

احمد حسین مار ہروی منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

شرائط ایجنسی اودھ پنچ

(۱)۔ روپیہ نقد جمع کرنا ہوگا۔

(۲)۔ رقم جمع شدہ کے ادا ہوتے ہی پرچہ کی روانگی ہو وقت ہوگی

(۳)۔ پانچ پرچوں سے کم کی ایجنسی قبول نہ کی جائیگی۔

(۴) بحساب ہر آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائے گا۔

کسی حالت میں بھی پرانے پرچے واپس نہ لیے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

چھ سوالوں کا ایک جواب

زندگی کا مدعا کس طرح حاصل ہو؟ کمال بھی حاصل ہو؟ دنیا کس طرح خوشنود معلوم ہو گی؟ ہم کس طرح چھوٹ سکتے ہیں؟ تمام امراض سے کس طرح نجات حاصل ہو؟ سچی خوشی کہاں ہے؟ ان سوالوں کا آسان حل یہی ہے کہ آپ ایک کارڈ روانہ کرکے رہنما صحت کتاب کا ہم شاستر مفت طلب فرمائیے۔

ملنے کا پتہ

آتنک نگرہ جام نگر کاٹھیاواڑ

ایجنٹ اندر چند اینڈ کو۔ چوک بازار لکھنؤ

ہندو مسلمان

اسلیے

مقتدا خان قتا خان تاجر تمباکو و عطر لکھنؤ

کا زردہ تمباکو و عطر استعمال کرتے ہیں کہ وہ بہترین ثابت ہوئے ہیں

(آپ بھی نمونہ و فہرست مفت طلب فرمائیے)

دواخانہ معدن الادویہ

وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ سے خاص مفردات اور نادر مرکبات بہ کفایت منگائیے

فہرست مفت طلب فرمائیے

اور نامور و حاذق اطبا کے مشورہ سے بدون ادائے فیس فائدہ اٹھائیے

منیجر

جلد ۱۸ نمبر ۲۵

مضامین غیر

مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۳۳ء

جامع اللغات و نور اللغات

نمبر ۱۲

مؤلف جامع اللغات لکھتے ہیں "آلبست (ف ماضی) آلبستن کی حاملہ ہوئی - آلبستگی - آلبستن (صفت) حاملہ - پیٹ سے - آلبستن (لازم) حاملہ ہونا - آلبستہ (صفت) حاملہ (مذکر) نوزائیدہ بچہ"

مؤلف نور اللغات فرماتے ہیں "آلبستنی (ف) مؤنث - حاملہ"

دونوں صاحب نہیں فرماتے کہ اس کی "ب" مکسور ہے یا مفتوح - دراصل آلبستن بروزن دانستن ہے اس کی "ب" مکسور ہے - آلبستن حسب تحریر جامع اللغات مصدر نہیں آبستان بروزن بابجان (مفتوح الباء) آلبستن و آلبستہ ایک ہی معنی میں ہے سب کے معنی پیٹ والی یا مکسور با بالا کے گابھن کے ہیں (انسان اور جانور کی تخصیص نہیں) لفظ کی مصدری صورت نے اُن کو دھوکا دیا انھوں نے اصل کی فاتحہ دے دی - غالباً "تن" "دن" کی مشہور علامت سے - برتن اور گردن کو بھی وہ مصدر سمجھ لیں گے - ایسی نایاب سمجھ پر فرہنگ بنانے اور غیر زبان کے الفاظ پر بیجا تصرف کی جرأت - مؤلف صاحب ہی پر ختم ہے کوئی با احتیاط شخص یہ نہیں کرسکتا - مدعی لگی یہ ہے کہ آپ اپنے وہم کی سرزمین پر قلعے بناتے ہی چلے جاتے ہیں لفظاً ماضی آپ کے نزدیک مؤنث ہے "آلبستہ" نوزائیدہ بچہ ہے - یہ نئے معنی جو شامل ہیں بچے کی والدہ اور بچے دونوں کو حضرت نے کیونکر گڑھے؟ بظاہر اس کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ صاحب نور اللغات نے منشی قدر بلگرامی کا ایک شعر "آلبستنی" کی سند میں لکھ دیا ہے

پھر وہ عفیفہ ہوئی آلبستنی
وضع کی میعاد پہ لڑکا جنی

مؤلف صاحب شعر سے یہی سمجھے کہ عفیفۂ مذکورہ کا حامل ہونا اور بچہ جن دینا سب "آلبستنی" ہی سے متعلق ہے لہذا اگر مدعی لکھائی ایک اور معنی - کس کی رہی اور کس کی رہ جائے گی - کون پوچھتا ہے - نور اللغات پر کس نے توجہ کی جو کوئی جامع اللغات کو نام رکھے گا! - اُردو کی توسیع ایک شریفانہ فرض ہے ہمیں بھی کچھ نہ کچھ اسے ادا کرنا چاہیے - کیا ایسا ہوتا نہیں؟ حکایت ہے کہ راہ میں دو دوستوں کا آمنا سامنا ہوا ایک صاحب نے کہا بھائی تم نے شادی بھی کی یا نہیں؟ دوسرے صاحب نے فرمایا "مدت ہوئی - بچہ بھی دس گیارہ برس کا موجود ہے - سائل متعجب ہوا - "ابھی پارسال تم سے ملاقات ہوئی تو تم نے انکار کیا - آخر یہ کب شادی ہوئی کب صاحبزادے پیدا ہوا - کیا کسی بیوہ سے شادی کی تھی جو بچہ گھاتے میں ملا - سسرال کہاں ہے - کن لوگوں میں شادی ہوئی؟ بی بی خوبصورت ہیں یا بدصورت - مزاج کی کیسی ہیں؟ مجیب دوست کہنے لگے "یہ میں کچھ نہیں جانتا - ایک نو دس برس کا لڑکا سڑک پر کھڑا تھا میں نے اُس سے کہا بیٹا ذری سرک جاؤ" وہ بولا "بہت خوب"۔ اُس نے بیٹا ہونا تسلیم کرلیا - میں نے باپ ہونا - بیٹے کے واسطے ماں اور باپ کا وجود لازم ہے یعنی ماں جب تک آلبستن نہ ہو اُس وقت تک بیٹے کا وجود مشکل لہذا شادی ہو گئی میری بیوی "بات معقول تھی - دوست "آمنا و صدقنا" کہہ کے اپنی راہ چلے گئے -

مؤلف صاحب نے شعر میں "آلبستنی" کو دیکھا نہیں - ہاں "لڑکا" دیکھا اسی کو پہچانتے ہیں - پس وہی آلبستہ ہے آلبستہ بہ شہادت برہان قاطع آلبستن کا مخفف ہے اور پنج یا آب بستہ (بدون اضافت) کا مخفف (فرہنگ نوبہار) جس کے معنی زراعت کے لیے تیار کیے ہوئے کھیت کے ہیں - قیامت یہ ہے کہ موجد فن لغت جناب مؤلف نور اللغات نے آب بستہ کے معنی بھی ادھورے لکھے ہیں "ژالہ" کی سی تقلیل لغت ٹھونسی تھی تو پھر سب معنی لکھ دیے ہوتے سے

"آب ایستادہ و شمشیر و خنجر و شیشہ و ساغر بلوری :
نگر گ و آبگینہ" کہ یہ کتاب فارسی ہی کے کام آجاتی -

جناب مؤلف لغت حاجی زمزم یعنی نور اللغات لکھتے ہیں "آبشورہ (بلا اضافت آب) (صحیح لفظ افشرہ ہے) مذکر - شکر اور لیموں کا عرق پانی میں ملا کر شربت بناتے ہیں -"

یہی عبارت مؤلف جامع اللغات نے بھی نقل بہ تبدیل بعض الفاظ نقل فرمائی ہے - اس میں چند غلطیاں ہیں -

(۱) افشرہ خود مخفف ہے افشردہ کا (کسی چیز کو نچوڑ کے رس نکالیں وہ افشردہ کہلائے گا) -

(۲) شکر اور لیموں پر منحصر نہیں فالسے انار نارنگی میوہ سب کا افشردہ بن سکتا ہے اور بنایا بھی جاتا ہے -

(۳) "ف - و - ب" بوجہ قرب المخرج ہونے کے اکثر آپس میں بدل جاتے ہیں مثلاً یہی ایک لفظ ہے جسے اُردو میں مختلف طریقوں سے بولتے ہیں "افشورہ (بغیر الف ممدودہ) آبشورہ (بغیر الف ممدودہ) افشردہ" ان کی تصریح ایک ہی جگہ کردینی تھی - اور دوسرے مقامات پر حوالہ یا اشارہ کردینا تھا - جیسا کہ اہل لغت کا دستور ہے -

(۴) یہاں کے اکثر فصحا افشردے اور شربت میں ایک لطیف فرق کرتے ہیں وہ افشورہ یا افشردہ ترش پھل کے نچوڑے ہوئے پانی کو کہتے ہیں - شربت عام ہے چاہے میٹھا ہو چاہے کھٹا افشردہ خاص - اگرچہ اکثر اس میں امتیاز نہیں کرتے وہ "فالسے کا شربت" اور لیموں کا شربت" بھی کہتے ہیں -

(۵) یہ لکھ دینے سے کہ صحیح لفظ "افشرہ" ہے - دیگر لغات مثلاً افشردہ یا افشورہ کی تغلیط مفہوم ہوتی ہے - حالانکہ افشردہ اور افشورہ کہنے کا رواج بہت ہے کوئی "افشرہ" نہیں کہتا - اور علاوہ نظم کے ایرانی بھی "افشرہ" نہیں بولتے "افشردہ" ہی کہتے ہیں -

جامع اللغات میں ہے:-

"آبشار (مذکر) پانی کی چادر - جھرنا - آبشار کرنا - پانی چھڑکنا - آبشار ہونا (لازم) جھرنا جھرنا"

یہ غلط ہے آبشار اس پہاڑی پانی کو کہتے ہیں جو بلندی سے

پستی کی طرف گرے۔ پانی کی چادر تو دریا کے تموج سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ "بھرنا" صحیح ہے۔ آبشار کرنا اور ہونا دونوں خلاف محاورہ ہیں۔ کسی فصیح کی زبان پر جاری نہیں۔ ہاں "آبشار گرنا" ہے مگر اس کے معنی پانی چھڑکنے کے نہیں۔ دوسرے یہ کہ آبشار غیر معین الجنس لفظ نہ مؤنث ہے نہ مذکر۔ بلکہ لکھنؤ کے فصحا تو "آبشار" کو مؤنث ہی بولتے ہیں۔

جامع اللغات میں ہے:۔

"آب نیساں۔ (مذکر) بہار کی وہ بارش جس سے خیال کیا جاتا تھا (زمانۂ ماضی) کہ سیپ میں موتی پیدا ہوتے ہیں"۔

مؤلف نور اللغات رقمطراز ہیں:۔

"آب نیساں (ف) نیساں رومی ساتویں مہینے کا نام۔ وہ بارش جو نیساں کے مہینے میں ہوتی ہے الخ"۔

صاحب جامع اللغات نے نامناسب اختصار و ایجاز سے کام لیا۔ نور اللغات نے جو کچھ لکھا وہ صحیح ہے مگر تصحیح لفظ کی جانب کسی نے بھی توجہ نہیں کی کہ نیساں کا تلفظ کیا ہے۔

جو نیساں فارسی مہینے کا نام ہے وہ بفتح نون ہے۔ ایک نیساں بکسر نون بھی ہے جس کے معنے "خلاف و مخالفت" کے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ کم از کم غیر زبان کے الفاظ (جن میں غلطی ہونے کا امکان زیادہ ہے) اس طرح سمجھائے جائیں کہ طالب کا ذہن التباس سے محفوظ رہے۔

الف مع الباکی بحث: ایسی پیچیدہ ہو گئی کہ اب اس کی جانب غور و فکر کرنے سے جی گھبراتا ہے۔ دونوں کتابوں میں تامل سے دیکھنے پر سینکڑوں غلطیاں اور بھی نکل سکتی ہیں۔ جن کی بڑی تعداد "قوت تفہیم مطالب" کی کمی سے متعلق ہے۔

اجمالی اشارہ گزشتہ سطور میں کیا جا چکا۔ اس بھونڈے پن کو ہم کہاں تک واضح کریں۔ لہٰذا اب حرف الف یا بائے فارسی کے بارے میں کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

الف بے سے ہم جان چھڑانا ہی چاہتے تھے کہ ہوا نے جامع اللغات کے اوراق پلٹ دیے۔ اچانک نظر

آبادی شی پر جا پڑی۔ تعجب ہوا کہ یا الٰہی یہ کہاں کی اصطلاح اور اس کی تعریف کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مؤنث ہے، دو معنی رکھتی ہے۔ ایک تو آبادی دوسرے "زمین کا بڑھا ہوا معاملہ"۔ بڑی چھان بین کے بعد مرحلہ طے ہوا کہ یہ پنجابی زمینداروں کی اصطلاح خاص ہو گی۔ کسی اصطلاح پر کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا مگر کہہ دینا تھا کہ یہ پنجابی بولی ہے۔ علی ہذا القیاس "معاملہ" کی صراحت کرنی تھی کہ پنجاب میں لگان۔ محصول زمین۔ یا مالگزاری کو "معاملہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ تصریح سے گریز کی عادت جامع اللغات کو بھی ہے اور نور اللغات کو بھی۔ (نور اللغات کا معاملہ آگے آئے گا کہ کس قدر گنوار اللغات کے الفاظ بدون تصریح طالب فصاحت حضرات کو گمراہ کرنے کے لیے لنڈورے چھوڑ دیے گئے ہیں)

خدا ان کے شر سے زبان کو بچائے۔

اب ملاحظہ ہو "آپ" کی بحث۔ دنیا کو غالباً یہ نہ معلوم ہوگا کہ "آپ" بھی ایک اہم لفظ ہے اور اس کے معنی کسی طرح احاطہ میں آ ہی نہیں سکتے مگر ان دونوں لغتوں نے کمال کیا ہے جو "آپ" کو "آپ" کے معنی سمجھا دیے۔ جیسا کہ پہلے ہم کہہ چکے سو میں ننانوے فقرے ایسے ہیں کہ ان میں آپ کی جگہ کوئی اور ضمیر غائب یا حاضر، متکلم یا مخاطب کی لگا دی جائے تو اچھی طرح کھپ جائے گی۔ اب رہ گئے اصل محاورات یا معنی ترکیبی جو بغیر "آپ" کے الحاق کے دیگر الفاظ کی ترکیب سے پیدا ہوسکتے ہیں انھیں اس حرف کے ذیل میں علیحدہ علیحدہ لکھنا تھا جس سے ان کی ابتدا ہوتی ہے۔ مثلاً آپ اپنے حق میں کانٹے بوتے ہیں۔ یہاں آپ کی جگہ تم، تو، وہ، کسی، ان سب ہی ضمیریں کھپ سکتی ہیں۔ پس "حق میں کانٹے بونا" بلکہ صرف "کانٹے بونا" قابل وضاحت ہے خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ "آپ" کے معنی نہیں بدلتے۔

نوٹس حسب دفعہ ۸ فقرہ ۲ ایکٹ نمبر ۳ سنہ ۱۹۲۶ء

اجلاس سید محمد عبد الصمد صاحب بہادر اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم تحصیل قائم گنج ضلع فرخ آباد

نمبر مقدمہ ۲۰۸ پیشی ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۳۳ء

موضع جرادی پرگنہ شمس آباد پچھم ضلع فرخ آباد

خان بہادر نواب سید محمد سلطان عرف نواب سید ابو الحسن قوم سید ساکن قصبہ شمس آباد مدعی

بنام

میوا ولد پھنکو قوم کھنگ ساکن موضع دیولا پرگنہ شمس آباد پچھم۔ عاملاکار

ہرگاہ تمہارے ذمہ حسب مندرجہ ذیل لگان باقی ہے جو اوپر درج نہیں ہوا ہے لہٰذا تم کو چاہیے کہ اندر میعاد ۳۰ یوم کے پہونچنے نوٹس ہذا کے مطالبہ عدالت تحصیل صاحب تحصیل قائم گنج میں ادا کرو اور اگر تم کو بابت زر مطالبہ کے کچھ عذر ہو تو عدالت مذکورہ یا اس مقام میں عذر اندر میعاد مقررہ کے داخل کرو۔

نمبر خسرہ	رقبہ
۳۲۰/۴	۶۲-۰
۳۲۴/۴	۶۲-۰
۳۲۴	۱۱-۰

نام موضع	نام سنہ	لگان سالانہ	وصول	باقی	سود	میزان کل
جرادی	بیع ۱۳۳۶ ف	[illegible]	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	۱۳۳۷ ف	[illegible]	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	۱۳۳۸ ف	[illegible]	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	خریف ۱۳۴۰ ف	[illegible]	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]

مورخہ ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۳۳ء

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵۔ قاعدہ ۱ و ۵)

بعدالت مسٹر آغا احمد صاحب منصف قائم گنج ضلع فرخ آباد

نمبر مقدمہ ۴۸۹ سنہ ۱۹۳۳ء

علاقہ منصفی قائم گنج ضلع فرخ آباد

عبد العزیز خان ولد عبد الحکیم خان پٹھان ساکن موضع تیپورہ پرگنہ کمپل ضلع فرخ آباد مدعی

بنام

شیر و رہبان ولد ہنسکھا پسران کھنا قوم کاچھی ساکن موضع سرائی پرگنہ جلال آباد علاقہ منصفی تہر ضلع شاہجہانپور۔

ہرگاہ مدعی نے آپ کے نام ایک نالش بابت [illegible] کے دائر کی ہے لہٰذا آپ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ بتاریخ ۷ ماہ اگست سنہ ۱۹۳۳ء اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے کما حقہ واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہوں اور جواب دعویٰ کا دیں اور چونکہ وہی تاریخ جو آپ کی حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس آپ کو لازم ہے کہ اُسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر اور نیز جملہ دستاویزات پر جن پر آپ اپنی جوابدہی کی تائید میں استدلال کرنا چاہتے ہوں پیش کریں۔ آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور آپ حاضر نہ ہوں گے تو مقدمہ بغیر حاضری آپ کے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۰ ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

سلف سے لے کر اب تک جتنے بھی "آپ" سے شروع ہوئے اور بھاگ کے ساتھ مستعمل ہیں ہمارے مؤلف جامع اللغات کی رائے میں سب "محاورے" یا "ضرب المثل" کا مرتبہ رکھتے ہیں اور سب میں گویا "آپ" کے ایک علیحدہ معنی ہیں۔ جیسے خطرے در پیش کتاب ہونے سے رہ گئے امید ہے کہ وہ حشر میں "آپ" کے دامن گیر ہوں گے۔ لطف یہ کہ مشہور سے مشہور لفظ کا ترجمہ بھی آپ فرض علیٰ تصور فرماتے ہیں اور وہ ترجمہ کمبخت اصل الفاظ سے زیادہ مہمل اور مغلق ہوتا ہے۔ اس ہمہ گیری کے صدمے میں بہت سے محاورے جنہیں نور اللغات اور جامع اللغات والوں سے چھوٹ گئے مثلاً اکثر کہتے ہیں "تم کو اس سے کیا" یا "مجھ کو اس سے کیا۔ مجھ کو اس سے کیا۔ ان کو اس سے کیا۔ آپ کو اس سے کیا۔ ان کو اس سے کیا" ان جملوں میں ایک لفظ محذوف یا مستتر ہے جو تعلق۔ غرض۔ بحث۔ مقصد وغیرہ ہو سکتا ہے اور باوجود محذوف ہونے کے صرف لہجے سے سمجھ لیا جاتا ہے۔ یوں بھی کہتے ہیں "پھر کسی کو کیا۔ پھر تم کو کیا" وہ آپ ہی کے ساتھ سہی مگر کہیں لکھ دیا ہوتا۔ جی نہیں۔ تجاہل اور تغلیہ کا خدا بھلا کرے ایک سے چھوٹا تو سب چھوٹا۔

ذری توضیح مطلب کا عنوان بھی دیکھیے کتنا پیارا ہے۔ صاحب جامع اللغات لکھتے ہیں: "آپ کا پانی دیکھ لیا۔ آپ کا حوصلہ معلوم ہو گیا"۔

صاحب نور اللغات پر تو قلق ہی ہے: "آپ آئے بھاگ آئے۔ آپ کا آنا باعث برکت ہے"۔

جامع اللغات نے تو شاید مرغوں کی پالی میں یا اصطبل میں یہ محاورہ سن کے یاد کر لیا ہے۔ یوں تو کہتے ہیں مجھے معلوم ہے کہ آپ کتنے پانی میں ہیں۔ مگر پانی دیکھنا حوصلہ معلوم ہونے کے معنی میں تو ہرگز کسی اہل زبان نے استعمال نہیں کیا۔ یہ کتاب بہ بانگ بلند دعوے کرتی ہے کہ پچیس ہزار اور پچاس ہزار کہاوتیں ہم نے جمع کر دی ہیں۔ فی صدی پچانوے ایسی ہی ہیں۔ اب لیجیے نور اللغات کو۔ بھاگ ترجمہ ہے تقدیر یا قسمت کا یا ایک ہندی لفظ ہے۔ عام طور پر گلی کوچوں کی بڑھیاں اس طرح یہ لفظ بولتی ہیں۔

"لے ہے کیا کروں بھاگوں ہی میں یوں لکھا تھا۔ پھوٹا بھاگ" "جلی دسوختہ تجسمتا کو یہ بھی نہ سوجھا کہ اتنا پانچ بلا ریتے ہوئے"

درحقیقت یہ مقولہ اس طرح زبان زد نہیں صرف آپ کی تحریث کو لمبا چوڑا بنانے کے لیے ایسے فقرے گھڑ لیے گئے ہیں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ جب نواب تجمل حسین خاں المخاطب بہ نواب ..... کمشنرے ہزیمت اٹھا کے ہنہور آئے تو بھانڈوں نے ایک دو چھینیں گھڑ لیں نواب صاحب کی آمد کی تہنیت میں گایا جس کا پہلا مصرع یہ تھا ۔۔

نواب آئے ہمارے بھاگ آئے

نواب پر ایسی شرم طاری ہوئی کہ ساری رات تا فیض آباد چلے گئے اس لیے کہ بھاگ آئے کا مطلب یہاں بھاگنے سے علاقہ رکھتا تھا قابل گرفت نہ تھا۔ تاویل ہو سکتی تھی۔ کسی چھپے یا گاؤں کا ذکر نہیں مگر شہر میں تو "نصیب کھلنے" کے معنی میں بالکل نہیں۔ مؤلف محاکم اعظا رکر مہر فضل یا وجود فنات دبرکات آلسہ کی جگہ کوئی نہیں بولتا۔ نہ یہ ضرب المثل ہے نہ کہاوت متروک لفظ ہے۔ اور غیر مستعمل فقرہ۔ شہر میں کوئی کسی بڑے آدمی سے کہے "آپ آئے بھاگ آئے" تو بیچارے کو جتنا کی خیر سنائی پڑے اس لیے کہ اس میں ہجو ملیح بلکہ ذم مشابہ مدح کا پہلو نکلتا ہے۔

ایک مقام پر جامع اللغات میں ہے: "آپ کا گھر کہاں ہے .... آپ بے وقوف معلوم ہوتے ہیں"۔

کیوں جناب محل استعمال کی توضیح کے بغیر یہ معنی لکھ دینا مناسب تھا؟۔

تعبیرات کی غلطی کا یہ پہلا نمونہ ہرگز نہیں۔ ہم سے بہتیرے بعض مقامات ممن کی طرف منسوب ہیں۔ اس مناسبت میں ذاتی عناد اور تعصب کو بھی دخل ہے چنانچہ بہت زمانہ ہوا کہ لکھنؤ میں "سوتھی" محلہ سے والا احمق سمجھا جاتا تھا۔ مکارم نگر جہاں اب ندوۃ العلما کی عمارت ہے ہیجڑوں سے آباد تھا۔ پیر بخارا میں شہدے رہتے تھے جوالی لکھنؤ میں کاکوری نواحی بارہ بنکی میں کرسی اور پھلواری والے عقل سے خالی سمجھے جاتے تھے۔ پس اگر کسی نے بے وقوفی کی باتیں کیں تو بے تکلف دوست پوچھ بیٹھتے تھے

"حضرت آپ کاکوری میں تو نہیں رہتے ہیں؟"۔ (حالانکہ خطۂ کاکوری سے بڑے بڑے علما اور فضلا ہر ہوئے) اسی طرح کوئی زنانی باتیں کرتا تو اس سے مکارم نگر یا بنگلی کی سکونت کا سوال ہوتا۔ یا کوئی شہد پن کرتا تو پیر بخارا والوں میں گنا جاتا۔ مطلقاً اور بغیر کسی سلسلہ کلام کے یہ پوچھنا کہ آپ کا گھر کہاں ہے یا آپ کہاں رہتے ہیں ہرگز کوئی عیب نہیں نہ ایسے مذموم و مقدوح معنی میں مستعمل ہے۔ سب ہی پوچھتے ہیں اگر مخاطب کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم کو بے وقوف بنایا تو جوتا چل جائے۔

کسی اور محل پر بھی ہم یہ امور حوالہ قلم کر چکے ہیں بار بار دہرانے پر اس وجہ سے مجبور ہیں کہ نوعیت اعتراض کی ایک ہی ہے اگر نہ دہرائیں تو ممکن ہے کہ تصحیح کتاب کے وقت یہ اعتراضات یاد نہ رہیں یا اعتراض مبہم رہے۔

نور اللغات میں یہ فقرہ مبہم طور پر سمجھا گیا تھا صاحب جامع اللغات اُن کی عبارت نقل کرنے میں اپنی سبکی خیال کرتے ہوں گے اس لیے اختصار کی شادی جدت کے ساتھ کر کے بیٹھ رہے۔ ان کی بلا سے اگر اختصار و جدت کا وصال "بے وقوفی" اور "غلطی" جننے کا سبب ہوا۔ آجکل "اُردو" کے سب سے بڑے محسن وہی ہیں جو صحت الفاظ کے قیود میں نہ پھنسیں جن کی تحریر لطیف مادر پدر آزاد ہو۔ جن کے خیالات الفاظ کے غلام نہ ہوں بلکہ ان کی تحریر سمجھنے کے لیے "علم غیب" درکار ہو اور یہ علمائے طیب (اُن کے مدّاح) اپنی طرف سے کلام بے معنی یا الفاظ غیر مربوط کے معنی پہنا کے ان کی شان میں قصیدے لکھیں۔

اُردو کے محسنوں کا دوسرا طبقہ وہ ہے جو موٹی موٹی کتابیں اس فن میں لکھے جس سے خود واقف نہ ہو۔ کسی طرح مصنفین کی فہرست میں اُن کا نام آجائے اور جب کوئی شخص تاریخ لکھنے بیٹھے تو اُن کا نام (اور تصویر بھی) تاریخی حیثیت اختیار کر لے۔

چنانچہ حال ہی میں ایک کتاب بنام "اے ہسٹری آف اُردو لٹریچر" شائع ہوئی ہے۔ اس کی تاریخی حیثیت اور مباحث علمیہ سے تو ہم کوئی بحث اس وقت نہیں کرنا چاہتے لیکن فہرست اخبار میں ایسے فقرات کا

تاہم بھی سلسلۂ محمد حسین نظر آتا ہے جو صرف ٹوٹے پھوٹے جملے لکھ کے اپنے معذرانہ یا مصلحانہ خیالات ظاہر کر دیا کرتے تھے اور اُن کے پھبتیوں نے اُن کو محسنین اُردو کی فہرست نمبر ۲ نہیں بلکہ فہرست نمبر ۱ میں داخل کر دیا۔ ہسٹری کا غریب مؤلف اُن کی انگریزی پکڑ کا بے محاورہ عبارت پر نکتہ چینی کا مادہ نہیں رکھتا تھا۔ اور غیر زبان کے ایسے مصنف پر جس کی ، ح وثنا میں اُس کے اہل وطن نے قصیدہ خوانیاں کی ہوں نکتہ چینی اُس کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ جنھوں نے باوجود اہلیت واستعداد بے مثال دکانداری کی حکمت پر عمل نہ کیا اور اپنی جوہر فردذات کو عرض بازار نہ کیا پس پردہ ہی رہ گئے۔ ہسٹری کے مؤلف صاحب کو اُن کا نام ہی معلوم نہ تھا یعنی ہنرمنداں مرد ند وبے ہنر جاے ایشاں گرفتند۔

اُردو کے محسنوں کا تیسرا طبقہ وہ ہے جو محض شہرت یا سفارش یا ذاتی ارتباط یا خوشامد یا مالی نفع (تجارت) کے پھیر میں پڑ کے مہملات کی اشاعت نہایت کشادہ دلی کے ساتھ کرتا ہے۔ اس فہرست میں بڑے بڑے جغادری افراد ہیں۔ نام کون لے۔ حکومتیں بھی ہیں یونیورسٹیاں بھی ہیں پریس بھی ہیں مکاتب بھی ہیں۔ وفود وارکانِ درستی نصابِ تعلیمی بھی ہیں۔ بعض اخبار نویس اور محرر مجلات بھی ہیں۔ گو یہ طبقہ شمار میں تیسرا ہے لیکن اُردو کی جان کے واسطے درجہ اعلیٰ کا ہلاکو ہے۔ اس سے کسی کا بس نہیں چلتا۔ ایک ہی اشاعت سہی مگر وہ ایک ہی مرتبہ کا زہر اُردو کو اچھی طرح ڈس لیتا ہے۔ شاگردانِ مدارس یا مطالعہ کرنے والے کچھ نہ کچھ غیر معقول تغیّر اپنی بول چال میں ضرور کر لیتے ہیں۔ معقول تغیّر آج تک نہیں دیکھا کوئی مثال مل جائے گی تو اُسے بھی پیش کر دیں گے۔

کیسا اندھیر ہے کہ ترقی کے وسائل ہی تنزلی کا اسباب ہیں سہ

جن کو سمجھے تھے مسیحا وہ ہلاکو نکلے

ادبار یعنی اینجانب اُردو بولنے والوں کی چند بابر اس طرح لدے ہوئے ہیں کہ ان کیلئے مستی تحریر و تقریر وسعت الفاظ پر محنت ایک بار عظیم ہو گئی ہے۔ کبھی اس جانب توجہ نہیں فرماتے۔ بلکہ خوشامدزدہ اصلاح کرتا ہے اُس سے انھیں نفرت ہو جاتی ہے۔ کئی ادبی رسالے خود بھی محتاجِ تحصیل علم ہونے کے باوجود اس قسم کے مضامین نقل نہیں کرتے تو وجہ کیا؟

ہم تعلیم سے بے نیاز ہی نہیں خود محقق بنے بیٹھے ہیں دوسرے کے افادات پر اکتفا کریں تو اپنی وقعت سے دوسرے کی وقعت بڑھائیں؟۔

علامہ تحفۃ الادب کے خرافات افادات کے لیے جو کہ بڑے صاحب اثر ہیں (یعنی اُنھوں نے میں خریداروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کے رسالے کا خزانہ بھر لیا) جگہ نکالنا بہت ضروری ہے۔ اگر ایسے ہی خشک مضامین نقل کیے گئے تو بچوں اور لفنگوں کی دلچسپی یعنی تضییع اوقات کا ذریعہ کیا ہے؟۔

اگر یہ ادباری حالت نہ ہوتی تو ایک نہیں صدہا عمدہ اُردو لغت کی کتابیں آج دنیا میں ہوتیں۔

(باقی آئندہ)

راف

ادبار اللغات

مولانا پنچ کی نوٹ بک

حسن اور عقل

”گاندھی دولھا“

”عشق“ کو عقل کا اندھا ہوتا ہی ہے مگر حسن کے بارے میں یہ بھبکیا کون نکال سکتا ہے۔ شہر ٹریڈ (تخت گاہ اسپین) میں جو حسینانِ جہاں جمع ہوے تھے اُن کی تقریریں عقلمندی کے آثار سے خالی نظر آتی ہیں۔ اور اس سلسلے کے اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بس معشوق بھی کچھ ”وہ“ ہوتے ہیں۔

اُن سے پوچھا گیا کہ اگر تمھارے لیے شادی لازمی قرار دی جائے تو دولھا کیسا پسند کروگی؟۔

اسکاٹ لینڈ والی نے کہا کہ میں اگر پاؤں تو فلم کھانسا کرنے والے گورام سے شادی کروں۔

بلجیم والی بولی کوئی ہو مگر سیدھا سادہ ذرا بھولا ہونا چاہیے۔

اسپین والی کہنے لگی۔ کہ میری اور میری بہن واشنگٹن والی کی رائے ایک ہے۔ ہمیں تو گویا انگلو اسکاٹش اسپین کا وزیر اعظم پسند ہے۔

غرض ہر ایک نے اپنی اپنی پسند کا حال کہہ دیا جس میں عقل کا مطلق لگاؤ نہ تھا البتہ انگلینڈ والی نے خوب بات کہی اُنھوں نے فرمایا کہ واہ گاندھی سے اچھا دولھا تو جہان بھر میں ڈھونڈے سے نہ ملے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ حسن کی عقل نے اپنے محبوب میں کون سی دل لبھانے والے اوصاف دیکھے جو مر مر اکے یوں گر پڑی۔ کیا معنی کہ گاندھی کی عمر اب شادی کے قابل ہے نہ صورت ہی میں رجھانے کی طاقت۔ ڈیل ڈول ہاتھ پاؤں ٹانگیں پہلے ہی کیا تیار تھے۔ اب تو فاقوں نے پورا سینکیا پہلوان بنا دیا۔ رنگ روپ ہندوستانی ہے یعنی گوری صورتوں کا میلا کرنے والا۔ ذات پات بحث کے لائق نہیں۔ نہ انگلستان میں کوئی ذات پوچھتا ہے نہ گاندھی ذات پات کو کوئی چیز سمجھتے ہیں اس کے علاوہ ساتھ کھا کے ذات کون چھپاتا ہے!۔ رہی شہرت یا دوسرے ذاتی اوصاف حسنہ تو وہ کسی نوجوان عورت کا دل ہاتھ میں لے نہیں سکتے۔ وہ اپنی نگاہ عاشق سے اگر وقت آیا بھی تو ڈیر۔ ڈارلنگ نہیں کہے کوئی نہ کوئی لقب مثلاً ”ماتا“ ”بہن“ اُسے مل جائیگا اس لقب کے ساتھ ہی لنگر پہر کی جگہ پانچ گز کی ساڑی مل جائے گی۔ بہنو بی بی اور کا تو چرخا۔

لہٰذا اب ایک ہی عقل کی بات ڈھونڈے سے دھائد لگتی ہے۔ وہ کیا؟۔

بس ”قانونی عدول حکمی“ نہیں ”استعفا۔ آپ اس استعفے کو تاوان تعشق سمجھیے یا مہر لیکن ہے یہ بات انگلستان کے حق میں مفید۔ خدا کرے گاندھی جی ان مس صاحبہ کو دلہن بنالیں اور ذرا دیکھے کہ ...

"کاغذی بازیگر اور زرِ سفید کا تماشا"

"تیلو کھلاڑی۔ دِھتنک دِھتنا۔ بھاگ جا رے کے"

بسرپرستی حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہ

فرمائش کی تعمیل فوراً کی جاتی ہے

تاجروں کے ساتھ خاص رعایت کی جاتی ہے

اس کارخانے نے دیسی صنعت کا ستارہ اوج فلک پر چمکایا ہے

سرمہ دافع ضعف بصارت و اکسیر امراض چشم طلب کرنے پر بلاقیمت روانہ کیا جاتا ہے

نرخ نسبتاً ارزاں رکھا گیا ہے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

ٹیلیفون نمبر ۱۳۰ — تار کا پتہ حسنا لکھنؤ

شاخ

بمبئی — حیدرآباد دکن — دہلی

Asghar Ali Muhammad Ali

PERFUMERS

Lucknow.
(U.P.)

فہرست مفت طلب فرمائیے

سول ڈاس اوبیڈنیس وہ ناگوار پوزیشن کی تحریک لکھ دیں یہ لکھتی ہے کہ یہ خبر بڑی مکری دل لگی ہو اور دل لگی ہی دل لگی میں ہندر اس بارے مس صاحبہ نے ہندوستانیوں کے دل مٹھی میں لینے کی فکر فرمائی ہو۔ لیکن اتنا ہم بھی جانتے ہیں کہ ہندوستانی پریس اس دل لگی پر بھی اکڑ کے چل رہا ہے " دیکھا آپ نے ہندوستانی قومی یا نسخیری قوت کا نمونہ ؟ "

ہمارے نزدیک تو یہ دل لگی دو دھاری تلوار ہے یعنی ایک طرف تو انگلستانی سرتاج حسینان کی جانب سے تالیف قلب کی تدبیر ہے اور دوسری طرف نوجوان ہندوستانیوں میں گاندھی بننے کی ہوس پیدا کرتی ہے " آہ کاش ہم بھی ننگے ہوتے جو گوری بی بی ہم پر ریجھتیں " کیا اس قسم کی ہوس کوئی نئی چیز ہے ؟ تاریخ میں ہے کہ ایک رنگیلے چھبیلے صاحبزادے (عہد ناصر الدین شاہ قاچار) سڑک پر گاتے چلے جاتے تھے ؎

مست و خراب بودم و افتادہ بے خبر

ایک شاعر نے جو سنا تو کہنے لگا:۔ " آہ اس وقت من گرون شکستہ کجا بودم "

ابھی یہ آرزوئیں تو آدمیت کی نفی نہیں کرتیں۔ پنڈت بلبی مسر راجہ کے محل کے سامنے بھینسیں چرایا کرتے تھے۔ راجکماری بالا خانے پر جاتی اور رکھنے سے لپٹ کے سبزہ زار کی سیر کیا کرتی۔ بلبی مسر ٹکر ٹکر دیکھتے اور جب راجکماری سیر سے فارغ ہو کے نیچے اتر جاتی تو گانے لگتے۔ " لے ونی ہم کمبا ہوتے گورا یا آئے لپٹتی "

پونا کانفرنس تائیں تائیں پھش کا عکس

" تائیں تائیں پھش " یا " فش " کا ماخذ دھنیے کی دھنکی ہے۔ دھنکی کے تانت پر جب ایک خاص انداز سے چوٹ لگائی جاتی ہے تو آواز نکلتی ہے " تائیں تائیں " اس انداز حرکت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روئی کا رواں رواں ٹوٹ ٹوٹ کے بکھر جاتا ہے — گالے کی صورت میں آجانے کے بعد دوسرے انداز سے ضرب لگائی جاتی ہے تو روئی کا گالا تمام ریشوں کو ساتھ لے کے تانت میں چمٹ جاتا ہے۔ دوسری ضرب سے پھش پھش کی صدا پیدا ہوتی ہے۔ ان دونوں صداؤں کے مجموعے نے کہاوت کی شکل اختیار کر لی ہے۔ حکایت ہے کہ ایک دھنیا تھا اندھا۔ اور اس کے ساتھ ہی مالدار۔ اس غرض سے کہ چوروں کو اس کی بیداری کا علم رہے وہ رات بھر دھنکی لیے " تائیں تائیں فش " کرتا رہتا تھا۔ چاہے روئی ہو یا نہ ہو۔ ایک مرتبہ کسی ہمسایہ کو روئی کی ضرورت ہوئی۔ دھنیے سے روئی مانگی تو اس نے قسمیں کھائیں کہ " میرے پاس تنکو روئی ناہیں " راز کھل گیا کہ حضرت خالی تائیں تائیں فش کیا کرتے ہیں۔ چوروں نے جو سنا تو اس حرکت کو غنیمت سمجھے " تائیں تائیں فش " کی تال پر انھوں نے سینڈ لگانے کا راگ الاپا اور جو کچھ ہاتھ لگا لے بھاگے۔ اس تائیں تائیں کے خودساختہ شور نے غریب اندھے کو بہرا بھی کر دیا۔ سینڈ کی آواز کان میں نہ گئی۔

اُس وقت سے بے نتیجہ بات کی مثال " تائیں تائیں فش " سے دی جانے لگی۔

پونا کانفرنس میں یہ ضرب المثل کے " پھش پھش تائیں تائیں " ہو گئی۔ پہلے تو مکمل ارادوں کی اٹیوں میں خدا جانے کہاں کے بنولے جمع ہو گئے تھے کہ پہلے پھش پھش کرنی پڑی اور پھر مجبوراً تائیں تائیں۔ لیجیے صاحب ساری روئی بنولوں سمیت اکٹھا ہو کے بکھر گئی۔

پھش پھش تائیں تائیں جو اخبار نویسوں سے بہت چھپائی گئی مگر بھلا کہیں چھپ سکتی ہے۔ کوئی کہے یا نہ کہے ہمیں معلوم ہے کہ سچ " تائیں تائیں پھش پھش " کے اس اجتماع لاینفی کا پنبہ دانے برابر کوئی فائدہ نہیں نکلا۔

انفرادی عدول حکمی یا قانون شکنی کو تائیں تائیں سمجھیے اور اجتماعی کو پھش پھش۔ جب ہمت کی روئی کا سرے سے وجود ہی نہیں تو کلی مجموعی و انفرادی میں تائیں تائیں پھش کے سوا کیا رہ گیا ہے۔ اب تو یہ چرخے کی مال (ڈور) بھی ٹوٹتی نظر آتی ہے یعنی عجب نہیں کہ تامیرؔ " تائیں پھش " کے ساتھ سودیشی چرخے

معلق رہنے کا سبق

؎ اگلا جھولے بگلا جھولے۔ ساون ماس کریلا پھولے۔ ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن ٹھائیں ٹھائیں

"گھوں گھوں" کو بھی خدا حافظ کہنا پڑے گا۔

ایک زمانہ تھا کہ ہم گول گھما کانفرنس اور پارلیمنٹری کانفرنس کو "تائیں تائیں فش" سمجھتے تھے۔ غرور کا سر نیچا۔ اب ہم کانگریس کو تائیں تائیں فش کا لقب دینے پر مجبور رہیں۔

سر سموئیل ہور صاحب نے قرطاس ابیض کی روئی میں سے جو بنولے نکال کے ہمیں عنایت کیے ہیں۔ انشاء اللہ ان کی کھیر کانگریسی ہندوستانی گایوں کو کھلائی جائے گی۔ پنہا آئے گا۔ دودھ کی افراط ہوگی۔ ہمیں دودھ کی بوند ملے یا نہ ملے مگر یہ "تائیں تائیں فش" ہرزہ نالی اور بیکار سامعہ کوبی میں داخل نہیں۔

کانگریس کی فش فش تائیں نے خاتمے کا ہندولہ سنایا ہے کہ مہاتما جی ہمارے دوست لارڈ ولنگڈن سے ملیں اگر لاٹ صاحب نے حکومت دخلاف عقل) سے کام لیا تو وہ مہاتما سے ملاقات نہ کریں گے اور جو حکمت سے کام لیا تو بلا کے ہاتھ ملا کے برتے کی خیریت پوچھیں گے۔ مہاتما کے ضعف بدنی پر ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اظہار افسوس کریں گے۔ پہلی خواہش ملاقات سے انکار پر دیدہ دستی نادم ہوں گے۔ اچھوت ادھار کی ترقی پر "ہپ ہپ ہرا" کہیں گے۔ نافرمانی قانونی کے بند کرنے یا معطل رہ جانے پر مسکرائیں گے فصلی میوے (آم) کے چار پانچ پھل کھلا کے بکری کا تازہ دودھ مہمان کو پلائیں گے۔ اور اگر خدانخواستہ فرائض مصالحت کا تذکرہ چھیڑا تو یہ فرمائیں گے کہ پھر ملاقات ہوگی اس وقت فرصت نہیں گڈ بائی۔

دیکھیے خیر صلاح کا خط ضرور لکھیے گا۔ اور سنیے اب ہفتہ دو ہفتے کا روزہ نہ رکھیے گا۔ ہاں جو رکھیے گا بھی تو کانگریس ہائی سے پوچھ کے۔ ورنہ ایکی مہاتگریس مردار کا طلیقین نکل جائے گا۔ لاسیے ہاتھ۔ مجھے عصائے ضعیفی بننے کا شرف حاصل کرنے دیجیے۔

الحاصل یوں بھی پھش پھش تائیں تائیں والسلام

۱۹۳۳ء
REGISTERED No. A. 703
ظریف ہفتہ وار
مشہور با تصویر
LUCKNOW
OUDHPUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
قیمت پیشگی اندرون ہند
سالانہ ......
ششماہی
قیمت پیشگی سالانہ
(بیرون ہند)
دس روپیہ
قیمت فی پرچہ دو آنہ

قواعد و ضوابط ادارۂ ہذا

(۱) بفضل خدائے عزوجل ہر مہینہ کی ۵-۱۲-۱۹-۲۶ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

(۲) اودھ پنچ میں سیاسی خبریں، مذہبی جھگڑے اور سیاسی مضامین نہیں چھپتے۔ یہ صرف اپنی بضاعت پر کتاب اور منقولات تک محدود رہتا ہے۔

(۳) قیمت کی زیادتی پر نظر نہ کیجئے۔ بلکہ اس کی تحریریں پڑھئے یہ رکھو ہر تحریر میں فرق ہے بلکہ انعامات کی مقدار کو ملاحظہ کیجئے۔ رواداری یعنی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی ادبی پر نظر رکھئے انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائینگے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

(۴) اجرت اشتہارات و قیمت اودھ پنچ پیشگی لی جاتی ہے۔

(۵) بحکم اعلیٰ شاگردان مدارس سے بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر سالانہ قیمت صرف للعہ لی جائے گی۔

(۶) پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۱۵ دن کے اندر دیجئے ورنہ بعد میں ممکن ہے کہ نہ مہیا کیا جا سکے۔

(۷) جو مضامین اودھ پنچ کی صلح پالیسی کے مطابق نہ ہونگے وہ شائع نہ ہونگے اور ان کی واپسی پر ہم مجبور نہیں ہیں۔

(۸) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو۔

نوٹ:۔ جو حضرات خریدار ہیں انہیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹ پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جواب طلب امور کے لیے کارڈ یا لفافہ آنا لازمی ہے۔

احمد حسین یابروی منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

شرائط ایجنسی اودھ پنچ

(۱)۔ روپیہ نقد جمع کرنا ہوگا۔

(۲)۔ رقم جمع شدہ کے ادا ہو چکنے پر پرچہ بند ہوگا بوقت ضرورت وصول کی جائیگی

(۳)۔ پانچ پرچے فی ہفتہ سے کم ایجنسی قبول نہ کی جائیگی۔

(۴)۔ بحساب دو آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائے گا۔

کسی حالت میں بچے ہوئے پرچے واپس نہ لیے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

چھوہاروں کا ایک [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] طلب فرمالیے۔

[illegible]

آٹھ نمبر [illegible]

ایجنٹ [illegible] چوک بازار لکھنؤ

جلد ۱۸ نمبر ۲۶

مضامین

مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۳۳ء

البتہ ہی

(ایک تازہ مشق مقیم یورپ شاعر)

شیخ جی اب ہے زمانے میں چلی | بادۂ شیراز و وسکی سے دبی
تا مٹے میں یاسی ہی کمین ملے | کھائیں گے لیکن نہ تازی رابڑی
پوچھتا ہے کون بھٹیاری کباب | کھل گئے شہروں میں ہوٹل ہر گلی
چوکلٹ ہے منہ میں ہر معشوق کے | اب کوئی کھاتا نہیں چکنی ڈلی
گاؤ تکیے ہوں گے تکیل یادگار میں | اب رئیسوں کے ہیں گھر میں ہاکی لگی
پھر نازل ہو نہ کیوں اس ملک پر | جس میں فیشن کی ہو یوں ہالی بگی
یا تو یہ ہے یا ہے کھدر ہر طرف | اور گاندھی کیپ ہے سر پر منڈھی
و صلعف کی صنعتیں مخصوص ہند | جن کی یورپ میں بھی پہلے مانگ تھی
حکمت عقلی ہو یا کسب ہنر | ملک خالی سب سے ہے کوئی سہی
صرف کھدر میں پھنسے رہ جائیں گے | گر یہی اندھیر اور آندھی رہی
عالم ایجاد میں رکھتے قدم! | حضرت رامن بھی اور جگدیش جی
میر صاحب دیکھیے جاپان کی | ہند میں چیزیں ہیں کتنی بک رہی
آپ سید شیخ مرزا اور خاں | آپ پنڈت راجپوت اور کھتری
آپ جو القاب رکھیں سب بجا | آپ سے ہر قوم ہے لیکن بڑھی
آپ کو دیتا ہوں میں تازہ مثال | دیکھیے یورپ کا وہ پیپا جرمنی
آج ہٹلر کے بدولت دیکھیے | کیسی بگڑی بن گئی اس ملک کی
ہے بھلا تنظیم ملت کوئی کھیل | یا کوئی دھیلے کی سوئی مورتی
دے کے جس کو قوم کو بہلا دیا | اور خود یورپ کی جا کر سیر کی
اب بھی امریکا سے آکر شیخ جی | ملک میں پھیلائیں باتیں میل کی

عہ کمپل پاؤنڈ - کانجی ہوس - آوارہ جانوروں کا قید خانہ ۱۲ عہ حضرت رامن یعنی مدراس کے مشہور سائنس داں پروفیسر سی وی رامن جن کو نوبل پرائز یورپ سے ملا ہے ۱۲ عہ جگدیش بوس کلکتہ کے مشہور سائنس داں ۱۲ عہ ہر ہٹلر جرمنی کا موجودہ چانسلر یا وزیر اعظم۔ ہر ہٹلر جرمنی کے نازی یا قوم پرست تحریک کا بانی جس کو دیکھتے ہی دیکھتے میرے زمانہ یورپ کے قیام میں کامیابی حاصل ہوئی ۱۲۔

کل جاہل ہے سراسر آپ کا | کیجیے تعلیم کو کمپلسری
دیتا ہے یورپ یہ طعنے ہند کو | یعنے اس میں ہے کمی تہذیب کی

گو تو خود یورپ میں البتہ ہے رہا
بات لیکن کہہ رہا ہے کام کی

بزم تفریح کا دلچسپ اور سبق آموز مناظرہ

ہمارے ایک بزرگ کا ایک غلام غدر کی پلٹن میں واحد فائب ہو کر کسی رسالے میں جمع حاضر ہو گیا یعنے سواروں میں نوکری بھی ملی اور سواری کو گھوڑا بھی۔ کچھ مدت کے بعد رضا (رخصت) لے کر جب وطن میں واپس آیا تو گھوڑا بھی ساتھ تھا۔ یہاں آتے ہی وہ گھوڑا بیمار کا ہو گیا ایک دن گزرا ایک رات گزری۔ دوسرا دن آیا مگر گھوڑا نہ دانہ گھانس کھاتا ہے نہ پانی پیتا ہے۔ غلام نے یہ حالت آقا سے بیان کی۔ آقا رئیس آدمی تھے اور گھوڑا پالتے پالتے خاصے مبصر اور سلوتری ہو گئے تھے۔ گھوڑے کو جا کر دیکھا تو نہ کوئی بیماری نہ بیماری کی علامت۔ تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد وجہ سمجھ میں آگئی۔ فوراً دو گھوڑے اپنے اصطبل سے منگوا کر اس کے قریب بندھوا دیے۔ غریب الوطن گھوڑے نے مقامی گھوڑوں کو دیکھتے ہی کنوتی بدلی اور دم ہلائی۔ آقا نے گھوڑوں کے سامنے گھانس ڈالنے کا حکم دیا۔ گھوڑوں کو گھانس کھاتے دیکھ کر وہ گھوڑا بھی گھانس کھانے لگا۔ اب آقا نے غلام کو سمجھایا کہ یہ رسالے کا گھوڑا ہے اسے تنہا رہنے کی عادت نہیں ہے۔ یتیں گھوڑے تو مل نہیں سکتے۔ محلے کے کمہاروں سے کہو کہ اپنے گدھے یہیں باندھ دیا کریں۔ چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا اور یہی اس گھوڑے کا علاج تھا۔

علیٰ ہذا اینجانب کو بچپن سے بھرے گھر میں رہنے کی عادت تھی۔ جب سے ہوش سنبھالا بزم احباب کے میر بساط بنے رہے۔ اس تمہید سے ظاہر ہے کہ اینجانب اور جلسہ لازم و ملزوم ہیں اور جلسہ قائم رکھنے کے لیے جس طرح مذکورۂ بالا گھوڑے کے علاج میں یہ شرط لازمی نہیں تھی کہ اس کے جلیس صرف گھوڑے ہی ہوں۔ اسی طرح اینجانب بھی اس قید سے آزاد ہیں کہ ایک ہی قسم۔ ایک ہی خیال۔ ایک ہی مذاق اور ایک ہی رنگ کے ہم نشین ہوں۔ متین سے لے کر ظریف تک اور زاہد خشک سے لے کر رنگین مزاج تک ہر شخص جلسے میں شریک ہے۔ چنانچہ حسن اتفاق سے دو مختلف الرائے اور متضاد خیال کے بے بدل و بے نظیر مناظر بھی کرم فرماتے ہیں۔ خوش قسمتی یا بد قسمتی سے ایک دوسرے کے اسمائے گرامی بھی ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔ یعنی جمال الدین و جلال الدین۔ ان کے مناظرے جلسے کی تفریح کے مستقل عنوان ہیں۔ آج کا مناظرہ ناظرین اودھ پنچ کی دلچسپی کے لیے سپرد اشاعت کیا جاتا ہے۔

مولانا جمال: کہیے مسٹر جلال! استاد ناسخ کی شاعری کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

مسٹر جلال: وہی جو ایک معقول، روشن خیال، سخن فہم اور تعلیم یافتہ جنٹلمین کا دقیانوس کی نسبت ہو سکتا ہے۔ اب ناسخ، آتش، ذوق، غالب، مومن وغیرہ کی شاعری پر قدامت عارض ہو گئی۔ آج تو نئی دنیا ہے نئی شاعری ہے۔ دور حاضر کے نئے شاعروں کی جدید شاعری دیکھیے تو آنکھیں کھلتی ہیں اور پتا چلتا ہے کہ شاعری کا معیار کہاں سے کہاں پہونچ کر کتنا بلند ہو گیا ہے۔ جل جلالہٗ

جمال: اس دعوی کی کوئی دلیل اور ایسی شاعری کی کوئی مثال بھی یاد ہے کہ نثر کے یہ چند فقرے ہی کسی اخبار یا رسالے میں سے حفظ کر لیے ہیں؟

جلال: مثالوں کے لیے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔ ایک "باکمالات" شاعر اپنے "فرمودات" کے زیر عنوان کہتا ہے ؎

توڑ کر دست طلب محو رضا ہو جائے
سر سے پا تک ہمہ تن آپ دعا ہو جائے

جمال: پہلے تو میں آپ کے فقرے کی تصحیح کرتا ہوں۔ آپ کو کہنا چاہیے کہ مثالات کے لیے دفترات کے دفترات بھرے پڑے ہیں۔ اس کے بعد یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ باکمالات شاعر کتنا ہے یا زبردستا ہے! سب سے آخر میں اس شعر پر مجھے یہ اعتراض ہے کہ دوسرے مصرعے میں "سر سے پا تک" کہنے کے بعد "ہمہ تن" کی کیا ضرورت تھی؟

جلال: ضرورت کیا ہوتی "سر سے پا تک" اجمال ہے اور "ہمہ تن" اس کی تفصیل ہے۔ کیا سمجھے آپ!

جمال: تو پہلے مصرعے میں دست طلب بھی اجمال ہے اس کی تفصیل کے لحاظ سے مصرع یوں ہونا چاہیے۔ ع

کاٹ کر دست طلب ہاتھ کٹا ہو جائے

جلال: آپ کو اعتراض کرنے کا مرض ہے۔ اچھا اس شعر پر تو اعتراض کیجیے ؎

ہے تلوّن سے عجب جلوۂ نیرنگ حیات
میں تو مر جاؤں جو امید وفا ہو جائے

جمال: نئی شاعری کے لیے نئی فطرت کی بھی ضرورت ہے جب تو ضرور نہ عاشق کی فطرت تو یہ ہے کہ وہ امید وفا پر جیتا ہے۔ آپ کے شاعر صاحب امید وفا کو پیام مرگ کیوں سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب نیرنگی حیات تلوّن پر منحصر ہے تو استقلال جفا بھی باعث مرگ ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے وفا کی کیا تخصیص ہے؟

جلال: آپ رموز تصوف اور اسرار معرفت سے محض بیگانہ اور ناآشنا ہیں۔ صوفی اور عارف ہمیشہ ستم دوست ہوتے ہیں اور لذت آزار کو پسند کرتے ہیں۔ کیا سمجھے آپ!

جمال: لیکن یہ سب اسی امید پر ہوتا ہے کہ ستم کے بعد کرم یا جفا کے بعد وفا نصیب ہو اور لذت آزار کے بدلے سکون و راحت نصیب ہو۔ کوئی صوفی

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قاعدہ ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۲۰۴۰ سنہ ۱۹۳۳ء

بعدالت جناب سید محمد عبد الصمد صاحب اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم تحصیل قائم گنج مقام تحصیل قائم گنج ضلع فرخ آباد

دوارکا پرشاد وغیرہ مدعی

بنام

مہر کبیت مدعاعلیہ

بنام مہر کبیت ولد بلدیو پرشاد قوم برہمن ساکن و کاشتکار ساقط الملکیت موضع نجو رنامی پرگنہ کمپل تحصیل قائم گنج

واضح ہو کہ مدعیان نے تمہارے نام ایک نالش بابت لگان کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۱ ماہ اگست ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے بمقام تحصیل قائم گنج اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوے کی کرو اور چونکہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم بتائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہو گا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۴ جولائی ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم — مہر عدالت

سمن بغرض قرارداد امور تنقیح طلب

مقدمہ نمبر ۵ سنہ ۱۹۳۳ء

عدالت دیوانی جناب سید شوکت حسین صاحب بہادر [illegible] جج مقام اناؤ

بابو مہابیر نرائن و بابو شمبھو ناتھ و بابو ترہون ناتھ پسران لالہ رنجک بہاری لال اقوام کائستھ ساکنان قصبہ اناؤ خاص مدعیان

بنام

شیخ محمد روح اللہ صاحب وغیرہ مدعاعلیہم

بنام سماۃ ماجرہ بیگم زوجہ منیر احمد قوم مسلمان ساکن تحصیل سندیلہ محلہ اشرف ضلع ہردوئی و رمضان محمد یوسف برادر حقیقی

سماۃ ماجرہ بیگم زوجہ منیر احمد قوم مسلمان ساکن ملازم ... مدعاعلیہ جمدہ سیاہہ نو بستی تحصیل بانسی ضلع بستی مدعاعلیہا۔

واضح ہو کہ مدعیان نے تمہارے نام ایک نالش بابت دخلیابی کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۵ ماہ اگست ۱۹۳۳ء وقت ۱۰ بجے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی اور جوابدہی دعوی مدعی مذکور کی کرو اور تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جملہ دستاویزات کو جن پر تم بتائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ تمہاری غیر حاضری میں مسموع اور فیصل ہو گا۔

آج بتاریخ ۱۷ ماہ جولائی ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

مہر عدالت — دستخط حاکم بخط انگریزی

اجلاس جناب [illegible] صاحب بہادر اسپیشل منصف فتحپور ضلع بارہ بنکی

نمبر مقدمہ [illegible] سنہ ۱۹۳۳ء

درگا ولد ہیرا من قوم دھوبی ساکن بھلولی پرگنہ و تحصیل فتحپور ضلع بارہ بنکی

بنام

بھگوان دین وغیرہ مدعاعلیہم

دعوی دلا پانے مبلغ [illegible] روپیہ اصل مع سود

نام بھگوان دین و [illegible] پسران [illegible] اقوام پاسی ساکنان جمولیا پرگنہ کرسی تحصیل فتحپور ضلع بارہ بنکی

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت [illegible] روپیہ کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۴ ماہ اگست ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوی مدعی کی کرو اور چونکہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوی کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہو گا۔

آج بتاریخ ۱۳ جولائی ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی — مہر عدالت

یا عادتِ وفا یا امید نگاہ کو وجہ مرگ نہیں سمجھتا۔"

جلال :۔ اچھا اس شعر کی تو داد دیجیے ؎

لالہ و گل پہ جو ہے قطرۂ شبنم کی جھلک
رُخ رنگیں پہ ہوا آئے تو حیا ہو جائے

جمال :۔ کیوں حضرت یہ رخ رنگیں کیا بلا ہے۔ رنگ تو کالا۔ پیلا۔ نیلا۔ سبھی طرح کا ہوتا ہے۔ ہولی کے سوانگ میں لوگ چہروں کو رنگین کر کے ہنسنے کے قابل بناتے ہیں۔ منہ کالا کر کے گدھے پر چڑھاتے ہیں تو کیا اس سے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ رنگینیاں حسن کی تعریف میں داخل ہو سکتی ہیں؟۔ اچھا خیر۔ اب اور شعر پڑھیے۔"

جلال :۔ اس غزل کے یہی تین شعر اکتوبر ۱۹۳۲ء کے چابک میں چھپے ہیں۔"

جمال :۔ یعنے آپ غزل کا انتخاب سنا رہے تھے۔ جبھی ہر شعر منتخب ہے۔"

جلال :۔ اچھا ایک شعر میں آپ کو اس دعوے کے ساتھ سناتا ہوں کہ اگر آپ پرانی شاعری کے سارے دیوان اور کلیات بھی لوٹ ڈالئے پلٹ ڈالیں تو اس کا جواب نہیں مل سکتا۔ وہ شعر یہ ہے ؎

سرمستیوں میں شیشۂ مے لے کے ہاتھ میں
اتنا اچھال دیں کہ ثریا کہیں جسے

جمال :۔ اس سے بہتر شعر استاد ذوق فرماتے ہیں ؎

ظلمتِ عصیاں سے میری بن گیا شب روز حشر
آفتاب اک نیزے پر دُم دار تارا ہو گیا

جلال :۔ استغفر اللہ۔ اس کو شعر کہتے ہیں۔ اہمال کی حد کر دی۔ یعنی میرے گناہوں کی ظلمت سے حشر کا دن رات ہو گیا اور سورج جو ایک نیزے کی بلندی پر تھا دُمدار ستارا ہو گیا۔ لللہ ذرا غور تو کیجیے ان میں سے کوئی بات بھی سمجھ میں آنے کے قابل ہے؟"

جمال :۔ اگر یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ شیشۂ مے ثریا کی بلندی تک اچھالا جا سکتا ہے تو یہ باتیں بھی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ اس کے سوا پہلے مصرعے کی "میں میں" تو دیکھیے۔ یہ مصرع ہے یا بکری کا بچہ؟"

جلال :۔ نہیں جناب اس شعر میں اور اُس شعر میں بڑا فرق ہے۔ ذوق کے شعر میں کوئی غیر معمولی قوت نہیں ہے جو خارق العادت امور کو قرینِ قیاس بنا سکے اور جو شعر میں نے سنایا اس میں یہ بات موجود ہے اگر یہ انتظام مدنظر نہ ہوتا اور خلافِ قیاس کام لینا مقصود نہ ہوتا تو پہلے مصرعے میں شیشے کو اچھالنے کے لیے محض مستی کافی تھی۔ سرمستی اسی لیے کہا گیا کہ مستی کی قوت بڑھ جائے اور اس پر یہ مزید اضافہ کیا کہ سرمستی کے بجائے سرمستیوں کہا یعنے قوت کو قوتوں کر کے کروڑوں سے ضرب دے دیا۔ کیا سمجھے آپ؟"

جمال :۔ کیوں مسٹر جلال! آپ کو کسی شاعر کی پوری غزل بھی یاد ہے۔ یہ تو میں سمجھ گیا کہ اس شعر میں میرے معنوی شعر کو بھی دخل ہے۔"

جلال :۔ پوری غزل سنیے۔ یہی شاعر صاحب جن کے اشعار میں نے آپ کو سنائے مطلع فرماتے ہیں ؎

نمودِ حسن میں حیرت کو ہم کیا کیا سمجھتے ہیں
کبھی جلوا سمجھتے ہیں کبھی پردا سمجھتے ہیں

جمال :۔ بڑا زبردست مطلع ہے۔ سمجھ کے قابو میں بڑی مشکل سے آئے گا یعنی شاعر صاحب حسن کی نمود کے درمیان میں حیرت کے بہروپیے کو کبھی جلوہ سمجھتے ہیں اور کبھی پردا سمجھتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ حیرت پردہ تو ڈال سکتی ہے۔ اس لیے اس کو پردہ سمجھ سکتے ہیں۔ پھر وہ کون سی حیرت ہے جس کو شاعر صاحب نے جلوہ سمجھ لیا؟۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حیرت کے عالم میں جلوے اور پردے کا تمیز یا احساس اور حواس ہی کہاں رہتے ہیں؟۔ تحیر معرفت کے راستے کی ایک منزل ضرور ہے مگر اسی سے اس دوغلی یا دورنگی کا کیا تعلق ہے؟"

جلال :۔ اچھا خیر۔ دوسرا مطلع سنیے ؎

ہم اس کو دین اسی کو حاصل دنیا سمجھتے ہیں
مگر خود عشق کو اس سے بھی بے پروا سمجھتے ہیں

جمال :۔ اس مطلع میں لفظ "اس" کی ضمیر مصرعۂ اولیٰ میں معشوق کی طرف جاتی ہے اور شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم دین اور حاصل دنیا معشوق ہی کو سمجھتے ہیں مگر عشق اس سے بھی بے پروا ہے یعنی عشق کو معشوق کی بھی پروا نہیں ہے۔ کیوں صاحب! یہی مطلب ہے اس شعر کا؟"

جلال :۔ جی ہاں۔ اور یہ عشق کی وہ منزل ہے جس میں پہونچ کر منصور نے انا الحق اور مجنون نے انا لیلیٰ کہہ دیا۔"

جمال :۔ مگر بندہ نواز انا الحق کہنے کے لیے حق کی اور انا لیلیٰ کہنے کے لیے لیلیٰ کی ضرورت تھی یا نہیں؟۔ اگر عشق کو ان کی پروا نہ ہوتی تو یہ دونوں عاشق اس منزل پر کس کے عشق کی وساطت سے پہونچتے؟۔ اس کے علاوہ جب عشق معشوق کی پروا نہیں کرتا تو عاشق صاحب اس کو دین اور حاصل دنیا کیوں سمجھتے ہیں۔ انھیں عاشق عشق نے بنایا ہے یا مہاتما گاندھی کے چرخے نے؟"

جلال :۔ بس اب تو کوئی اعتراض نہیں ہے؟"

جمال :۔ آپ کہتے ہیں تو اور بھی سہی۔ پہلے مصرعے میں "ہم اس کو دین اسی کو حاصل دنیا" کہنے کے بجائے اسی کو دین اسی کو حاصل دنیا کہنا چاہیے۔ جیسے وہی ہمارا دین ہے وہی ایمان ہے۔ اسی کو ہم دوست سمجھتے ہیں۔ اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ یہی ہماری خوشی ہے اور یہی ہم چاہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔"

جلال :۔ اچھا اب شعر سنیے ؎

کبھی ہیں محو دید ایسے کہ سمجھ باقی نہیں رہتی
کبھی دیدار سے محروم ہیں اتنا سمجھتے ہیں

جمال :۔ واللہ عجیب شعر ہے۔ مفہوم کے اعتبار سے یہ شعر ایک ایسی قمیص معلوم ہوتا ہے جس کے پہننے والے نے ایک آستین میں ہاتھ اور دوسری میں پاؤں گھسیڑ دیا ہو۔ یعنی پہلے مصرعے میں تو لفظ "دید" کو دیدار کی اصل میں نتھی کر دیا ہے اور دوسرے میں اس کے بالمقابل لفظ "اتنا" کو محروم دیدار کی بجائے سمجھ کی دُم سے باندھ دیا ہے۔ کہنا یہ چاہیے کہ ہم کبھی تو ایسے محو دید ہیں اور کبھی اتنے محروم دیدار ہیں۔ مگر مفہوم ادا کرنے کا سلیقہ قدرت کلام سے متعلق ہے اور۔ ع

ایں سعادت بزور بازو نیست

جلال :۔ اور یہ شعر ؎

یکایک توڑ ڈالا ساغرِ مے ہاتھ میں لے کر
مگر ہم بھی مزاج نرگس رعنا سمجھتے ہیں

جمال "اس شعر میں "تکا یک تو" (ناگہاں) کے لیے تو آجکل میں آجانے کی ضرورت تھی۔ ورنہ لفظ یکا یک بالکل بیکار ہے۔ اور دوسرے مصرع میں مزاج کی جگہ "نیا" یا اشارہ ہونا چاہیے۔

جلال ؎

یہ جلوے کی فراوانی نظر زانی یہ عریانی
پھر اس شدت کی تابانی کہ ہم پردا سمجھتے ہیں

جمال "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعری کے جلکشن اسٹیشن پر مضمون کے آنے میں قافیوں کی ٹرین سجائی گئی ہے۔ جو مضمون کے انتظار میں کھڑی ہے مگر مضمون نہیں آتا۔ مہربانی فرما کر مفہوم سمجھانے کے لیے اس شعر کی نثر تو کیجیے!"

جلال "اس شعر کی نثر یہ ہے کہ جلوے کی فراوانی سے بحث ہے نظر زانی سے صرف جلوے کی یہ عریانی قابل بحث ہے۔ پھر اس شدت کی تابانی کہ جس کی وجہ سے ہم جلوے کو پردا سمجھتے ہیں۔"

جمال "اب یہ بتائیے کہ اس نثر میں کتنے لفظ ایسے ہیں جن کا شعر میں پتا نشان تک نہیں۔ حالانکہ دوسرے مصرعے کی نثر بھی "تابانی" کے بعد کچھ ہونا چاہیے"

جلال ؎

کبھی گل کہہ کے پردہ ڈال دیتے ہیں ہم اس رخ پر
کبھی مستی میں پھر گل کو رخ زیبا سمجھتے ہیں

جمال "مستی کا لفظ اس شعر میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی کے ایک ہاتھ میں چھٹی انگلی۔ اول تو یہ پتا نہیں چلتا کہ اس مستی کا تعلق دونوں مصرعوں سے ہے یا ایک سے اور اگر دوسرے ہی مصرعے سے متعلق ہے تو یہ کیسی مستی ہے کہ جس وقت شاعر رخ کو گل کہہ کر ڈراپ سین استعمال کرتے ہیں اس وقت تک اس کا پتا نہیں ہوتا اور پردہ ڈالتے ہی آگئی ہے پھر کام وہ کرتی ہے جس پر ہوشیاری کو رشک آئے یعنے جو اصلیت و حقیقت کو ظاہر کر دے اور شاعر صاحب کو سمجھا دے کہ جس رخ پر آپ نے گل رہا چراغ گل پگڑی غائب) کہہ کر پردہ ڈال دیا تھا کہ اس کو دیکھ کر طبیعت مالش نہ کرے۔ وہ گل نہیں ہے رخ زیبا ہے۔ اس پر سے ڈراپ سین ہٹائیے اور خوشی سے اس کو دیکھیے۔

جلال ؎

یہاں تو ایک پیغام جنوں پہونچا ہے مستوں کو
اب ان سے پوچھیے دنیا کو جو دنیا سمجھتے ہیں

جمال "اول تو جنون کا مستوں سے کیا تعلق ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کو دنیا سمجھنے والے گناہ کیا کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان پرستوں کو ترجیح دینا مقصود ہے۔ اور کسی چیز کو وہی سمجھنا جو وہ ہے اچھا ہے یا برا ہے؟"

جلال ؎

یہی تھوڑی سی مے ہے اور یہی چھوٹا سا میخانہ
اسی سے رند راز گنبد مینا سمجھتے ہیں

جمال "یہ ایک معمولی شراب ور نتھا منا میخانہ کہاں کا ہے جس کی تخصیص تصغیر سے لپیٹ کر رہ گئی ہے یا شاعر صاحب میخانہ وحدت کے عالمگیر ہال میں بیٹھ کر تصغیر فرما رہے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو شراب معرفت اور میخانہ وحدت کی تحقیر کو ایک عارف کیونکر گوارا کر لیتا ہے؟"

جلال ؎

کبھی تو جستجو جلوے کو بھی پردہ بتاتی ہے
کبھی ہم شوق میں پردے کو بھی جلوا سمجھتے ہیں

جمال "پہلے مصرع میں "جستجو" کی بجائے "ہماری جستجو" ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ پہلے مصرع میں جستجو کو فاعل ٹھہرانا اور دوسرے مصرع میں "شوق" کی بجائے "ہم" کو فاعل قرار دینا ہاتھ میں موزہ اور پاؤں میں دستانہ پہننے کے برابر ہے۔ اور حاصل شعر کے اعتبار سے اس حالت میں اپنی سمجھ کے سوا قصور کس کا ہے؟ اگر سمجھ بے قصور ہے تو شاعر کی جستجو یا شاعر کا شوق خطاوار ہے اس صورت میں شاعر صاحب کو اس کے اظہار کی ضرورت کیا تھی؟"

جلال ؎

خوشا وہ دن کہ حسن یار سے جب عقل خیرہ تھی
یہ سب محرومیاں ہیں آج ہم جتنا سمجھتے ہیں

جمال "اس شعر میں لفظ "خوشا" ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی حسین کا پھولا ہوا گلا یا ماتھے کی سلی ملئے نیز حسن سے نگاہ خیرہ ہونے کی بجائے براہ راست عقل کا خیرہ ہونا شطرنج کی بساط پر گھوڑے کی چال کا نمونہ ہے اور "سب محرومیاں" کے ساتھ "جتنا سمجھتے ہیں" ایسا بے تکا معلوم ہوتا ہے جیسا ہاکی میں ہولکار کا ہارن"

جلال ؎

کبھی جوش جنوں ایسا کہ چھا جاتے ہیں صحرا پر
کبھی ذرے میں گم ہو کر اسے صحرا سمجھتے ہیں

جمال "قریب قریب ساری غزل صنعت لف النشر میں ہے۔ پہلے مصرعے میں جوش جنوں کے اثر سے شاعر صاحب صحرا پر چھا جاتے ہیں اور دوسرے میں ذرے کی پولیس کو ان کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرنی پڑتی ہے۔ اس شعر کے وجود میں آنے سے پہلے کوئی شخص یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ جوش جنوں کا

سمن واسطے فیصلہ قطعی

نمبر مقدمہ ۲۵۵ سنہ ۱۹۳۳ء ابتدائی معمولی

بعدالت جناب شیخ محمد طفیل احمد صاحب بہادر منصف اتر ولہ ضلع گونڈہ

مہنال پرشاد عمر ۵۰ سال ولد سورج بلی لال قوم کایستھ ساکن موضع پچپڑ پرگنہ منکاپور ضلع گونڈہ مدعی

بنام

اجیسر لال وغیرہ مدعا علیہم

(۱) سری کرشن لال عمر ۳۴ سال (۲) بیجناتھ عمر ۳۱ سال اقوام کایستھ پسران کندھئی لال ساکن موضع رسنیا پرگنہ منکاپور ضلع گونڈہ (۳) مہرن عمر ۳۰ سال (۴) چھیدی عمر ۳۵ سال پسران اقبال پرشاد اقوام برہمنان ساکنان موضع ... پرگنہ منکاپور ضلع گونڈہ ... دھرم راج عمر ۴۰ سال ... ناتھ عمر ۳۰ سال پسران کامتا پرشاد اقوام برہمنان ساکنان موضع دولسا پرگنہ منکاپور ضلع گونڈہ

ہرگاہ مدعی مذکور نے تمہارے نام ایک نالش بابت ... ذریعہ نیلام کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۳۱ - ۱۰ جولائی سنہ ۱۹۳۳ء وقت ۱۰ بجے دن کے بمقام گونڈہ اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ کی کرو اور تم کو لازم ہے کہ اسی روز جملہ دستاویزات پیش کرو جن پر تم تائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو۔

تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۰ - ۱۰ جولائی سنہ ۱۹۳۳ء کو جاری کیا گیا

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

دھوتی کی آڑ میں بٹیریں

"دیکھیے حضرت بٹیروں کا کیا حال ہے؟ کون سی جوڑ جیتی کون سی ہاری - اور اب کیا ہوگا؟"

"کمترین کیا جانے - اللہ جانے یا مسٹر اینے - ہاں جو کریز بانو کا نہ اس پالی میں بڑھے ہیں اُن کے سہارے پر کہہ سکتا ہوں کہ دیکھ لینا جو کچھ ہوگا"

پچھلی حکومت ہے۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ شعر لکھ کر شاعر صاحب نے ملک پر واقعی احسان کیا۔"

(باقی آئندہ)

کھلے رستم از بدایوں

مولانا پنچ کی نوٹ بک

اس ننھی سی جندڑی کا بی جان خدا حافظ

"کاتا بھی بھائے نہیں کاسنے بھی بھاے نہیں" مثل ہے تو گنوارو مگر نہایت بے کسی کے ساتھ اہل شہر بھی اسے بولتے ہیں بایں معنی کہ دوسری مثل جدید مطلب ادا کرنے موجود نہیں۔

ہندوستان کے ہندو مسلمان اس مثل کے پورے مصداق ہیں ایک جانب تو انکا دعوی ہے کہ ہندوستان ہندوستانیوں کے قبضے میں رہنا چاہیے۔ دوسری طرف اگر اتفاق سے کسی ضلع یا شہر میں ہندو حاکم اکٹھا ہو گئے تو ہائے وائے کی صدا بلند ہو جاتی ہے کہ لیجیے صاحب "ہندو راج یا رام راجیہ ہو گیا۔ اب ساتا رو ہن ہے۔ ساتا رو ہن ادھر دیکھو ہندو اُدھر دیکھو ہندو۔ اور اگر فلکی گردش کی بدولت کسی مقام پر مسلمان حاکم جمع ہو گئے تو ہمارے صوبے کا قوم پرست یا بے تعصب یا منصف یا با عتبار نفس الامر "مفید" جریدہ "لیڈر" الہ آبادی اور اس کے ہم خیال جرائد اسہال کبدی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

"واویلاہ وامصیبتاہ ارے دیا رے دیا ایک چھوڑ تین تین ضلعوں میں یا کچہریوں میں مسلمان ہی مسلمان دکھائی دیتے ہیں۔ دہائی لاٹ صاحب کی" جب دلوں کا حال یہ ہے تو پھر خدا جانے کس تجربہ پر "سوراج" کا نام زبانوں پر آتا ہے۔ شرم تو ان حضرات نے بیوں کھائی ہے۔ اگر مسلمانوں کا اجتماع ہندوؤں کے حق میں سم قاتل اور ہندوؤں کا برسرکار ہونا مسلمانوں کے حق میں ستم ہے تو پھر تعارض ہیں دونوں گروہوں کا سکندری کھا کے چت لیٹ جانا قدرتی بات ہے۔ عقل کا مقتضی تو یہ تھا کہ جب تک

ہندو حاکم یا مسلمان حاکم سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جو خلاف انصاف یا ذاتی عناد پر محمول ہو سکے اس وقت تک ہندوستانیوں پر ولایت والوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیجے۔ جب ملکی اہل قسلم ہی ایسا تعصب و پاک دل رکھتے ہیں تو پھر عوام الناس پر کیا اعتراض ہو۔ ماں کی گود ہی سے "آغوں" کا جواب "تم ہندو" یا "تم مسلمان" سنتے آئے ہیں۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے حکومت ہند اعلےٰ عہدوں پر انگریز حاکم معین کرتی ہے تو پھر ہوا سے پھر کیوں غل مچاتے ہو کہ "ہندوستان ہندوستانیوں کے واسطے ہے" ایک سمت سے دعوی ہونا چاہیے "ہندوستان ہندوؤں کے واسطے ہے" دوسری جانب سے نقارہ پٹنا چاہیے "ہندوستان مسلمانوں کے واسطے ہے"

شاید ہمارے دوست لیڈر کو ان مقامات سے جہاں مسلمانوں کے چند منحوس ستارے اکٹھا ہو گئے ہیں چھاپنے کے واسطے اشتہار یا سمن نہیں ملے۔ خیر اچھا ہو گا۔ ہم تو غریب ہندوستان کے متعلق بقول میر یار علی تخلص بہ جان صاحب یہی کہہ سکتے ہیں:—

"اس ننھی سی جندڑی کا بی جان خدا حافظ"

بوسہ اور معانقہ

فحش کیا ہے؟

کابل میں کوئی سینما نہ تھا۔ بڑی مشکلوں سے نادر شاہ نے تصویریں دکھانے کی اجازت دی۔ مگر ساتھ ہی فلم کے طومار سے اُتنے ٹکڑوں کے خارج کرنے کی بھی تاکید کر دی جن میں عاشق و معشوق کی بوسہ بازی اور معانقہ منقوش ہے۔ بلکہ وہ حصص بھی جن میں دوسری بد اخلاقیوں کی گھاتیں یاروں کو چند پول سیاہ خرچ کرنے پر بآسانی یاد ہو جاتی ہیں۔

اُنھوں نے "بورڈ آف سنسر" قائم کر دیا ہے جو طومار کو اچھی طرح دیکھنے بھالنے کے بعد پاس کرے گا۔ افسوس کابل جو دشمن تہذیب کابل۔ ابھی تک اس وحشت میں مبتلا ہے جس کا نام "غیرت" ہے۔ اُسے ہندوستان کی طرف دیکھنا چاہیے تھا جو یورپ کی ہر ایک گندگی اسے آب مہذب چیز پر انا مضمون کی طرح گرویدا ہے۔ جس کی خلوت اور جلوت میں اب کوئی فرق نہیں رہا۔ جس نے ایسے بڑے مہذب اہل قلم پیدا کر دیے جو صرف ناچنے والی نہیں بلکہ اعلیٰ درجے کی قحبات کی تصویریں چھاپ چھاپ کے دنیا میں پھیلاتے اور پیٹ پالتے ہیں۔

قانون کی کتابوں میں فحش سے مراد وہ تصویر یا عبارت یا نقش یا فعل ہے جس کے معائنہ سے یا پیدا ہونے کے بعد انسان بد اخلاقی پر آمادہ ہو جائے۔ خدا جانے اس حد میں "فلم" آتی ہے یا نہیں یا یہی کہ آج کل کے پردہ والے تصاویر چلتے پھرتے کوک شاستر ہیں۔ بھینچ بھینچ کے پیار کرنا اور دوسرے مناسبات بیچارے نوجوان نوخیز لڑکے انھیں دیکھ کے بے کیے سیکھ لیتے ہیں۔ فلم تو خیر "قلم" جس کے سر پہ دو نقطے ہیں) تو کئی مرتبہ اس قانون کی زد میں آ چکا ہے حالانکہ اس قلم نے طرزِ بیانی دواؤں کا عامل لکھا تھا جو کمزور بیمار کو زور آور اور صحیح بنانے کے مصرف میں آتی ہیں۔

ممبران قانون ساز کونسل سے التماس ہے کہ وہ "فحش" کی قانونی تعبیر سے مطلع فرمائے۔

بھاولپوری ہندو اور غنڈوں کا چنگل

اس نام کا ایک پمفلٹ جس کے مصنف دیوان شمبھو ناتھ پرپرہ مدیر دہلوی مشہور اڈیٹر "سوراجیہ دہلی" ہیں ہمیں ملا۔

دیوان صاحب نے بہاولپور کے محکمۂ انصاف کی حمایت کی ہے اور بیرونی غرض مند اصحاب جو فساد کے بانی ہیں اُن کی مذمت۔

بانیان فساد میں اُنھوں نے ہندو سبھا کی خوب لے دے کی ہے اور اُن ملکاؤں کی خبر لی ہے جو رہتے ہیں حدود ریاست کے باہر۔ مگر انصاف کا اجارہ ریاست سے لینا چاہتے ہیں۔ میدان سیاست میں ہنسا تا دیکھ کے ان لوگوں نے "اس کوٹھی کے دھان اس کوٹھی" کرنے کی ٹھانی۔

اس ہاتھ پاؤں رکھے بیٹھے رہنے سے یہی بہتر خیال کیا کہ ایک ہنگامہ گرم کر دیں۔

باتیں پتے کی ہیں اور پانی مرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مصنف نے کوئی دعوے بغیر دلیل نہیں کیا ہے بظاہر تو دلائل قوی ہیں اور جب تک واقعات کی صحت مجروح نہ ہو مصنف صاحب اپنے دعاوی میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

اس وقت ہر ایک ریاست "تہی گردن" کی نظر آ رہی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رعایا کی "ہونہار کیلی" کی دکان خاصی گرم ہے۔ جو گناہ مثل ٹیکس کی شدت یا پولیس کی ہماہمی کے برٹش گورنمنٹ میں بھی لوگ سہتے سہتے عادی ہو گئے ہیں بلکہ اب انہیں گناہ سے تعبیر کرنا حماقت ہے۔ وہ بھی خود مختار رئیسوں کے حق میں پھانسی کا پھندا بنے ہوئے ہیں۔ بیچارے انہیں کے ملک زادوں کو اتنی شکایت کا بھی حق حاصل نہیں کہ "این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند" سے کہہ سکیں۔ سیخ کباب قانونی سے یہ خبر اشتہار ہوئی ہے کہ عنقریب قانون تحفظ ریاست ہائے ہند کی اک "بلی ڈور تی بلی" چھوٹنے والی ہے اور جب یہ ڈور سیخ پر لپٹی جائے گی تو کباب کے ریشے گھی کے قطرے کولوں پر گر کے ناک بند نہ کروائیں گے بجز خود مختار مقامات کی رعایا کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے گا ؎

زخم دل گر نظر نہیں آتا
بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی!

نوٹ: "جناب اوبار" کا مزاج خدانخواستہ ناساز ہے اس وجہ سے ابکی نور اللغات اور جامع اللغات کی خدمت نہ ہو سکی۔ یہ نہ سمجھیے گا کہ غلطیاں ختم ہو گئیں۔ صاحب ابھی تو پورے آٹھ ورقوں کی اصلاح بھی نہیں ہوئی۔ البتہ صحت زبان اور علمی فوائد کی طرف اہل زبان کی بے التفاتی و بے اعتنائی کا تجربہ اس مضمون نے مکمل کر دیا جس پر اظہار افسوس کی قدیم رسم ادا کر دینے کے سوا اور کوئی فرض نہیں جو ہم ادا کریں۔ فقط۔

مسجد عالمگیری بنارس۔ ہمارے قدیم عنایت فرما جناب ایس۔ والی حسین صاحب فیچنگ پروپرائٹر حسین اینڈ کو بنارس تحریر فرماتے ہیں کہ مشہور و معروف مسجد عالمگیری واقع شہر بنارس بنا کردہ عالمگیر جو ۱۰۸۰ھ میں تعمیر ہوئی تھی اور جناب حافظ امان اللہ بن روح اللہ بن حسین بنارسی استاد جناب ملا نظام الدین بانی درس نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ قاضی لکھنؤ دام علمہم کے سپرد ہوئی تھی اس کے تفصیلی اور صحیح حالات مطلوب ہیں اگر کوئی صاحب حافظ امان صاحب موصوف و مسجد مذکور کے حالات مجھے آگاہ فرمائیں تو بیحد شکر گزار ہوں گا۔

دانشمند یگانہ حضرت احقؔ ندوی اپنے کلام کا حق طبع فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مجموعہ چار ہزار سے زائد جدید و لاجواب اشعار پر مشتمل ہے۔ احقؔ صاحب ایک مشہور و معروف شاعر ہیں آپ کا کلام مدتوں سے اودھ پنچ اور دیگر ملکی جرائد میں شائع ہو کر خراج تحسین حاصل کر رہا ہے۔ تصانیف خرید کر کے فائدہ اٹھانے والے حضرات اس طرف جلد توجہ فرمائیں اور ذیل کے پتے سے خط و کتابت کریں۔

فرزانہ معرفت اودھ پنچ لکھنؤ

اطلاع نامہ حسب دفعہ ۶۰ ایکٹ ۳ سنہ ۱۹۲۶ء

صوبہ آگرہ

مقدمہ نمبر ۱۰۹۸ — تاریخ پیشی ۲۱ اگست سنہ ۱۹۳۳ء

بعدالت جناب ٹھاکر پرکاش سنگھ صاحب بہادر اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم تحصیل بنارس مقام بنارس

چونکہ مقدمہ نالش حافظ عبدالصمد ٹھیکیدار موضع سعاری محال صوبہ بی بی پرگنہ سلطانی پور ضلع بنارس بنام تم غلام مصطفیٰ خان ولد کلو خاں و مسماۃ نصیبن بی بی زوجہ کلو خاں متوفی ساکن موضع سعاری پرگنہ سلطانی پور ضلع بنارس کے جو عدالت میں فیصل ہوا ایک ڈگری بقایا لگان بابت سنہ ۱۳۳۹ف لغایت سنہ ۱۳۴۰ف بتاریخ ۳۱ مئی سنہ ۱۹۳۳ء صادر ہوئی اور مبلغ مایہ ۱۰۶/۸ جو از روئے ڈگری مذکور واجب الادا ہیں ان کی تفصیل حاشیہ پر درج کی جاتی ہے

	روپیہ	آنہ	پائی
اصل	۸۲	۲	۷
خرچہ نالش	۱۴	۹	۰
سود بابت زر اصل و خرچہ نالش			
خرچہ اجرائے ڈگری	۹	۱۲	۶
سود بابت خرچہ اجرائے ڈگری			
میزان	۱۰۶	۸	۱

اور چونکہ آج کی تاریخ تک ڈگری بلا ایفا رہی ہے۔ لہٰذا بذریعہ اس تحریر کے تم غلام مصطفیٰ خان و مسماۃ نصیبن بی بی مذکور کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تم زر مذکور یعنی مبلغ مایہ ۱۰۶/۸ جو از روئے ڈگری کے واجب الادا ہیں اس عدالت میں پندرہ روز کے اندر تاریخ موصول ہونے اطلاع نامہ ہذا سے ادا کرو ورنہ وجہ ظاہر کرو کہ تم مندرجہ ذیل کھیتوں سے جن کی بابت بقایا ڈگری شدہ واجب الادا ہے بیدخل کیوں نہ کیے جاؤ۔

تفصیل اراضی

پرگنہ	موضع	محال	نمبر کھیت کا	رقبہ کھیت کا
سلطانی پور ضلع بنارس	سعاری	صوبہ بی بی	۲۱۱/۹ و ۲۴۰/۲۴ و ۲۵۲/۹ و ۳۲۵/۱ و ۵۲۲/۱ و ۵۳۱/۲۰ و ۵۲۲/۱۸ و ۳۸۰/۱۳ — ۸ کھیت	۱/۷۱

دستخط حاکم بخط انگریزی — مہر عدالت

اطلاع نامہ حسب دفعہ ۶۰ ایکٹ ۳ سنہ ۱۹۰۱ء

ممالک مغربی و شمالی

مقدمہ نمبر ۳۵ دفعہ ۷۹

بعدالت جناب منشی مصطفیٰ خاں صاحب اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم تحصیل ہمیرپور مقام ہمیرپور

چونکہ مقدمہ نالش بقایا لگان بنام تم رام دو سرا ولد گھرا کے جو عدالت میں فیصل ہوا ایک ڈگری بقایا لگان بابت سنہ ۱۳۳۹ف بتاریخ ۲۲ ستمبر سنہ ۱۹۳۲ء صادر ہوئی اور مبلغ عہ جو از روئے ڈگری مذکور واجب الادا ہیں ان کی تفصیل حاشیہ پر درج کی جاتی ہے۔

	روپیہ	آنہ	پائی
اصل	۴۹	۴	۰
خرچہ نالش	۹	۷	۶
سود بابت زر اصل و خرچہ نالش	۱	۱۲	۶
خرچہ اجرائے ڈگری	۱۲	۲	۶
سود بابت خرچہ اجرائے ڈگری			
میزان	۷۲	۱۰	۶

اور چونکہ آج کی تاریخ تک ڈگری بلا ایفا رہی ہے۔ لہٰذا بذریعہ اس تحریر کے تم رام دو سرا ولد گھرا قوم لودھ ساکن کوتو پور پرگنہ ہمیرپور مذکور کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تم زر مذکور یعنی مبلغ عہ جو از روئے ڈگری کے واجب الادا ہیں اس عدالت میں پندرہ روز کے اندر تاریخ موصول ہونے اطلاع نامہ ہذا سے ادا کرو ورنہ وجہ ظاہر کرو کہ تم مندرجہ ذیل کھیتوں سے جن کی بابت بقایا ڈگری شدہ واجب الادا ہے بیدخل کیوں نہ کیے جاؤ۔

تفصیل اراضی

پرگنہ	موضع	محال	نمبر کھیت کا	رقبہ کھیت کا	لگان
ہمیرپور	کوتو پور	جوالا سنگھ	۱۰	۳۲	[illegible]
			۴۰	۳۱	[illegible]
			۴۱	۱۲	[illegible]
			۴۲	۱۸	[illegible]
			۴ قطعہ	۰۳	[illegible]

دستخط حاکم بخط انگریزی — مہر عدالت

REGISTERED N. A. 703
ظریف ہفتہ وار
LUCKNOW
OUDH PUNC
اودھ پنچ لکھنؤ

قواعد و ضوابط ادارۂ ہذا

(۱) بفضل خدا ۶ ذیل ہر مہینے کی ۵-۱۲-۱۹-۲۶ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

(۱) اودھ پنچ میں ہمہ قسم کی تحریریں نہ مذہبی جھگڑے اور بے نتیجہ مضامین نہیں
لکھے جاتے بلکہ صرف اپنی بنا حدت پر قائم اور معقولات سے بسنا ہے۔
(۲) قیمت کی زیادتی پر نظر نہ کیجیے۔ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے ایسے
کہ گو ہر خزانہ میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت رنگ کی اصابت
بے رو و رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات
اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے انشاء اللہ سال بھر کے
مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی
کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔
(۴) اجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ پیشگی لی جاتی ہے۔
(۵) کم مایہ شاگردان مدارس سے بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر
سالانہ قیمت صرف للعہ لی جائے گی۔
(۶) پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع ۱۵ دن کے اندر دیجیے ورنہ بعد میں ممکن
ہے کہ نہ مہیا کیا جا سکے۔
(۷) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح پالیسی کے مطابق نہ ہونگے
وہ شائع نہ ہونگے اور ان کی واپسی پر ہم مجبور نہیں ہیں۔
(۸) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔
مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص ان میں نہ ہو۔
نوٹ:- جو حضرات خریدار ہیں انہیں خطوط اور منی آرڈر میں
نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ ان کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا
ہوتا ہے۔ جواب طلب امور کے لیے کارڈ یا لفافہ آنا لازمی ہے۔

احمد حسین مارہروی منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

شرائط ایجنسی اودھ پنچ

(۱)۔ روپیہ نقد جمع کرنا ہوگا۔
(۲)۔ رقم جمع شدہ کے ادا ہوتے ہی پرچہ کی روانگی ہو سکیگی۔
(۳)۔ پانچ پرچے فی ہفتہ سے کم ایجنسی قبول نہ کی جائیگی۔
(۴)۔ بحساب دو آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم
کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائے گا۔
کسی حالت میں بھی پرانے پرچے واپس نہ لیے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۸ نمبر ۲۶

مضامین

(مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۳۳ء)

ظرافت کا اکھاڑا

(نتیجۂ فکر مسٹر وارث بہادر بدایونی)

مجھے بوڑھا بنا کے مجھے پاس بیٹھا کے گر بہر خدا بیگم کو میری نوجواں کہیے
زمانہ ہی جب الٹا ہے تو باتیں کیوں نرالی ہوں میاں صاحب کو کیوں اب نہیں جنجال کہیے
رقیب روسیہ کو آپ نے سر پر چڑھایا ہے تو اپنے آپ کو نیل اور اس کو فیلباں کہیے
مجھے ان کی گرہ میں نے لگا کر سمجھا یا کہ حضرت کلفی ان کو نہ کیسے تقلیاں کہیے
یہ کہہ کر کل موذن کو جگا یا میں نے مسجد میں کہ بارہ بجے اٹھیے تہجد کی اذاں کہیے
وہ جنٹلمین چلتے ہیں جو الف کے اشارہ پہ انہیں صاحب بھی جاگتی کٹھ پتلیاں کہیے
سنا ہے ان کا چنیا اور ڈنیا سے تعلق ہے تو گھمل بھائی کو گھمل اور ان کو گٹھلیاں کہیے
ہماری تن مریدی کا یہ عالم ہے کہ مجبوراً میاں کو کیے بیوی اور بیوی کو میاں کہیے

نئی سوجھی ہے دھونٹا اب ہماری بیم صاحب کو
وہ کہتی ہیں کہ میرے بھائی کو سالا خاں کہیے

(ز لزلۃ الشعر مسٹر گھمل بہادر بدایونی)

بہل کر لفظ میری شان میں اے مہرباں کہیے کبھی حیرت زدہ کہیے کبھی حیران خاں کہیے
ہمارا یار کہتا ہے مجھے ابا میاں کہیے تو گھمل اپنے دادا کا اسے آرام جاں کہیے
تخم و گندم جو شیدہ کہنے کی ضرورت کیا یہ اردو لفظ ہے مدراس کو گھنگنیاں کہیے
اے دل پہ جگہ یہ ہیں جس سے دام لیتے ہیں بتوں کے خانۂ دل کو کرایہ کا مکاں کہیے
ابھی تک جس کو سب کہتے ہیں توں کے جیج گیتے کو وہ کہتا ہے کہ آیندہ مجھے نقار خاں کہیے
تمہارے ہاتھ دونوں واقعی بھی گریشانی کی تمہاری انگلیوں کو حقیقت بیڑیاں کہیے
جناب شیخ کو لفظ بھی شیخ اب خوش نہیں ہوتے تو پھر کیا ان کو عزیز پور کے میکو میاں کہیے
یہ مردوں میں بھی لرمان حیدری کا یہ عالم ہے کہ مسٹر بیگم فرماتے ہیں انکو شیر خاں کہیے
بتوں کے نرخ لینے کا ٹاٹ کھانے کی شکایت کیا یہ ہیں تقریر کی باتیں انہیں حرفِ فعلیاں کہیے

سلہ گھمل صاحب ہیں یہ کے ظریف شاعر جو مشاعرے میں شریک تھے ۱۹۲۵ء ماں بہادر بیگو میاں صاحب رئیس شیخوپور ضلع بدایوں نے اس شعر پہ ایک نقرئی تمغہ عطا فرمایا ۱۲-سنہ ۱۹۳۵ء مسٹر بیگم پوری مشاعرے میں شریک تھے ان کا نام شیر خاں صاحب ہے ۱۲-

---

عدو تو پاپیادہ تھا تو میں پھر بخش پاپیاں جیتا اے نوشیرواں کیسے مجھے دس شیرواں سے
جسے عشاق کا ظلمت کدہ کہتے ہیں سب شاعر
ہماری بولی میں گھمل اسے اندھا کنواں کہیے

بانگ درا

(ایک ظریف کی عینک سے)

آپ تو جانتے ہیں کہ پروپگنڈا اور پنجاب دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ دکھن والوں نے اردو کا ڈانڈا دکھنی سے ملایا ہی تھا کہ پنجابیوں نے اردو کو پنجاب کی اکلوتی لڑکی بنا کر نگارخانۂ ادب میں پیش کر دیا۔

ایک زمانہ سے پنجاب میں میر تقی اور میر انیس، حالی اور اکبر ایسے شاعر پیدا نہیں ہوئے تھے۔ سوچے کہ اقبال کو بزم ادب میں اس ٹھاٹ سے لائیے اور اتنی تیز برقی روشنی میں لائیے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں چکا چوند ہو جائیں۔

"مومن پر طائرانہ نگاہ" والوں نے نمبر نکال ہی لیا تھا مگر موصوف کو یہ شرف مرنے کے بہت دنوں بعد ملا تھا۔ ابھی اقبال بھضاوی سیر کی تیسری کانفرنس سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ اقبال نمبر نکل گیا۔

اقبال صرف خدا تو ثابت نہیں ہو سکے اور نہ صاف صاف پیغمبر کیے گئے۔ اس واسطے کہ یہاں تو مسیحہ کی بھی آڑ نہ تھی۔ اس کے علاوہ وہ تمام موجودہ اور گذشتہ بلکہ کہیں کہیں آیندہ شعراء سے بھی کروروں گز آگے بڑھا دیے گئے۔

لطف یہ کہ کسی صاحب نے ان اعتراضات کی طرف توجہ بھی نہیں کی جو عام طور پر اقبال کے کلام پر کیے جاتے ہیں۔ اگر کہیں ذکر بھی آ گیا ہے تو معترض کو کج فہم کندہ ناتراش یا اسی قسم کے زریں خطابات دے دیے گئے ہیں یا اعتراضات کو لغو کہہ کر بحث تمام کر دی گئی ہے۔

اقبال نمبر کے مضمون نگار اپنے نثر و نظم کے قصائد میں ایک حد تک سڈول بھی تھے اگر مضمون یا نظم تعریف پر سے عاری مبالغہ سے خالی اور یک طرفہ ڈگری سے معمور نہ ہوتے تو اقبال نمبر کے بیشتر قیمتی صفحات میں جگہ کیوں کر دی جاتی اور پھر تہذیب کا تقاضا بھی یہی تھا۔

ایک تو تنقید فی نفسہ بہت مشکل ہے خاص کر جب کسی زندہ آدمی کے کارناموں کی تنقید ہو تو اور بھی خدشات پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ قدم قدم پر ازالۂ حیثیت عرفی کی تلوار سر پر چھاؤں ڈالتی رہتی ہیں۔ لفظ لفظ پر دل دھڑکتا ہے کہ رشیدی اور بھگتی برس نہ پڑیں۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وقت کی طرح موجودہ ہستی پر تنقید اکثر چھلنی کا پانی ہو جاتا ہے۔ ہر چیز میں ارتقاء ہوتی رہتی ہے۔ حال کوئی چیز نہیں۔ دقیقہ کا ہر جزو یا تو ماضی ہوتا ہے یا مستقبل۔ ان تمام خرابیوں کا سامنا کرنے کے لیے ہاتھی کا کلیجہ اور شیر کا دل ہونا چاہیے جس کے لیے راقم الحروف تیار ہے۔

میں اقبال کو کیا سمجھتا ہوں اور کیسا سمجھتا ہوں اس بات کو بہت اختصار سے سن لیجیے۔ چاہے مجھ عطائی کہیے یا مجذوب کی بڑ۔ مگر میرا خیال ہے اور بلا شرکت غیرے اقبال شاعر ہیں، اچھے شعر کہتے ہیں۔ فارسی کا کلام ہم ہندیوں کے لیے زیادہ فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔

وہ ایک رتی اس خیال میں شامل ضرور ہے۔

خود حضرت اقبال بھی فرماتے ہیں کہ شکل نگاری اور زبان کا شکوہ محض اس لیے ان کے کلام میں بہت زیادہ ہے کہ وہ سادہ الفاظ میں اپنے دقیق نازک اور پیچیدہ مطالب ادا نہیں کر سکتے۔ واقعی یہ مجبوری ایک حد تک قابل رحم ہے۔

زبان کے متعلق جتنے خیالات ظاہر کیے گئے ہیں ان کے واسطے اگر آپ گواہ مانگتے ہیں تو بانگ درا کا کوئی صفحہ کھول لیجیے۔ اگر تمام پہلو ایک ہی صفحہ میں نہ بھی ہوں تو وہ چار صفحہ ورق میں نظر آ جائیں گے۔ قسمت آزمائی شرط ہے۔

مصوری { (الف) مناظر فطرت۔ (ب) نفسیات و جذبات۔

مناظر فطرت کی تصویریں اقبال کے یہاں بہت کم ہیں اور جو ہیں بھی وہ کتابی اخبار یا تخیل سادہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔

ہم پر جو کچھ اثر ہوتا ہے وہ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ جیسے مشاعرے میں گانے کی بدولت معمولی شعر کو چار چاند لگ جاتے ہیں ویسے ہی پر شکوہ الفاظ کی وجہ سے ہمارے سامنے ایک حجاب سا آ جاتا ہے اور ہم ان کی تصویروں کے اصلی رنگ نہیں دیکھ سکتے۔

جس طرح مو قلم میں تناسب رنگ ضروری ہے ویسے ہی شعری تصویر میں تناسب الفاظ ضروری ہے مگر یہ سب ظاہری حیثیات سے متعلق ہیں۔ اگر کوئی شخص رنگوں کو تقسیم کر لے اور ٹھکانے سے ملا جلا سکے تو وہ مصور نہیں ہے رنگ ساز ہے یا رنگریز۔ مصور ان تمام چیزوں سے بڑھ کر اپنی حیات اور اپنے محسوسات کا نازک جوہر بھی اپنے نقوش میں ظاہر کر دیتا ہے اور یہی چیز ہم پر سحر کا اثر کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی خاص تصویر ہماری نگاہ سے اوجھل بھی ہو جاتی ہے اور بلا واسطہ حیطہ نظر میں نہیں ہوتی اس وقت بھی اس کی خاص تاثیر سے ہم لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔

اقبال کسی حیثیت سے مصور نہیں کہے جا سکتے ان کی تصویر صرف چند الفاظ کا مجموعہ ہوتی ہے اور بالکل یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی مبتدی طالب علم کو کوئی خاص موضوع دے دیا گیا ہے۔ مگر غریب مبتدی کا دماغ اس موضوع کے متعلق نہ تو پہلے سے خیالات کا ذخیرہ رکھتا ہے نہ نئے خیالات پیدا کر سکتا ہے۔ لہذا مجبور ہو کر ادھر ادھر کی ہانکنے لگتا ہے۔

مناظر فطرت کے مرقعے جتنے مفلس ہیں اتنے ہی بے مایہ۔ اقبال کی حسیات و جذبات کی تصویروں کا بھی یہی عالم ہے۔

تاثیر کے اسباب } اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اقبال کا یہ شعر طنز نہ مانا جائے کہ؎

کلام میرا خطا سراپا
ہنر جو کچھ دیکھتا ہے مجھ میں وہ سب ہے تیرے ہی کا

اور یہ سمجھا جائے کہ جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے تو ان کے کلام کی عالمگیر شہرت اور قبول عام کے اسباب کیا ہیں۔

(الف) اسلامی ملکوں میں اور خاص کر ہندوستان کے مسلمانوں میں اقبال کی شہرت و قبولیت کی بڑی وجہ صرف اتنی ہے کہ روحانی تعصبات سے بالکل ہی مناسبت ہے۔ انھوں نے شراب و شیشہ بھی ہے اور ملائیت سے آپ ہی کی تبلیغ۔ خوشامد سے کون خوش نہیں ہوتا۔ باپ دادا کی تعریف ہو اور آپ عزت کی قدر نہ کریں۔ سارے کو سا بابو کی بھولی بھولی باتیں۔

پھر ظاہر ہے کہ آپ سیاسیات، مالیات، تحریک یا تحریر کو مذہبی رنگ دے دیجیے اور عام شہرت کا نسخہ لے لیجیے۔

(ب) سر اقبال کی شخصیت اور ان کا تجربہ بھی اثر کے دو بڑے عناصر ہیں۔ ناممکن ہے کہ آپ اقبال کا کلام پڑھیں اور سر اقبال کی عظمت و وقار اور ان کے علم و کمال سے اپنا ذہن خالی رکھیں۔

(ج) ردعمل بھی بڑی زبردست چیز ہے۔ اردو شاعری بہت بڑی حد تک رسمی ہو چلی تھی۔ لوگ سوتے سوتے بیدار ہو رہے تھے۔ ملکی تحریکات کی کونپلیں پھوٹ چلی تھیں اس وقت اقبال نے جو کچھ بھی الاپا یا وہی راگ اندھوں میں کانا راجہ ہو گیا۔

(د) پنجابیوں کا پروپگنڈا بھی بہت حد تک اس شہرت کا ذمہ دار ہے۔ مگر اس شہرت و مقبولیت حاضرہ کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ بقائے دوام بھی حاصل ہو۔ وقتی جوش و خروش اور چیز ہے قائم رہنے والی تاثیر اور بات ہے۔

مختلف زبان کے شاعروں کو لیجیے عام طور پر یہی ہوا ہے کہ ہر اچھے شاعر کی پوری قدر اس کے بعد ہوئی ہے۔ قدر گیا ہلال ہے، زمانہ کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے اور چودھویں کا چاند ہو جاتی ہے کتنے بھی ڈھلتے ہی رہتے ہیں۔

ایسے دو چار شاعر بہت کم ہوئے ہیں نہ خود اپنی حیات میں عالمگیر شہرت حاصل کر چکے ہوں اور بعد کو دائمی شہرت قائم رہی ہو۔

(باقی آئندہ)

سمن بنام مدعا علیہ بنا بر حاضری اصالتاً بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قاعدہ ۳)

بعدالت منصفی اول بلند شہر مقام بلند شہر ضلع بلند شہر
نمبر مقدمہ ۸۳ بابت ۱۹۳۲ء

بابو بید بہاری پرشاد ولد لالہ مرلیدھر قوم لود کھتری ساکن قصبہ بلند شہر پرگنہ برن ضلع بلند شہر مدعی

بنام

رتن چند ولد نرائن داس قوم لود کھتری ساکن شہر لاہور بازار بچھی ہٹہ متعلق بھی لاہور پنجاب مدعا علیہ

بنام رتن چند

ہرگاہ مدعی نے آپ کے نام ایک نالش بابت ۶۸۱ روپے کے دائر کی ہے لہذا آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ بتاریخ ۳۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء بوقت دس بجے دن کے اصالتاً عدالت ہذا میں حاضر ہوں اور جوابدہی دعوے کی کریں اور ہرگاہ وہی تاریخ جو آپ کی حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس آپ کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو حاضر کریں نیز جملہ دستاویزات جن پر آپ بتائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہوں اسی روز پیش کریں۔

آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور آپ حاضر نہ ہوں گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۲۲ ماہ جولائی ۱۹۳۲ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بلند شہر

بزم تفریح کا دلچسپ و سبق آموز مناظرہ

(تتمہ ۲۷ - جولائی ۱۹۳۲ء)

جلال ؎

یہ ذوقِ دید کی شوخی وہ عکس رنگ محجوبی
نہ جلوا ہے نہ پردہ ہم اسے تنہا سمجھتے ہیں

جمال:- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کو نادر شاہ کی فوج نے شعر کہنے کی بیگار میں پکڑ لیا ہے اور اس نے یہ شعر کہہ کر سر کی بیگار ٹالی ہے یعنی "ذوقِ دید کی شوخی" کے مقابلہ میں لکھنا تو چاہیے تھا مقتضائے شرم کی محجوبی لیکن اول تو بیگار رادر پھر نادر شاہ کی بیگار سمجھنے سوچنے کی مہلت ہی کیوں دینے لگی۔ گھبرا کر ایک ہاتھ سے غریب "عکس" کی ٹانگ پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے بچارے "رنگ" کا گلا دبا دیا۔ اس طرح ایک مصرع کی بھرتی پوری ہوئی۔ خوف نے کہا اتنی دیر! تو بدحواس ہو کر پہلے مصرعے کو پھیر پچھاڑا اور کہہ دیا کہ نہ شوخی جلوہ ہے اور نہ محجوبی پردہ ہے۔ ہم اسے تنہا سمجھتے ہیں۔ لیجیے شعر ہو گیا۔ جان بچی لاکھوں پائے۔ خیر سے لوٹ کے گھر کو آئے۔ ورنہ شوخی کا مقابلہ شرم سے اور محجوبی کا بے حجابی سے ہو سکتا ہے اور جس میں شوخی اور محجوبی نہ ہو اس کو متین و سنجیدہ اور بے حجاب یا بے پردہ کہنا چاہیے نہ کہ تنہا۔"

جلال ؎

وہ نکہت سے سوا پنہاں وہ گل سے بھی سوا عریاں
یہ ہم ہیں جو کبھی پردا کبھی جلوا سمجھتے ہیں

جمال:- پہلے مصرعے میں صرف "نکہت سے سوا" اور دوسرے میں "گل سے بھی سوا" کہنا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ شاعر صاحب کو اسلوب بیان کی نوعیت قائم رکھنے پر قدرت نہیں ہے۔ اسی طرح پنہاں کے مقابلے میں عریاں کہنا کمزوری کا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ "وہ" اور "ہم" کے درمیان میں امتیاز کیا قائم ہوا اور الزام کس پر عائد ہوا۔ وہ نکہت سے زیادہ پنہاں تھا اس لیے ہم نے پردہ سمجھا اور گل سے زیادہ عریاں تھا اس لیے جلوہ سمجھا۔ پھر قصور کیا ہوا اور ہونا کیا چاہیے تھا؟"

جلال-

نظر بھی آشنا ہو نشۂ بے نقش و صورت سے
ہم اہل راز سب رنگینیٔ مینا سمجھتے ہیں

جمال:- جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ "نشۂ بے نقش" اور "نقش" اور "مصور و صورت" دار نشہ کون سا ہوتا ہے نشۂ بے نقش و صورت کی دم ہاتھ پر آ ہی نہیں سکتی اور نہ یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ وہ شیشہ رنگین نہیں کا حال کیوں ہے کہ اس نشہ سے نظر بھی آشنا ہو جائے۔ اور اس راز کو سمجھنے سے نتیجہ کیا نکلا۔ یہ شعر ہے یا امیر خسرو کا ڈھکوسلا؟"

جلال ؎

زمانہ آ رہا ہے جب اسے سمجھیں گے سب.....
ابھی تو آپ خود کہتے ہیں خود تنہا سمجھتے ہیں

جمال:- کاش آپ یہ مقطع پہلے ہی سنا دیتے تو سمجھنے کی قبل از وقت کوشش کیوں کی جاتی۔ اور اس وقت کا انتظار کر لیا جاتا جب بقول شخصے۔ یہ روایت مطہر اودھ پنچ بہادر دام اقبالہ و فیوضہم مطبوعہ ۱۴ جولائی صفحہ ۲ کالم ۲ شاعری اس قسم کی اونٹ گاڑی پہ یاد کرے گی ؎

وفا کے قرض سے بچنا فرض ہے عقل داروں پر
ہے صادق اب یہ مثل احباب برادر کنبے والوں پر

اور یا آپ کے شاعر صاحب اس پوری غزل کی جگہ پہلا مطلع اس طرح لکھ دیتے ؎

نمود حسن میں حیرت کو ہم کیا کیا سمجھتے ہیں
کبھی ایسا سمجھتے ہیں کبھی ویسا سمجھتے ہیں

تو بقیہ شعر تصنیف کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ سب کچھ اسی مطلع میں سما جاتا۔

آج کا مناظرہ ختم جلسہ برخاست آئندہ کے لیے یار زندہ صحبت باقی۔"

جمال:- نہیں جناب ہرگز نہیں۔ ابھی مناظرہ ختم اور جلسہ برخواست کیسا۔ مجھے یہ تو کہہ لینے دیجیے کہ مقطع میں "آپ خود کہتے ہیں خود تنہا سمجھتے ہیں" حقیقت اور

الغریق

نافرمانی:- "جگ ڈوبا - جگ ڈوبا"

کانگریس:- "جگ کیوں ڈوبا - چرخا! تو ڈوبی - دیکھ میں صحیح سلامت ہوں صرف موجوں کا ڈر ہے"

ازاں سو ماندہ ازیں سو راندہ

کانگریس: "نافرمانی تو گئی گاندھی کے چرخے کی چول میں۔ مگر میں تو پرانی ملاقاتی ہوں دوستوں نے بڑھاپے میں نکال باہر کیا اب تم کیا کہتے ہو؟"

حکومت: "بوڑھیوں کا یہاں بھی کوئی مصرف نہیں۔ جب غدود بدلوا کے جوان ہوگی تو دیکھا جائے گا۔ ابھی باہر ہی رہو"

واقفیت سے حقیقتہً اور واقعتہً لبریز ہے۔

مراف

کھلے رستم از بدایوں

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۱۳)

صاحب جامع اللغات لکھتے ہیں:-

"آپ کو شاخِ زعفران جاننا (وغیرہ) اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنا"

یہ کوئی محاورہ نہیں، البتہ یوں کہتے ہیں "آپ میں کیا شاخِ زعفران لگی ہے" جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ "آپ کو کوئی وجہ ترجیح حاصل نہیں" (دوسرے کالم میں خود مؤلف نے یہی محاورہ لکھا ہے) اس طرح بھی بولتے ہیں:-

"کیا آپ میں سرخاب کا پر لگا ہے؟" دونوں کا محل استعمال ایک ہے۔

نور اللغات اور جامع اللغات دونوں نے "آپ خوزادے آپ مرادے" کے معنی تن پرور۔ اپنی عقل کو سب سے بہتر سمجھنے والے۔ خود غرض نصیحت ناشنو" کے لیے ہیں جو بالکل غلط ہیں۔ درحقیقت اس کے معنی "افلاس میں خوشحالی کی عادتوں کا نباہنا" ہیں جو ایک بے وقوفی ہے۔ چنانچہ صاحب نور اللغات نے جو حکایت حاشیہ پر لکھی ہے وہ خود گواہ ہے۔ دوسرے معانی سند کے محتاج ہیں۔ افلاس اور بے کسی کے اظہار میں ایک اور کہاوت بھی مروج ہے "آپ ہی میاں دردربار آپ ہی میاں کھیت کھلیان"

بہ نسبت "آپ خوزادے آپ مرادے" کے یہ دوسری کہاوت زیادہ زبان زد ہے۔

کم از کم ایسے الفاظ کا سمجھا دینا لازم تھا جو اب متروک ہو چکے ہیں مثلاً "خوزادے"۔

نور اللغات کے کاتب نے غالباً غلطی سے "مخورادے" (بہ راے حطی) لکھا ہے اور اسی کی نقل جامع اللغات نے بھی کی ہے۔ خیر کاتب سے نقلوں کی غلطی عجیب نہیں۔ جب کہ مؤلف صاحب خود بھی غلط اور صحیح میں فرق نہیں کر سکتے۔

"خوزادے" مخفف ہے "خواجہ زادہ" کا جو "آقازادہ" کا ہم معنی ہے۔ (صاحب جامع اللغات یاد رکھیں ابھی انہوں نے غالباً "خ" کی بحث شروع نہیں کی ہے) مطلب یہ ہوا کہ فلاں شخص خود ہی آقازادہ اور خود ہی نوکر ہے۔

نور اللغات میں ہے:-

"آپ گیلے میں سوئی مجھے سوکھے میں سلایا"

(ف) کسی کی کمال محبت اور دلسوزی ظاہر کرنے کی غرض سے کہتے ہیں۔ یعنے خود تکلیف اٹھائی مجھے راحت پہنچائی"

مؤلف صاحب سمجھتے ہیں ہر ایک عورت عموماً اظہار محبت کے موقع پر دوسری کے حق میں یہ جملہ استعمال کر سکتی ہے۔ حالانکہ یہ صرف ایسے محل پر بولا جاتا ہے جہاں پالے ہوئے بچے کی محبت خواہ وہ اسی کا ہو یا دوسرے کا۔ (لڑکا ہو یا لڑکی) ظاہر کرنی مقصود ہوتی ہے۔ محبت ہی نہیں بلکہ خدمت کی ادنیٰ امثال۔ ایثار و احسان کا حقیر کرشمہ۔ یعنی جب یہ بچہ نقل و حرکت پر قادر نہ تھا تو پالنے والی نے اسے ہر ایذا سے بچانے کی تدبیر کی۔ مثلاً برسات میں گھر کی چھت سے پانی ٹپکا۔ تھوڑی سی جگہ سوکھی ملی تو وہ بچے کے مصرف میں آئی۔ بچہ اپنے نفس پر مقدم رکھا گیا۔

مؤلف صاحب کی کوئی اناکھلائی زندہ ہو تو اس سے پوچھ لیں کہ یہ محاورہ ان معنی میں عموماً ہر شخص استعمال کر سکتا ہے۔ یا صرف بزرگ عورت اپنی گودیوں کے کھلائے کے بارے میں کہتی ہے۔ کیا بوا کے بارے میں کوئی بیٹی مثلاً یہ کہہ سکتی ہے؟ کہ "آپ گیلے میں سوئی انہیں سوکھے میں سلایا"

دونوں کتابوں میں خود بہکنے اور دوسروں کے بہکانے کا اچھا سامان جمع کر دیا گیا ہے۔

(باقی آئندہ)

راقم:- ادبار اللغات

مولانا پنچ کی نوٹ بک

کرسی اور آیۃ الکرسی

ایک دن ... اپنے گھر کے ... امیر گرا... سمر لگے کچھ نہ تھے۔

اتفاقاً درد قولنج میں مبتلا ہوئے۔ مولوی نے لکھا ... اور ... کا ورد فرمائیں انشاء اللہ شفا ہوگی۔ مولوی صاحب رخصت ہوئے اور امیر صاحب نے گلے میں ایک ... کرسی حمائل فرمالی۔ جدھر جاتے ہیں کرسی گلے میں ڈھول کی طرح لٹکی ہوئی ہے۔ کسی نے پوچھا حضرت یہ کیا؟ فرمایا "آیۃ الکرسی" ہے۔

مسلمانانِ ہند بھی قولنج قومی یا درد ترقی میں مبتلا ہوئے۔ سب سے بہتر علاج اس قولنج شدی کا گلاب تندرو انگشتہ یعنے قومی و ملکی اتفاق تھا۔ مگر یہ دافع بلا آیۃ الکرسی تو یاد نہ رہی جھٹ سے ممبری کی کرسیاں گلوں میں لٹکالیں۔ کوئی کہتا ہے اس آیۃ الکرسی کا ورد ۵۲ فی صدی ہونا چاہیے۔ کوئی کہتا ہے ۹۹ فی صدی۔ یار و کرسی اور آیۃ الکرسی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پیٹ میں جو ریاح کے گولے اٹھ رہے تھے وہ تو بجائے خود باقی رہے۔ مزید براں گردنیں بھی کرسی کے بوجھ سے دو تاب ہو گئیں۔ ان ننھی منی کرسیوں کے تعویذ لٹکانے والوں کو دیکھیے کب عقل آتی ہے۔

حاجی سر رحیم بخش صاحب نے ایک طویل حاشیہ وزیر ہند کے ... کے اخباری کاغذوں میں چھپوایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مرکزی ایوان بالا میں مسلمانوں کو جو ایک تہائی کرسیاں نیابت کے تعویذ گلے میں لٹکانے کے واسطے تجویز ہوئی تھیں اب مشکل سے مل سکیں گی۔ حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ سر سموئل ہور کے بیانات جو پارلیمنٹ کی منتخب مجلس کے سامنے دیے گئے بہت ہی روح فرسا دریغ افزا ہیں انھوں نے تو اور ... اور ... میں اضافہ کر دیا یعنے ہم نے تین اور تیس فی صدی کرسیوں کا خوشگوار بوجھ گردن پر لاد لیا تھا کہ کبھی تو یہ کرسیاں بیٹھنے کے کام آئیں گی مگر وائے ناکامی حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ برطانی مدبر وعدہ کرنے کے وقت حاتم اور ایفا کے وقت مرتوب عصر بن جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو برطانیہ عظمیٰ کے مدبرین کو مسیحائے زمانہ سمجھتے ہیں گریبان میں منہ ڈالیں۔ اندیشہ ہے کہ اسی طرح دوسرے حقوق بھی چھن جائیں۔

ہمارے نزدیک تو ابھی امید کا باب کلیتہً بند نہیں ہوا ہے۔ کرسی و بال گردن اور قولنج وبال شکم ہو رہے ہیں۔ آیت الکرسی کی ضرورت ہے ... جو ان ... مرز ... فرماتے ...

دیر تک تو زائل نہ ہوگا مگر خفیف ضرور ہو جائیگا بشرطیکہ لندن کی نفاست پسند کنسرویٹو اس گیس کے صدمے سے ناک پر رومال نہ رکھیں اور صحبت سے نکال باہر نہ کریں۔

عملی اچھوت ادھار

ایک صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ:۔

"لیجیے صاحب اب تو یہ کہنے کو نہ ہوگا کہ ادنیٰ اُمت سے اعلیٰ مت رکھنے والے دور کی لیتے ہیں۔ تانوتے کی خبر ہے کہ ایک بطخ بھوجن بھاڑ جھونکتے جھونکنے گابھن ہوگئی۔ پولیس کو تلاش ہوئی کہ وہ کون سورما چنا تھا؟ بایں معنی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بل زدہ وقت اس نئے زمانے کے سنتوبنا ڈالیں جائیں۔ آخر معلوم ہوا کہ ایک میر صاحب ہیں جنھوں نے نصیر دستگیر کے ساتھ چنوں کو کھچڑی پر ترجیح دی۔ اب پولیس دن رات حفاظت کرتی ہے۔ اور محلے والے اس فکر میں ہیں کہ چین سے پیدا نہ ہونے دیں تو زچہ اور بچہ کی پرورش کا بار ان کے سر ڈالا جائے تفصیلی حالات اور اگر وقت آیا تو زچا خانے کے واقعات مع تاریخ ولادت آئندہ، انشاءاللہ بروقت فرصت حاضر خدمت کروں گا فقط"

پنچ:۔ عورتوں کے ساتھ چھوت چھات کا برتاؤ کبھی نہیں کیا گیا۔ یہ تو بھر طبعی جن ہے جو دنیا کو رزق (بھوجن) بانٹتی ہے۔ ہم نے بہتر انیوں کو مہارانی بنتے اور دودھ والیوں کو دو دوغ آرا بیگم کا لقب ملتے دیکھا ہے۔

نیکی کن و بر حکومت انداز

آخر یہی ہوا کہ "غنچہ آرزو ناشگفتہ بہ مرزد ہ شد" یعنی ہمارے مہاتما اجتماع کو چھوڑ کے انفرادی کی طرف دوڑنے بھی نہ پائے تھے کہ پکڑ لیے گئے۔ خیر گرفتاری تو دخل قسمت ہے، اسکا گلہ کیا؟ سہ

کس نہ تمہیں زنداشکے دو دو کس از ہمارے سر بہ آرے چلا کیے

لیکن عجیب غریب امر یہ ہے کہ ہمارے مہاتما جی جھکے تو حکومت ہی کی طرف یعنی آپ نے آشرم کے تمام عمارات حکومت کے نام بذریعہ وصیت (بذریعہ رجسٹری) منتقل کر دیے۔ یوں بھی گورنر صاحب نے میرا آشرم پنجرا میں نے کھول دیا، چڑیاں اڑ گئیں، یا چنبیلیں لیں مگر پنجرا تمہارا ہے، تصرف اختیار ہے۔ علاوہ اس کے یہ ہو گا کہ [illegible]

عراق ریلوے

نجف۔ کربلائے معلیٰ۔ کاظمین اور سامرہ کے مقدس شہروں کی زیارت کے لیے عراق ریلوے کے ذریعہ آرام، تیز رفتاری اور بہت ہی سستا کرایہ سے سفر کریں۔

مختلف درجوں کی زیارتی کوپن کی کتابیں جو ۶۰ دن تک کارآمد ہونگی نیچے درج ہیں۔ ۵۰ کیلو زر سامان ہر کتاب کے عوض میں اپنے ہمراہ مزید کرایہ کے بغیر لے جا سکتے ہیں۔

	درجہ دوم	درجہ سوم
کوپن بک (الف) برائے سفر بصرہ سے کربلا کاظمین۔ سامرہ اور واپسی بصرہ	۱۱۲ روپیہ	۷۰ روپیہ
کوپن بک (ب)۔ برائے سفر بصرہ سے کربلا کاظمین اور واپسی بصرہ	۸۵ روپیہ	۵۲ روپیہ

تین سال سے کم عمر کے بچے کا کرایہ معاف اور بارہ برس سے کم عمر کے بچوں کا نصف کرایہ لیا جاتا ہے۔

بمبئی اور کراچی سے ہر ہفتہ جہاز بصرہ کے بندرگاہ معقل کو جاتے ہیں جہاں ریلوے کے افسران زائرین کو انکے آرام اور زیارت گاہوں کو جانے والی گاڑیوں میں جگہ کا انتظام کرنے کے لیے استقبال کرتے ہیں۔

زائرین جو مکہ معظمہ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں انکو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ عراق کے راستہ سے سفر کریں اور اس طرح سے ایک ہی وقت میں اس ملک کی زیارتگاہوں کی زیارت کے مواقع بھی مل جائیں گے۔ بغداد سے دمشق کو بذریعہ موٹر ۲۴ گھنٹہ میں سفر کیا جا سکتا ہے۔ دمشق سے جدہ۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا کرایہ حسب ذیل ہے۔

درجہ دوم ۲۱۵ روپیہ   درجہ سوم بلا خوراک ۱۶۰ روپیہ

ہندوستان میں عراق ریلوے کے ٹکٹ اور کوپن کی کتابیں بمبئی اور کراچی میں مختلف ایجنٹوں سے خریدے جا سکتے ہیں۔

۱۔ مولوی محمد باقر صاحب مسافر خانہ حاجی دیوجی جسنال چکل روڈ عمر کھاڑی بمبئی۔
۲۔ آنریری جوائنٹ سکریٹری فیض پنجتنی۔ پالاگلی۔ بمبئی۔
۳۔ مسٹر ای ای لوٹیا۔ مانڈوی کولی واڑا بمبئی نمبر ۳۔
۴۔ حبیب حاجی رحمت اللہ صاحب۔ کھارادر۔ کراچی۔
۵۔ مسٹر عبد الغنی شیخ عیسیٰ جی معرفت مسٹر یوسف علی علی بھائی کریم جی اینڈ کمپنی نیپیئر روڈ کراچی۔
۶۔ آنریری سکریٹری فیض پنجتنی معرفت حاجی مٹھا بھائی گوکل۔ کوڑی باغ۔ کراچی۔

نوٹ:۔ ایک ہی جہاز پر ایک سو یا ایک سو سے زائد تعداد میں بصرہ کو سفر کرنے والے زائرین کو جہاز کے کرایہ میں رعایت مل سکتی ہے۔

اودھ پنچ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۸۳

قواعد و ضوابط ادارۂ ہذا

(۱) بفضل خدائے عز و جل ہر مہینہ کی ۵-۱۲-۱۹-۲۶ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

(۲) اودھ پنچ ہندوستان کا پہلا ظریفانہ رسالہ ہے جسکے مضامین ... اور تنقید مضامین نہیں ملتی۔ یہ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور متفرقات سے بے نیاز ہے۔

(۳) قیمت کی زیادتی پر نظر نہ کیجئے۔ حجم کی کمی پر تیوریاں نہ چڑھایئے بلکہ گوہر و خزف میں فرق سے پہلے افادات کی جنس دیکھئے کی اصابت بے ریب۔ حاسئہ نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی پالیسی پر نظر رکھیے انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائینگے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

(۴) اُجرت اشتہارات و قیمت اودھ پنچ پیشگی لی جاتی ہے۔

(۵) مکمل پایہ شاگردان مدارس سے بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر از رد نیسر سالانہ قیمت صرف للعہ لی جائے گی۔

(۶) پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع ۱۵ دن کے اندر دیجیے ورنہ بعد میں ممکن ہے کہ مہیا کیا جا سکے۔

(۷) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح پالیسی کے مطابق نہ ہونگے وہ شائع نہ ہونگے اور اُن کی واپسی پر ہم مجبور نہیں ہیں۔

(۸) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی و ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو۔

نوٹ:۔ جو حضرات خریدار ہیں اُنھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جواب طلب امور کے لیے کارڈ یا لفافہ آنا لازمی ہے۔

احمد حسین بارودی منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

شرائط ایجنسی اودھ پنچ

(۱)۔ روپیہ نقد جمع کرنا ہوگا۔

(۲)۔ رقم جمع شدہ کے ادا ہوتے ہی پرچے کی روانگی ... کی جائیگی

(۳)۔ پانچ پرچے فی ہفتہ سے کم کی ایجنسی قبول نہ کی جائیگی۔

(۴)۔ بحساب ۵ آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائے گا۔

کسی حالت میں بھی پرانے پرچے واپس نہ لیے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۸ نمبر ۱۵

مضامین ِ دپیر

مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۳۳ء

بانگ درا

(تتمہ ۵۔ اگست ۱۹۳۳ء)

موسیقی بعض حضرات جو اپنے وقت کے تان سین یا ہمارا راج بلی بہادر ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ اقبال کے کلام میں اس حد تک ترنم ہے کہ اُن کے شعر بغیر گائے پڑھے ہی نہیں جا سکتے۔ اگر یہ چیلنج ہے تو بندہ لبیک کہنے کو تیار ہے جو شعر کہیے بغیر گائے ہوئے پڑھ دوں۔

اصل یوں ہے کہ شعر کلام موزوں ہوتا ہی ہے اور یہی وزن ہے جس کو آپ چاہے ترنم کہہ لیں چاہے جان موسیقی۔ اگر زیادتی ترنم یا افراط موسیقی سے یہ مطلب ہو کہ آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ اختر کی طرح اقبال نے بھی راگ راگنیوں کو نگاہ میں رکھ کر شعر لکھے ہیں۔ یا طبلے کی تھاپ اور سارنگی کی ریں ریں اُن کے کلام میں پائی جاتی ہے تو ایسی سمجھ کا کوئی علاج نہیں ہے۔

آمد اور آورد اقبال کا کلام سراسر آورد ہے۔ جہاں کہیں فیض وجدان کی بدولت برجستگی اور آمد ہے وہ بہت خوب ہے۔ مگر ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔

آپ سمجھتے ہوں گے کہ یہ تو تنقید نہ ہوئی مجذوب کی بڑ ہو گئی۔ جو کچھ منہ میں آتا ہے میاں ظریف ہیں کہ بے تکان کہتے ہی چلے جاتے ہیں سو ظاہر ہے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ ہر چیز اپنے موقع پر اچھی معلوم ہوتی ہے۔

ذرا الہامی نقد اور اعجازی تبصرہ کا وجدانی کیف اپنی ضمانت پر رہا کر سے تو کلیات کی جزئیات کی طرف قلم کے دلدل کی باگ موڑی جائے۔

قاعدہ ہے کہ نئے گھوڑے اور منہ زور بچھیڑے کے لیے لگام کی ضرورت ہوتی ہے۔ دعووں کے لیے دلیل اور زمینداروں کے لیے وکیل کی حاجت ہوتی ہے پھر بھلا تنقید کے لیے مثالوں کی ضرورت کیوں نہ ہوگی۔ ہوگی اور ضرور ہوگی اور پوری بھی کی جائے گی۔

ذرا صبر اور قناعت کے خزانے سے موتی لوٹ کر تعزیرات ہند کے دفعات سے بچتے ہوئے انتظار کیجیے۔

احساس خودی "اپنی عزت آپ کرو" کی جو شتری تعلیم اسمٰعیل صاحب نے دی تھی، اقبال کی شاعری نے اس کو پورا کر دکھایا۔ جو شخص خود اپنی عزت نہ کرے گا ظاہر ہے کہ دوسرے اس کی عزت کب کرنے لگے۔

رہی یہ بات کہ خودی کی منزلیں کیا ہیں، حدیں ہیں، نزاکتیں ہیں یا نہیں۔ اس خود پرستی اور ہمہ منم کے آزاد اور طوفانی جوار بھاٹے میں اس کی فکر کسے ہو اور کیوں ہو۔

واقعہ تو یہی ہے کہ خودی سے دھونسالوجی کا وہ بے نظیر نسخہ سیمیا ہاتھ آتا ہے جس کے سامنے سائکالوجی۔ فائسلاوجی بیالوجی، سیڑیالوجی بلکہ لوجی گرد ہے۔

بیخودی اگر دنیا کو بے خودی کی حاجت نہ ہوتی تو آج سارے عالم میں شراب، بھنگ چرس، افیون، سگریٹ، پائپ، حقہ، کوکین اور مختلف قسم مسکرات و مسکنات کی ضرورت بھی نہ ہوتی نہ قاتل بے خودی کے طفیل سے دامن چھڑاتے نہ مجرم مست ہو کر بال بال بچ جاتے اور نہ خاموشی بالاجوابی کا کوئی عمدہ اور حسین عذر ہی نصیب ہوتا۔ اقبال بھی اپنے آپ سے ملتے بیگانہ ہیں کہ زاہد کی سب کچھ سن کر صرف اتنا ہی کہتے ہیں ؎

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

ظاہر ہے کہ جب مرشد ہی اپنے آپ سے بے خبر ہے تو ہم آپ کس کھیت کی مولی ہیں جو ان کو سمجھ سکیں گے۔

تخیل اقبال کی تخیل بس اس وقت تک شاندار اور خریا قدر معلوم ہوتی ہے جب تک سننے والا کچھ تو الفاظ سے مرعوب رہتا ہے اور کچھ ان کی ذات و صفات سے ورنہ اور کوئی خاص بات نہیں۔ سوا اس کے کہ مقلر ہے۔ کاواک ہے۔ بے ترتیب ہے۔ اور برانڈی کی طرح تیز ہے خمار کا خمیازہ وہی جانتے ہیں جو چھک چکے ہیں۔ وہی اچھے ہیں جو بقول اقبال "بیگانہ" ہیں ؎

آشنائے من ز من بیگانہ رفت
از خمستانم تہی پیمانہ رفت

ورنہ غالب کی زبان میں کہنا پڑتا ہے ؎

مفت کی پیتے تھے مے اور جانتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

جدت اقبال قدامت پرستی میں آپ اپنی مثال ہیں۔ عروض کی تمام پابندیاں ان کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ تشبیہات اور تراکیب کہیں کہیں گندہ بیروزہ باشد ضرور ہیں مگر جو معانی، مطالب، مفاہیم، مقاصد اور نکات وہ بیان فرماتے ہیں وہ ان سے پہلے کے شاعر بطرز احسن بیان کر چکے ہیں۔

پیام اسلامی پیام "محنت کرو محنت کرو" سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ اسلام کی گزشتہ شوکتوں کے یاد دلانے میں تاریخ پڑھنے سے جو جوش پیدا ہوتا ہے اس سے زیادہ اقبال کے کلام سے نہیں ہوتا۔ مگر مجبوری ہے کہ ظاہر پرست "فلسفہ قوت عمل" کا نام ہی سن کر اسکو عجائب المخلوقات کا دفتر سمجھنے لگتے ہیں۔

سیاست اقبال سیاست پر پریس ایکٹ کی ویسی ہی مہر لگی ہے جیسی ہماری زبان پر۔ زبان اردو زبان بے زبانی سے کہہ رہی ہے ؎

پریس ایکٹ ٹوٹے جب مطالبات کیجیے
زبان کھول لیجیے تو کوئی بات کیجیے

مگر کوئی حضرت داغ کے اس شعر کی جیتی جاگتی تصویر ہے ؎

اللہ رے طوفان ابھی کیا تھے ابھی کیا ہو

شوخی ہو تو شوخی ہو حیا ہو تو حیا ہو

وطن کی مجلس سے نکل کر ملت کی محفل میں اقبال آگئے ہیں تو تمام کے سوا اب اس انداز لہجہ اور سب کچھ ایسا چل رہا ہے کہ پہچانے ہی نہیں جاتے۔

اب اتنی دیر تک دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد آئیے ہم آپ سب اسرافیلؑ سے صور اور اقبال سے بانگ درا سنیں۔

ہمالہ

(فصیل) اے ہمالہ اے کشور ہندوستاں
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں

چھٹے درجہ کے طالب علم کا نقشہ ہندوستان ہے۔ ہمالیت کا کوسوں پتا نہیں ہے افلاس تخیل کا یہ عالم ہے کہ مسدس کا پہلا ہی بند غیر مسلسل غزل کے تین شعروں سے ٹکریں لے رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ ہمالیہ پر کوئی نظم لکھی جائے یا کچھ لکھا جائے اس کا یہ فائدہ کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہندوستان کے بچاؤ کے لیے بہت حد تک فطری ہے۔ محض فصیل ہند یا اپنا پاسبان کہہ دینا نہ تو اقبال کی وطن پرستی پر صاد ہے نہ ہندوستان کی محبت ظاہر کرتا ہے۔

دوسرے بند کے بیت میں ؎

برف نے باندھی ہے دستار فضیلت تیرے سر
خندہ زن ہے جو کلاہ مہر عالمتاب پر

دستار و کلاہ سرحدی اور کسی حد تک پنجابی وضع ہے بس اور کچھ نہیں۔ اگر کسی خاص چوٹی سے مقصد ہے تو فی بطن الشاعر ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ واقعی برف دستار فضیلت ہے تو کوئی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی جن لوگوں نے پہاڑ پر برف کی تہیں واقعی دیکھی ہیں اور اپنی ہی آنکھوں سے دیکھی ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ نہ تو پیچ در پیچ ہوتی ہیں نہ اُن میں طرہ اور کلغی کی شان پیدا ہوتی ہے۔ پھر لطف یہ کہ دستار فضیلت کے لیے سفیدی لازمی نہیں ہے۔ ابھی اقبال کا بچپن ہے۔ کلام بھی گہوارہ مشق میں پینگیں لے رہا ہے۔ مشاہدہ ماحول تک محدود ہے یا سنی باتوں تک۔

تیسرے بند سے بھی تخیل کا کاواک ہونا برس رہا ہے ؎

چشمۂ دامن ترا آئینۂ سیال ہے
دامن موج ہوا جس کے لیے رومال ہے

خاص کر اسی کی بیت میں تو اقبال صاحب نے قلم توڑ دیا ہے۔ کاش اس سے پہلے خود جا کر کسی دریا کی ابتدائی منزلیں دیکھ لیتے۔ آئینہ سیال کو رومال کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ کسی حالت میں کہ دریا اپنے منبع سے نکل کر چلا ہے اور چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر اپنی راہ پیدا کر رہا ہے۔ کوہستانی منزل میں گرد و غبار کا نام بھی نہیں ہوتا اور گرد ہوئی بھی تو پانی ہی اس کو دور کر سکتا ہے نہ دامن موج ہوا۔

بند ۴۔

اس کی بیت بھی کم ذوقی کی آواز بازگشت ہے ؎

اے کیا فرط طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر
فیل بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر

بند ۵ ؎

جنبش موج نسیم صبح گہوارہ بنی
جھومتی ہے نغمۂ ہستی میں ہر گل کی کلی

دست گلچیں کی جھٹک میں نے نہیں دیکھی کبھی

موج نسیم صبح کا گہوارہ تو اچھا بھی ہے اور دل فریب بھی مگر ضرورت شعری کی مجبوری ہے جنبش کا اضافہ کر کے سارا لطف مٹی میں ملا دیا گیا ہے۔ پنگھوڑے کا مفہوم اس جھٹکے ڈولنے نے برباد کر دیا ہے۔ لفظ جنبش کا اضافہ تنسیق کی خرابی کی دلیل ہے اور عدم احتیاط کا شاہد۔ گہوارہ تو بنا مگر جھولنے والا کوئی میسر نہیں۔ ہر گل کی تعمیم اور ہر گل کی کلی کا اب غریب ہے۔

دست گلچیں کی جھٹک پنجابی محاورہ ہو تو ہو جا رہے کانوں کو تکلیف دیتا ہے۔

بند ۶ بیت ؎

چھیڑتی جا اس عراق دل نشیں کے ساز کو

اے مسافر دل سمجھتا ہے تری آواز کو

مراق دلنشین کے ساز کو سے یہی مراد ہے کہ بھیرویں کے ستار یا پیانو کے رباب کو چھیڑتی جا۔ "ساز" اور "آواز" کی جگہ "ستار" اور "گنگنا" سے کام لیا جاتا تو اچھا ہوتا۔

بند ۳

لیلیٰ شب کھولتی ہے آ کے جب زلف رسا دامن دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا
وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا وہ درختوں پر تفکر کا سماں چھایا ہوا

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگ شفق کہسار پر
خوشنما لگتا ہے یہ غازہ ترے رخسار پر

لیلیٰ شب کی زلفیں کھل گئیں اندھیرا ہو گیا۔ ٹھیک اسی وقت آبشاروں کی صدا دلکش بھی ہو گئی۔ اس تضمین کی ایک ہی ہے۔ ہی اس کے بعد فوراً شام بھی ہو گئی۔

بند ۵

اے ہمالہ داستاں اس وقت کی کوئی سنا مسکن آبائے انساں جب بنا دامن ترا
کچھ بتا اس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا داغ جس پر غازۂ رنگ تکلف کا نہ تھا

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

یہ ڈکراں شاعری ہے۔ بے چارہ ملعت خرام لیے محروم وندزمین پھاڑ کیا جانے اور کیا بتائے ہم سے پوچھیے۔

اگر Back to Nature سے آپ متاثر ہو کر پوچھ رہے ہیں تو دوسری بات ہے ورنہ طبقات الارض کی سیر کیجیے۔ دامن ہمالہ سے ہندوستان مراد ہے یا ہمالہ کی وادیاں۔ لکڑی اور دھات کے زمانہ والوں سے اگر تشفی نہیں ہوتی تو آبائے انسان کی بستیوں کا حال سن لیجیے۔

زندگی سیدھی سادی ضرور تھی مگر انتہا درجہ کی بے لطف بھی تھی۔ زندگی نہ ہر دم رواں اور نہ پیہم دواں تھی۔ نہ اسلام کی ضو پاشیاں تھیں نہ تہذیب کا دور دورہ تھا۔ جہالت کے گھٹا ٹوپ بادل چھائے ہوئے تھے۔ حسن جسم شرمندہ لباس نہ تھا۔ اخوت ہمدردی اور صلح کی جگہ منافرت ظلم اور قتل و غارت کا بازار گرم رہا کرتا تھا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس ہر جگہ ٹھیک تھی۔ نہ عالیشان بنگلے تھے نہ موٹریں۔ نہ ریل تھی نہ ہوائی جہاز اور نہ بیضاوی میز کے گرد کانفرنس ہوا کرتی تھی۔

اور اگر ڈارون کا نظریہ درست ہے تو اس وقت ہم سب بن مانس کے بھائی اور دم دار انسان تھے۔ یہ تھے ہم اور یہ تھی ہماری سیدھی سادی زندگی۔

جب ہمالہ بیچارہ خاموش۔ شرما کر خاموش ہو گیا اور اس سراپا تحمل کی زبان نہ ہلی۔ تو شاعر ابلق تصور پر سوار ہو کر پیچھے کی طرف دوڑا مگر ملاکی دوڑ مشہور ہے پھر گردش ایام کی بھول بھلیاں ہیں اشہب تصور کہاں تک زغندیں بھرتا۔

(باقی آئندہ)

راقم
نکتہ چین

مولانا پنچ کا پوسٹ بیگ

"ظرافت و ظریف"

ایک صاحب استفسار فرماتے ہیں:۔

"تا جدار اقلیم ظرافت! آداب عرض ہے۔ بار بار جی میں آیا کہ ظرافت و ظریف کی منطقی حد آپ سے پوچھوں مگر اس جہت سے خاموش رہا کہ ایسی معمولی اور عام بات کا پوچھنا کہیں بندہ راقم کی ذات ہی کو خندہ و ظرافت کا وسیلہ نہ قرار دے۔ یا کہ تعریض ہوں اور خجالت کا شکار راقم ہو مگر آجکل تو ہر کمال ادبار و زوال کے پنجۂ استبداد میں آ کر خود ہی ظرافت ادبار کی آفت میں مبتلا ہیں۔ تاہم کہ ان کی بھی پرسش نہ آتا۔ تاب نہ رہی۔ ہر چہ بادا باد۔ خواہ کوئی انجانب کی جہالت پر ہنسے یا رو دے۔ میں تو مولانا پنچ سے ضرور پوچھوں گا۔

اودھ کے ایک نواب وزیر مرحوم کو ایک منشی کی ضرورت تھی۔ اس زمانے میں کوئی اخباری کاغذ تو موجود نہ تھا لہذا انہوں نے ہرکارے کے ہاتھ میں ایک پرزہ لکھ کے دیدیا کہ شہر بھر کے پڑھے لکھے آدمیوں کے پاس یہ پرزہ لے جاؤ اور اس کا جواب لکھوا لاؤ۔ مگر یاد رہے کہ سوال سے جواب کی عبارت بڑھنے نہ پائے۔ اس پرزے پر لکھا ہوا تھا "منشی کیست و منشی گری چیست" ہرکارہ کاغذ لے کے شہر بھر میں گھوما مشہور پڑھے لکھے حضرات کی خدمت میں گیا جس کسی نے جواب لکھا دو ورق کا لکھا۔ ہرکارے نے مجبوراً جواب لے لیا مگر تنہائی میں ایک جواب کے ہزار جواب بنا ڈالے یعنی "جیر جیز" کاغذ تقسیم مربع و مستطیل مثلث و مسبع و مسدس حصوں میں کر دی۔ اتفاقاً ایک بنیے کی دکان سے کچھ سودا خریدنے بھی ہرکارہ آیا۔ بنیا پڑھا لکھا تھا۔ ایک تختی پر بڑی بہی جیسا حساب کتاب لکھتے تھے۔ ہرکارے نے وہ کاغذ ان کے حضور میں پیش کیا۔ منشی جی نے منشی کیست کے مقابل میں تحریر فرمایا "خوشنویس" اور منشی گری چیست کے جواب میں لکھا "تقلیل دال" یا مختصر نویسی۔ ہرکارہ ناراض ہو کے گزرے الفاظ جواب کی پیمائش کی۔ آٹا دال بنیے کی دکان پر چھوڑ کے "تقلیل دال" اٹھایا اور سیدھا حاضر دربار ہوا۔ نواب صاحب نے دیکھتے ہی حکم دیا کہ ابھی جاؤ اور منشی کو باحترام یہاں لاؤ۔ اس ایک حرفی جواب کی بدولت منشی جی سرکاری میر منشی مقرر ہو گئے۔ آٹے دال کا جمع خرچ لکھتے لکھتے۔ زمانہ نویسی بن بیٹھے۔

انجانب کا سوال بھی چار حرفی ہے یعنی "ظریف کیست و ظرافت چیست" امید ہے کہ آپ اپنے دستور کے مطابق ایک مختصر و جامع تعریف ظریف و ظرافت کی لوکرہ قلم بلاغت رقم فرمائیں گے۔ نواب وزیر اودھ کی طرح بندہ تنگ جیالا نہیں ہے لہٰذا دیکھیے کہ آپ کو سہ یا دو ملی عبارت لکھنے کی اجازت دیتا ہوں یعنی "حد ظریف و ظرافت" مختصر ہو شرح و تمثیل، توضیح میں تطویل کا اختیار ہے۔

بارہا یہ سنتا ہوں کہ عبارت یا فعل کو آجکل کے لوگ ظرافت میں شامل و داخل کرتے ہیں مگر درحقیقت وہ صنف ظرافت سے متصف ہے تو جناب والا

مذاق کی فہرست سے خارج کر دینے کے قابل ہیں کیونکہ جناب میں ہنسنے کا مادہ تو ہے خوب ہنستے ہیں اور جس کسی کی ذات پانسل پر جناب ہنستے ہیں وہ کمبخت اپنے نصیبوں کو روتا ہے لیکن ہنسانے کا مادہ مطلق نہیں۔

مولانا! ... بہرحال دنیا کلید ذرہ ظرافت رفو فرمائیے .... فقط

پنچ: حضرت! آپ کی ذری سی ٹیڑھی منطقی حدود میں حال کی ظرافت سما نہیں سکتی۔ دنیا جس چیز کو ظرافت کہتی ہے اگر وہی ظرافت ہے تو ابد دولت و اقبال ان ظریفوں کے جھرمٹ میں شامل ہونا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ مذاق جداگانہ اخلاق متنوع منحصر ہو تو کیونکر؟

لغت میں "ظرافت" کے معنی ہیں حسن اور عقل یا ایسی چیز جس میں کوئی دوسری چیز سما سکے۔ محل استعمال کے بدلنے سے جس طرح تمام الفاظ کے معنی بدلتے ہیں اسی طرح اسکے بھی۔ "غلام ظریف" کے معنی "بن چھوکرے" ہوں گے۔ اور "شاب ظریف" کے معنی "جوان زیرک"۔ کوئی کہے "ما اظرف الرجل" تو مطلب یہ ہوگا کہ "یہ کیسا حسین اور عقلمند ہے"۔ [illegible] "نقی الظرف" کہیں تو سمجھا جائیگا کہ فلاں شخص امین ہے خائن نہیں۔ پاک باطن ہے۔ "ظریف اللسان" سے مقصود "حکیمانہ کلام کرنے والا" ہوگا۔ (الی غیر ذلک)

تمام لغت کی کتابیں چھان ڈالیں مگر کہیں ظریف کے معنی مسخرے یا یاوہ گو اور بھانڈ کے نہ ملے۔ یہ تو ہوے لغوی معنی۔ اب سنیے کہ ہماری اصطلاح میں ظرافت خوش طبعی بشاشت اور دانائی کے مجموعے کا نام ہے۔ جس کسی سے یہ فعل سرزد ہو وہ "ظریف"۔ غرض و غایت ظرافت بھی نہایت اہم ہے یعنی حماقت اور علمی یا اخلاقی عیوب کی دلچسپ طریقے سے اصلاح کرنا۔ بشاشت و خوشدلی اور کیاست اس وقت تک مطبوع نہیں ہو سکتی جب تک فصاحت اور "حسن ادا" اس کے شریک حال نہ ہو۔ لہذا ظرافت کے لیے فصاحت بھی ضروری شے ہے۔ دوسروں کو ہنسا دینا اس کے واسطے لازم نہیں۔ اس قید سے وہ مسخرا پن خارج ہو گیا جس سے کوئی عقلی یا علمی یا اخلاقی فائدہ وابستہ نہ ہو۔ ظرافت اور مسخرا پن دونوں مزاح کی قسمیں ہیں اور اسی وجہ سے شرع میں "مزاح المؤمنین" محمود ہے (جو ظرافت ہی کی ایک قسم ہے)

مسخرا پن اور ٹھٹول۔ ایک حکیم ناموس و اخلاق کے اس کلام میں لفظ "مزاح" سے ٹھٹول یا مسخرا پن مراد ہے

لا تمزحن الرجال ان مزحوا
لتذاقوا ما ثما ذهوا اسلوا

(لوگوں کے ساتھ ٹھٹول اور تمسخر کرنے والوں کو آشتی و صلح سے رہتے نہیں دیکھا) بات نہایت مجرب ہے۔ دل لگی ہی دل لگی میں جوتا چلتے بارہا دیکھا گیا۔

سطور بالا سے واضح ہے کہ ظرافت کے جتنے معنی لیے گئے ہیں وہ سب حسن و خوبی سے متعلق ہیں مثلاً کیاست۔ حسن کلام۔ حذاقت۔ ذکاوت قلب۔ وسعت ظرف وغیرہ۔ کیا کہنا اس شخص کا جسے خدا نے ملکۂ ظرافت عطا کیا ہے۔ وہ ظرافت یعنی مزاح جس کا تعلق عقلی و اخلاقی و علمی مصالح و محاسن سے کبھی قطع نہیں ہوتا۔

جناب مستفسر صاحب آپکے خط کا آخری جزو اشاعت کے قابل نہ تھا۔ ہاں ابد دولت و اقبال نے ایسے قصے دیکھے ہیں جن کے مصنفوں نے اپنی ذات یا اپنے رشتہ داروں کی ذات یا کسی عمدہ اور مبنی بر حسن خلق فعل کے ساتھ مسخرا پن کیا ہے۔ مگر اس سے کیا۔ ہم کوئی قاضی نہیں۔ مذاق ملک بگڑ گیا ہے تو مجبوری ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ہمیں بایں بشاشت و کیاست کوئی نہ پوچھے گا تو بلا سے۔ (حالانکہ اب تک مذاق نہ بدلنے سے ہمیں کوئی ضرر نہیں پہونچا۔ خدا رکھے اُن صاحبان ذوق کو جو ہنستے ہنستے پائجامے سے باہر ہو جانے پر صرف مسکرا دینے کو ترجیح دیتے ہیں)۔

ایک قسم مزاح کی مزاح بے معنی بھی ہے۔ جتنے نمونے آپنے پیش کیے وہ مزاح بے معنی کی حد میں ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے کلام کو پرلطف بنانے کے لیے اپنی بوڑھی نانی کا حلیہ یوں کھینچے تو ہمیں کیا۔

"دیکھتا کیا ہوں کہ نانی اماں ڈھیلے ڈھالے پہل میں گرد گلانے پہلے منہ میں کٹے ہوئے پان کا ملغوبہ ٹھونسے کانپتی تھرتھراتی چلی آتی ہیں۔ آتے ہی میری بلائیں لیں کہنے لگیں بیٹا تھوڑی دیر کے لیے کبھی کبھی مجھ بوڑھیا کے پاس بھی چلے آیا کرو۔ آپ سمجھ لیجیے کہ ان کے منہ سے جتنی مرتبہ یہ مخلوط الفاظ ادا ہوئے اُتنے ہی نقطے پیک کے میری سفید اچکن پر پڑ گئے۔ [illegible] "فقرہ" [illegible] غضب یہ کہ [illegible] کی [illegible] پالا پڑنا۔ دو آدمی جب [illegible] کبھی [illegible] ہوتا [illegible] منہ پر تک کی چھینٹیں [illegible] کے لفظ پر کمبخت کے ساتھ [illegible] سال کبھی نہیں بھولوں گا وہ بولیں "تھوڑی" [illegible] تھوڑی نہیں "تھوڑی"۔ اس کے بعد مجھ سے لپٹ گئیں لگانے کے بہانے میرے تمام ذہن کو سینہ کی تصویر بنا دیا اور پھر ایک عدد خونی بوسہ میری پیشانی پر اس طرح دیا کہ دونوں رنگین ہونٹوں کا شکر اہوا عکس میرے آئینہ جبیں پر مرتسم ہو گیا۔ [illegible] سے جو بھی [illegible] نصیب کی طرف مائل ہوئی میرے منہ کو [illegible] بنا گئی۔ [illegible] .... الخ

ہم خدائی فوجدار نہیں۔ ظریف مصنف نے اپنی نانی کا خلقی عیب چن کے رکھ دیا خوش فہم ناظرین سے ظرافت نگاری کی [illegible] حاصل

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قواعد ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۱۲

بعدالت مال اجلاس جناب منشی اعزاز رسول صاحب بہادر آنریری اسسٹنٹ کلکٹر درجہ اول سندیلہ مقام تحصیل سندیلہ ضلع ہردوئی

ماتا دین وغیرہ مدعی

بنام

لال بہادر سنگھ وغیرہ مدعا علیہم

بنام لال بہادر سنگھ و [illegible] سنگھ پسران [illegible] سنگھ و [illegible] سنگھ [illegible] بابو سنگھ و رام پال سنگھ و [illegible] پال سنگھ نابالغان بولایت [illegible] سنگھ پسران [illegible] سنگھ و رام سنگھ و سیتلا بخش سنگھ [illegible] شیام لال [illegible] ساکنان [illegible] ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت [illegible] کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم تاریخ ۱۹ ماہ اگست ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن بمقام سندیلہ اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے بخوبی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوے کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم بتائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ماہ ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

وقت حاضری بدفتر ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

شادی کا بوجھ نہیں لگا بھاری

انڈیا جان :- اوہ ! آہ !! دیا رے دیا -

جھیل کی بیگم (پارلیمنٹری کمیٹی) :- اے ہے بس دس ہی کرو ابھی سے بوجھ میں آدھی ہونے لگی کیا کہو نہیں یہ اصلاحی منگنی کا بوجھ ہوا - شادی ہونے تک اور بڑھے گا -

جاری شدہ ۱۸۳۹ء
عمدہ خوشبو
عطر و تیل دل
اور دماغ کے لیے
مفید
ہوتے
ہیں!
ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ لکھنؤ
اصغر علی محمد تاجر عطر لکھنؤ
شاخیں: قنوج حیدرآباد دکن دہلی منصوری

کی داخل گیری اختیاری کا فقدان ہے نے مجبور کردیا کہ آج اس ظرافت نگار کا جو اپنے ملال کی نہیں قسم بجا ظرافت کر اسکا بانی کو دیکھ کے اس شخص کو اپنی نادانی کی حرکتیں یاد آگئیں غضب کا وہ ظرافت نگار ہے جس پر بھی ایسی ہی واردات گزری کہ مجبور یہ سلیقہ نہ تھا کہ اسے ظاہر بھی کرسکتا۔ جیسے جیسے مرا جسل ختم کتاب بالقوی بالفرد ظرافت ختم۔ ہوا جاتا ہے۔

یا فرض کیجیے کسی صاحب نے اپنی جوروکو ان الفاظ میں دنیا کے سامنے ہنسنے کے لیے پیش کیا تو ہمارا اجارہ نہیں۔ صاحبزادے سے پیدا ہی اسی لیے ہوئے تھے کہ ماں بہن۔ جوروکی چوٹ کھاکر ہنسوا کے خلقی یا فطری یا پیدائشی ظریف کہلائیں اور دنیا ان کو مذاق عام کا مصلح حقیقی قرار دے۔

" بی بی نے منہ آورد کہا تاڑ۔ میری مچھلیاں جو ابھی کے بیٹھانے سے ایک جول سر پر پڑی اماں کو اس پر ملیش آیا کہ سو میرے حقوق غصب کیے لیتی ہے۔ مارنا پیٹنا ان کا فرض ہے نہ دلہن کا۔ بہن اس بات پر جھلائیں کہ ہم جو کبھی ببول کی چھڑی میں بھیا کو جو ادیتے تو اماں چراغ پا ہو جاتی تھیں۔ اللہ بھابھی تو ابھی چار دن ہوئے آئی ہیں ان کا انتالڈ نہ ہو گیا۔ غرضکہ ہم خوب پٹے۔ بہن نے بلاؤ چونا لگایا۔ نانی اماں نے تیلی دانی (کستر یا چھوٹا سا برتن ان ظاہرا جس میں ملائی بھرتی یا نیم کی ڈبیا اور چھوٹی چھوٹی ضرورت کی چیزیں رکھی جاتی تھیں) سے موسیائی کی ڈبیا نکال کے موسیائی نکالی اور گولی کے پلائی۔ والد مرحوم اگلے وقتوں کے آدمی تھے بھلا انھوں نے ہماری بی بی کے ایسے ہائے پیارے درد انگیز نخرے کاہے کو دیکھے تھے۔ الخ

یہ عبارتیں اگرچہ فرضی ہیں۔ ان کی لفظ بہ لفظ نقل مصلحت کے خلاف تھی پھر بھی ہم نے اصلی کتابوں کے مفہوم کو تبدیلی الفاظ بیان کیا ہے۔ آپ دیکھیے دنیا دیکھے۔ خوش فکر ظرافت کا تاج آراستہ کیا جائے القاب عنایت ہوں۔ تاج الظرفا ابوالظرفا۔ آدم الظرفا چشم ما روشن دل ما شاد۔ اول تو یہ پردہ نشین عورتیں اس سے واقف نہیں کہ انصاف کا

ایک ذریعہ دفعہ (۵۰۰) تعزیرات ہند بھی ہے۔ اگر واقف بھی ہوں تو اپنے گھر کی بات فریق مخالف سے انتقام کا تیا پانچہ کیونکر آسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جہاں کمال نفس و محاسن اخلاق روز ہی کا مشغلہ لیے ہوئے ہیں وہاں عزیز محنت کی ہجو بھی اگر قوت لاہوت کا ذریعہ ہو گئی تو کیا نقصان ہے۔ دنیا ایسی چہل کو پہلے تو بنظر استحسان دیکھے گی پھر خود بھی اس رنگ کی مقلد ہو کے بیہودگیوں کو ظریف عکس نائب مقرر کردے گی یہ عیب عام ہوا اور عیب نہ رہا۔

ان حیاداروں پر آجکل بڑے بڑے فلسفیانہ مضامین لکھے جارہے ہیں جو حسن قبول کی دلیل قوی ہیں۔ بھانڈ بھگیتے بیچارے ناحق بدنام ہیں وہ بھی تو کرتے ہیں کہ سر محفل جوتیوں کے تلے کھاتے ہیں یا پھولا ہوا پیٹ چمکاکے پائجامہ گراتے اور نیم برہنگی کے بعد سنبھالتے ہیں؟ اگر قصیدہ خوانی کا سلسلہ ان ظرفائے وقت کے حق میں اسی طرح باقی رہا اور رجزخواں نے ان ظرافتوں کو اسی طرح سر آنکھوں پر بٹھایا تو بشاشت یا لطیف شوخی کے ساتھ دل میں سما جانے والی نصیحتیں دنیا سے مفقود ہو جائیں گی اور مہذب بھانڈوں کے ہاتھ میں سمند اخلاق کی باگ ڈور چلی جائے گی۔

الغرض علمی فوائد یا بذلہ سنجی یا اخلاقی و عظ یا دانائی آمیز لطائف یا سیاسی یا ملکی اصلاح پر طبیعتیں رجوع نہیں تو آپ کو ہم سے باز پرس کرنا بھی مناسب نہیں۔ مناسب یہ ہے کہ آپ اسی قسم کے افسانے اٹھائیے اور ہماری طرح بہ تبدیلی الفاظ ان کے مفاہیم ادا کرنے کے بعد جو بد اخلاقیاں ان سے پیدا ہونی مقصود ہیں ان کو آخر میں بیان کر دیجیے تاکہ دنیا متنبہ ہو۔ مگر خدا کے لیے کسی کتاب یا مصنف کا نام نہ لیجیے گا۔ اس لیے کہ ہم ان باتوں کو بھی ظرافت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ فقط

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۱۴)

صاحب نور اللغات رقمطراز ہیں "آپ ہر فن مولی ہیں" اور معنی لکھتے ہیں "جب کوئی شخص کسی بات کا دعویٰ کرتا ہے تو طنز سے کہتے ہیں اس پر کیا موقوف ہے "آپ ہر فن مولی ہیں"

اول تو یہاں بھی مثل دوسرے الفاظ کے جو "آپ" کے تحت میں تحریر کیے گئے "آپ" کے معنی نہیں بدلتے۔ لہٰذا اس محاورے کو "ہر فن مولے" لینے ہائے ہوز کی بحث میں درج کرنا تھا۔ دوسرے یہ کہ دعوے کی قید بیکار ہے۔ یہ طعن و تشنیع کے محل پر بھی بولا جاتا ہے اور اظہار حقیقت کے طور پر بھی۔ جب تشنیع مقصود ہوتی ہے تو قائل دعوے کو غلط اور باطل سمجھ کے کہتا ہے ورنہ واقعہ کا اظہار کرتا ہے۔ چاہے منسوب الیہ دعوے کرے یا نہ کرے مثلاً ہمارے حاجی زمزم صاحب کے بارے میں کوئی کہے "وہ تو ہر فن مولی ہیں۔ اتنی بڑی لغت اکیلے لکھ ڈالی" تو یہ طنز نہیں۔

"آپس" کے ترکیبات میں لکھتے ہیں "آپس کا معاملہ" باہمی معاملت۔ یگانیت کا معاملہ"

اے سبحان اللہ مؤلف صاحب واقعی صحیح لکھنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے "یگانیت" بہت صحیح لفظ ہے۔ نجیب الطرفین اور رضامن النخاص "عربی" کیوں نہ جناب مؤلف صاحب یگانیت کی جگہ "آپسیت" لکھتے

ہندی کنسرویٹو ڈاکٹر: بولنے کی تو ممانعت ہے مگر سن لو۔ اس جکڑ بند کے باوجود بھی تم ہل ڈول سکتے ہو۔ خیر کچھ دنوں تو یوں ہی پڑے رہو پھر دیکھا جائے گا۔ نسخہ سادہ ہے۔

کیا مضائقہ ہے؟۔

تحریر فرماتے ہیں: "**آتش پنہاں**" (ف) مؤنث۔ وہ آگ جو جسم میں چھپی ہوئی ہوتی ہے اور رگڑ یا ضرب سے ظاہر ہوتی ہے"

واقعی خوب کہی۔ دیاسلائی کی ڈبیا میں جو آگ ہوتی ہے وہ آتش پنہاں نہیں کہلائی جا سکتی۔

رقم طراز ہیں: "**آتش بے دود**" (ف) شراب۔ آفتاب۔ غصہ" لیکن یہ نہیں فرماتے کہ اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہوا۔ نیز یہ کہ شراب آفتاب اور غصہ کا یہ نام حقیقت پر مجاز ہے کنایہ ہے استعارہ ہے تشبیہ ہے آخر ہے کیا بلا۔ اور شاعر کے اس شعر میں مذکورہ صدر تین معانی سے کون سے معنی لیے جا سکتے ہیں ہ

ازسادہ رخان رتبہ جانست دل ما
زیں آتش بے دود کباب است دل ما

یہ آتش بے دود نہ شراب ہے نہ آفتاب ہے نہ غصہ ہے۔

لفظ فارسی ہے اردو میں بہت کم مستعمل ہے۔ جو معنی مؤلف صاحب نے بیان فرمائے ہیں وہ خالص فارسی نوعیت کے ہیں۔ اگر فارسی معانی لکھے تھے تو سب لکھ دیے ہوتے۔ واضح رہے کہ آتش بے باد۔ آتش بے زبانہ آتش بے دود۔ کے ترکیبات لعل ویاقوت وعقیق سرخ وقہر وغضب وظلم وستم وشراب وآفتاب ور وسے سادہ کے معنی میں شعرا نے استعمال کیے ہیں اور محل استعمال سے ان الفاظ کی تخصیص کسی ایک معنی کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ مثلاً حکیم شفائی کہتے ہیں ہ

ساقی بیا و آتش بے دود برفروز
از نور بادہ مجلس مقصود برفروز

یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شراب سے کنایہ ہے۔

فرماتے ہیں: "**آتش زبانی**" (ف) مؤنث آگ لگانا" حالانکہ "آتش زبان" مرد تیز زبان وگرم خو وطعن کنندہ کو کہتے ہیں۔ "آتش زبانی" مطلق آگ لگانے کے معنی میں ہماری نظر سے نہیں گزری۔ اتنا جانتے ہیں کہ یہاں کہیں لفظ اپنے معروف معنی کا نہ ہو نہیں کرتی ہاں اس کا مفہوم مراد لیا جاتا ہے۔ مثلاً آگ دوسرے کو جلا دیتی ہے۔ جلنے والا ایذا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آتش زبانی سے مخاطب کا دل جلتا ہے۔ یا دل میں آگ سی لگ جاتی ہے مزاج گرم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی گھر میں دیا سلائی لگائی جائے تو اسے "آتش زبانی" ہرگز نہیں کہتے۔ یکچ ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہو۔ اور "آتش زبانی" دراصل "آتش زنی" ہو۔ لیکن یہی جگہ اگر آتش کے حقیقی اور مجازی یا مجازی معنی لکھ دیے جاتے تو یکار سادہ کا افسردہ نہ ہوتا۔

فرماتے ہیں: "**آتش عنان**" (ف) صفت۔ تیز رو" خدا جانے انسان تیز رو یا اسب تیز رو۔ آیا انسان تیز رو کو بھی (بدون استعارہ) کہہ سکتے ہیں کہ آپ بڑے آتش عنان ہیں؟۔

صاحب جامع اللغات لکھتے ہیں: "آپے سے باہر ہو جانا یا ہونا۔ (ف۔ لازم) نہایت خوش ہونا۔ سخت غصے میں ہونا"

دوسرے معنی تو خیر۔ مگر نہایت خوش ہونے کے معنی میں ہم نے کسی فصیح کو بولتے نہیں سنا۔ مؤلف کے نزدیک یہ لغت اضداد میں سے ہے۔ مگر نہیں ہمیشہ خوشی کے کل پڑ جانے میں پھولے نہ سمانے کہتے ہیں نہ "آپے سے باہر ہو گئے"۔ غالباً مؤلف نے اسے "بیخود ہو جانے" کے ہم معنی سمجھ کے خوشی اور غضب دونوں موارد پر لے لیا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسی کوئی مثال موجود ہو مگر وہ پرانی اور متروک ہوگی۔ "آپے میں نہ رہنا" البتہ بے ہوش وخود ہو جانے کے معنی رکھتا ہے۔ محاورے میں قیاس کو دخل نہیں۔

صاحب جامع اللغات نے بھی آتش کے ترکیبات غالباً نور اللغات سے نقل کیے ہیں لہذا جو اعتراض نور اللغات پر کیے گئے وہی جامع اللغات پر بھی وارد ہوے مثلاً آتش پنہاں۔ آتش بے دود اور آتش زبانی کا حل اسی طرح کیا گیا ہے جیسا کہ نور اللغات میں کیا گیا صرف الفاظ کا پھیر ہے اور ایک آدھ جگہ بیجا دنبالہ بھی ہے۔ شاید اس لیے کہ نظر نہ لگے یا اس خیال سے کہ کہیں تو اپنی استعداد علمی سے کام لینا چاہیے۔ چنانچہ آتش زبانی کا ترجمہ یوں کیا ہے "آگ لگانا۔ تیزی تقریر"

دوسرے معنی قرین صواب ہیں۔ اور معنی عدم منقول از نور اللغات۔ اگر دیگر الفاظ کو بھی صاحب جامع اللغات اپنے طور پر حل فرمانے کی سعی کرتے تو انہیں قاضی نہ بننا پڑتا۔ حیدر آباد دکن میں قاف کی جگہ خے اور خے کے عوض قاف بولا جاتا ہے۔ قاضی صاحب نے اپنے حیدر آبادی خادم کو حکم دیا "جاؤ قینچی قلم قلمدان اٹھا لاؤ" تلاش پر مطلوبہ چیزیں نہ ملیں تو خادم نے پکار کے عرض کیا۔

"خاضی صاحب! خاضی صاحب!! نہ یہاں چاخو ہے نہ خلم ہے نہ خینچی ہے نہ خلمدان ہے" قاضی صاحب جھلا کے بولے۔ کمبخت کہیں تو قاف بولا ہوتا۔ نوکر نے کہا "تخصیر بہت خوب" (قصور) (قوب)

(باقی نہیں باقی آیندہ)

ر۔ ا۔

ادیار اللغات

ضروری گزارش جن حضرات کے نام وی پی روانہ ہو چکے ہیں وہ مہربانی فرما کے وصول فرمالیں۔ باقی والا حضرات قیمت کا منی آرڈر جلد از جلد بھیج کر شکر گزار فرمائیں۔ (منیجر اودھ پنچ لکھنؤ)

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(از رو قواعد ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۲۳ سنہ ۱۹۳۶ء
عدالت جناب مرزا جعفر حسین قزلباش اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم
مقام تحصیل ملیح آباد ضلع لکھنؤ
بابو حیدر کاکش بنگلہ وغیرہ پرسیال گھوان پرگنہ سوہ تحصیل ملیح آباد
ضلع لکھنؤ مدعیان

بنام

(۱) برکات احمد ولد عبد الرزاق (۲) عزیز احمد (۳) رفیق احمد (۴) محمود احمد پسران عبد الاحد اقوام شیخ ساکنان قصبہ سوہ پرگنہ سوہ تحصیل ملیح آباد ضلع لکھنؤ مدعا علیہم

واضح ہو کہ مدعیان نے تمہارے نام ایک نالش بابت ... الگان کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۲ ماہ اگست سنہ ۱۹۳۶ء بوقت ۱۰ بجے دن بمقام تحصیل ملیح آباد اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے کما حقہ واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوی کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم تائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔ بثبت مہر وستخط عدالت کے آج بتاریخ ۱۰ ماہ اگست سنہ ۱۹۳۶ء جاری کیا گیا۔

مہر عدالت

دستخط حاکم بخط انگریزی

(اگر آپ کا مقدمہ معاملہ محبت)

آپکی ہر مشکل کا ٹھیکہ — بیماری مصیبت تنگی میں گرفتار ہے

صرف مبلغ عہ مع محصول ڈاک بھیجکر کتاب اعجاز زاہدی حصہ

اول و دوم اور لاٹری نجیو تبانیوالی کتاب منگا لیجیے اگر آپ کی

مشکلات چند روز میں سطرح سے آسان ہونگی آپ حیران ہونگے

اگر کتاب آپکے کام نہ ہو یا آپکی مشکل آسان نہ ہو تو حلفیہ

قیمت واپس کتاب مفت۔

عامل لکھنوی۔ بمکان قاضی صاحب

عامل قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور

قواعد و ضوابط ادارۂ ہذا

(۱) مفصل فہرست عز و جل ہر ہفتہ کی ۵-۱۲-۱۹-۲۶ تاریخ کو شائع ہوتی ہے

(۲) اودھ پنچ میں ملکی خبریں، تہذیبی جھگڑے اور سنجیدہ مضامین نہیں
نہ تیرہ برس سے اپنی جماعت پر فائق اور مقولات تک پہنچا رہا ہے۔

(۳) قیمت کی زیادتی پر نہ جائیے۔ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھانے والے
کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت، رائے کی اصابت
رودرعایت سے بلند نتیجہ صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات
اخلاقی و سیاسی ادبی پر نظر رکھیے انشاء اللہ سال بھر کے
مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائینگے جن کا ثانی
کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

(۴) اجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ پیشگی لی جاتی ہے۔

(۵) طلبا و شاگردان مدارس سے بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر
سالانہ قیمت صرف للعہ لی جائیگی۔

(۶) پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع ۱۵ دن کے اندر دیجیے ورنہ بعد میں ممکن
ہے کہ نہ مہیا کیا جا سکے۔

(۷) جو مضامین اودھ پنچ کی صلح پالیسی کے مطابق نہ ہونگے
وہ شائع نہ ہونگے اور اُن کی واپسی پر ہم مجبور نہیں ہیں۔

(۸) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔
مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو۔

نوٹ:- جو حضرات خریدار ہیں انھیں خطوط اور منی آرڈر میں
نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا
ہوتا ہے۔ جواب طلب امور کے لیے کارڈ یا لفافہ آنا لازمی ہے۔

احمد حسین بدوی منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

شرائط ایجنسی اودھ پنچ

(۱)- روپیہ نقد جمع کرنا ہوگا۔

(۲)- رقم جمع شدہ کے ادا ہونے ہی پرچے کی روانگی موقوف کر دی جائیگی

(۳)- پانچ پرچے فی ہفتہ سے کم کی ایجنسی قبول نہ کی جائیگی۔

(۴)- بحساب فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم
کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائے گا۔

کسی حالت میں بھی پرانے پرچے واپس نہ لیے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۸ — نمبر ۲۹

مضامین

مورخہ ۱۹- اگست ۱۹۳۳ء

نیم پڑھے لکھے جورو خصم کا مکالمہ

سہارنپور کی زبان میں

(پہلے سلسلے کے لیے دیکھو اودھ پنچ ۲۶- جون ۱۹۳۳ء)

زوجہ: "آج تڑکے سے کہاں کی تیاریاں ہو رہیاں ہیں؟"

شوہر: "کلکٹر صاحب کی کوٹھی پہ انجمن احباب (امن سبھا) کا جلسہ ہے۔ اس میں مجھے بھی بلایا ہے۔ وہاں جا رہا ہوں۔ میں نے کہا نہیں تھا کہ ۱۱- جنوری کو جلسہ ہے؟"

زوجہ: "کچھ خبر لی ہے کیا بٹے گا؟ میرے واسطے بھی لائیو۔"

شوہر: "بٹے گا! ابی اور کچھ گانٹھ سے دینا پڑے گا۔"

زوجہ: "ہاں جی پہلی دفعہ سو روپے دے آئے تھے ایسے اور کچھ بھینٹ چڑھا دینا۔ یوہ جیداد یک یک کے ایسے ہی ایسے نکمے کاموں ماں غارت ہوگی۔ اور جو کہوں ہوں کہ لونڈیوں کے ہاتھ پیلے کردو تو اس پر سو بہانے ہولیں ہیں۔"

شوہر: "وقت بہت تنگ ہو گیا ہے۔ آٹھ بجے سے جلسہ شروع ہو جاگا۔ ان باتوں کی اس وقت فرصت نہیں۔"

زوجہ: "کس وقت لوٹوگے۔ کھانا تو وہیں کھاؤگے؟"

شوہر: "کھانا کیسا؟ بارہ بجے تک جلسہ ہے۔ گھر آکر کھانا کھاؤں گا۔"

زوجہ: "میں تو سمجھی تھی کہ آج پانچوں تر ہیں۔ لوگ خوب کھانوں پہ ہاتھ ماریں گے۔"

(میاں چلے گئے اور بارہ بجے کے بعد واپس آئے تو بیوی نے دریافت کیا)

زوجہ: "کہو آج کیا تماشا ہوا۔ کتنا چندہ ہوا؟ تم تو ضرور ہی کچھ دے کے آئے ہوگے۔ نہیں تو دینے کا وعدہ کر آئے ہوگے؟"

شوہر: "کوئی دو ہزار روپے چندہ ہوا۔ اور اسی قدر وعدے ہوے۔ میں بھی پونے دو سو دینے کو فہرست میں لکھ آیا ہوں۔ اور بہت کچھ ہوے آدمی بہت تھے۔ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ آج بھی شیخ نثار احمد صاحب کی نظم دیہاتی بولی ماں بڑی مزیدار اور فسٹ رہی۔ ہر طرف سے خوب واہ واہ ہوئی۔ تالیاں پٹیں۔ لو سنو آج انھوں نے کا پیاں چھپوا کر بانٹی ہیں:-

آج یو جو جلسا ہوا ہے بڑی ہی ہیر ما ن ۔۔۔ سوچ کچھ کھینچے ہے ہیں تا ولا ہر ان گھر ماں

آج جتنے ماں لچھے کو نظر یہ صاحب آئے ۔۔۔ بھلے جتنے ماں کو تیس پچھ کہاں تے لائے

ان کی باتاں تو بڑی سوتھری ہیں بھائیو ۔۔۔ بھالیے کی ہیں سبھی تھارے عمل ماں لائیو

کانگرس والے کہیں ہیں سبھی چرکھا کاتو ۔۔۔ بیراں بنجاؤ سبھی پہر کے گھگرا ناچو

اب بھی کچھ آیا نہیں تم کو جب لے کر سانڑ دو ۔۔۔ دھوکے ماں کس سے تمہیں ڈالا ہی یو کچھ جانیو

کھاہم کھا چلتے ہیں یو لوگ تو دیکھنہ دھیلیاں ۔۔۔ میٹھے میٹھے ان ہیں پر اٹھا ہے دکھڑا گھر ماں

جانڑ تو ساتے گئے اب جان ہیں کہ یا ڈھ سبھی ۔۔۔ دھوکے ماں ڈالتے ہیں لوگوں کو یو سب کانگرسی

ان کی تم بات نہ ہر گز کبھی سنڑیو بھائیو ۔۔۔ ان کی آواج کی ڈھب کان نہ ہر گز دھریو

تھاری سرکار کو ہر تم سے جیادہ الپھت ۔۔۔ تم بھی کرتے رہو بڑھ چڑھ کے ہمیشہ کھدمت

تھاری سرکار ہے تم سب پہ بڑی ہی راجی ۔۔۔ پھائدہ جس میں ہووا وہ کام ہے تھارا کرتی

دیکھو ریلاں تھاری کھاتر ہیا چلائیں بھائیو ۔۔۔ نہراں یا نڑی کے لیے جاری کرائی بھائیو

تار اک پل ماں کھبر لاوے ہے دو دس کی جلدی ۔۔۔ تاؤ لا جالے ہے کھط بھیجے ماں ور دل یہ بھی

موٹراں ریل نے بھی بیچ پھیروں ہیں گھر گھر ۔۔۔ ملی تے دھرے کو لاڑ کی تے مجھر ہی نگر

لاکھوں کوسوں ہیں گھنٹوں ماں پہنچاتی ہے ۔۔۔ کھیر سلا کی کھبر منٹوں ماں سنڑواتی ہے

پکی سڑکوں پا بھی بھاگے ہے یو ٹم ٹم کرتی ۔۔۔ ندی نالے تے بھی ٹیہ تو نہیں ہر گز ڈرتی

ایسی سرکار کہیں پہلے بھی دیکھی ہے کدی ۔۔۔ سچ کے تم کہو اے بھائیو اب سب کے سبھی

سیکھ نثار اب جان گئے دیتا ہے سنڑ لو بھائیو ۔۔۔ کانگرس والڑوں کی ڈھب بھول کے بھی نا جائیو

طرف - پاس

زوجہ: "خوب کہی۔ پھر کیا ہوا؟"

شوہر: "بہت لوگ سرکار کے طرفدار ہو گئے۔ اور کانگرس کی طرف سے تمام خیالات پھر گئے۔ یہی اس جلسے کا مقصد تھا۔ امید ہے کہ اس ضلع میں اب یہ زور و شور نہ رہیں گے۔"

زوجہ: "تم نے جو پونے دو سو روپے دیدیے تمہیں کیا ملا؟"

شوہر: "مجھے کیا ملا۔ مجھے عزت ملی کلکٹر صاحب نے شکریہ ادا کیا چلتے وقت ہاتھ ملایا۔ نام آوری ہوئی۔ بڑے بڑے آدمیوں کی فہرست میں میرا نام شائع ہوگا۔ حکام کی نظروں میں آیندہ وقعت رہے گی۔ کسی نے کہا ہے۔ مرد مرے نام پہ نامرد مرے نان پہ۔"

زوجہ۔ "جی ہاں! گھر پھونک تماشا دیکھنا اسی کو کہیں ہیں۔ گھر میں بیوی ترسے پان کو باہر میاں بتیسی دکھائے۔"

خواجہ محمد باقر حسن سہارنپوری

بانگ درا

(گزشتہ سے پیوستہ)

گل رنگین اپنے آپ کو طفل تسلی دینے۔ سب سے اچھا سمجھنے اور رکھانے کا جذبہ ہر آدمی میں موجود ہے۔ جب اقبال کی نگاہ نے گل رنگین میں فقد کو لی کی

نہ دیکھی تو اس کو بے گداز آرزو قرار دے کر اپنا مرتبہ گویا بڑھا دیا ۔
زیب محفل ہے شریک شورش محفل نہیں یہ فراغت بزم ہستی میں مجھے حاصل نہیں

اور تیری زندگی ہے بے گداز آرزو

حالانکہ اپنی زبان سے یہ اقرار بھی ہے کہ میں زیب محفل نہیں ۔ مجھ سی فراغت مجھ کو حاصل نہیں ۔

اگر آج سے بیس برس پہلے یہ شعر کہا گیا ہوتا تو بڑی حیرت ہوتی ۔ مذ المبلا (؟) سر جے سی بوس کا انھوں نے اپنے متعدد تجربوں سے ثابت کر دیا ہے کہ پھول پتیوں میں بھی حسیات اور جذبات ہماری ہی طرح موجود ہیں ۔ وہ ہنستے بھی ہیں روتے بھی ہیں ۔ غمگین بھی ہوتے ہیں اور مسرور بھی ۔

اس نئی تحقیقات کے سامنے گل رنگین کا شریک شورش محفل نہ ہونا اور صاحب دل نہ ہونا سمجھ میں نہیں آتا ۔

بند ۲ سے

یہ نظر غیر از نگاہ چشم صورت بیں نہیں
دنیا اب تہذیب کی ایسی منزل پر پہنچ گئی ہے جہاں صدق شعری اور صدق حکمی کے ڈانڈے ملے ہوئے ہیں ۔

بند ۳ سے

مطمئن ہے تو پریشاں مثل بو رہتا ہوں میں
زخمی شمشیر ذوق جستجو رہتا ہوں میں

گل رنگین مطمئن کیسے ہے یہ سمجھ میں نہیں آتا ۔ غالباً غیر از نگاہ چشم صورت بیں اس خیال کی دلیل ہے کانٹوں کی گود میں پلنا ، کلی سے کیس کر گل ہونا ، دامن گلچیں کی تلاش ۔ جستجوئے سوزن ، آرزوئے گوش جاناں اور تمنائے دستۂ گل کسی کی حسرت میں مرجھانا اور ہماری ہی طرح زمین کا پیوند ہو جانا اگر سب کے بعد بھی گل رنگین زخمی شمشیر ذوق جستجو نہیں ہے تو ہم بھی نہیں ہیں ۔ گل رنگین کی پیدائش اور موت و حیات کی تمام منزلیں ہماری ہی جیسی ہیں ۔

مگر نظر ہوشیار اور "نگاہ چشم صورت بیں" میں کچھ فرق ہونا چاہیے ورنہ برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار ۔

عہد طفلی ۔ بند ۱ سے

وسعت آغوش مادر اک جہاں میرے لیے

تھی ہر اک جنبش نشان لطف جاں میرے لیے

درد طفلی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے
شورش زنجیر در میں لطف آتا تھا مجھے

دوسرے مصرعے میں وسعت کے کیا معنی ہیں؟ صرف ضرورت شعری ہے ورنہ مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آغوش مادر میرے لیے ایک دنیا تھی ۔

ہر اک جنبش سے صاف پتہ نہیں چلتا کہ اعضا کی جنبش سے مقصد ہے یا گہوارے کے جھکوں سے مطلب ہے یا خارجی اشیا کے ہلنے جلنے سے ۔ یا آغوش مادر کی جنبشیں نگاہ میں ہیں ۔

درد طفلی غالباً گرد نیپی اور درد بے پدری کی منہ بولی بہن ہے مگر ایسی مختلف کہ پہچانی بھی نہیں جاتی ۔ اڈیٹر مخزن کا ایڈیٹر ہاں اب درد طفلی کو ٹرھا لینا چاہیے ۔

غالباً اس مصرعے کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ جب میں رونے میں بھی زنجیر کی آواز سن لیتا تھا تو بہل جاتا تھا مضمون تھا چھوٹا مگر بتی بڑی زائد بکیا یاد رکھوا کر کے وا سے الفاظ نہ لائے جاتے تو کام کیسے چلتا کاش درد کی جگہ عہد یا دور ہوتا ۔

بند ۲ سے

تکتے رہنا ہائے وہ پہروں تلک سوئے قمر وہ پھٹے بادل میں بے آواز پا اس کا سفر

تکتے رہنا ہائے ! اس کی بھی ایک ہی رہی حیرت اور شوق کے اظہار کے لیے ہائے استعمال ہوا ہے ۔ اور دلی کا یا تو پلٹ ہی رہا ہے ۔ اب یہ واہ رنج وغم کے لیے مخصوص ہو جائے گا ۔ اور ہائے مسرت و حیرت کے لیے

"چاند کا بے آواز پا سفر" اس مصرعے میں تو اچھا معلوم ہوتا ہے مگر وہ بچہ بڑا ہی کند ذہن رہا ہوگا جس نے اس انداز رفتار کو خاص اہمیت دی ہوگی ۔ سورج کا سفر بھی بے آواز پا ہوتا ہے ۔ تارے بھی بے آواز پا ٹوٹتے رہتے ہیں ۔ ہوا بھی بے آواز پا چلتی رہتی ہے ۔ چڑیاں بھی بے آواز پا اڑتی رہتی ہیں ۔ کیڑے مکوڑے بھی بے آواز پا چلتے رہتے ہیں ۔ پھر چاند ہی کی چال میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے تھے ۔

جس طرح حیوانی علم النفس میں انسان کا مشاہدہ ماہی خود اپنے آپ کی ترجمانی کرتا ہے اور مدام مغالطہ کا شکار رہتا ہے ویسے ہی جب کوئی نوجوان طفلی کی روداد بیان کرنے لگتا ہے تو جوانی کی چٹانوں سے بار بار ٹکرا جاتا ہے ۔

مرزا غالب ۔ بند ۱ سے

ہے پر مرغ تخیل کی رسائی تا کجا
تخیل کی رسائی ٹھیک ہے ۔ مرغ تخیل کی رسائی بھی سمجھ میں آتی ہے ۔ مگر یہ پر مرغ تخیل کی رسائی کیا چیز ہے اگر پر کی لمبائی سے مراد ہے تو بہت خوب ورنہ اگر پرواز یا قوت کا اظہار ہے تو رسائی سے منہ کی کھانی پڑے گی ۔

بند ۲ ۔ مصرع ۴ سے

تری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار
کشت فکر سے سبزہ وار صرف اس لیے اگائے گئے ہیں کہ ایران اور ہندوستان کا موازنہ ہو سکے ۔

بند ۳ سے

خندہ زن ہے غنچۂ دلی گل شیراز پر
غالب کو غنچۂ دلی خوب کہا ہے ۔ ابھی کلی کھل کے پھول نہیں ہوئی ۔ کیسری ہیرا آم نہیں ہوئے ۔ مگر مفہوم یہاں بھی ملتا ہے ۔ آخر حافظ پر غالب ہنستے کیوں ہیں ! اس لیے کہ ہنستے ہنستے خود بھی کلی سے پھول ہو جائیں یا اس لیے کہ تینوں کلاؤ میں ہیں

فرماتے ہیں یا اس لیے کہ مل کی گو نہیں کمل شادی مرگ ہو رہے ہیں۔ یا اس لیے کہ حافظا دامن دریا تر ہو کر لطافتیں نزاکتیں اور رموز کھو چکے ہیں یا اس واسطے کہ خود کف مفلس کی طرح بند ہیں اور خواجہ صاحب سست تجلی کی طرح کھلے ہوئے ہیں۔

چند ہم سے

اولے نظارہ آموز نگاہ نکتہ بیں

نگاہ نکتہ بیں کو آئین نظارہ سکھاتا اگر تحصیل حاصل نہیں تو اور کیا ہے سہ

بھلا ترو دبے جاتے اس میں کیا حاصل — اٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو

بچوں کے لیے جو نظمیں کہی گئی ہیں وہ اچھی ہیں صاف ہیں سیدھی ہیں۔ یہاں تو قدرت نظم دکھائی گئی ہے شاندار ترکیبوں سے کام لیا گیا ہے۔

خفتگان خاک سے استفسار صفحہ ۲۴ و ۲۵ و ۲۶

ہاں مگر اک دور سے آتی ہے آواز درا	———
کھینچ لایا ہے مجھے ہنگامۂ دنیا سے دور	دل کر ہے بے تابیٔ الفت میں دنیا سے نفور
ہم نشیں خفتگان کنج تنہائی ہوں میں	———
اور اس بستی پہ چار آنسو بہانے دے مجھے	تھم ذرا بے تابیٔ دل بیٹھ جانے دے مجھے
کچھ کہو اس دیس کی آخر جہاں رہتے ہو تم	———
اور بیکار عناصر کا تماشا ہے کوئی	———

یہ آواز درا ایک پہیلی چیستاں ہے۔ جیسے راہ کی بہو سارے گاؤں کی بہو رانی ہو جاتی ہے۔ جو چاہے سمجھ لیجیے۔ ایسی کفش زریں ہے جو چار نمبر سے لے کر دس نمبر تک کے پاؤں میں پھیل سکڑ کر موزوں ہو جائے گی۔

دل دنیا سے نفور ہے یا متنفر ہے؟ مگر کیا کیا جائے قافیہ دور کا ہے اور دل بھی دور ہے۔

ہم نشین خفتگان کنج تنہائی ہوں میں۔ مزہ دیکھیے کہ بیچارے خفتگان خاک سو من مٹی کے تلے دبے ہوئے خراٹے لے رہے ہیں اور شاعر صاحب نہ جانے کس کے سرو سینہ پر بیٹھے ہوئے ہم نشینی کا دم بھر رہے ہیں۔ سچ ہے چڑیا کی جان جائے لڑکوں کا کھلونا۔

بے تابیٔ دل سے ہم نشینی کے باوجود بھی بیٹھ جانے دینے کی فرمائش ہے اور چار آنسو بہانے کی بھی تمنا ہے صرف قافیہ و ردیف کی مجبوری سے ہے۔

دیس کو بیکار عناصر کا تماشا خوب کہا ہے حذف ظرف نہایت ہی عمدہ اور "آہ" کی معنی خیز ہے قابل داد۔

اصل یوں ہے کہ موت کا چبھتا ہوا کانٹا کسی پہلو آرام نہیں لینے دیتا۔ آخر شاعر بھی تو انسان ہی ہے۔ مگر اس سے کہ سر پر سلسلہ۔ سائل زندہ در گور ہے اور شبہات کا شکار۔ لاطائل سوالات کا ایک دفتر ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتا۔ ڈیکارٹ یا کارٹیشین اسکول کے اور مفکرین کی طرح ہر چیز پر شبہ کرنا بہت اچھا ہے۔ مگر شبہ کرنے کی کوئی غرض ہونی چاہیے۔ محض شبہ کی خاطر شبہ کرنا ایک فعل عبث ہے۔

شمع و پروانہ۔ پر بھی تنقید کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے مگر میں مذہبیات سے بہت گھبراتا ہوں اور لسان العصر کے اس قول پر عامل ہوں کہ سہ

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں — فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

لہذا جہاں کہیں مذہب کی چھاؤں بھی ہوگی وہاں سے اپنا دامن بچا کر صاف نکل جاؤں گا۔

صدائے درد۔ ۱۰ سہ

کب زباں کھولی ہماری لذت گفتار نے — پھونک ڈالا جب چمن کو آتش پیکار نے

وقتی چوتھی سے بھری ہوئی ہے۔ مگر جب ہم آگے چل کر یہ دیکھتے ہیں کہ وطن کو ایک صنم بنایا گیا ہے اور ہم کو بت شکنی کی ترغیب دی گئی ہے تو ان الفاظ کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی۔ واقعی

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیس — عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

اور لطف یہ کہ اپنے کلام کے مقبول نہ ہونے کی بھڑاس یہ کہہ کر نکالی ہے کہ صحن چمن میں تو طوار دل کی آگ لگ چکی ہے اب کون سنے۔ یہاں رنگ صحن والی مثل بے ساختہ یاد آجاتی ہے۔

غرض کہاں تک آپ کا اور اپنا وقت ضائع کیا جائے۔

ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ

راقم ——— ۵

نکتہ چین

عجز طبیعت کا مجرب اور سہل نسخہ

"زبردست"

یہ لفظ نہیں۔ درزی کی سوئی ہے جو گاڑھے اور کمخواب کی پابند نہیں۔ حکیم سنائی کی شاہ کلی ہے جو خلقی اور خُلقی دہمی اور حقیقی جملہ امراض کے لیے حب شفا ہے۔ مدح و ذم دونوں میں یکساں مستعمل۔ جس مقام پر مضمون نگار کی طبیعت کسی شے کے مدح و ذم سے قاصر ہو جھٹ سے زبردست کہہ دیجیے بس تمام کدورت صاف مطلع بالکل آئینہ۔ ذہنی عاجزی کا اعتراض مرتفع۔ مثلاً (۱) مولانا قدوس کا زبردست وعظ یعنی موثر۔ (۲) مسٹر ٹل کا زبردست لکچر یعنی مدلل مدلل۔ (۳) جناب اڈیٹر صاحب کا زبردست مضمون یعنی دلچسپ۔ لطیف۔ پر از حقائق۔ (۴) حکیم اسطوخودوس کا زبردست علاج یعنی مفید و شافی۔ (۵) ہندو مسلمان میں زبردست فساد یعنی عظیم یا مہلک (۶) ڈاکٹر گھو کا زبردست نسخہ سہل یعنی اجابت خیز۔ (۷) ایک زبردست کاتب یعنی خوش قلم۔ (۸) ایک زبردست غزل گو یعنی صحیح التخیل۔ (۹) ایک زبردست مصیبت یعنی اندوہناک۔ (۱۰) ایک زبردست نغمہ یعنی بلند۔ (۱۱) ایک زبردست گھاؤ یعنی گہرا۔

الغرض یہ وسیع المعنی لفظ ہر گندہ ذہن مصنف، مقرر، واقعہ نگار کو یاد رکھنی چاہیے۔ جہاں کچھ کہتے لکھتے نہ بن پڑے بس جھٹ سے "زبردست" مجوزہ بیان دل میں لا سیے اندر

گویا — زبردست!! زبردست!!! زبردست!!!۔

ایسے ہیجڑوں کے بھی دن پھرے

جو بیچارے ایک ڈاکٹر صاحب کو علامت مردی سے نہایت نفرت ہے۔ کاش اُن کے اباجان داداجان۔ پرداداجان سکرداداجان نکرداداجان زندہ ہوتے اور اپنے صاحبزادے کی اس نفرت کا مشاہدہ فرماتے جو خواہ مخواہ اس عضو شریف سے اُن کو ہو گئی ہے۔ خیر خود اگر دشمن ہیں تو مضائقہ نہیں۔ خرابی تو یہ ہے کہ آج تک دو تین سو آدمیوں کے آلۂ مرزی پر چھری چل چکی ہیں۔ جب یہ ہیجڑوں یا زنخوں کا جھگڑا کچہری میں حاکم کے سامنے پیش ہوا تو سب نے اقرار کیا کہ "برضا و رغبت خود بے اجبار و اکراہ اعضا" انھوں نے موذی عضو کی چیرہ دستیوں اور شوخیوں سے نجات حاصل کی ہے۔ حاکم صاحب کو کچھ نہ بن پڑا۔ ڈاکٹر صاحب کی مردانہ دلیل سے مغلوب ہو کے "رگ نسل بریدہ" ملزموں کو عزت کے ساتھ بری کر دیا۔ دلائل باوجود مقطوع ہونے کے قطعی تھے۔ جن کی سماعت سے یہ عضو واقعی ان کے نزدیک بھی گشتنی گردن زدنی۔ نامعقول بلکہ موذی گناہوں کی جڑ قرار پا گیا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اگلے غلام فروش عربوں کے سر سے بھی یہ اعتراض ٹل گیا کہ وہ نسل انسانی کی بربادی میں فطرت کی مخالفت کے گنہگار تھے۔ اُن تارک الدنیا فقیروں پر سے بھی نقص کی مدافعت ہوئی جو مجرد رہ کے دنیا کی تعمیر میں کوتاہی کرتے تھے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ لکھنؤ دلی کانپور کے ہیجڑے بھی متوسلین حقیقی کی فہرست میں شامل ہو گئے جو زنانے مشرب چھوکروں کو بی ہیجڑی کی کڑھائی کے گلگلے کھلا کے مزے سے عورت بنا لیا کرتے ہیں۔

انضباط امر تولید کا مسئلہ دنیا بھر میں بالفعل مرغوب ہے بی گھرو کہتی ہیں "نہ نہار بچہ نہ جنوں گی"۔ ع

ایسے نگوڑے مردوے سے بولتی نہیں
برسال آ کے پیٹ رکھایا چلے گئے

نصیر دل کا زخم آرزومند ہے کہ "انگنائی میں چند ننھے بچے اٹھکیلیں کرتے پھرتے" مگر نہیں۔ بی صاحب محض فصل پسند کرتی ہیں۔ انفعال یا اثر فعل سے انھیں دلچسپی نہیں۔ درد زہ کے جھمیلے میں پھنس کے فلاں بی جان کون گھلائے۔ دنیا میں بود و باش کی گنجائش گھٹ رہی ہے تو دنیا کی ماننا جھمیلن کی طرح پیٹ میں کیوں نہ گھوسے۔

الحاصل جب اتنے بڑے بڑے مہذب ملا ہیجڑے ہونے ہی میں نجات دارین کے متوقع ہیں تو آنجہانی جعفری اینڈ کو ہزار مہذبوں کے ایک مہذب لاکھ ریفارمروں کے ریفارمر تھے۔ انھوں نے برخلاف زمانہ حال ایک ہی جرم تو کیا یعنی فعل شکم کے دفع کرنے کا جو عضو انھیں قدرت نے عنایت کیا تھا اُسے روزی کا ٹھیکرا بنا لیا۔ یہ گناہ اگرچہ عظیم الشان ہے لیکن کوئی تعجب نہ ہوگا جو آگے چل کے مہذب دنیا دیگر اعضاء سے روٹی کمانے کے ساتھ اس عضو کو آزادی عنایت فرمائے۔

"میاں بی جعفری" نے تھرکتے تھرکتے عین سڑک پر موت کا توڑا لیا۔ ہیجڑوں میں رسم ہے کہ مردہ چھپا ڈالتے ہیں۔ مگر جب امکان چھپا ڈالنے کا نہیں ہوتا تو پھر اتنی دھوم مچاتے ہیں کہ الٹی توبہ۔ موت کا اس دل ایک دم تھم جانے سے علانیہ ہوئی۔ مردہ تھانے پر گیا۔ تمام ہیجڑوں کو خبر ہوئی اور پیٹنے لگی تالی۔

سیج ہے تیری سونی رے ناجو!
ہے ہے دیا ہے ہے میتا
چلے تیرے آگے رے ناجو۔
ہے ہے دیا ہے ہے میتا

تحقیق و تفتیش کے بعد جب لاش ملی تو بڑی دھوم سے اٹھی۔ پھر تیجا ہوا۔ ماتم کی صف کٹھ پتلی کا تماشا بنی۔ بعد ازاں چالیسواں ہوا۔ کانپور دہلی لکھنؤ اور خدا جانے کہاں کہاں کے ہیجڑے میوے والی سڑک دسکن جعفری میں جمع ہو کے تال سر کے ساتھ بین لگے بین کرنے۔ اس ہجوم کو دیکھ کے ایک نئے پڑھے لکھے مہذب نے بیٹ بر دار چند با نفرت سے ہلائی۔ ناک چڑھا کے چند مرتبہ عینک کو جھٹکا لیا اور فرمانے لگے "ڈیم! نہایت لغو فرقہ ہے"۔ بندے نے گزارش کی "یہ سچ ہے۔ مگر یہ تو فرمائیے "برتھ کنٹرول" کے بارے میں جناب کے خیالات کیا ہیں۔ ارشاد لیا "یہ بہت ضروری مسئلہ ہے۔ دیکھیے میں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ اور نہ آئندہ زمین کی پشت پر بوجھ بڑھانے کا ارادہ ہے"۔ میں سر جھکا کے عرض پیرا ہوا کہ "آفریں بر روان جعفری۔ بیچارہ نہایت خلوص کے ساتھ برتھ کنٹرول پر عامل تھا۔

مراقبہ

برتھ کنٹرول کا مخالف

مجموعۂ تاریخ

حروف سے ہندسوں کا کام لینا بہت قدیم ہے چنانچہ عبرانی کی توراۃ میں بھی ہندسوں کی جگہ حروف لکھے گئے اور اسی طریقے سے عربی میں بھی حروف تہجی سے اعداد کی خدمت لی گئی ہے۔ عربی میں تو احاد یعنے اکائیاں "ابجد ہوز حطی" سے نکالی گئی ہیں۔ "کلمن سعفص" یہ عشرات یا دہائیوں کے لیے ہیں۔ "قرشت ثخذ ضظغ" مات یعنی سیکڑوں کے لیے اور "غ" ہزار کے واسطے۔ یہ رسم فارسی میں منتقل ہوئی اور فارس ہوتی ہوئی ہندوستان آئی۔

باوصفیکہ اعداد کی شکلیں خلیفہ عبد الملک بن مروان کے وقت میں ہندوستان سے اخذ کی گئی تھیں لیکن عموماً ان کا رواج نہ ہو سکا۔ بعہد خلیفہ مامون الرشید حساب کتاب میں تو یہ اشکال رواج پا گئے پھر بھی پرانی رسم مطلقاً فنا نہیں ہوئی۔ کتابوں میں صفحوں کا حق کا

لاوارث مال

"کانگریس کی پُرانی اور نئی تحریکیں"

میرے بچوں خدا حافظ! اس حالت میں بھی سوراج کی توقع ہے۔ یعنی ساحل مقصود کو بدنظمی سے کوئی نقصان نہیں پہونچتا۔ سہ بارہا گوردل تجھکلا یا مداب کے شرط وفا بجا لایا۔

جاری شدہ ۱۸۳۹ء
عمدہ خوشبو —
عطر و تیل دل
اور دماغ کے لیے
مفید
ہوتے
ہیں!
ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ لکھنؤ
اصغر علی محمد تاجر لکھنؤ
شاخ:- قنوج حیدرآباد دکن دہلی منصوری

پہلا لفظ سطر سابق کے آخر میں لکھا جاتا تھا اور زیادہ ضرورت گنتی گنانے کی ہوئی تو بھر دیا "اب ج د" کچھ ایشیائی ممالک ہی پر منحصر نہیں۔ یورپ میں یونانی بھی یہی کرتے تھے۔ انھوں نے ہزار تک اپنی گنتی ختم نہیں کی بلکہ انھیں حرفوں میں دوسرے علامات لگا کے ان کا دامن اور بھی وسیع کر دیا مثلاً آخری حرف یونانی کا (ω) اومیگا ہے جو تقریباً واؤ یا ڈبلو کی آواز دیتا ہے اس کے اصلی عدد (۸۰۰) ہیں اور جب اس کی ابتدا میں ایک چھوٹا سا خوشہ لگا دیا جائے اس طرح "ω" تو یہ ۸ لاکھ کے برابر ہو جاتا ہے حال میں "تاریخ آئینہ جمال" ایک مجموعہ تاریخہائے وفات و پیدائش و تعمیر و دیگر واقعات مصنفہ مولوی سید محمد ہاشم مرحوم و مغفور (ڈپٹی کلکٹر ضلع دربھنگہ بہرائچ پور) بغرض "نقد" ہمارے پاس بھیجا گیا ہے مصنف مرحوم نے ان منظومات میں اپنے کمال فن تاریخ گوئی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کی قیمت بارہ آنہ ہے۔ اور یہ سید مجتبیٰ حسین صاحب پسر مصنف علام سے بہ نشان "یوپی سکریٹریٹ الہ آباد" مل سکتی ہے۔ یہ کتاب شائقان تاریخ گوئی کے واسطے معاون صحیح ہے طلب فرمائیں۔

بذلہ سنج اور ظریف بھی تھے چنانچہ اودھ پنچ میں بسلسلۂ کارنامہ ہائے اشتر قومی جو غزلیں ابتداءً شائع ہوئیں وہ مرحوم کی طبیعت داری کی رہین منت ہیں۔ کتاب کے اول میں مرحوم کے سوانح زندگی و حالات وفات (مع تصویر) درج ہیں۔ طبیعت مشکل پسند پائی تھی ٹیڑھی اور ناہموار زمین پر گلبندی کر کے اسے خوبصورت بنا لینے میں مرحوم کو خاص ملکہ تھا۔ اردو ٹکسالی ہے اور موٹے موٹے بھدے بھدے عربی کے الفاظ سے بالکل پاک۔ مرحوم نے جوانی ہی میں انتقال فرمایا۔ جناب حکیم مولوی سید محمد باقر صاحب شمس

اس بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ تماشبینی دردآمیز لذت ہے جس سے چھٹکارا ہونے پر ایک طرف تو قوت جسمانی کے مفت برباد ہونے کا افسوس ہوتا ہے دوسری طرف خالی جیب روح خشک کر دیتی ہے۔ پولیس کو جو لذت اور عادت روزانہ کچہری جانے ملزموں کو حاضر کرنے اُن کی شکوہ سنج نگاہیں دیکھنے کی پڑ گئی تھی وہ اب دیکھیے کیونکر پوری ہوتی ہے۔ ۱۲ لاکھ تو گئے۔

میاں پانیر لیجیے انگریزی پنیر صاحب دُم ہلاتے الہ آباد سے لکھنؤ کی طرف نہضت فرماتے ہیں۔ بعض لوگ خوش آمدید کہتے ہیں اور بعض تو مارے خوشی کے پائجامے سے باہر ہوئے جاتے ہیں: "یارو یہ لکھنؤ کی خوش قسمتی۔ اماں ترگئے واللہ اپنی ناک دیکھو۔ جو پنیر کی تواضع نہ کی تو ناک کی خیر نہیں۔ حالانکہ یہ خوشی کا محل ہے نہ رونے کا۔ یہ زمینداروں کا مال ہے تو کاشتکاروں کی جان کا وبال ضرور ہوگا۔ لکھنؤ فاقہ مست لکھنؤ بیچارہ کیا خاک تواضع کرے گا۔ وہی میاں موتیا (کتا) والی تواضع جن کے گھر ایک کتا مہمان ہوا۔ مگر گھر میں تھا فاقہ۔ آٹھ دس روز کے بعد اتفاق سے کسی نے گلی میں کابلی مٹر اور کچالو کھا کے پتا پھینک دیا تھا۔ سگ مہمان نے اُسے چاٹا۔ چاٹتے ہی مرچیں لگیں رال بہی۔ چٹخارہ بھرا تو مہمان صاحب بولے:

"ہاں! یاروں کے ساتھ ہو گے تو یہی مزے آئیں گے"

جو لوگ پنیر صاحب کو خوش آمدید کہتے ہیں انھیں خود کابلی مٹر اور کھٹے کچالو کی چاٹی ہوئی پتریاں تلاش کر رکھنی چاہییں۔

ابھی ہم اسی قدر لکھ چکے تھے کہ "حقیقت" لکھنؤ نے

در منظوم

دھڑا دھڑ کتابیں بغرض تبصرہ و نقد دفتر میں موصول ہو رہی ہیں لیکن ان میں کی اکثر خاص مذاق سے تعلق رکھتی ہیں۔ چنانچہ "در منظوم" نام کی ایک کتاب حال ہی میں چھپی ہے یہ مرحوم عالم مولانا سید وجاہت حسین غفر اللہ کے قصائد اردو کا مجموعہ ہے جو خائز بذریعہ اجتہاد ہونے کے باوجود اردو نظم کے بھی مجتہد تھے۔ یہی نہیں خوش مذاق لکھنوی نے بہت اچھا کیا جو بکھرے ہوئے موتیوں کو گوندھ کے ہار بنا دیا۔ اب یہ ہار عرض بازار ہے۔ اور سید ریاض محسن صاحب تاجر کتب چوک لکھنؤ سے کوڑیوں کے مول یعنے صرف چار آنے میں دستیاب ہو سکتا ہے۔

المختصرات

قانونی تماشبینی لیجیے صاحب سازش میرٹھ کا مشہور مقدمہ ہوا میں اڑ کے رہ گیا۔ ہم اسے قانونی تماشبینی کی عمدہ نظیر

یہاں پنچ کے اشارات جمعیت خدام میں کسی مسلمان فرد کے نہ ہونے کا مرثیہ دیکھا۔ یعنی پنچ مسلمانی سے اتنا بیزار ہے کہ اس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔

۱۔ حالیکہ مسلمانوں کا روپیہ اس میں بھلا چنگا لگا ہے اس تمہید کے آئینہ میں دھندلی سی شکل اس منبع کی دکھائی دیتی ہے کہ یار و ایک ممنون انگریزی پنچ نما لنا تمہارے واسطے فرض عین ہے۔ اگر یہی خیال ہے تو پنچ کا بلی مٹر کا پتا بھی مشترک ہو جائیگا۔

نوٹ "جامع اللغات و نور اللغات" کا تبصرہ اس ہفتہ درج نہ ہو سکا انشاء اللہ آئندہ۔

التماس! جن حضرات کے نام وی۔ پی روانہ ہو چکے ہیں براہ مہربانی وصول فرمائیں باقیدار اصحاب قیمت کا منی آرڈر جلد از جلد ارسال فرمائیں۔
"منیجر"

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قواعد ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۸ ہم سمن ۱۸ ۔ ایکٹ لگان دفعہ ۱۰۸

بعدالت منشی محمد یوسف انصاری صاحب اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم مقام تحصیل و ضلع لکھنؤ

منشی محمد احتشام علی ساکن محلہ خیالی گنج شہر لکھنؤ جاگیر دار موضع داؤد نگر پرگنہ و تحصیل لکھنؤ مدعی

بنام

بنواری لال۔ شمبھو ناتھ۔ جوالا ناتھ پسران شیو شنکر لال ساکن محلہ مرغ خانہ شہر لکھنؤ مدعا علیہم

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت بقایا مالگزاری بالیہ ۱۳۴۰ف تعدادی ... موضع داؤد نگر پرگنہ لکھنؤ کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۸-۱۰ اگست ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن بمقام تحصیل لکھنؤ اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امورات متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دعوے کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو حاضر کرو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم بتائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکورہ حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج تاریخ ۵ ماہ اگست ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

مہر عدالت

دستخط حاکم بخط انگریزی

عراق ریلوے سے

نجف، کربلائے معلیٰ، کاظمین اور سامرہ کے مقدس شہروں کی زیارت کے لیے عراق ریلوے کے ذریعہ آرام، تیز رفتاری اور بہت ہی سستا کرایہ سے سفر کریں۔

مختلف درجوں کی زیارتی کوپن کی کتابیں جو ۶۰ دن تک کار آمد ہونگی نیچے درج ہیں اور ۵۰ کیلو ز سامان ہر کتاب کے عوض میں اپنے ہمراہ مزید کرایہ کے بغیر لے جا سکتے ہیں۔

	درجہ دوم	درجہ سوم
کوپن بک (الف) برائے سفر بصرہ سے کربلا، کاظمین، سامرہ اور واپسی بصرہ	عللعہ	للعہ
کوپن بک (ب) برائے سفر بصرہ سے کربلا، کاظمین اور واپسی بصرہ	للعہ	عہ

تین سال سے کم عمر کے بچے کا کرایہ معاف اور بارہ برس سے کم عمر کے بچوں کا نصف کرایہ لیا جاتا ہے۔ بمبئی اور کراچی سے ہر ہفتہ جہاز بصرہ کے بندرگاہ معقل کو جاتے ہیں جہاں ریلوے کے افسران زائرین کو ان کے آرام اور زیارت گاہوں کو جانے والی گاڑیوں میں جگہ کا انتظام کرنے کے لیے استقبال کرتے ہیں۔

زائرین جو مکہ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ عراق کے راستہ سے سفر کریں اور اس طرح سے ایک ہی وقت میں اس ملک کی زیارت گاہوں کی زیارت کے مواقع بھی مل جائیں گے۔ بغداد سے دمشق کو بذریعہ موٹر ۲۴ گھنٹہ میں سفر کیا جا سکتا ہے۔ دمشق سے جدہ، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا کرایہ حسب ذیل ہے۔

درجہ دوم	درجہ سوم بلا خوراک
مالعہ	ملعہ

ہندوستان میں عراق ریلوے کے ٹکٹ اور کوپن کی کتابیں بمبئی اور کراچی میں مختلف ایجنٹوں سے خریدے جا سکتے ہیں۔

۱۔ مولوی محمد باقر صاحب مسافرخانہ حاجی دیوجی جینال جبل روڈ عمر کھاڑی بمبئی۔
۲۔ آنریری جوائنٹ سکریٹری فیض پنجتنی۔ پالاگلی بمبئی۔
۳۔ مسٹر ای ای لوٹیا۔ مانڈوی کولی واڑا۔ بمبئی نمبر ۳۔
۴۔ حبیب حاجی رحمت اللہ صاحب۔ کھارا در کراچی۔
۵۔ مسٹر عبدالعلی شیخ عیسیٰ جی معرفت مسرز یوسف علی بھائی کریم جی اینڈ کمپنی فیئر روڈ کراچی۔
۶۔ آنریری سکریٹری فیض پنجتنی معرفت حاجی جیٹھا بھائی گوکل۔ کوکڑی باغ کراچی۔

نوٹ:۔ ایک ہی جہاز پر ایک سو یا ایک سو سے زائد تعداد میں بصرہ کو سفر کرنے والے زائرین کو جہاز کے کرایہ میں رعایت مل سکتی ہے۔

اودھ پنچ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

REGISTERED No. A. 78
ظریف ہفتہ وار
مشہور باتصویر
LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
अवध पंच
لکھنؤ
سالانہ
ششماہی
بیرون ہند
دس روپیہ

قواعد و ضوابط اوادھ پنچ

(۱) بفضل خدائے عزوجل ہر ہفتہ کی ۵-۱۲-۱۹-۲۶ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

(۲) اودھ پنچ بہ عمر کی کتنی ہی جھنگیلے اور بے تمیز مضامین نہیں چھپنے سے صرف اپنی بضاعت پر نتائج او ر منقولات کے ہی نہ رہے۔

(۳) قیمت کی زیادتی پر بھی نہ جائیے۔ ہم کو کبھی پر زور یہاں چھاپنے اسلیے کہ گوہر ذہنیت میں فرق ہے بلا افادات کی حقیقت روشن کی ہدایت ہے روز عایت نکتہ حقیقی صحیح نتائج واقعات دنیا کی صلاحات اخلاقی و سیاسی ابدی پر نظر رکھیے انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائینگے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

(۴) اجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ پیشگی لی جاتی ہے۔

(۵) بلحاظ شاگردان مدارس سے بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر پانچ روپیہ سالانہ قیمت صرف للعہ لی جائے گی۔

(۶) پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۵ ادن کے اندر دیجیے ورنہ ممکن ہے کہ نہ مہیا کیا جا سکے۔

(۷) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح پالیسی کے مطابق نہ ہونگے وہ شائع نہ ہونگے اور ان کی واپسی پر ہم مجبور نہیں ہیں۔

(۸) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی و ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص ان میں نہ ہو۔

نوٹ: جو حضرات خریدار ہیں انہیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ ان کے نام کی چٹ پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جواب طلب امور کے لیے کارڈ یا لفافہ آنا لازمی ہے۔

احمد حسین رضوی منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

شرائط ایجنسی اودھ پنچ

(۱) روپیہ نقد جمع کرنا ہوگا۔

(۲) رقم جمع شدہ کے ادا ہوتے ہی پرچہ کی روانگی ہو جائیگی

(۳) پانچ پرچے فی ہفتہ سے کم ایجنسی قبول نہ کی جائیگی۔

(۴) بحساب دو آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائے گا۔

کسی حالت میں بھی پرانے پرچے واپس نہ لیے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۸ نمبر ۳۳

مضامین

(مورخہ ۲۶۔ اگست ۱۹۳۳ء)

زمانۂ حال میں زمانۂ مستقبل

(یعنی تضمین بر شعر اصغر گونڈوی نتیجۂ فکر سرکوب الٰہ آبادی)

تماشا یہ بہت مشکل ہے وہ کیسا سمجھتے ہیں کہ ہم چھوٹو میاں کو بھی بہت لمبا سمجھتے ہیں
جو اُردو داں ہیں وہ مطلب لغت سے جا سمجھتے ہیں سمجھ سکتا نہیں ہے کوئی ہم ایسا سمجھتے ہیں
سمجھ جاتے ہیں یا سمجھیں گے جو ذی فہم آئندہ کہ ہم ہاتھی کو اژدر اور بلی کو بھینسا سمجھتے ہیں
سکوت نغمہ بیتاب پُرشور خاموشی افزا" ہم ان بے شکل ترکیبوں کو سرتاپا سمجھتے ہیں
خاشو سالنا بسرگ فذن خشملش وا ہچک یہ سب الفاظ جو ہوں گے کبھی پیدا سمجھتے ہیں
اُلٹ جائے گی جب یہ نیا مزہ پھر لے گا کیا کیا وہ بن جائے گا میٹھا جسکو اب کڑوا سمجھتے ہیں
اگر بکنے لگیں گے ہم سوڈا تو شربت بیں گے سوداگر ابھی تو لفظ سوڈا سے فقط سودا سمجھتے ہیں
غرض جو بننے والی ہے نیا اُس کو بھی واقف ہیں مگر دعوی نہیں اس کا کہ ہم تنہا سمجھتے ہیں
سمجھتے ہیں سہیل اس کو میاں لسان الواقف ہیں علی گڑھ والے ان لوگوں سے بھی اچھا سمجھتے ہیں
میاں سرکوب جو اس شعر میں اصغر نے فرمایا اُسے بس آجکل ہم ایسے مولانا سمجھتے ہیں
زمانہ آرہا ہے جب اسے سمجھیں گے سب اصغر ابھی تو آپ خود کہتے ہیں خود تنہا سمجھتے ہیں

اپنے سمجھنے کا ثبوت

ہم ایسے شعر دیکھو دو منٹ سے کم میں کہتے ہیں پرانے لوگ جن شعروں کو مہمل سا سمجھتے ہیں
مگر سمجھیں گے اُس سن والے جس سن کیلیے یہ ہیں ابھی تو اس کے معنی صرف دس بارہ سمجھتے ہیں

اشعار ذیل ۱۹۳۳ء سے لے کر ۱۹۹۰ء تک کے لیے ہیں لیکن ہر سنہ کے نہیں ہیں اور بے ترتیب بھی ہیں ناظرین پہیلی بوجھیں کہ کون شعر کس سنہ کا ہے اگر سمجھ میں نہ آئے تو ہم سے یا جناب اصغر صاحب سے دریافت کریں اطمینان بخش جواب دیا جائے گا۔

عیاں جلووں میں جو ہے اسکو ہم پردہ سمجھتے ہیں جو پوشیدہ ہے پردوں میں اسے جلوہ سمجھتے ہیں
وہ پردے کی فراوانی کو بھی جلوہ سمجھتے ہیں مگر جلووں کی ارزانی کو ہم پردہ سمجھتے ہیں
نشاط روح سے مستی سہی سرور نشاط افزا مگر ہم تو جگر کا اس کو اک ٹکڑا سمجھتے ہیں
اسی دنیا میں تو جلوے نہاں ہیں حسن یار کے جو دنیا سے الگ ہے اس کو ما فیہا سمجھتے ہیں
کوئی دنیا میں الجھا ہے کوئی دین میں الجھا جو بھاگے دونوں سے ہم اسکو بے پروا سمجھتے ہیں

کبھی محفل ہی کی مانند کبھی گلزار میں بلبل مگر ہر انجمن میں اس کو ہم تنہا سمجھتے ہیں
دماغ کو رہا کرتی ہے گردش اسکی فطرت سے اسی چھوڑے سے دل کو گنبد مینا سمجھتے ہیں
وہی چھوٹا سا اک ذرہ وہی چھوٹا سا اک قطرہ اسی میں بند ہے سب دشت اور دریا سمجھتے ہیں
کبھی وہ گم ہے گاہے ہے عیاں احساس جلش سے اسی کو ہم کبھی پردہ کبھی جلوا سمجھتے ہیں
حقیقت میں یہ سب ہیچ ہی ہوش کے جھگڑے وہ اتنا ہو نہیں سکتا ہے ہم جتنا سمجھتے ہیں
حقیقت آشنا ہے بحر موجیں بھی ہیں قطرے بھی مگر دریا کو ہم اس سے بھی بے پروا سمجھتے ہیں
مری مستی مسرت ہے مری رندی نشاط افزا مری بادہ کشی رندان غم فرسا سمجھتے ہیں
سبق آموز پھر دی تھی ذوق دید کی شوخی وہ اہل راز ہیں جو قصہ موسیٰ سمجھتے ہیں
غزل میں رقص و مستی کے اشارے طور معنی ہیں نہ جانے خوگر فریاد اس کو کیا سمجھتے ہیں
نظر کس طرح آتے فطرت جلوہ کی ضو پاشی جو نابینا ہیں آنکھیں انکو ہم بینا سمجھتے ہیں
مآل جام سے تقدیر وابستہ ہے رندوں کی اسی کا دور دور گنبد مینا سمجھتے ہیں
کہیں رنگینی گلشن کہیں بے رنگی صحرا وہی ہے ایک جلوہ جس کو ہم کیا کیا سمجھتے ہیں
ہر اک نقش اس کا دھوکا ہے ہر اک جلوہ فریب انگیز قیامت ہے کہ اس دنیا کو ہم دنیا سمجھتے ہیں
مسرت خیز حیرانی ہوس انگیز عریانی وہی سمجھے ہیں جو راز گل رعنا سمجھتے ہیں

سمجھ سکتے نہیں سرکوب کے شعروں کے گر معنی
تو تم اصغر سے پوچھو وہ بہت اچھا سمجھتے ہیں

ادبی استفسار

اسلامی رواداری (ایک مختصر کتاب) کی زبان پر مسٹر ایم یو خان جبل پوری اعتراض کرتے اور اپنے اعتراضات کی توثیق کے طالب ہیں انھی کی فرمائش کے بموجب اسکی اشاعت کی جاتی ہے۔ فقط پنچ۔

(۱) آخر آج دنیا کے لوگ سقراط۔ نیوٹن۔ نپولین۔ بیکن وغیرہ جیسے زبردست لوگوں کی سوانح عینک کی طرح آنکھوں سے کیوں لگائے پھرتے ہیں۔ کیا غرض غایت یہ نہیں کہ وہ بھی اپنی طبیعت کو اسی سانچے میں ڈھالیں۔

اعتراض: اہل زبان "زبردست" کسی زور آور پہلوان کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ نپولین کے لیے ممکن ہے کہ درست سمجھ لیا جائے مگر سقراط، نیوٹن اور بیکن کے لیے "زبردست" غیر فصیح ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

اے زبردست زیردست آزار۔۔۔۔۔

پنچ:۔ "زبردست" یہاں مہمل ضرور ہے۔ فصحا یوں نہیں لکھتے بولتے مگر تاویل علیل ہو سکتی ہے کہ زبردست کے معنے "قوی" کے ہیں خواہ علم و دماغ کی قوت ہو یا جسمانی۔

آجکل کے اخبار نویسوں نے "زبردست آرٹیکل" اور "زبردست وعظ" وغیرہ لکھنا شروع کر دیا ہے عوام اس کی تقلید کرتے ہیں۔ اودھ پنچ ۱۹۔ اگست ملاحظہ ہو۔

۱؎ ایک غزل ہے جس کا قافیہ قمر۔ نظر وغیرہ اور ردیف "ہے" ہے اس کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے۔ اس صدی والے سمجھ جائیں گے کہ ہچک کا بھی لفظ۔ اس میں بعض جو بہت آہستہ آہستہ جگہ پا رہا ہے خاشو وغیرہ الفاظ میں بھی اسی قسم کے تلمیحات ہیں جن کی توضیح میں طول ہے۔ اس صدی والے بغیر توضیح کے سمجھ جائیں گے ۱۲۔

یہاں زبردست طاقتور۔ جابر یا ظالم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسی طرح مندرجہ بالا جملے میں بھی "زبردست" جن معنوں میں استعمال کیا گیا ہے وہ غلط ہیں۔

(۲) غرض غایت۔ کیا یہ صحیح ہے؟

پنچ۔ غرض وغایت صحیح ہے شاید واؤ عاطفہ کاتب سے رہ گیا ہو۔ فقط۔

(۳) بدنصیبی ان کی اس نبی آخر و ہادی کامل کی پیروی کا دم بھرتے ہوئے اس کی بتائی ہوئی راہ سے دور تاریکی میں ٹٹولتے پھریں۔

اعتراض) ٹٹولتے پھریں کے بجائے بھٹکتے پھریں ہونا چاہیے۔

پنچ۔ ٹٹولتے پھرنا اندھوں کی شان ہے۔ یہاں اندھیرے میں ٹاپک ٹوئیاں مارتے پھرنا محاورہ تھا مگر اب متروک ہوتا جاتا ہے۔ بھٹکنا گمراہی کو بھی شامل ہے۔ تاریکی سے مخصوص نہیں اس وجہ سے ٹٹولنا معیوب نہیں ہے۔ فقط۔

(۴) کسی ایک عنوان پر مختصر سا رسالہ فرصت کے چند لمحے نکال کر کامل سال بھر کے طویل عرصہ میں مطالعہ فرما لیا جائے۔

اعتراض) سال بھر کے ہوتے ہوئے یہ کامل اور طویل بیکار ہے۔

پنچ۔ پوری عبارت بے ڈھنگی ہے۔ گویا لکھنے والے کو زبردستی کسی نے اردو لکھنے کی تکلیف دی ہے "کامل سال بھر" کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط

(۵) بیش قیمت جنس (کتاب) کو کسی گوشے میں رکھ کر ایسے فارغ ہوتے ہیں کہ پھر اٹھانے کا نام تک نہیں لیتے۔

اعتراض) اہل زبان ایسے موقعوں پر "فارغ" نہیں استعمال کرتے اس کے بجائے ایسا بھول جاتے ہیں کہ بے پروا یا بے فکر ہو جاتے ہیں استعمال کرتے ہیں۔

پنچ:۔ اعتراض نمبرہ صحیح ہے "فارغ" یہاں بھونڈا ہے لیکن لغوی معنی دیتا ہے۔ فقط۔

(۶) پس دست بستہ التماس یہ ہے کہ جب اس قسم کا کوئی رسالہ آپ کی خدمت بابرکت میں پہونچے تو آپ خود بھی بغور مطالعہ فرمائیں و نیز اپنے اعزا و اقربا خورد و کلاں دوست و احباب کو بھی سنائیں۔

اعتراض) "یہ" بیکار ہے اور اگر اس کی ضرورت ہی ہے تو یہ التماس ہے ہونا چاہیے۔

پنچ۔ اعتراض صحیح ہے کا تفسیر فرما یہ کا فائدہ دیتا ہے۔

(۷) ہر مذہب کی پرکھ اس کی پیروی کرنے والوں سے کی جاتی ہے آج ہم اپنی دگرگوں حالت کا جس قدر رونا روئیں تھوڑا ہے۔ ہمارے تنزل کا سبب بجز اس کے دوسرا نہیں کہ ہم

اعتراض) غیر فصیح ہیں۔ پرکھ کے بجائے اہل زبان جانچ لکھیں گے۔ دگرگوں کے بجائے زبوں۔ خراب اور تھوڑا ہے کے بجائے کم لکھیں گے۔

پنچ:۔ "پرکھ" ترجمہ "نقد" کا ہے۔ باقی الفاظ کے غیر فصیح ہونے کا اعتراض درست ہے۔ اگرچہ نحوی صرفی غلطی نہیں۔ فقط

(۸) تعصب جہالت کا تمھارا برا ہو۔ بغض و حسد خدا تمہیں غارت کرے تم نے کیسے کیسے شاداب چمن ویران کیے ..... مورخوں کو بھی تلوار سے چرکے دیے.....

اسی طرح اے نامراد تمھاری برق سیخ اسلام کے خرمن شہرت پر بھی گری .... اسلام کو تم نے بدنام کرنے کی کوشش کی۔ حیف صد حیف اسی ماہتاب عالمتاب پر خاک ڈالنے کی جد و جہد کی۔ تمھاری خاک اسلامی چاند پر تو کیا پڑتی ہاں اس نے تمھارے آنکھوں کے اندھے اور عقل کے کورے بندوں کو ضرور غبار آلودہ کیا۔ فضائے لطیف کو خواہ مخواہ مکدر بنایا۔

اعتراض) عقل کے کورے غلط ہے محاورہ عقل کے پورے ہے۔

پنچ:۔ کورے ترجمہ ہے سادہ کا۔ عقل کے پورے سے مطلب بدل جاتا ہے۔ یوں کہتے کہ عقل کے اندھے تو زیادہ مناسب تھا۔ .... فقط۔

(۹) اسلام نے محض اپنی مذہبی رواداری کی بدولت ترقی کی۔ زمانۂ موجودہ میں بھی اسلام جزیرہ نما ملایا میں دن دونا رات چوگنا ترقی کر رہا ہے

اعتراض) دن دونا رات چوگنا ترقی کے ساتھ غلط ہے۔ دن دونی رات چوگنی ترقی صحیح ہے۔

پنچ:۔ دن دونی رات چوگنی ترقی کی صفت ہے۔ ترقی مؤنث ہے اس لیے صفت و موصوف میں مطابقت ضروری ہے یعنی اعتراض صحیح ہے۔ فقط۔

(۱۰) فتح مکہ کے وقت آپ نے بہت سے دشمنوں کو بحالت کفر ہی معافی دیدی اور ہرگز مجبور نہیں کیا کہ حلقہ پہلے یا بعد میں اسلام قبول کرے۔ عبارت میں سلاست نہیں ہے۔

پنچ۔ صاحب سلاست کی پروا تو بڑے بڑے مشاہیر بھی نہیں کرتے غنیمت ہے کہ صرفی نحوی غلطی سے بچے ہیں اور مطلب عبارت کا سمجھ لیا جاتا ہے۔

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۱۵۔ تتمہ ۱۲۔ اگست ۱۹۳۳ء)

ایک مثل دونوں کتابوں میں ایک ہی قصے کے متعلق لکھی گئی ہے۔

سمن بغرض قرارداد امور تنقیح طلب

مقدمہ نمبر [illegible] ۱۹۳۳ء

عدالت جناب سید [illegible] حسن صاحب منصف ضلع لکھنؤ مقام لکھنؤ

[illegible] عمر تخمیناً ۴۰ سال ولد [illegible] قوم کوری ساکن حسین گنج تھانہ حضرت گنج شہر لکھنؤ مدعی

بنام

[illegible]

بنام (۱) [illegible] ولد [illegible] قوم کوری عمر تخمیناً ۴۰ سال
(۲) [illegible] ولد نامعلوم قوم [illegible] عمر تخمیناً ۲۴ سال
(۳) مسماۃ [illegible] قوم کوری عمر تخمیناً ۴۰ سال
ساکنان محلہ [illegible] متصل [illegible] تھانہ حسین گنج شہر لکھنؤ

ہرگاہ مدعی نے تمھارے نام ایک نالش بابت [illegible] دائر کی ہے [illegible] حاضر ہو کر [illegible] مقدمہ کے متعلق سے [illegible] واقف کیا گیا ہو [illegible] جواب دہی کرو۔ ہر جواب ایسے سوالات کا دے [illegible] حاضر ہو [illegible] [illegible] جاتی ہے کہ [illegible] پیش کرو [illegible] کے استدلال کرنا چاہتے ہو [illegible]

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ تمھاری غیر حاضری میں سماعت و فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۸ ماہ اگست ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

"آٹا دال الّو بھی ہے" صاحب نور اللغات کو اصلی حکایت اس فقرے کی معلوم نہ تھی۔ انھوں نے مثل کی یہ تفصیل بالکل خلاف منشا تصور کیا اور دوسری بے تکی حکایت اس لیے گڑھ کے درج کر دی کہ جہل کا الزام تو سر سے ٹل جائے۔ صاحب جامع اللغات جو نور اللغات کے گن گاتے ہیں نقش قدم بہ قدم رکھنے کے باوجود بعینہٖ نقل کرنے میں اپنی ہتک کا خیال فرماتے ہوں گے۔ اس حکایت کو مختصر طور پر تحریر فرمایا۔ نور اللغات کے مصنف صاحب اس حکایت کو یوں گڑھتے ہیں۔

"مثل۔ اچھائیوں کے ساتھ کچھ برائیاں بھی ہیں۔ ایک سپاہی کسی بنیے کا قرضدار تھا اور تنگدستی کی کوئی صورت نہیں نکلتی تھی ایک دن بیٹھے بیٹھے ذہن لڑ گیا اور ایک الّو پکڑ کر اس کو باز کی سی ٹوپی پہنائی اور ہاتھ پر بٹھا کر ادھر بنیے کی دوکان کی طرف نکلا۔ بنیے نے جو دیکھا بلا کر پوچھا کہ یہ کون سا جانور ہے سپاہی نے کہا باز ہے اور اس کے اوصاف بیان کیے۔ بنیا "لوٹ ہو گیا" اور سب باز کی قیمت دریافت کی باز کی جو قیمت ہوتی ہے وہی سب نے بتائی۔ بنیا اپنی جورو سے صلاح کر کے دوسرے دن سپاہی کے دروازے تقاضے کے لیے آموجود ہوا۔ سپاہی نے کہا ابھی روپیہ کہاں جب باز فروخت ہو جائے گا اسی وقت تمھاری قیمت ادا کر دوں گا۔ بنیے کو باز لینا منظور ہی تھا بولا اگر روپیہ نہیں ہے تو باز ہی دے دو۔ سپاہی جتنے کا قرضدار تھا اس سے کچھ فاضل دام طے ہوئے اپنا قرضہ مجرا کر کے جو زائد نکلا بنیے نے سپاہی کو دے دیا اور باز لے کر گھر آیا۔ جورو نے جو اس کو دیکھا گالیاں دینے اور کہنے لگی کہ یہ تو الّو ہے۔ نہایت ہی منحوس ہوتا ہے جاؤ ابھی پھیر آؤ۔ بنیے نے بہت دوڑ دھوپ کی لیکن سپاہی کا پتا کب ملتا ہے۔ مجبور ہو کر جورو خاوند کی صلاح سے وہ الّو دکان پر رکھا گیا کہ شاید کوئی بیوقوف اس کی بھی خریداری کرے اور اس وقت سے جو شخص دکان پر آکر پوچھتا تھا کہ تمھاری دکان میں کیا کیا ہے تو بنیا کہتا تھا آٹا دال الّو بھی ہے۔"

اول تو محل استعمال اس مثل کا غلط ہے محاورے میں یہ مثل ایسے موقع پر استعمال کی جاتی ہے جہاں کسی کا بے تکا پن ظاہر کرنا ہو۔ خود مثل ہی اپنے محل کو واضح کر رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ آٹے دال کے ساتھ الّو کا کیا جوڑ ہے۔

دوسرے جو حکایت بیان کی گئی ہے اُس کی [illegible] نہایت مہمل ہے بنیے کو روپیہ پیسے کا شوق ہوتا ہے باز کا شکار تو بیکاروں کا شوق ہے۔ الّو ایک عام جانور ہے بنیے کی جورو تک (جو کہ گھر کی چار دیواری میں رہنے والی ہے) اسے پہچانتی ہے مگر نہیں جانتا تو بنیا۔ بے جانے بوجھے جانور پر اتنا بھروسا سمجھ سے باہر ہے کہ راہ چلتوں سے اس کے دام لگائے اور قرضے سے فاضل دام ادا کیے۔ ان تمام باتوں کے علاوہ اس مثل کے ساتھ دو تین محاورے بھی وابستہ ہیں مثلاً الّو بنانا۔ الّو پہچاننا۔ الّو پھنسانا۔ الّو سیدھا کرنا۔ الّو کے دام کھرے کرنا۔ آنکھیں کھولو چاڈ بوڈ۔ وغیرہ جن کا تذکرہ مؤلف صاحب نے نہیں فرمایا۔

ثقات کی زبان سے اصل حکایت یوں سنی گئی ہے دو فریبی مکار آدمیوں نے سازش کی کہ بنیے کو لوٹنا چاہیے ایک صاحب الّو پکڑا اور بنیے کی دکان پر جا بیٹھے۔ دوسرے صاحب تھوڑی دیر کے بعد حسب وعدہ وہیں پہنچے اور فرمانے لگے کیوں بھائی میاں الّو بکاؤ ہے؟ انھوں نے جواب دیا "ہاں"۔ اب دام چکائے گئے۔ صاحب مال نے ہزار کہے خریدار نے پانچ سو۔ آخر ہوتے ہوتے چھ سو روپیہ طے ہوئے۔ خریدار نے تھیلی نکالی۔ چھ سو گن دیے اور الّو قبضے میں کر کے اپنی راہ لی۔ بنیا اس سوداگری کو دیکھ کے الّو ہو گیا۔ چلتے وقت خریدار کہہ گیا تھا کہ اگر اسکی مادہ بھی دستیاب ہو جائے تو پھر چار سو روپیہ میں اور دوں گا۔ صاحب مال نے وعدہ کر لیا کہ کل اسی دکان پر آنا میں یہیں ملوں گا۔ بنیے کے پیٹ میں چوہے چھوٹے کہ الّو؟ اتنے دام!۔ آخر نہ رہا گیا پوچھا کیوں میاں بھلا اس الّو میں کیا صفت ہے جو اتنے داموں بکا؟ میاں نے فرمایا "اجی تم کیا جانو یہ خاص قسم کا الّو ہے اس سے کیمیا بنتی ہے۔ چالیس دن تک اسے بلبل کا گوشت کھلاتے ہیں۔ اس کی تاثیر سے یہ سونے کی بیٹ کرنے لگتا ہے۔ اور جو کہیں جوڑا بھی مل جائے تو پھر کیا پوچھنا ہے۔ انڈے بھی سونے کے ہو جاتے ہیں۔ بنیے کی رال ٹپک پڑی مگر چپ ہو رہا۔ دوسرے دن صبح سے فریبی صاحب الّو ہاتھ میں لے کے دکان پر آبیٹھے۔ انتظار میں دوپہر گزر گئے لیکن خریدار صاحب نہ آنا تھے نہ آئے۔ ایک مرتبہ الّو والے نے انگڑائی لی۔ خریدار کو برا بھلا کہا۔ "ہا کمبخت اب تک نہ آیا" بنیے کی رگِ طمع اچھلی اس نے دبی زبان سے کہا "اجی سو روپیہ پر مجھ سے معاملہ کر لو وہ تو مجھے آتے معلوم نہیں ہوتے" الّو والا بولا "کیا خوب چار سو روپیہ کا مال سو روپیہ میں! مجھے بھی کیا الّو بنایا ہے؟" آخر ڈیڑھ سو روپیہ پر جھگڑا چک گیا۔ بنیا اس گھات میں تھا کہ اگر خریدار آگیا تو ڈھائی سو روپیہ نفع کے مل جائیں گے اور نہ آیا تو بلبل کا گوشت کھلا کے میں خود سونے کی بیٹ سمیٹوں گا۔ بھلا خریدار پھر کیوں آتا اور الّو کیوں سونے کی بیٹ ہگتا۔ خسارہ ہوا۔ اب لالہ بنیے کو خود الّو پھانسنے کی فکر ہوئی۔ جو کوئی پوچھتا "لالہ تمھاری دکان میں کیا ہے؟" لالہ جواب دیتے۔ "آٹا ہے نمک ہے دال ہے اور الّو بھی ہے" یہ بے جوڑ اور بے میل جنس گاہکوں کو متوجہ کر دیتی۔

غریب الّو جب چوہا کھا کے آنکھیں بند کرتا اور غوطے میں آتا تو لالہ جی اُس کے سر پر دھول مار کے فرماتے "آنکھیں کھولو چاڈ بوڈو"۔ بعض پرانے بنیے اب بھی اپنے مقروض گاہکوں سے کہتے ہیں "آنکھیں کھولو چاڈ بوڈو" گویا در پردہ انھیں الّو بناتے ہیں۔

دم دے کے الّو بنانے کے محل پر "الّو سیدھا کرنا" زبان زد خاص و عام ہے۔

صاحب نور اللغات رقم طراز اور صاحب جامع اللغات ان کے ہم آواز ہیں کہ "آٹھوں گانٹھ کمیت۔ اس کمیت کو کہتے ہیں جس کے آٹھوں جوڑ (چاروں ٹخنوں اور چاروں گھٹنوں کے مضبوط ہوں) (مجازاً) شریر، چالاک، عیبی، حرامزادہ، عیار، ہوشیار، مضبوط"

اگر یہ حضرات فرسنامہ اٹھا کے دیکھ لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ کمیت گھوڑے کا ایک رنگ ہے (سرخی مائل سیاہی) اگر اس کے آٹھوں جوڑ بھی کمیت رنگ کے ہوں تو اسے آٹھوں گانٹھ کمیت

"خوش آمدی خوش آمدید"

"کچھ دنوں یہاں رہو پھر دشمنوں سے انتقام کی فکر بھی ہو جائے گی"

عمدہ خوشبو کے

عطر و تیل دل

اور دماغ کے لیے

مفید

ہوتے

ہیں!

ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ لکھنؤ

جاری شدہ ۱۸۳۹ء

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

شاخ: قنوج حیدرآباد دکن دہلی منصوری

مریض حتی الامکان حکیم صاحب کی طرف رجوع کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اور جو اتفاق سے کوئی پھنس گیا تو بس بھائی دسے فاقہ دسے فاقہ جاری ہی دن میں ہاتھی ساڈیل ڈول سکڑ کے مچھر ہو گیا۔ آنکھیں حلقوں میں ڈگر ڈگر کرنے لگیں۔ چاہے زندگی رہے یا جائے مگر اس میں شک نہیں بیماری ضرور جاتی رہتی تھی۔

ابکی بہیں بھی گاندھی جی کے فاقے میں آثار اچھے نظر نہیں آتے۔ ابھی ایک فاقہ کشی کا اثر زائل نہیں ہوا کہ دوسرا دور شروع ہو گیا۔ سنتے ہیں کہ وزن گھٹتا جاتا ہے۔ فاقہ کی میعاد غیر معین ہے اس وجہ سے اور بھی تشویش ہے۔ آئرلینڈ کے ایک مرحوم لیڈر نے قید میں فاقہ کیا تھا تو حکومت نے اسے رہا نہیں کیا۔ یہ ایک غلطی تھی گاندھی جی کے بارے میں حکومت ہند غالباً ایسی غلطی نہ کرے گی۔ اور کہہ دے گی کہ فاقہ ہی کرنا ہے تو جاؤ اپنے گھر میں فاقے کرو جیلخانہ جائے راحت و آرام ہے نہ مقام ایذا و ریاضت۔

اس فاقہ کشی کی دھوم سارے ہندوستان میں مچی ہوئی ہے ہندوستان تو خیر وزارت ہند (لندن) کے خالی پیٹ میں بھی مروڑ ہو رہا ہے یعنی اگر نادل القول حکیم کا فرمان "الافاقہ بالفاقہ" وزیر ہند صاحب اور یہ ہندوستانی بھی قبول کر لیں تو نسخہ مجرب ہے۔ یقیناً فائدہ ہوگا ورنہ زبانی ہمدردی تو سب ہی کو آتی ہے۔

سیاسیات کی جیب تقری

خدا کا بہرحال شکر لازم ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ جدھر دیکھو ہندوستانی مصنوعات کی خریداری پر زور دیا جاتا تھا مگر دنیا ہے گول رے۔ اندھل جھو گوا ہل لنگڑا حکتے لنگڑا حکتے پھر اسی نقطے پر ختم ہو گئی کہ ملک گیا چولہے بھاڑ میں جو کچھ خرید کرنا ہو انگلستان سے نہ یہ وہ ہندوستانی چیزیں نکمی ہوتی ہیں۔ چنانچہ دیکھو الا معزز بندے ماترم ہم نے یہ خبر بشکر و شوق کے ساتھ مطالعہ کی کہ لائل پور (پنجاب) کی میونسپلٹی میں بھائی موہن سنگھ کی تحریک اور [illegible] فضل حسین صاحب کی تائید سے ایک رزولیوشن پیش ہونے والا ہے کہ میونسپل ضروریات کے لیے آئندہ جو چیز بھی خریدی جائے وہ خاص انگلستان کی ساختہ ہو چاہے اس کی خریداری میں بوجہ گرانی قیمت میونسپلٹی کا دیوالہ کیوں نہ نکل جائے۔ سودیشی چیزوں کی خریداری سے کانگریس کا وقار بڑھنے کا اندیشہ ہے۔

بیچے صاحب بان کے دونوں جز و اس میونسپلٹی کو حاصل ہو گئے نصف بان یعنی صبر ہے اور نصف شکر ہو۔ ایک بی بی تھیں خوبصورت میاں تھے حد درجے کے بدصورت کسی سہیلی نے بی بی سے پوچھا کہ تم کیونکر بسر کرتی ہو انھوں نے جواب دیا ایمان کے دونوں جزوؤں سے اپنی صورت دیکھ کے احسن الخالقین کا شکر ادا کرتی ہوں اور میاں کی بجا سی شکل دیکھتے ہی صبر کرتی ہوں یہاں معاملہ برعکس ہے یہاں ہندوستان ہیں نرسے کر کالے کلوٹے [illegible] اور شیشم برطانیہ ہیں بالکل گوری چٹی خوبصورت۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ صبر کیسے کرنا چاہیے اور شکر کیسے۔ بہرحال صابرین و شاکرین یا صابرات و شاکرات کا یہی میل رہا تو ایمان کی عملداری جلدی پھیل جائے گی۔

اونچی راہ نجات اور نئی حیثیت

آج کل ایک نئی راہ نجات نکلی ہے یعنی پہاڑ والوں کی غیر قابل گزر چوٹیوں پر چڑھنے کا خبط زوروں پر ہے۔ ابتک جو کچھ ان مہمات کے سر کرنے والوں نے دیکھا ہے وہ صرف تین حرف ہیں "ب ر ف" جو صاحب چوٹی کے نزدیک پہونچے انھیں کیا دکھائی دیا؟۔

چوٹی سے مہا [illegible] سکونت کے قابل پہاڑ والے نئی بھی دیکھ سکتے تھے کوئی بڑا سائنس کا مسئلہ بھی اس عروج ناسقول نے طے نہیں کیا۔ معلوم بھی ہوا تو وہی جو پہلے سے معلوم تھا تعجب یہ ہے کہ ان چڑھائیوں کی آؤ بھگت بہت زور و شور سے کی جاتی ہے۔ کوہ ایورسٹ پر دھاوا بولنے والے تو نیچا دیکھ چکے گرمال میں انگلستان کے چار [illegible] چڑھتے ہوئے جو ایل بیز میں ہوئے تو پہلے [illegible] نیچے گر کے کوفتہ ہو گئے۔ مرد وں کا حال تو انھیں معلوم ہوگا مگر ہمارے نزدیک تو زوال ہی زوال ہے۔ ہاں ممکن ہے کہ اس مضمون کی کوئی حدیث ان تک پہونچی ہو "من مات ساقطاً من قلة الجبال فهو شهيد" (جو پہاڑ کی چوٹی سے گر کے مرا وہ شہید ہے) شہادت کی ایک گندی قسم بھی ہے جسے عوام خوب سمجھتے ہیں ان کمبختوں سے کون کہے کہ میاں۔ مرنا ہے تو وطن کی محبت میں فاقے کر کے مرو۔ جو نام بھی ہو اور کام بھی نکلے۔

دانشمند یگانہ حضرت احمق پھپھوندوی اپنے کلام کا حق طبع فروخت کرنا [illegible] یہ مجموعہ چار ہزار سے زائد چیدہ اور لاجواب اشعار پر مشتمل ہے۔ احمق صاحب ایک مشہور و معروف شاعر [illegible] کا کلام متواتر اودھ پنچ اور دیگر ملکی جرائد میں شائع ہو کر خراج [illegible] حاصل کر رہا ہے۔ تصانیف خرید کر کے فائدہ اٹھانے والے حضرات اس طرف جلد توجہ فرمائیں اور ذیل کے پتے سے خط و کتابت کریں۔

فرزانہ معرفت اودھ پنچ لکھنؤ

تحریک قادیان

یہ عقیدہ ہمارے لیے کیوں قابل قبول نہیں

مولانا سید حبیب صاحب ایڈیٹر سیاست نے عنوان بالا کے ماتحت جو سلسلہ مضامین سیاست میں لکھا ہے وہ ہر لحاظ سے بے نظیر ہے۔ احباب کرام کے اصرار سے مجبور ہو کر ہم اس سلسلہ کو کتابی صورت میں شائع کر رہے ہیں۔ لاگت کے برابر قیمت تخمیناً ایک روپیہ ہوگی۔ حجم ایک سو صفحات سے زیادہ ہوگا۔ اور اس میں تحریک قادیان کی ترقی اور اس کے علاج کے ذرائع بھی بطور ضمیمہ درج ہوں گے۔ جو احباب کتاب خریدنا چاہیں وہ اگر اپنے آرڈر فی الفور روانہ کر دیں گے تو باعث شکر گزاری ہوگا۔ خط و کتابت ذیل کے پتے سے کیجیے۔

سید عنایت شاہ مہتمم اعلیٰ روزنامہ سیاست لاہور

ظریف ہفتہ وار
LUCKNOW
OUDHPUNCH
مشہور باتصویر
اودھ پنچ لکھنؤ

قواعد وضوابط ادارۂ ہذا

(۱) بفضل خدائے عزوجل ہر مہینے کی ۵-۱۲-۱۹-۲۶ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

(۲) اودھ پنچ میں صرف کالی خبریں، مذہبی جھگڑے اور بیہودہ مضامین نہیں چھپتے بلکہ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور مستقل [illegible] چھپتا رہے۔

(۳) قیمت کی زیادتی پر غور نہ فرمائیے۔ ہم کاغذ پر تصویریں چھاپتے ہیں اگرچہ ظاہر میں فرق ہے لیکن افادات کی حیثیت سے رائے کی اصابت بے رو ورعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی وسیاسی وادبی پر نظر رکھیے انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائینگے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

(۴) اجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ پیشگی لی جاتی ہے۔

(۵) کم مایہ شاگردان مدارس سے بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل سالانہ قیمت صرف للعہ لی جائے گی۔

(۶) پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۱۵ دن کے اندر دیجیے ورنہ بعد میں ممکن ہے کہ نہ مہیا کیا جا سکے۔

(۷) جو مضامین "اودھ پنچ" کی مسلم پالیسی کے مطابق نہ ہونگے وہ شائع نہ ہونگے اور ان کی واپسی پر ہم مجبور نہیں ہیں۔

(۸) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص ان میں نہ ہو۔

نوٹ۔ جو حضرات خریدار ہیں انھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ ان کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جواب طلب امور کے لیے کارڈ یا لفافہ آنا لازمی ہے۔

احمد حسین [illegible] منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

شرائط ایجنسی اودھ پنچ

(۱) روپیہ نقد جمع کرنا ہوگا۔

(۲) رقم جمع شدہ کے ادا ہونے تک پرچہ کی روانگی ہوتی رہیگی

(۳) پانچ پرچے فی ہفتہ سے کم ایجنسی قبول نہ کی جائیگی۔

(۴) بحساب ۳ آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائیگا۔

کسی حالت میں بھی پرانے پرچے واپس نہ لیے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۸ — نمبر ۳۱

مضامین

(مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۳۳ء)

زلزلۃ الشعراء مسٹر طحل ہما بدایونی

دعوت میں جنیری کی انھیں کھانے کو کیا ملا — روٹی جلی ہوئی ملی سالن سڑا ملا
جالندھر میں شراب سے کچھ واسطہ نہ تھا — سب کچھ ملا اگر مجھے حقہ بھرا ملا
اللہ یہ کہاں کی اردو کی زبان ہے — کہتے ہیں وہ شکار رہیں اک فاختہ ملا
معشوق کی تلاش تھی لیکن نصیب سے — الّو ملا تو وہ بھی مجھے کاٹھ کا ملا
پوچھا کہ ڈگری تمھیں انعام میں ملی — بولے کہ ڈگری تو نہیں ڈگڈگا ملا
انجام جستجو میں خدا جانے کیا ملے — آغاز میں تو بوٹ کا تسمہ پڑا ملا
سو گالیاں بھی دو دل تو نہ دیا ایک بار — معشوق بھی نصیب سے چکنا گھڑا ملا
میں واقعی اسے بھی سمجھا کہ آم ہے — جب یہ سنا کہ باغ میں لنگڑا پڑا ملا

ٹکل ہم ان کے گھر میں جو دل کی ڈھونڈنے لگے
ٹوپی کے نیچے میز پہ رکھا ہوا ملا

تعمیل الدولہ مسٹر وانرٹ ہما بدایونی

کیوں ذکر سے ہے نفرت کیوں نام سے بیر [illegible] — واقف ہے مجھے زغیرہ شاید وہ ڈکیتی کرتے ہیں
عاشق کی آنکھیں [illegible] اُنکے سبزۂ عارض پر — یا ان کی بھی گھانسوں میں وہ جھک کے آ ہو چرتے ہیں
مجلس میں [illegible] واقف ہیں اُن کے کہا کہنے — کہ بیدلی بھرتے ہیں جاڑوں میں جلیبی چھٹتے ہیں
جب [illegible] جلیبیں سو گئے دیکھا ہے — [illegible] ہر وقت گال سے بھرتے ہیں
ظاہر میں باتونی ہیں وہ کہنے کو گو بیوقوف ہیں ہم — [illegible] نہیں کہتے بیکل کی ہی ٹیں کرتے ہیں
جب پیٹ گوری عہد [illegible] جواب دیا — [illegible] ہیں فقری کی جلیبیں بھرتے ہیں
ماں باپ کا پاس نہیں [illegible] احساس نہیں — [illegible] سے ابتک سسرال کی بھر پاتے ہیں
مجنوں [illegible] محروم حواس عقل ہے یا — [illegible] کہتے ہیں جیبوں میں شیر بھرتے ہیں
اس حسن [illegible] حسن طلب بیچال ہے — [illegible] انگلی کو رکھ کر تھنی کا اشارہ کرتے ہیں
[illegible] نہ کہو ہو — ایسے چلتے پھرتے ہیں [illegible] کان کترتے ہیں

واقف ہے مجھے دیر سے پیکر ایک مصیبت ہے
[illegible] جلتا ہے جب اور خوب بھرتے ہیں

دلچسپ اور سبق آموز مناظرے کی دوسری قسط

آج کا مناظرہ شروع ہونے سے قبل مسٹر جلال نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

"معزز ناظرین بزم تقریب کے گزشتہ مناظرے کے اعتراضات پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ میں نے اپنی غلطی یا سہو سے اپنے ممدوح شاعر کے کلام سماعت نظام کو پوری قوت اور مکمل ساز و سامان کے ساتھ پیش نہیں کیا۔ اگر یہ کمی اعتراضات کے لیے خلا پیدا نہ کر دیتی تو میرے دوست مولانا جمال الدین کو شعر سن سن کر جھومتے اور واہ واہ سبحان اللہ کے ورد مستقل سے سانس لینا بھی دشوار ہو جاتا۔ کیا معنی کہ اس وجد آور کیفیت آفریں اور حواسوں پر چھا جانے والے کلام کو اس لازمی نظام کی سخت ترین ضرورت ہے کہ اول تو اس کو ایک خوش الحان سفیر ترنم کی معرفت سامعین کے گوش گزار کیا جائے اور دوسرے شاعر صاحب اپنی حیثیان داد طلب سے سامعین کو داد دینے پر مجبور کرنے کی مسلسل کوشش جاری رکھتے رہیں اور دل میں "جو داد دے اس کا بھی بھلا اور جو نہ دے اس کا بھی بھلا" کہہ کہہ کر ایک طرف سے حاضرین کو سلام کرنے کی مشق فرماتے رہیں۔ چنانچہ آج میں قوال کے ایک اس لڑکے کو اپنے ساتھ لایا ہوں جو سفیر ترنم کی ڈیوٹی انجام دے گا اور میں بحیثیت قائم مقام شاعر داد وصول کرنے اور سلام کرنے کے فرائض انجام دوں گا۔"

اس تقریر کے بعد حسب الحکم مسٹر جلال قوال کے لڑکے نے اُن کے پہلو میں اسٹارٹ ہو کر نہایت سنجیدگی سے "اللہ حضور کو سلامت رکھے۔ ملاحظہ فرمائیے" کہہ کر جلسے پر قہقہہ دیوار ڈھکیل دی۔ یہ منظر دیکھ کر مسٹر جلال پہلے تو کچھ کھوئے سے گئے پھر گھبرا کر کہنے لگے "نہیں کچھ نہیں۔ ہنسنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے ہی اسے بتایا تھا کہ غزل پڑھنے سے پہلے "ملاحظہ فرمائیے" کہہ لینا۔ اس نے غلطی سے یا اپنی عادت کے مطابق اپنا موروثی تکیہ کلام بھی اس میں شامل کر دیا۔ اچھا خیر اب احتیاط ہو گئی۔ ہاں بھئی تم "بسم اللہ" کہہ کر غزل پڑھو۔

قوال کا لڑکا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

مسٹر جلال۔ لاحول ولاقوۃ۔ مرد خدا.......

قوال کا لڑکا۔ حضور اس غلام کی خطا معاف ہو۔ جو کچھ بتانا ہو ایک دفعہ بتا دیجیے پہلے آپ نے بسم اللہ بتائی۔ اب لاحول ولاقوۃ بتا رہے ہیں۔

قہقہہ

جلال۔ خیر بھائی۔ اب میں کچھ نہیں بتا رہا ہوں۔ تم غزل سناؤ۔

قوال کا لڑکا۔ وہ ان کا اک بہار نازنین کر جلوہ گر ہونا
مرادہ روح بننا روح بن کر اک نظر ہونا

اہے وا اک نظر ہونا۔ اہے وا......

قہقہہ

جلال۔ الٰہی توبہ۔ قوال کا بچہ بنا پھرتا ہے۔ ابے تو شاعر کی غزل سنا رہا ہے یا قوالی کر رہا ہے۔ چل لمبا ہو۔ چار آنے پیسے مکان پر آ کر شام کو لے جانا۔

بیوقوف کہیں کا۔ نامعقول۔ بے تمیز بیہودہ۔ چل دور ہو میرے سامنے سے۔ دیکھتا کیا ہے۔ کہہ تو دیا شام کو پیسے لیجانا۔

جمال۔ اجی مولانا۔ آپ ۰ مجھے دیجیے۔ اور غزل میرے حوالے کیجیے۔ میں اس قوال سے کہیں بہتر پڑھوں گا اور ساتھ ہی ساتھ اعتراض کرتا جاؤں گا۔

جلال۔ جی نہیں۔ میں خود سناؤں گا ؎

وہ ان کا اک بہار ناز بن کر جلوہ گر ہونا
مرا وہ روح بننا روح بن کر اک نظر ہونا

جمال۔ اس شعر کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود اپنی حیثیت میں کر جلوہ گر نہیں ہوئے بلکہ اپنے ناز کی نہ معلوم کتنی بہاروں میں سے محض صرف اور فقط ایک عدد بہار بن کر جلوہ فرمایا اور میں ایک حیثیت میں روح اور ایک قلابازی میں ایک عدد نظر بن گیا۔ لیکن اس میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں اول یہ کہ۔ اس کاپا پلٹ یا فن سیمیا کی مشق آفرینی سے اس جلوہ گری کی شان میں کیا اضافہ ہوا۔ دوم یہ کہ شاعر صاحب نے اس الٹ پھیر سے کیا فائدہ اٹھایا۔ اگر پہلے مصرعہ میں ناز اور ناز کی بہار کے ڈبل پردے اس لیے ڈالے گئے کہ شاعر صاحب اصل جلوے کی تاب نہیں لاسکتے تھے تو ان کو شامت نے روح بن جانے کے بعد نظر بننے پر کیوں مجبور کر دیا جو ایک معمولی الکٹرک ٹارچ کی روشنی سے جھپک جاتی ہے۔ سوم یہ کہ اگر پہلے مصرعہ میں بہار سے پہلے۔ اور دوسرے مصرعے میں نظر سے قبل لفظ "اک" استعمال نہ کیا جاتا تو مفہوم میں کیا نقص رہ جاتا اور اگر نہیں تو یہ خوگیر کی بھرتی ہوئی یا نہیں؟ مولانا! حقیقت حال یہ ہے کہ شاعر صاحب نے یہ مطلع تصنیف نہیں کیا ہے الفاظ سید ھے فقروں کے ملبے سے مطلع کی خندق پاٹی ہے۔ ورنہ کہنے کی بات تو صرف اتنی تھی کہ اُدھر ان کا جلوہ گر ہونا اور ادھر میرا سر تا پا نظر ہونا۔

جلال ؎

یہ آنا جلوہ بن کر اور پھر میری نظر ہونا
یہی ہو دیدہ تو خود وہ دیدہ بھی لے فتنہ گر ہونا

جمال۔ الٹ پھیر کر وہی قصہ ہے کہ بھوک بہت اور خوراک تھوڑی۔ شعر کا پیٹ بھرنے کے لیے جو مل جائے وہی غنیمت ہے۔ جلوہ اور نظر تو وہی چبائی ہوئی ہڈیاں ہیں جو مطلع اول کے دسترخوان پر سے ابھی ابھی پھینکی گئی تھیں اب رہی مطلع ثانی کی حقیقت لاثانی تو وہ یہ ہے کہ اے فتنہ گر یہ تیرا جلوہ بن کر آنا اور پھر میری نظر ہونا بھی (جس کے بجائے تجھی لکھا ہے) اگر (جو شعر میں محذوف ہے) تیری دید ہے تو خود تو بھی دید ہونا (ہم نہیں ہوں گے) پہلے اگر ایسا نہ ہوتا تو شاعر صاحب ضرور دید ہوتے یہ ہے جدید شاعری اور اس کی تازہ گرما گرم جدت جس کے مقابلے میں جہاں تک میرا خیال ہے سیاہی بخار بھی کم تکلیف دہ ہے۔ یعنی دید کے معنی اور اس کا محل استعمال بھی شاعر صاحب نہیں جانتے۔

جلال ؎

مری یہ دیدہ محجوبی تماشا ہی تماشا ہے
ترا خود پردہ بن جانا ترا خود پردہ در ہونا

جمال۔ یا وحشت۔ تیری بھی نہیں میری۔ یعنی شاعر صاحب اپنے دیدار اور اپنے حجاب کا تماشا دکھا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ دید کا تماشا تو ہو سکتا ہے محجوبی یعنی روپوشی۔ پردہ پوشی یا شرمیلے پن کی وجہ سے کسی شے کا نظر نہ آنا (یہ صرف لغوی معنی ہیں کیونکہ ایسی) محجوبی منسوب نہیں ہو سکتی ہے) اس کا تماشا اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ دیکھنا ادکھنا۔ وہ بھی کے کھیت میں چھپ گیا وہ پٹارے میں سے نکل آیا وہ ٹوپی میں گھس پڑا وغیرہ وغیرہ۔ اس پر طرہ یہ کہ دوسرے مصرعے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ چھپ گیا بلکہ کہا جاتا ہے کہ وہ خود پردہ بن گیا اور آگے چل کر وہ پردے کو یعنی خود اپنے آپ کو پھاڑ کر دھجیاں کر دیتا ہے۔ یہ ہے معرفت اور اس کے معنی ہیں عرفان اور یہ ہے شاعری کی معراج اور طور تجلی جہاں انسان کی سمجھ کے فرشتوں کا کلمہ تک چھوت بھی نہیں پہونچ سکتا۔

جلال ؎

حجاب ان کا ظہور ایسا ظہور ان کا حجاب ایسا
ستم ہے خواب میں خورشید کا یوں جلوہ گر ہونا

جمال۔ اس شعر کو سن کر بے اختیار دل چاہتا ہے کہ کبھی سے پہلے اور فوراً اسے قبل بغیر سوچے سمجھے دو ڈھائی سو

سمن بغرض قرارداد امور تنقیح طلب

مقدمہ نمبر ۔۔۔ ۱۹۳۳ء

عدالت جناب مولوی منیرالدین احمد صاحب کوالی منصف شمالی لکھنؤ مقام لکھنؤ

نواب یوسف علی خاں ولد نواب مبارک علی خاں ساکن ۔۔۔ دکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ مدعی

بنام

حاجی عباس ولد حاجی علی عباس فیروزہ فروش وارد حال سرائے سلطان سنڈا بازار شہر لاہور مدعا علیہ

بنام حاجی عباس ولد حاجی علی عباس فیروزہ فروش وارد حال سرائے سلطان سنڈا بازار شہر لاہور مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت ۔۔۔ قیمت فیروزہ دہرہ کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲ ماہ ستمبر ۱۹۳۳ء بوقت ۔ ایسے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ مدعی کی کرو اور تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جملہ دستاویزات کو جن پر تم بنا پر اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔ مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ تمہاری غیر حاضری میں مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۲۰ ماہ اگست ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

حکم امتناعی فی حالیکہ جائداد غیر منقولہ بعلت اجرائے ڈگری قابل قرقی ہو

(آرڈر ۲۱ قاعدہ ۵۴)

بعدالت منصفی اول مقام بلند شہر ضلع بلند شہر

مقدمہ نمبر ۹۸ بابت ۱۹۳۲ء

اجرا نمبر ۱۰ ۱۹۳۳ء

۱۔ لالہ ۔۔۔ لال ۲۔ لالہ رام سروپ } پسران گوپال رائے قوم ویش اگروال ساکن قصبہ بلند شہر ڈگری دار

بنام

آغا سید محمد شفیع ولد آغا سید نصیر علی شاہ قوم سید ساکن بلند شہر مدعا علیہ

بنام آغا سید محمد شفیع مدعا علیہ

ہرگاہ کہ تم نے ابتک اس ڈگری کا تصفیہ نہیں کیا ہے جو بر خلاف تمہارے بتاریخ ۲۴ ماہ نومبر ۱۹۳۲ء مقدمہ نمبر ۹۸ ۱۹۳۲ء میں بحق ڈگری دار مذکور بابت ۔۔۔ صادر ہوئی تھی۔ لہذا حکم دیا جاتا ہے کہ آپ اپنے مدیون ۔۔۔ تا حکم ثانی اس عدالت سے صادر ہو جائداد مصرحہ ۔۔۔ کو بذریعہ بیع یا ہبہ کے یا اور طور پر منتقل کرنے سے ممنوع اور باز رکھے گئے ہیں اور تمام اشخاص جائداد مذکور بذریعہ خرید یا ہبہ کے یا اور طور پر لینے سے ممنوع اور باز رکھے گئے ہیں ۔۔۔ بطور ۔۔۔ مشتہر ہے۔

آج بتاریخ ۔۔۔ ماہ اگست ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

[illegible]

نام بیگانہ کیوں ہے اور وہ کون ہے جس کا با خبر ہونا معیت ہے ۔ تو جناب یہی تو وہ راز ہائے نہفتہ اور اسرار سربستہ ہیں جن کی تلاش میں یا پاگل ہو کر اچھا خاصا انسان بے تکا شاعر ہو جاتا ہے اور پھر اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ جناب نے یہ کیا فرمایا ۔

جلال ؎

طلسم رنگ و بو کو جس نے سمجھا مٹ گیا ۔ ۔ ۔ ۔

نظر کے لطف کا برباد ہونا ہے نظر ہونا

جمال ۔ چونکہ یہ مقطع ہے معرفت کا نچوڑ اسی پر ہونا چاہیے تھا لہذا فرماتے ہیں کہ انسان نے بلکہ یوں کہیے کہ عارف نے طلسم رنگ و بو کو اوھر سمجھا اور اُدھر مٹ گیا کیونکہ نظر ہونا یعنی نظر لگنا نہیں عارف کا صاحب نظر ہونا یا نظر کا قالب اختیار کر لینا لطف نظر کا برباد ہونا ہے اس شعر میں ایک نکتہ تو بالکل نیا یہ ہے کہ بغیر نظر کے بھی لطف نظر حاصل ہو سکتا ہے اور عارف لطف نظر سے اسی وقت تک بہرہ اندوز ہو سکتا ہے کہ جب تک نابینا رہے اور اسے کچھ نظر نہ آئے ۔ اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ رنگ و بو اگرچہ اپنی اپنی جگہ پر دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اور ان میں رنگ کو سمجھنے کا تعلق نظر سے ہے اور بو کو سمجھنے کے لیے ناک درکار ہے مگر جو عارف ہیں وہ خوشبو کو بھی نظر ہی سے سمجھتے ہیں ناک یا تو ان کے ہوتی ہی نہیں ۔ یا ہوتی ہے مگر بند ہوتی ہے اور زیادہ اس کو استعمال نہیں کرتے اور نہیں کر سکتے ۔

میری مراد اس مناظرے میں عرفان اور معرفت سے وہی عرفان اور معرفت ہے جو صرف ان اشعار سے بزعم شاعر متعلق ہے اور جس کے راوی شاعر کے مداح یعنی ہمارے داغی دشمن مسٹر جلال ہیں ۔ ورنہ میں بے ادب نہیں ہوں ۔

جلال ۔ خیر اگلے مناظرے میں ایک خاص انتظام کیا جائیگا ۔ اس وقت کا مناظرہ بامید آئندہ برخاست ۔

راہ ۔

کھلے رستم از بدایون

گزشتہ ہفتے کارٹون کی سُرخی میں ایک لفظ کھنے سے رہ گیا اور جملہ کرنے قدر غلط ہو گیا ہے ۔ تضمین خوشی میں خوشی ۔ مدینہ ۔ پر پڑھنا چاہیے ۔

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۱۶)

جوہری صفت کاٹھ کے باؤ و لنگلے اُڑنے والی دونوں کتابیں کلمۂ " آغ " کے بعد فرماتی ہیں کہ " دیکھو رَغ " اس کے یہ معنی ہوئے کہ " آغ " بے معنی لفظ ہے حالانکہ ایسا نہیں فارسی میں یہ کلمہ تحسین و آفرین کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے اُردو میں واہ واہ ۔ اس کا مخفف " اَخ " ہے اور اس کے معنی بھی " خوش " کے ہیں ۔ اُردو میں " اَخ " تنہا مستعمل نہیں ۔ لہذا یہ لکھنا کہ " یہ لفظ الف مقصورہ سے صحیح ہے " اَخ تھو کے قابل ہے ۔ فارسی میں جب کسی بات کو سن کے " آغ یا اَغ " کوئی کہے تو گویا اُس نے مدح کی ۔ اُردو میں اظہار نفرت کے لیے کلمہ " اَخ یا " " اَخ " کے ساتھ " تھو " بھی ملاتے ہیں اس کی شرح بعد تذکرہ معنی مذکور یوں کرنی چاہیے تھی ۔

" اخ تھو " فارسی الاصل ۔ مختصر ہے " رخ وتف " کا ۔ اخ " ایک آواز ہے جو رطوبت حلق و دہن کو جمع کرنے کے لیے نکالی جاتی ہے ۔ اور " تھو " یا " تف " دوسری آواز ہے جو رطوبت مذکورہ کو منہ سے دفع کرنے کے وقت نکلتی ہے ۔ سلیم ؎

از بہر اَخ و تف تو جاہ میرزہ

چوں چاہ زنخ پیش دہن می باید

اردو میں ان دونوں لفظوں کی ترکیب سے ایک لفظ " اَخ تھو " بنا جو بہر حال اظہار نفرت و بدمزگی نارضامندی کے طور پر بولا جاتا ہے ۔ تنہا " اخ " ان معنی میں مستعمل نہیں " ۔

برخلاف اس کے شیخ نور اللغات صاحب نے اخ اور تھو کو ایک ہی لاٹھی ہانک دیا ہے اور جناب جامع اللغات نے شیخ کی اقتدا کی ہے ۔ اسی طرح ایک نئی مثل بھی شیخ حاجی زمزم صاحب نے دل سے گڑھ لی یعنی " اخ تھو کھٹے ہیں " اس مثل میں زبردستی میاں " اخ تھو " ٹھونسے گئے ہیں ورنہ اصل مثل تو صرف " انگور کھٹے ہیں " مشہور ہے ۔ جو ایک حکایت سے وابستہ ہے کہ ایک لومڑی انگور کی تاک میں بیٹھی دیر تک انگور کے گچھے کو جو بلندی پر تھا تکتی رہی اور جب رسائی ناممکن ہو تو دل کو یوں تسکین دی کہ انگور کھٹے ہیں کون کھائے " ۔ ممکن ہے کہ یہ حاجی زمزم صاحب کا چشم دید واقعہ ہو اس لیے راوی کے ثقہ ہونے کا احترام کر کے ہم مانے لیتے ہیں چنانچہ فارسی میں بھی " گربہ دستش نمی رسد بہ انگور می گوید ترش است " کی مثل زبان زد ہے ۔ لیکن دشواری یہ ہے کہ صاحب جامع اللغات نے ایک پرانی کتاب " حکایات لقمان " کا حوالہ دیا ہے جس میں " اخ تھو " کا کہیں تذکرہ نہیں ۔ لہذا افسوس بر " اخ تھو " ۔

(باقی آئندہ)

راقم

ادارۃ اللغات

مولانا پنچ کے مختصرات

" مجنوں ومضائقہ ندارد "

خدا سکھلارڈ ولنگڈن کو بعض وقت ایسی کہتے ہیں کہ جھوٹے ہوئے

سمن اسے اقرار داد امور تنقیح طلب

نمبر مقدمہ ۲۴۴

عدالت جناب مولوی بدرالحسن صاحب بہادر حاکم تحصیل مسافرخانہ ضلع سلطانپور

ٹھاکر تنگ سنگھ ٹھاکر جدو ناتھ سنگھ پسران بابو گنگر بخش سنگھ ساکن پٹلاہ پرگنہ و تحصیل مسافر خانہ مدعی

بنام

پرمیشور دین تیواری ولد رام اقبال تیواری ساکن مصرپور پرگنہ و تحصیل مسافرخانہ ضلع سلطانپور مدعا علیہ

ہر گاہ مدعیان نے تمہارے نام ایک نالش بابت بیدخلی حسب دفعہ ۷۱ ضمیمہ ۔ ایکٹ لگان اودھ کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم تاریخ ۱۴ ماہ ستمبر ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن کے بمقام سلطانپور اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے کما حقہ واقف کیا گیا ہو اور کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور بہ جواب دعوی کی کرو اور تم کو لازم ہے کہ اسی روز جملہ دستاویزات پیش کرو جن پر تم بتائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو ۔

تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہو گا ۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۲۹ ماہ اگست ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا ۔

وقت حاضری بدفتر ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

دستخط حاکم بخط انگریزی

ہدایت

"جھوب بھلے یا جھجوب بھلے. جھجّو کی ٹھنی جھوم پڑی"

تعین ہو جاتی۔ سرحدی بدنصیبوں پر جو بم پھینکے گئے اُن سے
انسانیت کے دامن پر ذرہ سا داغ لگا یا نہیں لگا اسے
تو خدا ہی جانتا ہے اگر انسانیت محضہ کا وجود کہیں ہو تا تو
ہم اس مردار سے پوچھتے مگر وہ کمبخت رعایا سے بھی دور
اور دنیا بھر کے حاکموں سے بھی دور رہتی ہے کچھ پوچھ گچھ
نہیں ہو سکتی۔ اب قابل سوال یہ بات رہی جاتی ہے کہ
آیا سرحد پر بم پھینکنے سے بین الاقوامی قوانین کے شرائط
کی ہتک یا خلاف ورزی ہوئی یا نہیں؟۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ دنیا کو
یہ پوچھنے کا بھی حق نہیں ہے کیونکہ
حکومت ہند خدا کی طرف سے
اور خدا ہر بات کی باز پرس سے
مبرا و منزہ ہے۔ اس کے علاوہ
کہاں حکومت ہند کی انسانیت
اور کہاں سرحدی وغارت گروں کی۔
حکومت سے کچھ صادر ہو تو اُس کا
از روئے اخلاق کہیں یہ ثابت
نہیں کہ بحیثیت ایک اخلاقی طاقت
کے اس پر عدل واجب ہے۔ بھلا
کوئی بتائے تو سلف سے آج تک
شہنشاہوں پر ناحق کرنے میں کسے
ملحوظ رہا ہے۔ پہلا اخلاق تو ادھر علیا
پر آپس میں مری رکھنا واجب ہے
نہ کہ حکومت پر۔
افلاطون الٰہی نے کہا وہ گھوڑے
پر سوار ہونا چاہتا ہے۔ دوسرے
نے پوچھا۔ اور سوار ہو کے دو کیا
جواب ملا یہ کہ یہاں تک میری
عقل کی پہونچ نہیں۔ اتنے میں آپ کے ایک شہسوار
نے جو یہ تقریر سنی تو آنکھیں نکالیں۔ مجبوراً افلاطون کو کہنا
پڑا کہ بھائی یہ آدمیوں کی باتیں ہیں سپاہیوں اور گھوڑوں
کے لیے مضائقہ نہیں۔

ایک بی صاحبہ کا پاؤں بھاری تھا خدا نے وہ وقت دکھایا کہ
شہوڑے نیچے یا اچھالی کی نوبت آئی۔ مگر جب مرغی نے پھول
نے بچہ سے ... کی صاف سنی تو گھبرائے کہ مرغی کہاں
سے گھس آئی یہ زچہ خانہ ہے یا تانگا کہیں ہیسانہ ہو کہ کالا منہ
مرغی جھپٹ کر جائے۔ آخر معلوم ہوا کہ یہ کڑکڑاہٹ زچہ ہی کی
تھی درحقیقت انھوں نے یہ نقل اصل کر دکھائی۔ مسالہ کا
سے مرغی ہی نے دلوائے۔ گنتی کے دو انڈے دائی کے
ہاتھ لگے باقی انھیں نے جھٹ پردوں میں چھپانے کی جگہ

مرغی والا کہا کرتے ہیں دفعہ ۵۰۰ کی زد سے تھوڑا پہلے
مکان کی حد سے نکل کے جب قوم کی سرحد میں آجاتا
ہے تو اہمیت اُس کی جاتی رہتی ہے۔
سائنس کے گرگوں کو بھی نیا مشغلہ ہاتھ لگے اور لیبریٹری
انسانی پولیٹری فارم نظر آئے۔ ادھر دیکھیے تاپار کمال ہے
اور ایک بی صاحب انڈوں پر تشریف رکھتی ہیں اُدھر
دیکھیے ننھے ننھے انسانی چنگنے یا چوزے اچاریوں میں
"لی ہاؤں لی ہاؤں" کر رہے ہیں۔

مسائل ہند

میدان تعطل میں اسپ فکر کے منازل

عذر ہائے سخن نما

اودھ پنچ کی سالانہ قیمت پانچ روپیہ
ہے ہم سال بھر حسب عادت کی پابندی
کے ساتھ ہر ہفتے خریداروں کی
خدمت میں اپنی استعداد کے
مطابق علمی ادبی سیاسی اخلاقی
نظم و نثر دلچسپ تر ادب پیش کرتے
ہیں جو اس اقل قلیل نقد کے
مستحق ہوتے ہیں۔ با ایں ہمہ حاتم
و ادرزادی عجیب و غریب رسنتے
ہیں جن کے سنتے ہی دل بتاسے
کی طرح پانی میں تہ نشین ہو جاتا ہے
کسی کی پانچ لاکھ سالانہ آمدنی
پر یہ پانچ روپیہ ایسے بار ہوئے کہ
تین چار مرتبہ وی پی واپس کرنے
اور پانچ روپیہ جو دیئے نقصان
میں سے بھی ڈیڑھ دو روپیہ
ڈاک کی نذر کروانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔
"آہ اودھ پنچ۔ دیرینہ خادم ملک اودھ پنچ مصلح
اخلاق و علم اودھ پنچ کی خریداری سے نہایت افسوس
کے ساتھ دست بردار ہونا پڑا کیا کروں قیمت کا تحمل
نہیں ہو سکتا۔ بوسیلہ تحصیلی خزانے کی پھوٹ گئی۔ جو آمدنی
باقی ہے وہ شراب کباب تذری بازی سینما اور تھیٹر کے لیے
کفایت نہیں کرتی جو پرچہ مول لے سکوں اور جناب میں
تو گھوڑ دوڑ کی جیت کی بدولت اودھ پنچ کا خریدار بنا تھا۔ ابکی

انسانی انڈے

اب تو جو بات ہوتی ہے وہ کانوں کبھی سنتے میں نہ آئی ہو

انگیٹھی میں نیم برشت کر ڈالے سو دو جو دائی کی مہربانی
سے بچے وہ معمولی مرغی کے سے انڈے ہیں۔ لوگ تو جو
دیکھنے جاتے اور انسانی انڈے دیکھ کے بانگ دیتے گھر
پلٹ جاتے ہیں۔ اگر زچا رانی مہربانی فرمائیں اور بیچے و
بچے کچھے انڈے کے چند روز بیٹھ جائیں تو معلوم ہو جائے
کہ انڈوں سے بھی انسانی بچے پیدا ہو سکتے ہیں جو صحیح
معنی میں "مرغی والے" کہے جانے کے مستحق ہیں۔ اور
بازاری آدمی جو بات بات میں کسی کو چھوڑ یا ڈالا کسی کو

اڑ یہ دل کچھ گھر سے لے جاؤ کا معاملہ تھا۔ لہٰذا گھوڑ دوڑ بھی یہ منڈی اور خریدار نہ تھی۔ آئندہ آغا خاں کے گھوڑے پہ بازی بدنے والا ہوں انشاء اللہ بشرطیکہ کامیابی بھی ملاقات ہو گی۔ زیادہ تسلیم۔

بھینک خداوند۔ تسلی بہت ہو رہی ہے ورنہ علی سائی اس میں ضرور ہوتی۔ علم جتنی وزن نہیں رکھتا اس پر بھی بار کا تحمل نہ ہوا تو آپ کی بدقسمتی۔

ایک صاحب لکھتے ہیں "اودھ پنچ میں تمام خوبیاں ہیں راقم السطور اُن تمام کا مُعترف ہے۔ یہاں میں جب تک ہا اودھ پنچ کے مطالعہ سے بہرہ اندوز ہوتا رہا اب یہاں سے بدلی ہو گئی ہے اس وجہ سے معذور ہوں۔ جو قیمت باقی رہ گئی ہے وہ منی آرڈر کے ذریعہ سے بھیجدوں گا۔ چند ماہ کے لیے پرچہ خرید لیا تھا منیجر صاحب کے ایک درجن پوسٹ کارڈ بہ رسم تقاضا موصول ہوئے جواب کی فرصت نہ ملی اب سال آخر ہو گیا ہے آپ مطمئن رہیں۔ جب ڈپٹی کلکٹری سے ترقی کر کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز ہو جاؤنگا کوڑی کوڑی چکا دونگا۔ پرچہ اس وجہ سے واپس نہیں کیا کہ جناب کی خاطر شکنی ہوگی"

ہاں جناب سچ ہے خدا کرے آپ رشوت گیری کے جرم میں اُس وقت تک ماخوذ ہو کے برطرف نہ کر دیے جائیں ورنہ آپکی ڈگری جائے گی اور ہمارے دام جیں تو قیامت میں بھی آپ سے دام وصول ہونے کی امید نہیں۔ کیا معنی کہ اگر خدا نخواستہ آپ کا حشر شورماں کے ساتھ ہوا تو! رہی خاطر شکنی تو وہ لاطائل عذر سے ہوتی ہے۔ بہر حال زبانی قدر افزائی سے زیادہ بہتر ہے کہ اس بچاری بھیڑ کو جوم کے نہیں تفرین کہ کے چھوڑ دیجیے یا ہم ایک عمدہ تجویز پیش کرتے ہیں اس پر عمل فرمائیے وہ کیا؟ یہی کہ ایک سٹ کار ڈ خراب کیجیے اور لکھیے۔

"جناب ایڈیٹر صاحب نام کنند ظرافت۔ ادبی افادات و لطائف یا بذلہ سنجی کی جو طلب بھاڑ میں آپ اگر عمدہ بھانڈ نہیں ہیں تو ہم بھی قدردان نہیں آپکا جی چاہے تو مفت پرچہ بھیجتے رہیے بشرطیکہ مضامین ایسے ہوں جنکے سمجھنے کے لیے عقل درکار نہ ہو بس کٹھ پتلی کا تماشا ہوں۔

حکایت

"تاعطولی کسے بگذ بونے"

ایک مصر صاحب چند دستوں کو کھانا کھاتے دیکھا کہنے لگے کہ دوستوں تمہیں میرا سلام پہنچے اہل بزم کو برا معلوم ہوا انھوں نے کہا

عراق ریلوے

نجف۔ کربلائے معلیٰ۔ کاظمین اور سامرہ کے مقدس شہروں کی زیارت کے لیے عراق ریلوے کے ذریعہ آرام۔ تیز رفتاری اور بہت ہی سستا کرایہ سے سفر کریں۔

مختلف درجوں کی زیارتی کوپن کی کتابیں جو ۵۰ دن تک کارآمد ہوں گی نیچے درج ہیں اور ۵۰ کیلو زسامان ہر کتاب کے عوض میں اپنے ہمراہ مزید کرایہ کے بغیر لے جا سکتے ہیں۔

	درجہ دوم	درجہ سوم
کوپن بک (الف) برائے سفر بصرہ سے کربلا، کاظمین۔ سامرہ اور واپسی بصرہ	عہ للعہ	للعہ
کوپن بک (ب) برائے سفر بصرہ سے کربلا، کاظمین اور واپسی بصرہ	للعہ	عہ ۸

تین سال سے کم عمر کے بچے کا کرایہ معاف اور بارہ برس سے کم عمر کے بچوں کا نصف کرایہ لیا جاتا ہے۔ بمبئی اور کراچی سے ہر ہفتہ جہاز بصرہ کے بندرگاہ مقل کو جاتے ہیں جہاں ریلوے کے افسران زائرین کو ان کے آرام اور زیارت گاہوں کو جانے والی گاڑیوں میں جگہ کا انتظام کرنے کیلیے استقبال کرتے ہیں۔

زائرین جو مکہ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں انکو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ عراق کے راستہ سفر کریں اور اس طرح سے ایک ہی وقت میں اس ملک کی زیارت گاہوں کی زیارت کے مواقع بھی مل جائیں گے۔ بغداد سے دمشق کو بذریعہ موٹر ۲۴ گھنٹہ میں سفر کیا جا سکتا ہے۔ دمشق سے جدہ۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا کرایہ حسب ذیل ہے۔

درجہ دوم	درجہ سوم بلا خوراک
مالعہ	للعہ

ہندوستان میں عراق ریلوے کے ٹکٹ اور کوپن کی کتابیں بمبئی اور کراچی میں مختلف ایجنٹوں سے خریدے جا سکتے ہیں۔

۱۔ مولوی محمد باقر صاحب مسافر خانہ حاجی دیوجی جمابھائی روڈ۔ عمر کھاڑی بمبئی۔
۲۔ آنریری جوائنٹ سکریٹری فیض پنجتنی۔ پالاگلی بمبئی۔
۳۔ مسٹر ای۔ ای۔ لوٹیا۔ نائڈوی کمل داؤ ایمبئی ۳
۴۔ حبیب حاجی رحمت اللہ صاحب۔ کھارادر۔ کراچی۔
۵۔ مسٹر عبد العلی شیخ عیسیٰ جی معرفت مسرز یوسف علی و کریم جی اینڈ کمپنی نیپیر روڈ۔ کراچی۔
۶۔ آنریری سکریٹری فیض پنجتنی معرفت حاجی جیٹھا بھائی۔ کوڈی باغ۔ کراچی۔

نوٹ:۔ ایک ہی جہاز پر ایک سو یا ایک سو سے زیادہ تعداد میں بصرہ کو سفر کرنے والے زائرین کو جہاز کے کرایہ میں رعایت مل سکتی ہے۔

ظریف ہفتہ وار
مشہور باتصویر
LUCKNOW
OUDHPUNC
اودھ پنچ لکھنؤ
अवधपंच
लखनऊ
(بیرون ہند)
دس روپیہ

جلد ۱۸ — نمبر ۳۲

مضامین

(مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۳۳ء)

تہنیت زبان اُردو

(از افادۂ جناب منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی)

گذشتہ سال حضرت خسرو دکن نے اپنے ورود اقبال و نزول اجلال سے غارستان لکھنؤ کو رشک ارم بنایا لکھنؤ کے وضع دار محترم اشخاص بنظر غائر ملاحظہ کر رہے تھے کہ اعلیٰحضرت کے حاشیہ نشین کس قسم کے لوگوں کو دربار کی حضوری کا شرف عنایت کرتے اور حضوری کے قابل سمجھکے طلب کرتے ہیں۔ کچھ بندگان حرص و آز تو بے طلب پہونچے اور سادہ نوازش سے متمتع ہوے ان میں کئی گورنمنٹ اسوادی بھی تھے۔ اور باقی اگلے پچھلے تعلقات خدمت یا توسل موجود ہے کے طفیل میں باریاب ہوے۔

خسرو دکن دام سلطنتہ کی سب بڑی خصوصیت اُردو زبان کی ترقی ہے۔ ہماری اُردو جس کی ترقی رواج اور اصلاح میں لکھنؤ کا بہت بڑا حصہ ہے منہ تکتی رہ گئی کہ حضور کے خیر خواہ قدیم کیسے ہیں جو خیرخواہوں کو اذن باریابی دیتے ہیں مگر وہ وہ انتظار ہی کرتے رہ گئے کسی نے منہ نہ لگایا بلکہ سرکاری کیمپ میں تو بی انگریزی خانم کی خوب چلتی تھی۔ ادھر دیکھو گٹ پٹ اُدھر دیکھو یس نو۔

ظریف شاعر نے اُردو کی زبان بن کر اس کے عظیم الشان مربی کی خدمت میں اپنا شکوہ کشادہ کیا ہے۔ قصیدۂ تہنیت لمبا چوڑا ہے اس کا ضروری اور برمحل اقتباس آج کی اشاعت میں درج کیا جاتا ہے۔ باقی ماندہ حصہ اس وقت شائع ہوگا جب قلمرو نظام کے دائرے میں انشاء اللہ ورود ہوکے بہار کا حصہ بھی شامل ہو جائے گا۔

امید ہے کہ اعلیٰحضرت دام ملکہ اُردو کی شکایت بگوش توجہ سماعت فرمائیں گے شکوہ معقول ہے اس لیے مقبول ہونا چاہیے۔ نامور شعرائے لکھنؤ بجا طور پر منتظر تھے کہ ہم پوچھے جائیں گے تو سر آنکھوں سے حاضر ہوں گے۔ بے طلب حاضری ان کی وضع کے خلاف ہے شاہی ملنے سے ان کا یہی دستور چلا آتا ہے۔ الا ماشاء اللہ و نادر فقط۔ (اودھ پنچ)

خسرو ملک دکن حضرت سرکار نظام — میر عثمان علیخاں ملک عرفن مقام

عاشق آل نبی ناصر دین اسلام — ملکہ خلدہ اللہ اسے یوم قیام

ثانی شاہجہاں رہبر راہ اُردو

حامی اہل زباں پشت پناہ اُردو

لکھنؤ وہ جو کبھی مرکز اہل فن تھا — لکھنؤ جس کی زباں سے تھے سخن فہم فدا

یہ وہی شہر ہے ملکوں میں تھا جس کا شہرا — اب یہاں کچھ نہیں آثار قدیمہ کے سوا

آکے اُردوئے معلیٰ ہیں پروان چڑھی

لکھنؤ وہ کہ جہاں تیغ زباں سان چڑھی

کچھ کم و بیش ہوا ہوگا ابھی ایک ہی سال — کہ وہاں شاہ نے فرمایا نزول اجلال

جمع اس طرح کے تھے منتظم استقبال — کہ انھیں آیا نہ بھولے سے بھی اُردو کا خیال

پیش جگکر ہوے ہیں اہل زباں ہی ناکام

اس کمی کا ہے فقط منتظموں پر الزام

تھے کچھ اس قسم کے اشخاص دخیل دربار — کہ جو اُردو کو سمجھتے ہیں فضول و بیکار

"میر" کے نام سے ناراض "ولی" سے بیزار — ملٹن اور شکسپیر سے فقط انکو سروکار

اُنکے نزدیک تو بس اہل زباں بھی ہیں وہی

جاکے لندن کوئی ہو آئے اگر پی ایم ڈی

اہل مغرب کے مقلد ہیں جو بھولے وطن — وضعدار ایسے کہ شرماتی ہے روح کرزن

واقعی بھول گئے اپنی زباں اپنا چلن — گارڈن جب کہیں تب جاکے وہ سمجھیں گلشن

نابلد ایسے کنیری کو جو بلبل سمجھیں

جب انھیں "روز" بتاؤ تو کہیں گل سمجھیں

مہتمم سب مشاہیر کو پہچانتے تھے — مصلح قوم بھی بے لوث بھی گردانتے تھے

سنتے رہتے تھے کلام اور بہت مانتے تھے — کون ہے لائق دربار اُسے جانتے تھے

پوچھنا تھا جنھیں وہ یاد اُنھیں آنہ سکے

خدمت شاہ میں خوددار جو تھے جا نہ سکے

بانی جامعہ اے محسن دین اسلام — میں نہ شاعر ہوں نہ منشی مجھے اس سے کیا کام

آج جب تہنیت عام کا دیکھا ہنگام — میں نے پہونچا دیا اُردوئے معلیٰ کا پیام

آہ زاں خضر کہ تا چشمۂ حیواں نہ رسد

وائے بر جان سخن گر بہ سخنداں نہ رسد

ترویج تعلیم

(مرتبہ۔ مرزا اسجاد علی خاں صاحب نقشوی بی اے بی ٹی علیگ)

کلکتے سے اس نام کا ایک ماہنامہ رسالہ شائع ہوا ہے۔ نام ہی سے مقصد اشاعت ظاہر ہے۔ اڈیٹر صاحب چاہتے ہیں کہ مہذب اور تعلیم یافتہ ممالک کی طرح اپنے وطن کو بھی تعلیم کی نعمت سے مالا مال دیکھیں۔ لہذا تعلیمی ضرورتوں کی طرف اہل ہند کو متوجہ کرنے کا فرض اس رسالے کے ذریعے سے ادا کریں گے۔

ارادہ نہایت مبارک ہے۔

پہلا مضمون بعنوان "واقعہ کی تکرار" نہایت مفید امور پر مشتمل ہے۔ یعنی صاحبزادے کی حرکتیں پالنے اور پنگھوڑے ہی میں درست کرنی چاہئیں۔ اور یہ موقوف ہے طرز معاشرت کی اصلاح پر یعنی اگر اماں باوا خود ہی سیاست طلب و نگرانی کے قابل ہیں تو بچے کی تربیت اور عادات پر بھی ان کا اثر پڑے گا۔ اُن میں نافرمانی حسد نفس پروری تنگ خیالی نفاق سب ہی گُن اپنی اصل کی تقلید میں پیدا ہو جائیں گے۔ بچپنے ہی میں طبیعت کا آئینہ بگڑا اور بری عادتیں جم بیٹھیں تو پھر کسی طرح ہلائے نہ ہلیں گی۔ سعدی شیرازی فرما گئے ہیں؎

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست
نرود جز بوقت مرگ از دست

پہلا فرض والدین ہی کا ہے نہ بچے کا کہ بچے تربیت کا اثر قبول کریں۔ یہاں تو پہلے ہی سے نافرمانی کی عادت ڈالی جاتی ہے۔ ابتدا میں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اماں جان صاحبزادے سے کہیں لاؤ تمہارا منھ دھلا دیں اور وہ قلانچ مار کے باہر چلتے ہوں۔ اس بھولی حرکت پر اماں جان باغ باغ ہو جائیں۔ اے لوگو میرا کہنا تو اس کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں کل ہی خدا معلوم میں نے کیا کہا تھا بس باورچی خانے کی پھکنی لے کے مجھ پر پل پڑا اور کہنے لگا چلیل (چڑیل) کہیں کی۔"

اڈیٹر صاحب کی رائے بالکل صحیح ہے ہم اس پر صاد کرتے ہیں اگرچہ جو مشورہ انھوں نے دیا ہے وہ عظیم الشان اور طبعی انقلاب کا محتاج ہے۔ اس قسم کا انقلاب جیسا کہ ذیل کی حکایت میں ہے خدا ساز ہوتا ہے۔

ایک عرب کا اندھا اور بڈھا شاعر چلنے پھرنے سے معذور تھا اُس نے دلال کو بلایا اور کہا بھائی مجھے ایک ایسے گدھے کی ضرورت ہے جو سبک روی میں فرد ہو۔ جہاں مجمع دیکھے وہاں آہستہ چلے۔ میدان ہو تو تیز۔ مالک کا ارادہ پہچانتا ہو۔ ٹھوکر نہ لے۔ پاجی پن نہ کرے۔ میں بلاؤں تو سیدھا چلا آئے۔ چڑھنے لگوں تو خاموش رہے۔ گدھی کو راہ میں پا جائے تو دل لگی بازی نہ کرنے لگے۔ مطیع ہو سلیم الطبع ہو۔ اوصاف کی فہرست ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ دلال گھبرا گیا اور کہنے لگا حضور شاید ان اوصاف کے بعد یہ فرمائیں گے کہ صائم النہار قائم اللیل راکع ساجد۔ زاہد عابد قانع متوکل بھی ہو تو خداوند آپ اللہ میاں سے دعا کیجیے۔ کہ قاضی بغداد کو آدمی سے گدھا بنا دے۔ بس ادھر دعا قبول ہوئی اور اُدھر یہ عاجز رسی لے کے پہونچا۔"

جن ممالک میں تعلیم عام ہے وہاں کی یہ خصوصیت ہندوستانی مصلحوں کو یاد رکھنی چاہیے کہ وہاں قوم حکومت کرتی ہے اور براہ راست حکومت کرتی ہے۔ برخلاف ہندوستان کہ یہاں قومیت کے فقدان کے ساتھ ہی افتراق کے دوسرے اسباب بھی جمع ہیں اور اس افتراق کے ذمہ دار تعلیم یافتہ پڑھے لکھے شاطر طبقہ اہل الرائے بندگان غرض ہیں۔ اڈیٹر صاحب کو پہلے یہ دعا کرنی چاہیے کہ خدا انھیں بلا مسخ ہوئے مطیع و فرمانبردار غیر طامع گدھے نہیں تو بعد انتخاب کے منبر میں دہانہ چڑھا پایا جائے اور ہمارے اڈیٹر صاحب اُن پر سواری گانٹھیں۔ آمین ثم آمین۔ بالفعل ایسی تحریروں اور مشوروں کی ضرورت ہے جو ایسی فضا میں جہل و نفاق کی حالت میں مؤثر ہو۔ بھلا جب گھر میں جو بچے تک مارے ضعف کے ہاتھ میں لٹیا پکڑ کے پیس خوردہ ٹکڑوں کی تلاش کرتے ہیں تو گھر والے ایک ہی مدرسے میں اپنے بچوں کی پرورش و تربیت کرانے کا انتظام کس طرح کر سکتے ہیں؟ میل جول اور محبت کا تخم ان ننھے ننھے دلوں کی کھیتی میں کیونکر چھڑکا جا سکے گا۔ حکومت کو اپنا قبضہ ملک میں قائم رکھنے کی فکر ہے۔ سرمایہ داروں کو انھیں فاقہ کشوں کے وسیلے اور محنت سے اپنا خزانہ بھرنا ہے۔ سرکاری عمال کو قوانین و ضوابط انتظامی کی پابندی کروانی ہے۔ اخلاقی ہمدردی سے

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قاعدہ ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی سنہ ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۱۳ سنہ ۱۹۳۳ء

بعدالت جناب خان بہادر منشی علی حسن خاں صاحب بہادر اکزیکٹو اسسٹنٹ کمشنر مقام گڈسی مہرا باد ضلع پرتاب گڈھ

رامے بجرنگ بہادر سنگھ تعلقدار ساکن بھوسری پرگنہ بہار تحصیل کنڈہ ضلع پرتاب گڈھ مدعی

بنام

اشرف علی و عنایت علی و شہود احمد علی پسران صادق علی و ثابت علی پسر مظفر علی اقوام سید ساکن بہبوسٹرہ پرگنہ بہار تحصیل کنڈہ ضلع پرتاب گڈھ مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت بقایا لگان کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۴ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن بمقام گڈسی مہرا باد اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے بخوبی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو حاضر کرو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویز جن پر تم تائید اپنے جوابدہی کے استعمال کرنا چاہتے ہو پیش کرو اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۸ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی اسسٹنٹ کمشنر و مہر

مہر عدالت

نوٹس سبب دکھانے وجہ کے (نمونہ عام)

(حسب آرڈر ۲۱ قاعدہ ۲۰ ضابطہ دیوانی)

بعدالت جناب شیخ علی احمد صاحب بہادر اڈیشنل سب جج سلطان پور
مقام سلطان پور

مقدمہ نمبر ۵ سنہ ۱۹۳۳ء

بلدیو رسالہ پور ولد رام ادھین ساکن جادی پور پرگنہ میرانپور تحصیل و ضلع سلطانپور مدعی

بنام

رام سرن سنگھ وغیرہ مدعا علیہ

بنام رام سرن تیواری ولد جھنگوری تیواری ساکن لولہواہو پرگنہ برہسہ تحصیل و ضلع سلطان پور

ہرگاہ مسمی مدعی نے درخواست اس عدالت میں گزرانی ہے کہ ڈگری قطعی بحق بمقابلہ مدعا علیہم صادر فرمائی جاوے لہذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تم اصالتاً یا معرفت کسی وکیل کے جو حالات مقدمہ سے بخوبی واقف ہو بوقت ۱۰ بجے بتاریخ ۱۴ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء اس عدالت میں حاضر ہو کر درخواست کے خلاف وجہ دکھاؤ۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو درخواست مذکور تمہاری غیر حاضری میں سماعت کی جاوے گی۔

بتاریخ ۲ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

وقت حاضری بدفتر اڈیشنل سب جج صاحب بہادر سلطان پور ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ اڈیٹر صاحب سے قبل بھی بعض اہل درد نے یہی کہا۔ خالی اہل درد انسانوں ہی نہیں اسمعیل نے بھی یہی فرمایا۔ مگر جن ہاتھوں میں بکو و رانسانوں کی باگ ہے انھوں نے یہ نصیحتیں اس کان سنی اس کان اُڑا دیں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ اڈیٹر صاحب مفید وعظ سے باز آجائیں نہیں صاحب اچھی بات جس قدر کہی جائے اتنی ہی مؤثر ہوگی۔ ان مدافرہ کی دعا ہر تانس کے بعد یہی چاہئے طرز حکومت و طرز معاشرت دونوں کی اصلاح ہو۔

اڈیٹر صاحب نے دوسرا مضمون عالم شباب کے عنوان سے لکھا ہے یہ مضمون بھی خوب ہے اس کے دو حصے ہیں ایک میں کوئی نوخیز (غلام مرابطی، شاخ رود مسالاوکا) بداخلاق ناول نویسوں کے گھٹنے (مہذب کتنا یا اور بجیلی) کی طرف متوجہ ہے۔ ناول نویس نے کسی عورت کے مستانے پن کا حلیہ ایسے الفاظ میں دکھایا ہے کہ قصہ پڑھنے والا اگر جوان ہے یا قریب جوانی ہے تو اُسے غسل کی حاجت ہو جائے۔ سولہ برس کی عمر ضرور اس قابل ہوتی ہے کہ جسم کی جس رگ نس ایسی حیرتناک حرکت میں مبتلا ہو جائے جس کا حس پہلے سے نہ تھا۔

اڈیٹر صاحب نے ظاہر کیا ہے کہ صاحبزادے اس خیالی اور نقلی تصویر کے نظارے میں محو ہیں۔ باوا سمجھتے ہیں کہ میرا بچہ ادبی کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہے استاد متنبہ کرتا ہے کہ نہیں جناب خبر لیجیے ورنہ لونڈا بگڑ جائے گا۔ دوسرے میں ایک نوجوان کی حالت دکھائی ہے کہ وہ ناول کی خیالی تصویر کے تصور میں مبتلا ہے فرق اتنا ہے کہ پہلے طالب علم پر تو صرف تحیر کا عالم طاری تھا۔ دوسرے صاحب کی آرزوئیں جو منوبطائی قسمیں ناول نگاری کی چکار سے شیر ہو گئیں اب وہ پیچ پیچ کچھ اور ہی سبق پڑھنا چاہتے ہیں۔ نہ فلسفے کے دشوار مسائل ان کے نزدیک غور و تامل کے قابل ہیں نہ ہندسے اور حساب کے سوال وہ عجیب گھڑی تھی کہ جس گھڑی پیا درس نسخۂ عشق کا۔ کہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی سو دھری رہا۔ باوا اپنے حسن ظن کی بدولت یہی سمجھتے ہیں کہ لڑکا فلسفی ہو گیا۔ استاد بتاتا ہے کہ نہیں جناب وہ تو برق حسن و عشق و محبت و مستی تاروں کو متصل کر کے شعلۂ شباب مشتعل کرنے کی فکر میں ہے۔ مگر یہ سائنس پڑھی تو پورا فلسفی یعنی مجنون ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ بھی مفید مضامین ہیں چونکہ یہ دونوں مضمون زیادہ لطیف ہیں جن میں ظرافت کی پوری گنجائش ہے اس لیے ہم نے ان پر چند سطریں لکھ دیں۔ پہلے مضمون کی زبان زیادہ آسان نہیں۔ اور کسی قدر نرم ہونی چاہیے۔

اس کے ساتھ ہی انگریزی کا ضمیمہ ہے اور اس کے بارے میں بھی ہماری وہی رائے ہے جو اُردو کے مضامین کی نسبت ہے۔ قیمت لکھنے کا اصول اڈیٹر صاحب نہیں مانتے جن صاحب کو لینا ہو لکھا پڑھی کریں۔ ہاں ملنے کا نشان ہم بتلائے دیتے ہیں۔ ۱/۱ زہرا کاشی ناتھ ملک لین کلکتہ

چند نئے معاصر

لکھنؤ سے روزنامہ ہند شائع ہوا۔ لاہور سے "آزاد" اور سنتے ہیں کہ "سرفراز" لکھنؤ بھی بائی ویکلی (نیم ہفتہ وار) سے روزانہ ہونے والا ہے۔ ان سب صاحبوں کی ہمت پر ہزار آفریں ہے۔ کہ قلمی کساد و انحطاط کے زمانے میں لکھنؤ کے بیل دوڑ کے انجن کا مقابلہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔

مناسب تو یہ تھا کہ جو کل پُرزے پرانی مشینوں کے گِھس پس گئے ہیں انھیں کو سنبھالنے کی سعی فرمائے۔ اور نئی مسجدیں گڑھنے کے عوض گری پڑی مسجدوں کو کہ وہ بھی وقف خانہائے خدا ہیں نمازیوں کے قابل بنالے۔ مگر خیر مل جل کے رہنا دشوار ہے تو علٰحدہ ہی سہی ۔۔۔ شخصی حیثیت سے بھی بہت سے مہمات سر ہو سکتے ہیں

طرفہ ماجرا یہ ہے کہ سب حضرات اسی قوم کی بوٹی پر فکر اپالنے کے دعوے دار ہیں جس نے قدیم خادموں کی پروا کبھی نہ کی۔ ابتدائً اخباری کاغذوں نے استقبال کیا۔ بڑے بڑے نثر قصائد تعریف میں پڑھے شاعروں نے نظمیں باندھے مضمون نگاروں نے بڑھاوے دیے "اے آپ! خدا کی قسم جواب ہی نہیں رکھتے۔ آہ میں اپنے پیارے پر فدا۔ بال بچے چھوٹے بڑے۔ حوالی موالی۔ عزیز قریب تصدق۔ واللہ جو کام آپ کر رہے ہیں وہ جہاد عظیم ہے اسے اُردو کا خداوند کریم معاذ اللہ کہنا چاہیے۔

عدالت جاپان اتنی ترقی کرے گا کہ دنیا غار حیرت میں دھنس جائے گی "

آخر کیا ہوا؟ وہی جو باتونیوں کی بکواس اور سبز ہمراؤں کی بات قبول کرنے یا اس پر پھول کے کُپّا ہو جانے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ دھونکنی سے اعتماد و خوش باوری کی ہوا خارج ہو گئی اب بقول بوانصیبن کے خالی پھکلو اگلا اڑجانے کے سوا بھلا ہو سکتا (رجاء) کی مرغینہ کے یہاں بھی کچھ ہوتا ہے؟۔

سمن برائے جرح انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۵ بابت ۱۹۳۳ء

بعدالت جناب مولوی نصیر الدین احمد صاحب کرائی منصف شمال لکھنؤ

نواب یوسف علی خاں ولد نواب مبارک علی خاں ساکن تمبرو و کشور پاشر یا لکھنؤ

مدعی

بنام

حاجی عباس مدعا علیہ

بنام حاجی عباس فیروزہ فروش ولد حاجی علی عباس وارد حال سرائے سلطان مستا ایا زار شہر لکھنؤ مدعا علیہ

چونکہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت قیمت فیروزہ سالیتی .... کے دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۸ ماہ ستمبر ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے کماحقہٗ واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دعوے مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوی کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۹ ماہ ستمبر ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

اطلاع

۱۔ اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تمہارے گواہ اپنی مرضی سے حاضر نہ ہوں گے تو عدالت ہذا سے سمن بایں مراد جاری کرا سکتے ہو کہ جو گواہ نہ حاضر ہو وہ جبراً حاضر کرایا جائے اور جس دستاویزات کو کسی گواہ سے پیش کرانے کا تم استحقاق رکھتے ہو وہ اس سے پیش کرائی بشرطیکہ تم اس کے واسطے زرخوراک جو ضروری ہو عدالت میں داخل کر کے اس امر کی درخواست گزرانو۔

۲۔ اگر تم مطالبہ مدعی کو تسلیم کرتے ہو تو تم کو لازم ہے کہ روپیہ مع خرچہ نالش عدالت میں داخل کر دو تاکہ ڈگری کا اجراء جو تمہاری ذات یا مال پر یا دونوں پر ہو کرنا نہ پڑے۔

تنبیہ۔ اگر بیانات تحریری کی ضرورت ہو لکھنا چاہیے کہ تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ بیان تحریری تاریخ ۱۵۔ ماہ ستمبر ۱۹۳۳ء تک گزرانو۔ وقت حاضری بدفتر منصف شمال لکھنؤ ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

مہر عدالت

دستخط حاکم بخط انگریزی

اکثر روزنامے کسی خاص لیڈر کی پارٹی یا پالیسی کو سہارا دینے کے لیے نکالے جاتے ہیں۔ مالک جریدہ سمجھتا ہے کہ فلاں شخص لیڈر ہے اپنی لیڈری کے طفیل میں ضرور اعانت کرے گا اور اس کے ہم خیال عوام خریداری سے اعانت کریں گے کام چل نکلے گا۔ لیڈر صاحب نے ہزار پانسو عنایت کر دیے کہ چلاؤ میاں پرچہ۔ یہ تو ہوا اس وقت۔ آئندہ بھی انشاءاللہ مدد کی جائے گی۔ اڈیٹر صاحب یا مالک جریدہ نے اپنے علم کی مقبولیت کے زور پر کہہ دیا کہ بس حضور بس یقین رکھیے کہ دس پانچ نمبر نکلتے ہی پبلک کا تہلکہ ہوگا پھر تو یہ کیجیے اپنے پیر پر پاب کھڑا ہو جائے گا۔ کام کا آگے ہی دشوار ہوتا ہے۔ مگر جناب مالک جریدہ صاحب کو اپنے بارے میں بھی دھوکا ہوا۔ لیڈر صاحب کی فیاضی کی نسبت بھی اور لیڈر صاحب کی امت (ہم خیال عوام) سے متعلق بھی۔ کیا معنی کہ نہ تو اس حکمت عملی میں جان تھی جس کی حمایت کا بیڑا اٹھایا گیا۔ نہ قلم ہی میں حسن قبول خواطر کا وصف تھا نہ لیڈر صاحب کی امت جاہلیت عقل باندیا حمیت کے اوصاف سے متصف تھی بلکہ ہم تو یہاں تک معترف ہیں کہ لیڈر صاحب کی امت کثرت عدد کی نعمت سے بھی محروم تھی۔ گنے بدے چار ہی آدمی تھے۔ دو مصاحب خوشامدی۔ ایک خدمتگار اور ایک اخبار نویس۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جناب لیڈر صاحب امیدوار نشست کونسل دام اقبالہ دم کی لنگوٹی کر کے روپوش ہو گئے "اے بھائی بقر عید کی حضور سے کہہ دینا آپ کے اخباری کاغذ کا اڈیٹر حاضر ہے" جواب ملا "اس وقت فرصت نہیں۔ واہ صاحب یہ اچھی دل لگی ہے اس اخبار کی اعانت کر کے گھر میں بیٹھنا دشوار ہو گیا۔ ارے صاحب تجارتی لائن پر اخبار چلایا کرتے ہیں۔ یا بھیک مانگ کے۔ ایک دفعہ جو کچھ حاضر تھا دیا اب ہر ہفتے کہاں سے روپیہ آئے۔ لیاقت دیکھیے کہ قلم کے زور پر اڈیٹر صاحب اتنے ہمدرد بھی پیدا نہ کر سکے جو اشتہار ملتے یا کم از کم کچہری سے سمن مل جاتے آخر دوسرے کیا کرتے ہیں۔ کچھ نہیں۔ میں اب اعانت نہیں کر سکتا۔ ان سے کہہ دو۔ سائیں برکت ہے پھر مانگو"۔

اخبار نویس صاحب کے منہ کو لہو لگا دوسروں کی نکتہ چینی کی چاندو نا عادت۔ قلمی شہنشاہ ہونے کی تمکنت اور لذت نے دوسرے پیشہ کا ہوں سے

گرا دیے وہ ٹھکانے جانے پہ کیوں تکنے لگے تھے۔ یہ بعض نہیں بلکہ اکثر اردو جرائد کا حال اور دیکھا جائے تو حال ہے۔ جو قابل اخبار نویس ہیں ان کی راہ میں بھی انگریزی جان حائل ہیں۔

عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ اردو کی جانی دشمن ہندی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح ہو۔ مگر غور سے دیکھیے تو اردو کی جان لیوا درحقیقت لیڈی انگریزی ہیں۔ ہندی تو اس وقت سے وارد ہی ہے جب سے لوگوں کو تعصب بنانے میں اہل وطن نے اشتعال کو مشغل کی لیکن انگریزی نے ہاتھ پاؤں ہلائے تھا کہ اردو بن بیٹھی یا سمجھیے کہ وہی قسم کے لوگ ہیں پڑھے لکھے اور جاہل۔ پڑھے لکھے ہندوستانی اپنی منزلت اسی میں سمجھتے ہیں کہ انگریزی جرائد کا مطالعہ کریں۔ رہے جاہل تو وہ نہ اردو سے مطلب رکھتے ہیں نہ انگریزی سے صرف اردو یا ہندی جاننے والوں میں اگر خریداری کی استطاعت رکھنے والا لوگ کچھ زیادہ اتنے ہی نکلیں گے جتنے کہ تمام دیسی زبانوں کے پرچوں کے خریداروں کی مجموعی تعداد مسائیکل اوڈ اثر تمام ہندوستان کے اخباری کاغذوں کی مجموعی تعداد تین لاکھ یا اس سے کم و بیش جانچی ہے اور غالباً یہ بالکل صحیح ہے۔ ان تین لاکھ میں آدھی تعداد سے زیادہ کے مالک وہ جرائد ہیں جن کی زبان انگریزی ہے انھیں کی آواز مسموع ہے یہی سرکاری اور غیر سرکاری اشتہارات حاصل کرتے ہیں۔

الغرض ایسی حالت میں جدید معاصرین کے لیے ہم اسی قدر کہہ سکتے ہیں کہ یہ چمگادڑ کی مہمانی ہے آؤ بھینا لٹک ہو"۔ ورنہ تمھاری ترقی کا راز تو اس میں مضمر ہے کہ انگریزی جرائد کے مطالعہ پر اہل ملک دیسی زبان کے جرائد کو ترجیح دیں۔ (یہ ناممکن ہے)، رہا یہ دعوی کہ ہم نے بہت مضبوط بنیادی پھر کم فیاد قائم کی ہے اب ہم کبھی۔ وے زوال نہ دیکھیں گے ایک خواب ہے جس کا نصف حصہ غلط ہے اور نصف تعبیر صحیح۔ کسی بلی کی طرح ہر ہفتے چھیچھڑوں کا خواب دیکھنے والے نے خواب میں دیکھا کہ اس نے الہ دین مالک طلسمی چراغ کے بھیس میں جنم لیا ہے۔ ایک بڑا خزانہ ہاتھ لگا ہے ادھر دیکھو اشرفیاں ادھر دیکھو بدرہا ہے زر سفید۔ مارے خوشی کے عجب حال ہوا جلدی جلدی توڑے پھاڑ کر سر پر لادے۔ بوجھ پڑا تو کانکھے۔ کانکھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیٹ کے جاندار ہونے کا جھٹ سے پیری بالکل جاتا پا جانے میں نکل جاتا۔ سر تو بھاری تھا ہی میانی کی ہمیانی بھی پھیل ہو گئی اس کشمکش میں آنکھ کھلی تو کیسا روپیہ اور کہاں کی اشرفیاں۔ نقد انقد وہی نجاست ہاتھ لگی سا او تھو۔

خدا کرے ان جدید معاصرین کے خواب کے دونوں حصے تعبیر آراست اور دماغ کو معطر کرنے والے ثابت ہوں۔ والسلام۔

مراف ـــــــــــم

ادبار الجرائد

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۱۷)

دونوں کتابوں میں لفظ اختہ کے متعلق لکھا ہوا ہے کہ یہ لفظ فارسی ہے۔ صاحب جامع اللغات لکھتے ہیں کہ "(فارسی میں بے الف مقصورہ سے) ہر حیوان جس کے خایے نکال ڈالے گئے ہوں۔ انسان اور چار پائے پر اطلاق ہوتا ہے۔

جامع اللغات میں ہے یہ (ف۔ مذکر) انسان یا حیوان جس کے فوطے نکال لیے جائیں"

اس بے احتیاطی کو دیکھیے "آختہ" کے اصلی معنی کسی نے تحریر نہیں کیے۔ کہ یہ فارسی ہے آختن کا مفعول (جس کے معنی کھینچنے کے ہیں خواہ کسی چیز کے متعلق ہو زیادہ تر شمشیر و تیغ کے بارے میں کہتے ہیں۔

ہر شخص سے پوچھ لیجیے کوئی شخص آختہ (بالف ممدودہ) کے معنی میں "آختہ" بالف ممدودہ نہیں بولتا۔ لکھنؤ کے اگلے والے تک بالف مقصورہ کہتے ہیں۔ پس الف مقصورہ مع الخاء المعجمہ کے ذیل میں اس کو لکھنا تھا۔ اگر کوئی جاہل دیہاتی اختہ کو "آختہ" کہتا بھی ہو تو لغت کا یہ فرض ہے کہ وہ عوام اور خواص کی بول چال کا فرق بیان کرے۔ مگر وہاں تو اصل لفظ کی تحقیق مطلوب نہ تھی اپنی بولی کو مستند بنانا مقصود تھا۔ وہ یوں پورا کر لیا گیا۔ آختہ کے الف کو اختہ کون کرتا۔

"دعوتِ رقص"

"آؤ پیارے میرے ساتھ ناچو"

"ارے میں بڈھا ہوں ۔ کمزور ہوں ۔ فاقہ کش ہوں ۔ ناچنے کا شوق ہے تو بُوا کسی جوان کو ڈھونڈھو ۔ میں تو بہ کر چکا"

بسرپرستی حضور نظام خلد اللہ ملکہ

ٹیلیفون ۱۳۹

جاری شدہ ۱۸۳۹ء

تار کا پتہ

نفاست پسند اور نازک مزاج

مستورات

ہمیشہ اعلیٰ قسم کی خوشبو کے عطر اور تیل
استعمال کرتی ہیں۔ اسکے ماسواوہ دیسی ساخت
کی اشیاء استعمال کرنیمیں خاص مسرت محسوس کرتی ہین

اصغر علی محمد علی عطر فروش

شاخیں قنوج حیدرآباد دکن دھلی منصوری

آخری چہار شنبہ کے ذیل میں صاحب نور اللغات لکھتے ہیں کہ لوگ اس روز ماہ صفر کے آخری بدھ کو متبرک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ عموماً یہ روز منحوس مشہور ہے۔ بعض اخبار و آثار سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے۔ جس کے صحیح و غلط ہونے کا تعلق ہم سے نہیں کبھی جانئیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ لکھنؤ میں بعض جگہ اس دن گھڑے یا بدھنے میں ایک پیسا اور ذرا سا پانی ڈالتے اور ہر شخص کے سر سے اچھال کے پھینک دیتے ہیں۔ گھڑا یا بدھنا ٹوٹ جاتا ہے اور پیسا مہترانی لے جاتی ہے۔ اس رسم سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس دن کی سختی صدقے سے دفع کی جاتی ہے۔ مؤلف نے اس رسم کا حال بھی ناقص ہی لکھا۔ سچ ہے عادت بدل نہیں سکتی۔ واقعہ یہ ہے کہ ایرانی جب پرانے اور ناقص گھڑے توڑتے ہیں تو ایک کلمہ کہتے ہیں "بلا رفت و صفا آمد" ہندو بھی قدیم آریہ نسل ہونے کی وجہ سے ایسے عمل پر کہتے ہیں "ایشور آئیں دلدر جائیں"۔
آخری چہار شنبہ کی نحوست اس تدبیر سے دفع کی جاتی ہے۔ شاپور کہتا ہے ؎

آں سبوے شکستہ ام ساقی کہ زندہ بادہ نوش

آخر ماہ صفر از بام خمار م شکست

اشرف کا قول ہے ؎

کنوں کہ بادۂ صاف طرب بجام من است
چو در ماہ صفر محتسب سبو شکن است

لکھنؤ میں ابھی تک یہ پرانی رسم باقی ہے مگر "بدھنا" ہم نے کہیں نہیں دیکھا۔ بدھنا شکستہ کا کوری ہوتا ہو۔ مؤلف جامع اللغات نے صرف دو تین فقرے نور اللغات سے نقل کر دیے باقی عبارت حذف کر دی۔ ہاں بدھنا ٹھیک ہے یہ کہنے کو تو نہ ہوگا کہ ناقص بات لکھی۔

(باقی آئندہ)

راف ــــــــ ت ــــــــ م

ادبار اللغات

کی عرضی دی تھی کہ جان کی حفاظت کے لیے ہتیا۔ رکھنے دو۔ جواب ملا کہ جہاں سے ہتیار کی بو آتی ہے وہیں ڈاکو حملہ کرتے ہیں یہ مجرب مرض ہے۔ بھئی واللہ معقول بات کہی۔
اب تو جتنی خوبیاں ہیں سب سلب ہو جانی چاہئیں بایں معنی کہ دشمن عموماً انھیں نعمتوں کو چھین لینے پر آمادہ رہتے ہیں جس سے خود محروم ہوں۔ مثلاً کال کے ریتے غلے کے انبار ہی پر چوٹ کرتے ہیں۔ لہذا اخزین جمع کرنے کی ممانعت ہونی چاہیے۔ یا روپیہ پر چوروں کا دانت ہر وقت لگا رہتا ہے۔ پس روپیہ بھی کسی پاس نہ رہنا چاہیے۔ اور چونکہ طاقتور سجیلے نکیلے جوانوں کو رنڈیاں کی نظر کھا لیتی تو انھیں کم سے کم سینگے نکلے یا خواجہ سرا بن جانا چاہیے علیٰ ہذا القیاس بے یار و مددگار حسین عورت کا حسن اس کے لیے بلائے جان ہے لہذا اُسے اسپتال جا کے جوبن کا استیصال کروا لینا چاہیے کم از کم ناک کی پھنگی ہی سہی بس شکل مطرودی ہو جائے کہ کسی منچلے بہت پھٹ کی رال نہ ٹپکے۔
اور ہم تو یہاں تک کہنے پر مستعد ہیں کہ حکومت کو بھی اسی قانون پر عمل کرنا لازم ہے۔ سرحد پر کئی مرتبہ اسلحہ خانہ لٹا۔ بندوقیں چوری گئیں۔ سرحدیسی

"ارے رے رے رے کچلے"

"ہوں۔ ہوں۔ مطلب یہ کہ راستہ چھوڑ دو ہم آتے ہیں"

ــــــــ ✕ ــــــــ

مختصرات

منطقی اور معقول عذر

پنجاب کی تجارتی انجمن نے گورنر پنجاب کو اس مطلب

اودھ پنچ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

REGISTERED No. A. 785
LUCKNOW
OUDHPUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۵۰ نمبر ۳۳

مضامینِ تیر

(مورخہ ۱۹ ستمبر سنہ ۱۹۳۴ء)

"شرارت کا پتلا"

جناب سید کاظم حسین صاحب نشتر لکھنوی ڈرامانویس اور مدیر رسالۂ روحِ سخن کلکتہ کی شخصیت سے کون ایسا ہے جو واقف نہیں؟ میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ بڑے ذات شریف۔ شریر بنٹ کٹ ہیں اور شرارت کا پتلا کہے جانے کے مستحق ہیں۔ البتہ طبیعت شوخ ضرور پائی ہے اور یہی سبب ہے کہ آپ کا کلام مقبول عام اور آپ کے ڈرامے سردلعزیز ہوتے ہیں۔ اگر آپ کو طوطیِ بنگال یا ہندوستانی کشمیری کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ آپ نے دنیائے ادب پر جو جو احسان کیے ہیں وہ محتاج بیان نہیں آپ کے تصنیفات و تالیفات میں قدرت نے وہ قوت ودیعت کی ہے کہ ایک بار شروع سے آخر تک کسی کتاب کو مطالعہ فرمائیے دل نہیں گھبرائے گا اور یہی جی چاہے گا کہ پھر پڑھو اور پھر پڑھو۔ آپ کی طبیعت عرصے مضمحل تھی اسی وجہ سے تصنیفات کی تعداد نہ بڑھ سکی مگر چونکہ کشیل ماشاءاللہ بار ور تھی بدیں سبب خدا رکھے ٹھیک نو مہینے بعد تولید "شرارت کا پتلا" ہوئی مطلب اصلی یہ ہے کہ آپ نے مدت کے بعد ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے اور اس کا نام "شرارت کا پتلا" رکھا ہے۔ یہ کتاب جناب ممدوح نے میرے پاس ریویو کرنے کی غرض سے ارسال کی ہے۔

میری علیم الفرصتی فی زمانہ قابل رشک ہے جولائی اور اگست میں بارش کے سبب کاروبار میں امتیازی کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہاتھ پاؤں سست طبیعت نادرست کبھی یادِ وطن ستاتی ہے تو کبھی بیٹھے بیٹھے افیونیوں کی طرح نیند آتی ہے۔ برسات کا سلسلہ وہیں ختم ہی نہیں ہوتا۔ ایک دن میں انگریزی اخبار کی ورق گردانی یا تحت لفظ خوانی کر رہا تھا کہ ایک کارٹون پر نظر پڑی۔ (کارٹون کا ترجمہ)

عرب صاحب بغدادی اونٹ پر سوار ریگستان کے دریائے بے پایاں کو عبور کرتے بڑی گاتے چلے جا رہے ہیں اتفاقاً کی ماؤس صاحب سے ملاقات ہوئی۔ آپ کوٹ پتلون سے آراستہ ایک لوکری نماہیٹ زیب سر کیے ہاتھ میں بید ہلاتے سیٹی بجاتے چلے جا رہے ہیں۔ اب جو نظر عرب اور اس کے اونٹ پر پڑی تو بہت مرعوب ہوئے دل دھڑکنے لگا۔ چہرہ زرد۔ ہاتھ پاؤں سرد ہلکی دم فاختہ بن گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب سکوتِ تحیر ٹوٹا تو ڈرتے ڈرتے فرمانے لگے۔ ہیلو ہیلو اسالامکم۔ (السلام علیکم)

عرب نے دل میں خیال کیا کہ چوہا کرسٹان معلوم ہوتا ہے۔ بولا وعلیکم صاحب۔

ملی ماؤس۔ ہو آر یو اینڈ ہوازیہ؟

لفظ ہی اور ہاتھ کی چھڑی کو ایک ہی وقت میں جنبش ہوئی اور اس زور سے اونٹ کی پشت کی طرف بھونکی کہ اونٹ چراغ پا ہو گیا اور عرب صاحب مع کجاوے کے پشت زمین پر آ دھمکے۔ اور غیض سے بولے:۔

عرب۔ ہی از مائی کیمل ہی کیں گو ۴۰ ڈیز ودآؤٹ واٹر۔

ملی ماؤس۔ ہاؤ لانگ ہی کیں گو ود واٹر؟

اس سوال سے عرب پر وہ حیرت طاری ہوئی جیسے لوگوں کو دارجلنگ کی برسات دیکھ کر۔ یوں تو یہاں ابر و باد ہمیشہ ہی رہتا ہے مگر برسات کی حالت ناقابل بیان ہے۔ واللہ آسمان میں چھید ہو جاتا ہے۔ دکھے ہوئے دل کی گریہ وزاری ہے کہ جس کا سلسلہ لا انتہا ہی نہ آج ختم ہوتا ہے نہ کل اگر کوئی صاحب بہادر یہاں کی برسات کی نسبت دریافت کریں کہ "ہاؤ لانگ اٹ ول لاسٹ؟" تو جواب دینے والا آدمی سے عرب بن جائے گا۔ ایسی حالت میں غالب کے قول کا نعم البدل مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔ ع۔

کرا اگر غم روزگار نہ ہوتا تو سنا آپ نے غم عشق ضرور ہوتا
قسم خدا کی اگر موز ونیت نہ شد نہ شد مگر بدعار تو حال

ہے ہاہاہاہا۔ ہاہاہاہاہاہا۔ سنا آپ نے ہاہاہاہا واللہ وہ وہ صبر شکن اور تحمل سوز صور تیں قدرت نے اس خطۂ دارجلنگ میں پیدا کی ہیں جن کو دیکھ کر آدمی سے تو گر انفرین جانا پڑتا ہے۔ اور بے ساختہ منھ سے میر کا شعر نکل پڑتا ہے کہ ؎

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

سنا آپ نے یہ پہاڑ سات ہزار فٹ بلند ہے یہاں موسم گرما میں اس قدر سردی ہوتی ہے کہ روئی لوکیا دوئی سے بھی کام نہیں چلتا۔ مقتضائے فطرت ہے کہ سرد مقاموں پر رنگ صاف اور تندرستی بہتر ہوتی ہے۔ پھر ہندوستان کی آب و ہوا میں ملاحت بجلی کے ویبرس باہروں کی طرح شامل ہے جو حسن و خوبی کا میز والنیفک بنی ہوئی ہے۔ اور وہ کشش ان بھولی بھولی صورتوں میں قدرت نے عطا کی ہے کہ دیکھتے ہی دل برساتی مینڈک بن کر سینے کی خلیج میں پھدک پھدک کے اچھلنے لگتا ہے۔ حضرت نشتر خود کشمیری ٹھہرے آپ کے سامنے کوہستانی خوبصورتی کی توضیح و تشریح آفتاب کو آئینہ دکھانا اور چندا ماموں کو منھ چڑھانا نہیں تو اور کیا ہے۔ سنا آپ نے جناب نشتر صاحب اگر آپ بذات خود ان برساتی بیر بہوٹیوں کو اپنی ترچھی نظروں سے ملاحظہ فرما لیتے تو سنا آپ نے مجھے کبھی کتاب "شرارت کا پتلا" پر ریویو کرنے کو نہ کہتے ہاہاہا۔ ہائیں آپ کو واللہ تبسم سے اور ریویو کی فرمائش ہاہاہاہا۔ مگر تعمیل ارشاد لازمی ہے بدیں وجہ تبسم بغلی ہنسی میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کیے دیتا ہے اس کی بلا سے کوئی کتاب خریدے یا نہ خریدے۔

پہلی غلطی تو یہ ہے کہ کتاب کی قیمت ندارد واللہ اعلم ایک روپیہ کی ہے یا ایک آنے کی۔ ٹائٹل پیج پر بجائے کھر کھرے اور دبیز کاغذ کے ٹیشو پیپر یعنی کنکوے کا کاغذ لگایا ہے۔ پہلی تصویر جو لوح کتاب پر چھپی ہوئی ہے اور اسی کے برابر از نشتر لکھنوی لکھا ہوا ہے واللہ بڑا نایاب تحفہ ہے عجب جاذب نظر تصویر ہے اس کی مسکراہٹ نے تبسم کے دل پر بجلیاں گرا دیں۔ ڈیئر ہیئر

بھی عجب شرارت کے پتلے ہوتے ہیں۔ پشت کتاب پر بھی ایک تصویر دی ہے اور شوخی ملاحظہ ہو کہ اُس پر شرارت کی پتلی لکھ دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ الٹ پلٹ کے جدھر سے دیکھو حسن ہی حسن پھیر پھیر برس رہا ہے۔ کتابت کا یہ حال ہے کہ آزاد رقم نے اپنی آزادی قلم کے خوب خوب معجز اعجاز دکھائے ہیں اور مثل صیاد رقم کے کتابت کرکے دھر دی ہے۔

قصۂ صیاد رقم

کانوں کی دیکھی لکھے اور آنکھوں کی سنی کہتے ہیں عذاب ثواب مصنف کی گردن پر۔ ایک تھے میاں صیاد رقم کتابت میں طاق خوشخطی میں شہرۂ آفاق ہمہ تن نوک پلک تھے وہ وہ طغرے لکھے کہ دھوم مچا دی بسم اللہ کا اونٹ، درود شریف کا شیر، کلمۂ طیبہ کا ہاتھی اور نادعلی کا اژدہا بنانا اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا مگر غلط نویسی میں بھی یکتا تھے۔ کبھی قادر کو قادہ لکھ دیا کہیں حسن کو خس بنا دیا کبھی زیدی کو رنڈی کا لقب دیا کرتے تھے ایک بار ایک صاحب قرآن مجید لیکر آئے اور کہا کہ میاں صیاد رقم یہ کلام پاک ہے اس میں غلطی وغلطی نہ ہونے پائے غرضکہ وعدہ وعید ہوئے اور تھوڑے دن کے بعد حسب وعدہ صاحب قرآن آئے اجرت وغیرہ ادا کی اور چلتے وقت کہا کہ کیوں میاں کوئی غلطی تو نہیں کی ہے۔ صیاد رقم نے کہا کہ جناب خدا اور رسول کی قسم کھاتا ہوں کوئی غلطی نہیں کی البتہ آپ نے چونکہ فرمایا تھا کہ یہ کلام پاک ہے چنانچہ جتنے نجس الفاظ اس میں تھے نکال کر پاک اور مطہر الفاظ شامل کر دیے ہیں مثلاً اگر کہیں لفظ شیطان نظر سے گزرا تو اس کے عوض جناب والا کے والد ماجد کا اسم مبارک لکھ دیا ہے۔ تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے اسی طرح ہمارے آزاد رقم کے قلم شریف سے لفظ پاجی کیونکر نکلتی جیم کے نیچے دو نقطوں کا اضافہ کر دیا اور یہ بھی نہ خیال کیا کہ لفظ پاچی کون سی زبان کی لفظ ہے اور کیا معنی ہیں۔ صیاد رقم اور آزاد رقم میں بس فرق اتنا ہی ہے کہ وہ معنویت الفاظ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور یہ معنویت کے قید سے بالکل آزاد ہیں۔ اگر صیاد رقم لفظ پاجی کی اصلاح کرتے تو یوں کرتے

یاحی	یعنی	اے زندہ کرنے والے
باجی	"	بڑی بہن
ناجی	"	جنتی
ناچی	"	خوب شکل اور رنگ کی

گر معنوں کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ لیکن آزاد رقم نے ایسی بہت سی غلطیاں کی ہیں جن میں معنی کا سر قلم کر دیا ہے۔ مگر کتابت بری نہیں ہے۔ اس پر برٹش انڈیا پریس کے دباؤ نے اور بھی سجاؤ پیدا کر دیا ہے۔ کتابت کیا ہے دیوار قہقہہ یا کشت زعفران ہے۔ واللہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑے جاتے ہیں قصے کا تعارف کرائے بغیر کنورسیشن یعنی مکالمہ شروع کر دیا ہے گر پھر بھی لطف سے خالی نہیں ہے۔

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۸۴۳ سنہ ۱۹۳۳ء

بعدالت سید حسن ارشاد صاحب بہادر منصف اکبرپور ضلع فیض آباد

بھاگوت سوارے مدعی

بنام

رنگ ناتھ ولد کشن رمان ساکن موضع کسروال اشوری پرگنہ مدعی

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت معہ [illegible] کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۵ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے۔ حاضر ہو اور جوابدہی دعوے مدعی مذکور کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوے کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز اُن کو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۱۲ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

وقت حاضری بدفتر منصفی اکبرپور ۱۰ بجے سے چار بجے تک

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۲۵ سنہ ۱۹۳۳ء

بعدالت جناب منصف صاحب بہادر پوروہ مقام اُناؤ

براہمن پرشاد ولد مہادیو پرشاد قوم برہمن ساکن وطن کھیڑہ مزرعہ بسنی کھیڑہ پرگنہ [illegible] تحصیل پوروہ ضلع اُناؤ مدعی

بنام

منی مدعا علیہ

نام منی ولد میکو قوم اہیر ساکن حال موضع نرگوان پرگنہ و تحصیل و ضلع اناؤ بر مکان ملو و رام رتن اہیر

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت [illegible] کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۴ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے۔ حاضر ہو اور جوابدہی دعوے مدعی کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوے کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز اُن کو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۱۳ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۲۹۳ سنہ ۱۹۳۳ء

بعدالت جناب مسٹر احمد کریم صاحب بہادر ڈسٹرکٹ ایڈیشنل جج خفیفہ لکھنؤ

لالہ گرپال داس [illegible] ساکنان محلہ [illegible] چوک شہر لکھنؤ مدعیان

بنام

بابو لال وغیرہ مدعا علیہ

بنام بابو لال ولد بہاری لال قوم کلوار ساکن موضع [illegible] حال [illegible] شہر [illegible]

ہرگاہ مدعیان نے تمہارے نام ایک نالش بابت [illegible] کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۰ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء بوقت دس بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوے مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوے کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز اُن کو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۱ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

مصنف نے زبان دانی کا پورا پورا ثبوت دیا ہے اور ظرافت کے پیرائے میں نصیحت آموز سبق پڑھائے ہیں۔ ہمارے نشتر صاحب ڈرامہ نویسی میں یورپ کے شیکسپیئر بنارس کے کالی داس۔ اور فارس کے عمر خیام ہیں۔ آپ کو جو ملکہ اس فن میں حاصل ہوا ہے زبان کے اعتبار سے کسی ایک کو بھی حاصل نہیں۔ قصہ میں وہ جوڑ توڑ لگاتے ہیں جس سے بڑے بڑے پہلوانانِ سخن چاروں شانے چت ہو جاتے ہیں۔ آپ کے تصنیفات میں سے کوئی بھی ایسا ڈرامہ نہیں نکلا جو مقبول خلائق نہ ہوا ہو۔ اسی طرح اس کتاب یعنی "شرارت کا پتلا" کو بھی پسند عام کا درجہ یقیناً ملے گا۔ فقط

میں ہوں تبسم لکھنوی

پنچ: "آپ نے کتاب پر تبصرہ فرمایا ہے یا کاتب پر یا پہاڑوں پر؟"

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۱۸)

نور اللغات میں ہے:-

"آخون (فارسی میں آخوند ہے) مذکر۔ میاں جی۔ استاد۔ معلم۔ تعلیم سے آخون جی اور آخون صاحب کہتے ہیں۔"

حالانکہ ہندوستان میں اب کہیں نہ آخون جی کا نہ آخون صاحب کا پتا ہے نہ کوئی بولتا ہے۔ دیہاتیوں میں بھی کا وجود کہیں باقی ہے آخوند صاحب ہوتے تھے۔ اہل ایران میں یہ لفظ آج بھی زبان زد ہے۔ اس کی صراحت کرنی چاہیے تھی۔ اسی طرح لفظ آتون کے ذیل میں بھی تصریح لازم تھی کہ یہ لقب زمانۂ شاہی کا ہے اب خال خال آتون کا لقب سنا جاتا ہے وہ بھی بتخفیف نون۔ تحقیق ضروری تھی تو یوں لکھتے کہ "آتون مخفف ہے آقا خاتون یعنی بیبی بیگم کا۔ کثرت استعمال سے آتون اور آتون سے "آتو" رہ گیا۔

اور آخون کی تفصیل یوں کی ہوتی کہ "لفظ فارسی مخفف ہے "آقا خواندہ" کا جو کہ مرکب ہے فارسی و ترکی سے چنانچہ تاریخ بحیرہ میں ہے: "آخوند مخفف آقا خواندہ یعنی شخص خاخوان وبا سواد ویا مخفف آقا خوند است بصیغۂ ماضی گویا وقتے کا غذے در دست شخصے بود ویکے از ایشاں آں را خواند و دیگراں کہ بے سواد بودند گفتند "آقا خواند"۔ پس ایں لفظ اسم شد الخ (فرہنگ)" مگر اس قسم کے تفاصیل سے نور اللغات بھی خالی ہے اور جامع اللغات بھی۔

اس کے بعد لفظ "آداب" کی بحث شروع ہوتی ہے ظاہر ہے کہ یہ لفظ عربی الاصل ہے جو مؤلف صاحب بھی تحریر فرماتے ہیں کہ عربی ہے اور جمع ہے ادب کی مگر معنے لکھتے ہیں "مرتبے کا پاس لحاظ۔ حفظ مراتب"۔ حالانکہ اس کے لغوی معنی "زیرکی نگاہداشت حد ہر چیز" کے ہیں اور جہاں کہیں علم ادب کہتے ہیں اہل علم لغت و صرف و نحو و اشتقاق و معانی و بیان و قافیہ و رسم الخط و شعر و انشائے نثر مراد لیتے ہیں۔ ان علوم کے ماہر کا نام ادیب ہے۔ (ادیب ماہر حد ہر چیز اور زیرک کو بھی کہتے ہیں) جمع اس کی اُدبا ہے۔ باب تفعیل میں جانے سے اس کے معنے سکھانے (آموختن) کے ہو جاتے ہیں۔ اور سکھانے والے کو "مؤدّب" کہتے ہیں۔

مرتبے کے پاس لحاظ یا حفظ مراتب کے معنی جو لفظ ادب یا آداب کے لیے گئے ہیں وہ لغوی نہیں۔ یہ معنی محض اس وجہ سے اختیار کیے گئے کہ "علم ادب" مراد ہے قواعد و ضوابط سے۔ حفظ مراتب بھی قواعد و قوانین کا محتاج ہے مثلاً باموقع اور مہذب گفتگو مذکورہ علوم کی مہارت سے وابستہ ہے۔

اہل فارس اور بعض عربی نشیوں نے آداب اور ادب کے معنی طور اور طریقے یا لوازم ابتدائی کے قرار دیے۔ اردو میں ادب کی جمع "آداب" بطور واحد مستعمل ہے جبکہ سلام یا مراسم تہذیب نامہ و تحریر خط سے متعلق ہو۔ یہ معنی عربی لفظ "اَدَب" تک کے نہیں۔ اسی طرح لفظ "القاب" بھی بطور واحد مستعمل ہے۔

لغت میں لکھیں تو یہ کہ لفظ عربی ہے اور معنی بیان کریں وہ جو ایرانیوں اور ہندوستانیوں نے وضع کیے۔ یہ تو نرا اہلِ زبانا پن ہے۔

ایک مقام پر تحریر کرتے ہیں: "قائل کرنے والا معقولات تم سے فرزند کرنے کو کہتا ہے آداب بجالاتا ہوں۔"

جاننے والے جانتے ہیں کہ اردو میں "قائل معقول" ایک ہی معنی میں بغیر واو عاطفہ مروج ہے اور دونوں لفظوں کے معنی ایک ہی ہیں: "فلاں نے فلاں شخص کو قائل معقول کیا" یعنے حریف یا مقابل قائل ہو گیا (دعوی تسلیم کر لیا۔ یا مدعی کا ہم زبان ہو گیا) قائل کو معقول کا مقابل بنانا حضرت حاجی زمزم کی زباندانی ہے قائل کا مفعول معقول نہیں۔ تعجب ہے کہ حضرت ہر جگہ اپنا اجتہاد صرف فرماتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دنیا کی آنکھیں بالکل بند ہیں۔ "آداب" کی ساری بحث شیخ جی کی ازار کی طرح لٹکی ہے۔ بیکار کے جملے بھر دیے ہیں جن میں "آداب" کے معنے نہیں بدلتے۔

صاحب جامع اللغات نے حاجی زمزم کی عبارت کا خلاصہ درج فرما کے حق جمع لغات ادا کر دیا وہ بھی قائل کا مفعول معقول کو سمجھے۔ خدا ایسی کام چوری سے محفوظ رکھے۔ گویا خود سعی و تلاش ان پر فرض نہیں۔ جو پایا آئیں بائیں شائیں لکھ دیا۔ اور صاحب لغت بن بیٹھے۔

حضرت حاجی زمزم اللغات قطرار میں آداب کرتا۔ ادب سے سلام کرنا۔ ہ

اطلاع تاریخ بغرض تصفیہ مراتب اشتہار نیلام

(حسب آرڈر ۲۱ رول ۶۶ ضابطہ دیوانی)

بعدالت جناب سید عباس رضا صاحب بہادر منصف کنڈہ مقام پرتاب گڑھ

مقدمہ نمبر ۳۴۳ سنہ ۱۹۳۱ء

مقدمہ اجرائے ڈگری نمبر سنہ ۱۹۳۳ء

باگو بند ولد بیر ام دوبے ساکن موضع سرائے شیر خاں پرگنہ ضلع پرتاب گڑھ ڈگری دار

بنام

عثمان خاں وغیرہ مدیون ڈگری

بنام ساۃ جمیل دختر نادت قوم مسلمان ساکن موضع مولہ ائی ڈانڈ پرگنہ و تحصیل پٹی ضلع پرتاب گڑھ مدیون

ہرگاہ کہ مقدمہ مندرجہ بالا میں ڈگری دار نے نیلام کی درخواست کی ہے تم کو اس اطلاعنامہ کے ذریعہ مطلع کیا جاتا ہے کہ تاریخ ۷ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء واسطے طے کرنے مراتب اشتہار نیلام کے مقرر کی گئی ہے۔

آج بتاریخ ۱۵ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

وقت حاضری بدفتر منصفی کنڈہ ۱۰ بجے۔ ۔ بجے تک

دستخط حاکم عدالت

مہر عدالت

آداب کیا ادب سے ٹھہرا
ہیٹ دو ددر سب سے ٹھہرا

اب فصحا استعمال نہیں کرتے۔ حالانکہ عموماً آداب کرو آداب کیا لکھنؤ میں مستعمل ہے۔ یکن ہے کہ یہاں فصحا سے مراد فصحائے گور دہ ہوں۔ یا وہ فصحا جو مذہبی کورانہ تعصب کی بنا پر گلزار نسیم پر چوٹ کرنا فرض عین سمجھتے ہیں۔ خواہ عقل خدا معترض صاحب عقل کے اندھے اور دستور فصاحت محض نابلد ہوں۔

نور اللغات اور جامع اللغات دونوں میں ایک مثل ہے۔ "آدمی اپنے مطلب کے لیے پہاڑ کے کنکر کھودتا ہے" خدا جانے یہ کہاں کی مثل ہے ہم نے تو کسی شریف کی زبان سے نہیں سنی اور سنتے کیونکر۔ پہاڑ میں کنکر کہاں۔ کنکر تو زمین اور اکثر مسطح نرم زمین میں ہوتے ہیں جہاں چکنی مٹی ہو بلکہ چکنی مٹی کے طبقے میں گڑھا کھود کے کنکر بو دیے جائیں تو پھر وہ چکنی مٹی کو اپنی شکل کا بنا لیتے ہیں۔ اور وہ زمین کنکریلی ہو جاتی ہے۔ پہاڑ میں پتھر ہوتے ہیں۔ کنکر اور پتھر میں اصطلاحی فرق ہے۔ جس کی عقل پر پتھر پڑے ہوں وہی اس جملے کو مثل قرار دے سکتا یا بول سکتا ہے۔ یہاں تو ان معنی میں "سر سے پہاڑ کھودنا۔ یا پہاڑی کے پتھر ڈھونا" بولا جاتا ہے۔ صاحب نور اللغات تحریر فرماتے ہیں: "۳ (یعنی تیسرے معنی آدمی بنانے کے) آدمی کی شکل بنانا (گلزار نسیم) دن بھر تو وہ فاتحہ پڑھاتی۔ شب کو اُسے آدمی بناتی" کوئی بتائے کہ نسیم نے یہاں آدمی بنانے سے آدمی کی شکل بنانا مراد لیا ہے؟ قصے میں تو درحقیقت آدمی بنانے کا ذکر ہے شکل و صورت بنانا مقصود شاعر نہیں۔ ہم پھر یہی کہیں گے کہ شعر فہمی کی عقل خدا نے اچھا کیا جو ہمارے مؤلف نور اللغات کو نہیں دی۔ الغرض "آدمی" کے ذیل میں بھی جو کچھ حضرت نے تحریر فرمایا وہ قابل تعفن و طرح ہے اور اس کتاب کو دیکھ کے ہر صاحب فہم یہ سمجھنے پر مجبور رہے کہ صاحب صحاح (جوہری) جس طرح اڑنے کے فن میں طاق تھے اُسی طرح مؤلف صاحب جمع لغات میں اُستاد کامل ہیں۔

ایک رفوگر بیچارہ مفلس و بے مایہ شخص تھا۔ جورو دلی چوڑی ہر وقت مارے فرمائشوں کے ناطقہ تنگ کرتی رہتی۔ اتفاق کی بات محلے میں چند بازی گر آ نکلے ڈھول پیٹ پیٹ کے لگے قلابازیاں کھانے۔ بے فکرے ادھر اُدھر سے دوڑے تماشا کرنے کی فرمائش کی۔ ایک نٹ لمبے بانس پر چڑھا اور ریچھنگ سے قلاکھیل کے سر کے بل زمین پر آ رہا۔ محلے والے خوش ہوئے پیسا دو پیسے چار پیسے حسب مقدور سب نے انعام دیا۔ انعام سے جھولی بھر گئی۔ رفوگر کی جورو کے منہ میں پانی بھر آیا۔ میاں سے کہنے لگی یہ موئے تجھ سے تو یہ نٹ اچھے۔ سوئی دھاگا چھوڑ کے تو بھی نٹ بن جا۔ بلا سے جھولی بھر پیسے تو ملیں گے۔ رفوگر کی عقل کا دوشالا فی الواقع رفو کے قابل تھا۔ بی بی کے سلک مشورے پر راضی ہو گیا۔ اور ابتدا اُسی کھیل سے کی۔ اس نے خم ٹھونکا۔ بی بی نے ڈھولک بجائی۔ تیسے رو پیا ہے پیا لکھ کے بانس پر چڑھا اور وہاں سے قلاکھیل کے جو زمین پر آیا تو صرف سر کی کھال ہی نہیں پھٹی ہڈی بھی چکنا چور ہو گئی۔ انا للہ الخ۔

اب نہیں معلوم کہ صاحب نور اللغات کو کس نے لغت لکھنے پر مجبور کیا تھا۔ (باقی آیندہ)

راف

ادبار اللغات

مولانا پنچ کی نوٹ بک

کلام موجّہ اور ریاست دہلی

شاعری کی ایک صنعت "موجّہ" کہلاتی ہے یعنی ایسا کلام جس میں ذم اور مدح دونوں پہلو نکلیں مثلاً عرب کا ایک شاعر جحظہ کسی دعوت میں شریک ہوا۔ میزبان نے عمدہ غذائیں اُس کے سامنے رکھیں اور پوچھا کیسے ماحضر کیسا ہے جحظہ نے جواب دیا خداوند انگل اوصاف ایسا جنت کے سوا پانی کے علاوہ۔

کھانا ٹھنڈا تھا پانی گرم۔ کھانے کی ہجو دراصل مہمان کی ہجو ہے اس لیے شاعر نے ایسی مدح کی جو بظاہر بھلی معلوم ہوتی ہے۔

ہمارے دوست "ریاست دہلی" بھی کلام موجّہ کے اچھے ماہر ہیں۔ انھیں اطلاع ملی ہے کہ دکن کی وزارت عظمیٰ عنقریب بدلنے والی ہے اور قیاس غالب ہے کہ مہاراجہ سر کشن پرشاد کی جگہ صدارت کی کرسی پر سر اکبر حیدری متمکن ہوں۔ اس اطلاع کی بنا پر "ریاست" کی رائے ہے کہ وزیر اعظم کوئی خاندانی ہوتا تو اچھا تھا۔ چلیے نہ ان ہے کہ سر اکبر حیدری معنوی طریقے سے اب بھی حیدرآباد کے بلا شرکت غیرے حکمراں ہیں۔ حیدرآباد حیدری آباد ہو رہا ہے۔ مہاراجہ سر کشن پرشاد کا تو نام ہی نام ہے۔

نوٹس نسبت دکھانے وجہ (نمونہ عام)

بعدالت جناب شیخ محمد افضل احمد صاحب بہادر منصف اترولہ مقام گونڈہ
مقدمہ نمبر ۸۴ سنہ ۱۹۳۳ء
راجہ محمد ممتاز علی خاں ولد راجہ ریاست علی خاں صاحب تعلقدار اترولہ ضلع گونڈہ ڈگری دار

بنام

دولہہ چودھری وغیرہ دیوانی
نام ۱ دولہہ چودھری ولد ملکی بخش ساکن موضع نوادہ پرگنہ سعداللہ نگر ضلع گونڈہ

۲۔ رنگی لال، ۳۔ لالمن — پسران بہادر پرشاد
۴۔ سر جو پرشاد ولد جانکی پرشاد
۵۔ بھگوتی پرشاد، ۶۔ روشن لال — پسران رام کھالال
— ساکنان موضع رودھولی مشمولہ پرگنہ سعداللہ نگر ضلع گونڈہ

۷۔ عبداللہ عرف راجو ولد مولا بخش
۸۔ محمد رضا ولد الٰہی
۹۔ احسان اللہ ولد عبداللہ
— ساکنان موضع نوادہ پرگنہ سعداللہ نگر ضلع گونڈہ

۱۰۔ رام بہادر لال، ۱۱۔ کنہیا لال — پسران نامعلوم
۱۲۔ رام سندر لال، ۱۳۔ چھوٹے لال، ۱۴۔ جگدیشر پرشاد — پسران رام کھالال
— ساکنان موضع رودھولی مشمولہ پرگنہ سعداللہ نگر ضلع گونڈہ

۱۵۔ نذر احمد، ۱۶۔ حفیظ اللہ — پسران مولا بخش
۱۷۔ شفیع اللہ ولد نامعلوم
— ساکنان موضع نوادہ پرگنہ سعداللہ نگر ضلع گونڈہ

ہرگاہ مسمی ڈگری دار نے درخواست اس عدالت میں گزرانی ہے کہ حسب آرڈر ۲۱ قاعدہ ۶۶ ضابطہ دیوانی مسلم موضع نمتی ہو بحالہ محال جانکی پرشاد پرگنہ سعداللہ نگر حقیت زمینداری حق اعلیٰ نیلام کیا جاوے حاضر ہو کر بیان کرو کہ موروثی ہے یا مسکونہ لہٰذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تم اصالتاً یا معرفت کسی وکیل کے جو حالات مقدمہ سے بخوبی واقف ہو بوقت دس بجے بتاریخ تیسری ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء اس عدالت میں حاضر ہو کر درخواست کے خلاف وجہ دکھاؤ۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو درخواست مذکور بعدم غیر حاضری میں سماعت کی جاوے گی۔
بتاریخ ۵ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

وقت حاضری بعذر منصفی اترولہ بمقام گونڈہ ۱۰ بجے سے چار بجے تک۔
دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

"خوش باور ڈاکٹر"

نفسم رسیدہ برلب ہوس نظارہ باقیست　　　　بیادتم گزرکن کہ ہنوز چارہ باقیست

ڈاکٹر: ہاں - ہاں - باقی ہے - باقی ہے - بول رہی ہے - بول رہی ہے ۔

مریض: خاک باقی ہے - اپنی نئی اولاد کو تمہارے سپرد کرتی ہوں اسے سنبھالو"

کیوں صاحبو یہ کلام موجہ ہے یا نہیں۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد ایک تجربہ کار باخبر مدبر ہیں اُنھوں نے اپنا زمانہ نیکنامی کے ساتھ گزارا۔ مگر ریاست دہلی سر اکبر حیدری کی عداوت میں اُنھیں بھی بیکار و معطل قرار دیتا ہے۔ توقع نہیں کہ مہاراجہ اس کلمہ سے خوش ہوں۔ سر اکبر حیدری سے ریاست ہمیشہ خفا رہا۔ خیر یہ اس کی مصلحت ہے مگر مہاراجہ نے کیا قصور کیا ہے جو ان کے عضو مفلوج ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ "حضور کے کھانے میں تمام اوصاف جنت کے ہیں" ہمیں امید نہیں کہ امیر سیف الدولہ ابن حمدان کی طرح مہاراجہ سرکشن پرشاد اپنی بیکاری کے قصیدے پر خوش ہوں۔ مشہور ہے کہ سیف الدولہ کی شان میں کسی نے ایک شعر کہا ؎

فوجہک قمر
وسائر جسمہ اسد

یہ حضور کا چہرہ واہ سبحان اللہ سرتاسر چاند۔ حضور کا ڈیل ڈول تعالی اللہ اہو ہو شیر" ممدوح کو یہ شعر اتنا اچھا لگا کہ جھوم جھوم کے پڑھنے۔ اتنے میں فیلطی (شاعر) اُدھر آنکلا۔ پہلے تو وہ اس محویت پر متعجب ہوا پھر دبی زبان سے کہا۔ "خداوند شکر کیجیے اُس خدا کا جس نے آپ کو عجائب مخلوقات میں داخل کیا۔ بجو ورنہ ایسا مخلوق تو مشکل ہے۔"

یہ حالت ہے کہ اُن کی وضع و روش مجبوری سے لے اقف ہونے کے باوجود انکی کارروائیوں پر سب و شتم کی بوچھار کرتے اور ان کی رعیت کو بغاوت پر ابھارتے رہتے ہیں جب بغاوت کا کھُل کھیلا ہو جاتا ہے اُن پر حملہ کرتا ہے تو رئیس اُس بغاوت پر اس وجہ سے قابو نہیں حاصل کر سکتا کہ قطع کے لیے جتنی قوت درکار ہے اُتنی قوت از روئے معاہدہ

برطانیہ کی مصلحتوں کا حامی ہو خاندانی و غیر خاندانی نسبتنامہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

ہائے عربی شاعر کیا خوب کہتا ہے ؎

سُقیاً لعھد شباب کان یادم لی
زادی ویذھب عن زوجاتی الغضب
یا صاح بلّغ ذوی الزوجات کلھم
ان لیس وصل اذا انحلت قوی العصب

(سیراب و شاداب ہو جوانی کا زمانہ جو میری بی بیوں کے ہاتھوں میرے لیے مزے دار ناشتا لے آتا اور اُن کے غصے کو دور کرتا تھا۔ اے ہم نشین جورو والوں سے کہدے کہ جاگر ڈھیلے ہونے کے بعد "وصل" کوئی معنی نہیں رکھتا ہے")۔

دوا بعد از مرگ

حکومت ہند ریاستوں کی حمایت کا ایک نیا قانون بنانے والی ہے اخباروں کا غدغل مچا ہوا ہے ہیں دہائی تہائی چوتھائی۔ دوڑو لوٹ لیا۔ مرغ قلم کے پاؤں میں کہاںوں کا ڈورا اُلجھا۔ اب ہم ریاستی مخلوق کی ماتا کا حق کیونکر ادا کریں گے۔ مگر ہمارے دوست یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ عمل "کیا ڑا" "دوا بعد از مرگ" ہے۔ پہلے تو آپ

حکومت ہند

GOOD WILL

THE PRACTICAL VISIONARY

"آزمودہ کار وہمی"

(یہ نرالا قانون ہے۔ ایجاد قانون کے بعد نہ پانی بہے گا نہ راہ میں خار و خس آگیں گے)

رئیس کو حکومت برطانیہ سے باایں ہمہ بے مائگی اپنے حقوق طلب کرنے کی صلاح دیتے رہے۔ جب یہ فقرہ نہ چلا تو سارا انجار رئیس کے ذاتیات پر نکالا۔ اور حکومت برطانیہ کو اس بات پر ابھارا کہ وہ اپنے مصالح کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دے ایکدم رہا سہا رئیس کا قلع قمع کر دے جب یہ پڑا قابھی سیل گیا اور ریاست کی رعایا کو بھڑکایا۔

کے حامل نہیں لامحالہ وہ اپنے مصائب میں برطانیہ کی جانب توجہ کرنے میں ہوتا وہی ہے جو بغاوت کے انسداد میں آئینی حکومتیں عموماً کرتی ہیں یعنی تشدد ... نہیں سکتے۔ بہرحال ہماری رائے تو یہ ہے کہ اہل قلم رئیس پر الزام عائد کرنے سے پہلے اپنی آتش افروزی پر جس کا یہ نتیجہ نکلا غور فرمالیا کریں۔

صاف بات یہ ہے کہ حیدرآباد کا وزیر اعظم وہی بر ہوگا جو

مہاراجہ سرکشن پرشاد کا جانشین جو کوئی ہو رئیس و ریاست کا خیر اندیش ہونا چاہیے۔

دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان کے والی ریاست و ملک آزاد نہیں۔ برطانیہ کا اثر اقتدار ان کے رؤس و رؤسیں پر پہرا دیتا ہے۔ ملکی اخباری کالموں کی

آتش افروزی کی ایک حد ہوتی ہے ۔ مثل سچ ہے کہ دونوں ہاتھ تالی بجتی ہے ۔ بڑے لاٹ صاحب نے بالکل درست فرمایا کہ جنھوں نے ایک بڑے حصۂ ملک پر برطانیہ کے خلاف شورش نہ ہونے دی اُن کے حقوق بہ فاقت بھلا دینے کے لائق نہیں اس لیے ایک نیا قانون بنانے کی ضرورت ہے ۔ وہ ضرور ہیئے گا مرگ یقینی ہے آپ پیش از مرگ واویلا کرتے رہیے ۔ یا بعد انتقال جسمانی روحانی دوائے صحت نوش فرمائیے ۔ !

یہ شعر گنگنائیے ؎

کرد م نگے سوے تو دل سوخت فتادم
زیں آتش جانسوز خود افروختہ بودم

اب آپ نہ سچ کی حمایت کرسکیں گے نہ جھوٹ کی ۔ اور ایسا ہی بو اسلق آرا بیگم نے سال گزشتہ ریاستوں کی طرف سے استغاثہ کیا تھا شکر خدا کہ حکومت نے اس دل لگی کی بات کو اصل سمجھ لیا ۔ ہمارے لیے تو بعد اس قانون کے یہی شغل دل بہلنے کو باقی رہے گا :۔ ہمارے ہمارے رعایا کی گاڑھے پسینے کی کمائی لندن میں اُڑائی جاتی ہے ۔ دیکھو اپنے اغراض کا ولایت میں پروپگنڈا کروانے کے لیے فلاں اخباری کاغذ کو دو لاکھ دے دیا ۔

کاش ہمیں دیتے ۔"

اور بزبان بے زبانی جواب ملے گا کہ پھر تم کون؟ کیا تمھاری مصلحتوں پر خزانہ صرف کریں ۔ جب تک انگریزوں سے دوستی رکھنا ہے انگریزوں کا دل ہاتھ میں لینا پڑے گا ۔ یہ ایک تدبیر ہے اور اس تدبیر سے ہماری رعایا کو اتفاق ہے ۔ تم جھک مارتے ہو ۔ طبی کتاب اُٹھا کے دیکھو ۔ کہیں جسم کا پسینہ باہر نکل کے پھر بھی اندر پیٹھا ہے ۔

※

حضرت دارالّلغات رقمطراز ہیں کہ اصلاح کتب لغات کے بعد دبشرطیکہ زندگی وفا کرے اور مواقع ہارج نہ ہوں) خدمت ادبیات کے حق سے بندہ ادا ہو جائے گا ۔ یہ آپ کا کام ہے کہ میرے مشوروں پر عمل فرما کے جلدی سے ایک اچھی کتاب تالیف کر ڈالیں ۔ چاہے مجھ غریب کا نام بھی کتاب میں نہ لیں ۔ بندے کا مال وقف ہے ۔

عراق ریلوے

نجف ۔ کربلائے معلیٰ ۔ کاظمین اور سامرہ کے مقدس شہروں کی زیارت کے لیے عراق ریلوے کے ذریعہ آرام تیز رفتاری اور بہت ہی سستا کرایہ سے سفر کریں ۔

مختلف درجوں کی زیارتی کوپن کی کتابیں جو ۵۰ دن تک کار آمد ہوں گی نیچے درج ہیں اور ۵۰ کیلوز سامان ہر کتاب کے عوض میں اپنے ہمراہ مزید کرایہ کے بغیر لے جاسکتے ہیں ۔

	درجہ دوم	درجہ سوم
کوپن بک (الف) برائے سفر بصرہ سے کربلا کاظمین ۔ سامرہ اور واپسی بصرہ	عہ للعہ /	للعہ /
کوپن بک (ب) برائے سفر بصرہ سے کربلا کاظمین اور واپسی بصرہ	للعہ /	عہ

تین سال سے کم عمر کے بچوں کا کرایہ معاف اور بارہ برس سے کم عمر کے بچوں کا نصف کرایہ لیا جاتا ہے بمبئی اور کراچی سے ہر ہفتہ جہاز بصرہ کے بندرگاہ معقل کو جاتے ہیں جہاں ریلوے کے افسران زائرین کو ان کے آرام اور زیارت گاہوں کو جانے والی گاڑیوں میں جگہ کا انتظام کرنے کے لیے استقبال کرتے ہیں ۔

زائرین جو مکہ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں انکو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ عراق کے راستے سفر کریں اور اس طرح سے ایک ہی وقت میں اس ملک کے زیارت گاہوں کی زیارت کے مواقع بھی مل جائیں گے ۔ بغداد سے دمشق کو بذریعۂ موٹر ۲۴ گھنٹہ میں سفر کیا جاسکتا ہے دمشق سے جدہ ۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا کرایہ حسب ذیل ہے ۔

درجہ دوم	درجہ سوم بلا خوراک
للعہ /	عہ

ہندوستان میں عراق ریلوے کے ٹکٹ اور کوپن کی کتابیں بمبئی اور کراچی میں مختلف ایجنٹوں سے خریدے جاسکتے ہیں ۔

۱۔ مولوی محمد باقر صاحب مسافر خانہ حاجی دیوجی جنال جیس روڈ عمر کھاڑی ۔ بمبئی ۔
۲۔ آنریری جوائنٹ سکریٹری فیض پنجتنی ۔ پالاگلی ۔ بمبئی ۔
۳۔ مسٹر ای ۔ لوٹیا ۔ مانڈوی کولی واڑا ۔ بمبئی ۳ ۔
۴۔ حبیب حاجی رحمت اللہ صاحب ۔ کھارادر ۔ کراچی ۔
۵۔ مسٹر عبد العلی شیخ عیسے جی معرفت مسرز یوسف علی بھائی کریم جی اینڈ کمپنی نیپیر روڈ ۔ کراچی
۶۔ آنریری سکریٹری فیض پنجتنی معرفت حاجی چھٹا بھائی گوکر ۔ لیڈی باغ ۔ کراچی ۔

نوٹ :۔ ایک ہی جہاز پر ایک سو یا ایک سو سے زائد تعداد میں بصرہ کو سفر کرنے والے زائرین کو جہاز کے کرایہ میں رعایت مل سکتی ہے ۔

اودھ پنچ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر ال ۷۸۳

خریداری نمبر ۲۰۱۲ جناب
عالیجناب سیٹھ گردہر پرشاد صاحب وکیل
درجہ اول محلہ حسینی علم
حیدرآباد دکن
Hyderabad
(۲۸۷۰)

قواعد وضوابط ادارۂ ہذا

(۱) بفضل خدائے عز وجل ہر مہینے کی ۵-۱۲-۱۹-۲۶ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) اودھ پنچ میں صرف کاغذ پر مذہبی جھگڑے اور ایسے غیر مضامین شائع نہیں ہوتے۔ یہ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بھی بچتا ہے۔

(۳) قیمت کی زیادتی پر نہ جائیے۔ عمر کی کمی پر توجہ نہ دیجئے۔ اگرچہ ہر نمبر میں فرق ہے یا اوقات کی جدت رکھنے کی اصابت بے۔ وہ عمدہ نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

(۴) اُجرت اشتہارات و قیمت اودھ پنچ پیشگی لی جاتی ہے۔

(۵) بکمال شاگردان مدارس سے بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر سالانہ قیمت صرف للعہ لی جائے گی۔

(۶) پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۱۵ دن کے اندر دیجیے ورنہ بعد میں ممکن ہے کہ نہ مہیا کیا جا سکے۔

(۷) جو مضامین اودھ پنچ کی صلح پالیسی کے مطابق نہ ہوں گے وہ شائع نہ ہوں گے اور ان کی واپسی پر ہم مجبور نہیں ہیں۔

(۸) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی و ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو۔

نوٹ:۔ جو حضرات خریدار ہیں انھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جواب طلب امور کے لیے کارڈ یا لفافہ آنا لازمی ہے۔

احمد حسین بروی منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

شرائط ایجنسی اودھ پنچ

(۱)۔ روپیہ نقد جمع کرنا ہوگا۔

(۲)۔ رقم جمع شدہ کے ادا ہوتے ہی پرچے کی روانگی بوقت ہوا کرے گی۔

(۳)۔ پانچ پرچے فی ہفتہ سے کم ایجنسی قبول نہ کی جائے گی۔

(۴)۔ بحساب دو آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائے گا۔

کسی حالت میں بھی پُرانے پرچے واپس نہ لیے جائیں گے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

رکن (دوستی پارٹی)

INDIA

M. B. K

دعوتِ رقص نمبر ۲

"میری جان - میں تو جوان ہوں - میرے ساتھ ناچوگی ؟"

"چہ خوش — دور بھی ہو نگوڑے"

ٹیلیفون نمبر ۱۳۹

جاری شدہ سنہ ۱۸۳۹ء

تار کا پتہ "حنا"

نفاست پسند اور نازک مزاج

مستورات

ہمیشہ اعلیٰ قسم کی خوشبو کے عطر اور تیل

استعمال کرتی ہیں۔ اسکے ماسوا وہ دیسی ساخت

کی اشیاء استعمال کرنیمیں خاص مسرت محسوس کرتی ہین

تو کسی اور سے بھی خوش کرلیا کرتیں۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ نقلی گھر والے صاحب گھر میں داخل ہوئے۔ ابھی اچھی طرح بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ کہیں سے اصلی گھر والے صاحب آگئے۔ نقلی شوہر سٹ پٹایا۔ بی صاحبہ نے فرمایا کرائے مجھے جنون کا دورہ ہو۔ جلدی سے چھڑی ہاتھ میں لے کے مجھے مار۔ نقلی شوہر صاحب مطلب سمجھ گئے جھٹ سے لکڑی اٹھائی اور سٹاسٹ پیٹھ پر برسانے لگے بناسٹے کے ساتھ منہ چمکا بیبی ہو رہا تھا یعنی منتر پڑھتے جاتے تھے۔ اصلی میاں یہ تماشا دیکھ کے ٹھٹکے۔ نقلی نے کہا "بھائی صاحب چند روز سے بھابی پر ایک جن سوار ہو گیا ہے محلے والوں نے مجھے جن اتارنے کے لیے طلب کیا تھا بفضل خدا میرا عمل کارگر ہوا۔ آئیے تشریف لائیے۔ اب انہیں ہوش آگیا ہے۔ چلے میں دس پندرہ روز اور باقی ہیں" غریب شوہر بی گھر بیبی کی بیماری پر متاسف ہوا اور عامل رقیب کا شکریہ ادا کیا۔ آپ جانیے جن چڑھے کے اتر تا کب ہے۔ ہفتے میں ایک مرتبہ خود شوہر صاحب عامل کو لاتے اور پردے کے باہر سے کھڑے ہو کے علاج کا شور سنا کرتے۔

اب سمجھ لو کہ تم وہی بی صاحبہ ہو تم پر جن سوار ہے۔ تمہارا ڈاکٹر وہی عامل ہے۔ اہل ہند اصلی شوہر ہیں جو تمہاری جان کی خیر مناتے اور تمہاری غریب الوطنی کو آسیب زدگی کا علاج خیال کرتے ہیں۔ نہ تو بی صاحبہ کے سر سے مرتے دم تک جن کا سایہ دفع ہوا نہ تمہارے سر سے وفان ہوتے دکھائی دیتا ہے۔

اگر غور کرو تو ہندوستان میں تمہارے رہنے کا یہی زمانہ ہے جسے تم بھوت اتروانے کی خوشگوار فکر میں صرف کر رہے ہو۔ غضب تو یہ ہے کہ تمہاری دیکھا دیکھی وطن کی محبت کا بھوت اور جن لوگوں کے سر پر سوار تھا وہ بھی یورپ کی سیڑھیاں بھرنے والے ہیں۔ (باقی آئندہ)

راقمہ

منلق آرا بیگم

"مسلمہ"

اس نام کا ایک ماہوار رسالہ شہر جالندھر پنجاب سے نکل رہا ہے۔ ایک اچھا اسلامی پرچہ ہے جس کی غرض مسلمات کی مذہبی معاشرتی اور تعلیمی اصلاح ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ اختلافی مضامین اس میں نہیں ہوتے۔ اچھی اور صاف چھپائی کھائی عمدہ کاغذ دو جزو کا حجم اس پر قیمت صرف ایک روپیہ سالانہ۔

مولانا پنچ کی نوٹ بک

مذاق سلیم اور چار نقطے

کبھی ہم نے ایک تلاشی کا واقعہ لکھا تھا کہ پولیس نے زبردستی ہندو... ان ... چونکہ تھی پر ہاتھ ڈالدیا پولیس کو دھوتی میں گولیاں اور پستول چھپے ہونے کا شبہ تھا۔ مذاق سلیم کے دعویدار میاں روزنامہ "حقیقت" کے صاحب پہلے تو اس نوٹ کو نقل کیا پھر تو یہ نامہ شائع کیا کہ "مذاق سلیم کو دھچکا پہونچا۔ آپ جانیے کچا ہم کچا مذاق سلیم۔ فکر ہوئی کہ کبھی مذاق سلیم "حقیقت" سے سیکھنا چاہیے۔

ہمارے غیر سلیم مذاق کے بموجب ایسے واقعات جنکی اشاعت سے کسی کی عزت کو نقصان پہونچتا ہو یا جن کے تذکرے سے کسی خاندان کی رسوائی متصور ہو کچہری میں آجانے کے بعد بھی اخلاقاً درج کاغذ اخبار کرنے کے لائق نہیں ہوتے۔ مثلاً باپ بیٹی چچا بھتیجی بھائی بہن کے ناجائز لوث کے واقعات کا اظہار جسے باصطلاح شرع "اشاعت فاحشہ" کہتے ہیں اور جو ناجائز ہے۔ لیکن بعد مدت استاذ ذوق سلیم حضرت حقیقت کے سلیم مضامین سے پتا لگا کہ مذاق سلیم کیا ہے۔ سنیے حضرت! کچہری میں اگر کسی شریف زادی کے بارے میں کوئی نوکر بیان کرے کہ عورت نے زبردستی مجھکو خراب کرنا چاہا تو یوں لکھیے کہ اس نے دعویٰ کیا یا پائجامے میں ہاتھ ڈال کے.... پکڑ لیا۔ یہ ہے مذاق سلیم۔ جو کہ صرف چار نقطوں سے مرکب ہے۔ اب تو آپ کو اور ہم کو دونوں کو معلوم ہو گیا کہ مذاق سلیم اسے کہتے ہیں۔

دوسرے نمبر کا مذاق سلیم بھی ملاحظہ ہو۔

ہز ہائنس نواب صاحب رام پور کی سگی بہن اپنے بھائی سے بگڑ کے دلی میں چلی آئیں۔ مذاق سلیم کو اس گھریلو جھگڑے میں دخل دینا پڑا اور بغیر کسی عینی شہادت کے "سخت شراب خواری" اور دوسرے قسم کی آوارگیوں کا الزام بیگم صاحب پر عائد کیا گیا۔ مذاق سلیم لکھتا ہے کہ بیگم صاحب کمسنی میں بیوہ ہو گئی تھیں..... عقد ثانی کا کوئی موقع نہ تھا۔ ناز و نعم اور عیش و اطمینان کے ساتھ بدقسمتی سے

"مدراس کے زنانے ووٹ کا مسئلہ"

نمبر (۱) "اتار و نقاب! صورت دکھاؤ!! یہ دیکھو جج کی تجویز ثابت کرو کہ تم در اصل ووٹ دینے کا حق رکھتی ہو۔ ورنہ ہوا کھاؤ۔ چلتی پھرتی نظر آؤ۔"

نمبر (۲) "کمبخت! پردہ دری کرتا ہے۔ خیر بی بی نقاب نوچ ڈالو۔ ممبری پر آبرو قربان ہی کرنی پڑے گی۔"

اس کی نگران انجمن اشاعت اسلام جالندھر ہے اس کی مؤلفہ محترمہ حمیرا صاحبہ ہیں نام کے ساتھ بیگم خانم یا دوسرے الفاظ کا انضمام نہیں۔ اسکی سرپرست نواب سر لیاقت حیات خان وزیر پٹیالا کی بیگم صاحبہ ہیں۔ لڑکیوں کے واسطے خصوصاً اسکا مطالعہ ہمارے نزدیک مفید ہے۔ نشان بالا سے طلب کیجیے۔

صحبت بھی ایک ایسی پیش خدمت (انوری بیگم ...) کی ملی جس کے متعلق سنا ہے کہ وہ ہر فن مولا ہے اور جس نے تھوڑے ہی عرصے کے اندر اپنی زنانہ و مردانہ خدمات سے شہزادی بیگم صاحبہ کی طبیعت میں ایسا رسوخ پیدا کر لیا۔ ...... یہ عورت کیا تھی گویا ایک تھی جو شہزادی بیگم صاحبہ کے دامن ناموس کو جلانے جاتی تھی ـــــ" اس کے بعد لنتری جان کے ساتھ شراب خواری کا ذکر ہے۔

مذاق سلیم سے چند سوال کرنے کی ضرورت ہے۔ (۱) شریعت اسلام میں کسی عضو نہانی کا نام لینا "فحش" نہیں گنواری زبان میں ہو یا شہری عربی ہو یا کوئی اور بولی۔ بلکہ جب ان اعضاء کے افعال کو دا ایک یاد و یا کئی) شخص معین کی طرف نسبت دی جائے تو وہ فاحشات میں داخل ہونگی۔ کیا ان دونوں واقعات میں شخص معین کی طرف فاحشے کی نسبت نہیں دی گئی ؟۔ (۲) اور کیوں میاں مذاق سلیم اگر کسی گھر کے گوشے یا چار دیواری میں دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ ہو کے اپنی بدنیتی کی بدولت کوئی شخص گناہ کا مرتکب ہو تو کیا "دسلم" کا یہی مقتضا ہے کہ بغیر کسی شرعی تکلیف کے تم اسے ہزاروں کے سامنے بیان کرتے پھرو درحالیکہ واقعے کی صحت بشہادت شرعیہ ثابت نہ ہو ؟۔ (۳) کیوں اجی مذاق سلیم ! ایسی کچی اطلاع تمھیں کہاں سے ملی۔ کیا پبلسٹی آفس رامپور سے یا کسی مخفی گوشے سے ! اور یہ تو بتاؤ کہ کیا نواب رامپور اپنی بہن کے بارے میں ایسے شنیع افعال کی اشاعت سے خوش ہونگے ؟ بھئی اگر پبلسٹی آفس رامپور نے اپنے ولی نعمت کو اس طرح کے حسن خدمت سے خوش کرنے کی ٹھہرائی تو واللہ وہ ایک مذاق سلیم ہے اور اگر نواب صاحب بہادر اس سے خوش ہوئے تو وہ بھی صاحب ذوق سلیم۔ نہ ہوئی شرعی حکومت ورنہ مذاق سلیم کی بدولت "حد قذف" کا سامنا ہوتا۔

خدا کا شکر ہے کہ ۱۸ برس تک اودھ پنچ ایسے مذاق سلیم سے شناسا نہ ہو۔

المختصر

شیعہ کالج کے سکریٹری صاحب نے استعفا دیا استعفے کے بارے میں ایک صاحب لکھتے ہیں: "ان صاحب کیا مصیبت ہے ابھی تو کالج کی شکل اچھی طرح منتشر نے برباد نہیں کی۔ للہ ابھی استعفا نہ دیجیے۔"

راجہ نواب علی خاں صاحب اور حاجی فتح اللہ صاحب کے مضامین پر ایک صاحب نے تبصرہ کیا ہے جو آیندہ انشاء اللہ چھپے گا۔

عراق ریلوے

نجف۔ کربلائے معلیٰ۔ کاظمین اور سامرہ کے مقدس شہروں کی زیارت کے لیے عراق ریلوے کے ذریعہ آرام۔ تیز رفتاری اور بہت ہی سستا کرایہ سے سفر کریں۔

مختلف درجوں کی واپسی کوپن کی کتابیں جو ۵۰ ادن تک کار آمد ہوں گی نیچے درج کیا اور ۰۵ کیلو وزن سامان ہر کتاب کے عوض میں اپنے ہمراہ مفت بلا کرایہ لیجا سکتے ہیں۔

	درجہ دوم	درجہ سوم
کوپن بک (الف) پہلے سفر بصرہ سے کربلا کاظمین۔ سامرہ اور واپسی بصرہ	۱۲للعہ	للعہ
کوپن بک (ب) پہلا سفر بصرہ سے کربلا کاظمین اور واپسی بصرہ	للعہ	عہ

تین سال سے کم عمر کے بچے کا کرایہ معاف اور بارہ برس سے کم عمر کے بچوں کا نصف کرایہ لیا جاتا ہے بمبئی اور کراچی سے ہر ہفتہ جہاز بصرہ کے بندرگاہ معقل کو جاتے ہیں جہاں محکمے کے افسران زائرین کو ان کے آرام اور زیارت گاہوں کو جانے والی گاڑیوں میں جگہ کا انتظام کرنے کے لیے استقبال کرتے ہیں۔

زائرین جو مکہ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ عراق کے راستے سے سفر کریں اور اس طرح سے ایک ہی وقت میں اس ملک کی زیارت گاہوں کی زیارت کا موقع بھی مل جائیں گے۔ بغداد سے دمشق کو بذریعہ موٹر ۲۴ گھنٹہ میں سفر کیا جا سکتا ہے دمشق سے جدہ۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا کرایہ حسب ذیل ہے۔

درجہ دوم	درجہ سوم بلا خوراک
مالعہ	ملعہ

ہندوستان میں عراق ریلوے کے ٹکٹ اور کوپن کی کتابیں بمبئی اور کراچی میں مختلف ایجنٹوں سے خریدے جا سکتے ہیں۔

۱۔ مولوی محمد باقر صاحب مسافرخانہ حاجی دیوجی جینال جیل روڈ عمر کھاڑی۔ بمبئی۔
۲۔ آنریری جوائنٹ سکریٹری فیض حسینی۔ پالاگلی۔ بمبئی۔
۳۔ مسٹر ای۔ ای پوٹیا۔ مازوی کولی واڑا۔ بمبئی ۳
۴۔ جیب حاجی رحمت اللہ صاحب۔ کھارادر۔ کراچی۔
۵۔ مسٹر عبدالعلی شیخ عیسیٰ جی معرفت مسرز یوسف علی بھائی کریم جی اینڈ کمپنی بنیہ پرڈ۔ کراچی۔
۶۔ آنریری سکریٹری فیض حسینی معرفت حاجی جیٹھا بھائی گوکل۔ کوڈی باغ۔ کراچی۔

نوٹ: ایک ہی جہاز پر ایک سو یا ایک سو سے زائد تعداد میں بصرہ کو سفر کرنے والے زائرین کو جہاز کے کرایہ میں رعایت مل سکتی ہے۔

REGISTERED No A, 78
ظریف ہفتہ وار
مشہور با تصویر
LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
अवध पंच
लखनऊ
M. D. KHAN ARTIST LUCKNOW

قواعد و ضوابط ادارہ ہذا

(۱) بفضل خدائے عزوجل ہر مہینے کی ۴-۱۱-۱۹-۲۶ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) اودھ پنچ میں مہمل کی خبریں مذہبی جھگڑے اور بے نتیجہ مضامین نہیں ہوتے بلکہ صرف ایسی بضاعت پر قائم اور مقید اشاعت رہتا ہے۔

(۳) قیمت کی زیادتی پر نظر نہ کیجیے۔ جوہری کی پڑیاں پر معلومات ایسے گوہر و خزانت میں فرق ہے۔ لیکن افادات کی جدّت ملک کی اصابت بے ورد عایت کتنی صحیح نتائج اتحادات و بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائینگے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

(۴) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ پیشگی لی جاتی ہے۔

(۵) بکم ایسے شاگردان مدارس سے بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر سالانہ قیمت صرف للعہ ر لی جائے گی۔

(۶) پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع ۱۵ دن کے اندر دیجیے۔ بعد میں ممکن ہے کہ نہ مہیا کیا جا سکے۔

(۷) جو مضامین اودھ پنچ کی صلح پالیسی کے مطابق نہ ہونگے وہ شائع نہ ہونگے اور اُن کی واپسی پر ہم مجبور نہیں ہیں۔

(۸) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی و ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو۔

نوٹ۔ جو حضرات خریدار ہیں اُنھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جواب طلب امور کے لیے کارڈ یا لفافہ ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

احمد حسین ندوی منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

شرائط ایجنسی اودھ پنچ

(۱) ... روپیہ نقد جمع کرنا ہوگا۔

(۲) رقم جمع شدہ کے ادا ہونے تک پرچہ کی روانگی موقوف رہیگی۔

(۳) پانچ پرچوں سے کم ایجنسی قبول نہ کی جائیگی۔

(۴) بحساب ۲ آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائے گا۔

کسی حالت میں بھی پُرانے پرچے واپس نہ لیے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۵ نمبر ۳۶

مضامینِ نیرّ

(مورخہ ۱۲- اکتوبر ۱۹۳۳ء)

"حُسنِ حبت"

(از جناب منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف)

"مشاہدہ میں آیا ہے کہ ایک انجینیر صاحب کے صاحبزادے لندن سے اعلیٰ ڈگری حاصل فرما کے پلٹے۔ اور چال چلن کی خوبی ساتھ لے کے پلٹے۔ اُنھیں کے آنے کی خوشی میں اشعار چند شعر نظم ہوئے۔ اور اسٹیشن ہی پر سنائے گئے۔ جن لوگوں کی اولاد لندن میں سب گن خوش تہذیبی کے سیکھ رہی ہے ان کے غور و فکر کے لیے یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔" (اڈیٹر)

مبارک ہو یہ دن احمد حسن صاحب قریشی کو
تجبیر و عافیت نورِ نظر آرام جاں پلٹے

خدا کا شکر لندن سے مجھے آ زریں ایس سی
سول انجینیری کے امتحاں میں کامراں پلٹے

وطن میں جس طرح پر کامیاب اختر حسین آئے
یونہیں اسلام کا ہر نونہالِ بوستاں پلٹے

اُسی سے قوم کی آئندہ وابستہ ہیں امیدیں
جو ضبطِ نفس کا لندن سے دیکر امتحاں پلٹے

وطن کے طالبِ علم اس طرح گر کامیاب آئیں
عجب کیا کچھ دنوں میں قسمتِ ہندوستاں پلٹے

ہمیں تو واقعی اظہار میں بھی شرم آتی ہے
کہ جس صورت سے لندن جاکے اکثر نوجواں پلٹے

سمندر میں ڈبو کر اپنی وضعِ خاندانی کو
فقط لے دے کے سوٹ و بوٹ کا ٹوپیاں پلٹے

وطن میں آکے انگلش سنیاسی ہو گئے فوراً
نہائے جاکے کاشی جی کے لندن سے جہاں پلٹے

پہونچ کر میکدے میں حسنِ اخلاق اپنا کھو آئے
بہت سے بادۂ نخوت ہی ایسے سرگراں پلٹے

غرض جن کی نہ تھی تحصیلِ علم و فضل یورپ میں
وہ خالی ہو کے جنٹلمین لیکر لیڈیاں پلٹے

لگا دی آم کی جاکر قلم گملے میں یورپ کے
گلستانِ وطن کے یوں نا اڑی باغباں پلٹے

بنے ہندی سے سوڈی ایم پی سے لگئے ڈمیل
قلابازی کچھ ایسی کھا گئے نام و نشاں پلٹے

فندودوں کو بدلوا کر وہ سنیدر بن گئے قلی
جنابِ خاروں کے جب پُرانے قدرداں پلٹے

گوارا انجلوں نے سینما میں وقت تعلیمی
سند کی جا لیے کر چند تصویر بتاں پلٹے

ظریفِ المختصر یہ ہے کہ اُن کو کیا کہے کوئی
جو خود میوی کی صورت بن کے لندن سے یہاں پلٹے

نور الاشعار

مولانا پنچ۔ آپکے عنایت فرما حضرت اوبار مظفر علی رئیس المؤلفین نے دوران تبصرہ

جامع اللغات و نور اللغات میں حضرت نیرؔ مؤلف حاجی زمزم اللغات سے کسی قدر اجنبیت کا اظہار فرمایا ہے۔ ارے صاحب اُن کا تخلص ہے نیرؔ۔ لہذا معلوم ہوا کہ وہ شاعر ہیں۔ اتنی بڑی لغت کا جامع اور شاعر نہ ہوگا؟۔

حضرت اوبار اگر نور اللغات کی ادبار زدہ نثر کے ساتھ ساتھ نظم "ادبار خوردہ" پر بھی توجہ فرماتے تو ناظرین کی دل بستگی کا سامان المضاعف ہوجاتا اور اس معکوس تبصرہ میں زیادہ رونق آجاتی کہ محض شعر فہمی کی قوت ہی مجروح نہیں ممدوح کی شعر گوئی بھی ویسی ہی لائق داد ہے۔

اس شاعری کو دیکھ کے اگر اُردو زبان بدنصیبی اور "لاچاری" کے ٹھیکے پر یہ شعر گائے تو عجب نہیں ؎

تو نام خدا شعر بھی کرنے لگے موزوں — اب اور بھی پہلو نہ سیٹ گا مرے دل کا

حضرت کی طبع نور برپز کے متعلق درخشاں انشاء اللہ آئندہ مفصل پیش کیے جائیں گے بالفعل تین چار شعر ملاحظہ ہوں فرماتے ہیں ؎

غمزوں کو دیجیے کہ اداؤں کو دیجیے — کس طرح بانٹ دیجیے اک دل جگہ جگہ

سبحان اللہ کیا کہنا۔ اسی پاکیزہ صنعت میں ایک بڑا اتنا شعر بھی سنتے آئے ہیں آفریں بر روانِ شاعر باد۔ کہتا ہے ؎

وہ دست نازنیں لیں گے کیونکر — بہت بھاری ہے "پر حسرت بھرا دل"

مبتدا سے خبر یا فعل سے مفعول دور پڑ جائے تو یہی لطف حاصل ہوتا ہے۔ "ٹُو دنیا گالی ہی ؎
سدھن تم لگواتیں کیوں نہیں "ٹُنا تو شبو دار"

یہ صنعت ہرگز نام رکھنے کے قابل نہیں۔ نیرؔ صاحب غمزوں کو دیتے ہیں اداؤں کو دیتے۔ غرض فی سبیل المعشوق ہے۔ کیا؟ ابھی وہی دل۔ دوسرا شاعر دست نازنیں سے اندیشناک ہے کہ وہ لے گا کیونکر پھر اتنا بھاری کیا؟ وہی دل۔

ٹُو دمنی سدھن سے دل لگی بازی کرتی ہے کہ تم لگواتیں کیوں نہیں۔ کیا؟ کوئی بُری چیز نہیں ٹُنا! جو کوئی بجز دل اور ٹُنے کے ان اشعار میں کوئی اور شے پہلے ہی سے خیال کرلے وہ کمبخت بدگمان بھی ہے اور مالک طبیعت ناشستہ بھی۔

دوسرا شعر ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے ؎

دنیا و دین سے گذر رہے تو پہونچے ہیں پاس — کرنا پڑی ہے راہ میں منزل جگہ جگہ

اس شعر پر بھی ہمیں ایک دوست کا مطلع یاد آگیا ؎

آہو کو نیل گائے کو ہم مات کرگئے — اک جست کی تو دونوں جہاں سے گذر گئے

نیرؔ صاحب کے شعر کا پہلا مصرعہ سنتے ہی خیال ہوتا ہے کہ دنیا و دین سے گزرنے میں ایک ہی چھلانگ مارنی پڑی۔ زیادہ قابل مدح ہر ایک کے خیال سے یہی بات تھی مگر یہ اظہار کہ راہ میں کئی جگہ منزل کرنی پڑی اس ممدوح امر کو بھی سٹ ڈوبا۔ جگہ جگہ منزل کرنی پڑی تو پھر کیا ہوا؟۔ ہر مسافر یہی کرتا ہے ستو کی پوٹلی کندھے پر ڈالی اور چل کھڑے ہوئے۔ آدھ قدم کم پڑا تو "دلوا دو میاں مٹھی بھر چنے"۔ مسافر ہیں غریب الوطن ہیں جگہ جگہ منزل کرتے آئے ہیں یہ کی صدا لگا دی۔ اور مزے سے کنویں کے قریب پیپل یا نیم کی چھاؤں میں بیٹھ کے پیٹ بھر لیا۔

بہرکیف فصوص کوئی خوبی نہیں۔ نہ جگہ جگہ منزل کرنا کوئی فائدہ دیتا ہے نہ دلیل رہبریت رکھتا ہے۔

مقطع سنیے ؎

نیز سے کیوں کرے کوئی قیمت کی بات چیت
ملتے ہیں مفت ٹوٹے ہوئے دل جگہ جگہ

بجہ سے! یہ بات ہے کہ ٹوٹی ہوئی ہنڈیا کے بک جانے اور خریدار کے پسند آنے کی امید کس طرح قائم ہوئی ٹوٹی پھوٹی چیز کا خریدار ہوتا ہی کون ہے خصوصاً جبکہ مال اتنے کے ڈھیلوں کی طرح ہر گھورے پر موجود ہو۔ اچھا ہم نے مانا کہ عشق خرد سوز نے خواہ مخواہ توقع لائی تو معشوقوں نے ہانڈی توڑی تھی ان کی قدر کیوں نہ پہچانی؟۔

صاحبو عاشقوں کا ٹوٹا ہوا دل اور ہے اور دنیا بھر کے ٹوٹے ہوئے دل اور، معشوق اگر جوہر شناس ہے تو شکستگی اس کے نزدیک نازکی کی دلیل قوی ہوگی۔

اس شعر میں معشوق کی بھی ہجو ہے وہ اپنے عاشق کے دل کو انھیں دلوں کے ساتھ ایک ہی لکڑی سے ہانکتا ہے جو کمہار کی دکان پر ڈھیر ہیں۔ ایسے مودوبے تمیز پھوہڑ اتوکی دم معشوق کو تو بجائے موتی کے ٹھیکرا دل کے عوض دینا چاہیے۔ ہائے ہائے حکیم سنائی نے کیا خوب کہا ہے ؎

قرنہا باید کہ تا یک مرد صاحب دل شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

اسے بھی کمال موہبت الٰہیہ سمجھنا چاہیے کہ جناب نیر علاؤ محقق زبان اردو و عبرانی اور شاعر کامل ہونے کے ملکۂ نقد و نقادی سے کافی بہرہ یاب ہیں۔ چنانچہ انوآبا (نہ نشنا با) معلوم ہوا ہے راست و دروغ برگردن راوی کہ حضرت نے حضرت نجم الشعرا جناب خسرو کی غزل پر جو مذکورہ قوافی و ردیف پر مشتمل یعنی ہم طرح ہے ایسے ایسے پاکیزہ اعتراض کیے ہیں (خدا کرے سچ ہوں) کہ باید و شاید۔

خسرو صاحب کا مطلع ہے ؎

ہو جستجو تو رہبر کامل جگہ جگہ
ہر ہر قدم کے ساتھ ہے منزل جگہ جگہ

سنا جاتا ہے اور کہا بھی جاتا ہے (صحت قول بذمہ راوی) کہ حضرت کے نزدیک یہ شعر مہمل ہے۔ کیوں؟ اس لیے

کہ غول بیابانی عنقائے مغرب اور شریک باری کی طرح "رہبر کامل" کا وجود اب دنیا میں نہیں۔ اور انسان کامل ہوتا تو محال ہی ٹھہرا۔ لہذا رہبر کامل اتنا عام اور کثیر الوجود نہیں ہو سکتا۔

دوسرا شعر ہے ؎

پھرتا ہوں میں لیے دل صد پارہ ساتھ ساتھ
وابستہ میرے دم سے ہے محفل جگہ جگہ

اعتراض کی نوعیت یہ معلوم ہوئی ہے کہ پارہ میں گالی کا شائبہ نکلتا ہے۔ یوں کہتے تو خیر ؎

پھرتا ہوں میں لیے دل صد ریزہ ساتھ ساتھ

تیسرا شعر ہے ؎

جوش جنوں کی دست درازی نہ پوچھیے
ہے چاک چاک دامن قاتل جگہ جگہ

اور یہ بھی لغو ہے کیا معنی کہ دست درازی کسی اور

بات کو کہتے ہیں یعنی شب وصل کا چھونا چھیڑنا۔ اور ایسے امور کا تذکرہ اصل صلوٰۃ و سلمین میں بدعت سیۂ۔ غصہ فرماتے ہیں:۔

سلام کو وہ کہ گئل چھو دامن چھیڑ و نہ کھائی ؎
والتفصیل مرکوز الی مراجعۃ کتاب نور اللغات فافہم۔

چوتھا شعر ہے ؎

غنچہ کی چال کون چلا ہے چمن میں آج
گل خستہ دل ہیں صورت بسمل جگہ جگہ

اور اس شعر میں یہ "نی" ہے کہ گل ہیں غیر ذی العقل غیر ذی روح پھر ان کا بسمل ہونا کیسے ہو؟ بالکل خلاف وضع فطرت۔

پانچواں شعر ہے ؎

نقش قدم کو دیکھ کے اس خوش خرام کے
آیا ہے یاد مجھ کو مرا دل جگہ جگہ

گرچہ بادی النظر میں بے جا نہیں۔ لیکن کھڑاؤں کی ایڑی میں اگر دل اٹکا ہوا ہو تو خیر یہ نقش قدم کیا کوئی توس دان ہے جو خالی دیکھ کے دل کا توس کوئی یاد کرتا ہے۔

چھٹا شعر یعنی مقطع ہے ؎

خسرو ادا و ناز کا شکوہ میں کیا کروں
تقسیم ہو رہا ہے مرا دل جگہ جگہ

نوٹس نسبت دکھانے وجہ کے (نمونہ عام)

بعدالت جناب بابو برن کمار صاحب گھوسال صاحب بہادر لکھنؤ
مقدمہ نمبر ۱۵۱ سنہ ۱۹۲۹ء
صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نیجر کورٹ آف وارڈس علاقہ کسمنڈی خرد پرگنہ و تحصیل ملیح آباد ضلع لکھنؤ مدعی

بنام

مسماۃ عمر جہاں بیگم وغیرہ مدعا علیہم

بنام عمر جہاں بیگم بیوہ منظور احمد خاں بنت عبدالرشید خاں ساکن برگھچ پرگنہ و تحصیل ملیح آباد ضلع لکھنؤ (۲) مہیش سنگھ (۳) اندر پال سنگھ (۴) سکھوانی سنگھ (۵) سندر سنگھ (۷) مسماۃ منی بیوہ جنگ بہادر سنگھ نبیرہ رستم سنگھ متوفی ساکنان و وارثان رستم سنگھ متوفی موضع اٹریا پرگنہ و تحصیل ملیح آباد ضلع لکھنؤ۔

ہرگاہ مسمی خان بہادر محمد یوسف خاں نے درخواست اس عدالت میں گزرانی ہے کہ بجائے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر منیجر کورٹ آف وارڈس علاقہ کسمنڈی خرد کے نام خان بہادر محمد یوسف صاحب تعلقدار کسمنڈی خرد پرگنہ و تحصیل ملیح آباد ضلع لکھنؤ قائم کیا جائے۔ اور بجائے رستم سنگھ متوفی کے نام مدعا علیہ ۲ و ۳ و ۵ تا ۷ قائم کیا جائے اور ڈگری قطعی جب آرڈر ۳۴ قاعدہ ۵ ضابطہ دیوانی بابت جائداد مرہونہ مرتب کیا جائے۔ لہذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تم اصالتاً یا معرفت کسی وکیل کے جو حالات مقدمہ سے بخوبی واقف ہو بوقت ۱۰ بجے بتاریخ ۴۔ ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۳ء اس عدالت میں حاضر ہو کر درخواست کے خلاف وجہ دکھاؤ۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو درخواست مذکور تمہاری غیر حاضری میں سماعت کی جاوے گی۔

بتاریخ ۳۔ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

اہتمام سرسری اطلاعنامہ بنام قرضخواہان

(دفعہ ۷، ایکٹ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء)

جناب منشی محمد عبد الحق صاحب بہادر ڈسٹرکٹ جج رائے بریلی
درخواست دیوالیہ نمبر ۴ متفرقہ سنہ ۱۹۳۳ء

مقدمہ قرار دیے جانے دیوالیہ مسمی بلٹو ولد بچہ ن قوم پاسی ساکن مہابل گنج مٹہر و مہورتال پرگنہ ہمرو ضلع رائے بریلی

بنام جملہ مہاجنان متعلق مقدمہ مندرجہ صدر۔

اطلاع دی جاتی ہے کہ بتاریخ ۱۲ جولائی سنہ ۱۹۳۳ء مدیون مذکور بالصدر نے ایک عرضی درخواست اس عدالت میں بغرض مشتہر کیے جانے دیوالیہ گزرانی ہے اور یہ کہ بتاریخ ۲ اگست سنہ ۱۹۳۳ء عدالت ہذا نے اس امر کا اطمینان کر کے کہ مدیون کی جائداد و غالباً ... سے زائد نہ ہوگی ہدایت کی ہے کہ مدیون کی جائداد کا اہتمام سرسری طور پر کیا جائے اور تاریخ ۱۱۔ ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۳ء واسطے مزید سماعت درخواست ہذا مقرر کی ہے۔ اس امر کی بھی اطلاع دی جاتی ہے کہ عدالت تاریخ مذکور الصدر پر تقسیم جائداد مدیون مذکور کی کارروائی شروع کر سکتی ہے۔ مہاجنان کو اختیار ہے کہ حاضر ہو کر اس تاریخ پر ثبوت دین پیش کریں ... تاریخ مذکور پر اس کا داخل عدالت کرنا لازمی ہوگا۔ مورخہ ۲۶ اگست سنہ ۱۹۳۳ء

دستخط حاکم بخط انگریزی 5/10/33

مہر عدالت

اس میں تخلص غیر حقیقی ہے۔ شاعر صاحب ہرگز خشرہ نہیں اگرچہ بندہ نیّر ہے حقیقۃً پس تخلص کوئی تعلق شاعر کے عندیے سے نہیں رکھتا اور یہ ظاہر ہے۔

کیوں حضرات اگر ہم نے اعتراضات کا مطلب صحیح لکھا اور بیان کرنے والے نے ہم تک معترض کے الفاظ ہو بہو نقل کیے ہیں تو اب آپ کو ہمارے مؤلف نور اللغات کی نقادی میں کلام ہی کیا ہو سکتا ہے۔

واقع رہے کہ حضرت ضیغم الشعرا خسرو سے پیشتر بھی نحو کی کتابوں کی بنا پر زید و عمرو کا قضیہ کئی دفعہ پیش ہو چکا ہے۔ ہر نحو کی کتاب میں ایک مثل "ضرب زید عمرا" کی لکھی ہوئی ہے اس شخص عمرو نے یہ تمام کتابیں بغل میں دبائیں اور پہونچا دار القضا۔

جناب قاضی السلام علیکم ——— وعلیکم السلام۔

"فریاد سر فریاد۔ از دست زید فریاد"

قاضی نے پوچھا "کیوں بھائی کیا ہوا" عرض کی "کچھ نہ پوچھیے۔ اتنا پٹے اور اتنی بار پٹے کہ گن نہیں سکتے"

قاضی نے ضارب کا نام دریافت کرنا چاہا۔ کہا "ابی وہی ظالم زید"

قاضی "کون زید؟"

عمرو "میں کیا جانوں۔ اخفش سے پوچھو سیبویہ سے پوچھو۔ کوفے والے نحویوں سے پوچھو۔ بصرے والے نحویوں سے پوچھو۔ وہی گواہ ہیں۔ اسے دیکھو۔ یہ ہے فتوحات صمدیہ۔ یہ ہے کافیہ ابن حاجب یہ ہے نحو میر یہ ہے ہدایۃ النحو"

اب تو قاضی صاحب چکرائے کہ جو مثال کے طور پر پٹا ہو اس کا قصاص کس طرح لیا جائے۔ آخر سوال کیا "زید کہاں رہتا ہے اور تمہیں اس نے کس بات پر مارا ہے؟"

عمرو "یہ میں کچھ نہیں جانتا بس یہی کافی ہے کہ اتنی کثیر گواہیاں میرے مظلوم ہونے پر دلالت کرتی ہیں"

قاضی "اچھا پیادہ ساتھ لے جاؤ اور جس زید نے تم کو مارا ہے اسے پکڑ لاؤ تاکہ اقامت بیّنہ کی جائے۔ بس جاؤ ہوا کھاؤ"

کیا عجب ہے کہ حضرت نیّر بھی جو کہ اپنے اعتراضات کی قوت پر غالباً یقین رکھتے ہیں اس طرح مقابلے میں ضیغم الشعرا کے دوستوں سے یک طرفہ ڈگری حاصل فرمائیں اور سرکاری پیادہ ساتھ لیے ادھر ادھر گھوم رہے ہوں لہٰذا بندہ رخصت۔

اگر حضرت نیّر کے اور افادات بھی ہاتھ لگے تو انشاء اللہ ہم دنیا کو (مثل کتاب نور اللغات کے) اُن سے مستفید ہونے کا موقع دیں گے۔

حضرت ضیغم الشعرا سے التماس ہے کہ آپ مطمئن رہیے قاضی کا پیادہ (پروپگنڈا) ہمیشہ یوں ہی سرگرداں رہے گا اور یہ بھی سمجھیے جس طرح بادشاہ کو لوگ کہا کرتے ہیں آپ کی غیبت آپ کے بزرگوں کی غیبت بھی کرینگے۔ پھر اس سے کیا ہوگا۔ اس طرح بھی حسنات ہی حسنات نامۂ عمل میں ہوں گے۔ فقط

م

ع۔ از کاکوری

حیاتِ داغ

یہ ننھی منّی تقطیع پر ایک صفحے اور ڈھائی جزو کی سوانح عمری (ہماری رائے میں اس کی ضرورت ہی نہ تھی) مرحوم نواب مرزا خاں داغ دہلوی کی ہے جس کے مؤلف مرحوم کے شاگرد جناب سیماب ہیں اور جس کو بعد اخذ جملہ حقوق دار الاشاعت رسالہ صوفی پنڈی بہاء الدین نے شائع کیا ہے۔ بدقسمتی سے یہ کتاب اب ہماری نظر سے گزری۔ بے اختیار جی چاہا کہ مؤلف صاحب کو جنھوں نے ٹائٹل پیج پر اپنی کنیت "ابو الفخر" لکھوائی ہے قابلیت کی کچھ داد دیں۔

ٹائٹل پیج کے دوسرے رخ پر ایک پتھر کا بُت سا یا بزبان حال اسٹیچو کہیے نظر آتا ہے جو (شاید) داغ مرحوم کا ہے کیونکہ اس کے سر پر یہ شعر لکھا ہے

کاشانۂ سخن میں تھی حاجت چراغ کی
اس واسطے لگائی ہے تصویر داغ کی

معلوم نہیں کہ یہ شبیہ خود مؤلف صاحب کی دستکاری کا نمونہ ہے یا درحقیقت کسی مصور غیر شاعر (فاعل انشعور) کی جدت طبع کا خلاصہ۔ بہر حال ان مرحوم کو شاید خبر ہو گی کہ ان کی تصویر کی یہ گت بنے گی اور ایسے ستے داموں سودا ہو گا۔ داغ کیسے ہی بدشکل ہوں (کیونکہ خود بھی فرمایا ہے

جیسے داغ کہتے ہیں اے بتو سیاہ کا نام ہے)

لیکن اس طرح آنکھوں کی جگہ ڈھیلے نہیں کنکر ہوں گے اور ناک کا میدان بالکل گھوڑ دوڑ نہ ہو گا۔ آج داغ زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ شاگرد نے اگر پدر نتواند پسر تمام کند پر عمل کر کے خود انھیں کے دہن کا قافیہ تنگ کیا ہے۔ کیا معنی کہ داغ تو اپنے معشوق ہی کی بے دہنی ثابت کیا کرتے تھے۔ شاگرد نے زبردستی انھیں کا اچھا بھلا منہ بگاڑ دیا۔ کسی نے نازک کمری کی تعریف میں شعر کہا تھا سیماب صاحب اس کو گویا یوں سناتے ہیں

تصویر میں سادی ہی جگہ چھوڑ دی ہم نے
خاکہ یہ اڑا ہے تری بے دہنی کا

اچھا صاحب آگے چلیے۔

اس کے بعد دیباچہ ہے جس کے شروع میں داغ کی غزل ہے۔ بعد مؤلف صاحب کی نثاری شروع ہوتی ہے۔ میں حیران ہوں کہ طرز تحریر کی داد دوں۔ واقعات کی جانچ کروں یا تعصب کی قلعی کھولوں۔

صفحہ ۲ ارشاد ہوتا ہے "آج ہندوستان میں مرزا صاحب کی سینکڑوں سوانح عمریاں موجود ہیں" شاید آپ ناک میں بولتے ہیں اس لحاظ کاتب نے سیکڑوں میں نون غنہ بڑھا دیا ہے یا اکبرآبادی تحقیق کا مقتضا ہے۔

کیا خوب ہوتا کہ آپ نے اس سوانح عمری کا نمبر لکھ کر اکبرآبادی مبالغے بلکہ مغالطے کے جرم کو چھپانے کی کوشش کی ہوتی۔ جلوۂ داغ مؤلفہ حضرت احسن مارہروی کے حسن کی بہار تو ہم نے اودھ پنچ میں دیکھی تھی جس کی نقاب کشائی حضرت شوکت جنگ کے ہاتھوں ہوئی تھی باقی ہم سے قسم لے لیجیے جو داغ کی اور کسی سوانح عمری دیکھنے کی کبھی تمنا کی ہو۔

صفحہ ۳ "اور چاہتے ہیں کہ اپنا طرز بیان دوسرے مورخین و مؤلفین سے جدا رکھ کر سچے اور واضح فی حالات سے ناظرین کو محظوظ کریں۔" جو بات اس مؤلف میرا

عمرٗ عنایت نہ ہو زندگی کا یا الٰہی اللہ سے یا یوں کہیے جیتے ہو کر اِن کا ... آجکل مصریوں نے جو جدید الالاشخیل کیا ہے میلاد ہو گئے۔ یہ حیات ہے تو جن کی جیسے کہ منی سانپ کے ہیں سو منہ

نئی ہوگی وہ ہمارے ناظرین سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔" طرز کی تذکیر و تانیث جیسے مختلف فیہ تھی مگر آخر میں دہلی و لکھنؤ نے تو مونث ہی کہا تھا۔ افسوس ہے کہ آپ کو اپنے استاد کا یہ مطلع بھی نہیں یاد ہے۔ ؎

لیا طرز ستم ہر بت کی ہے

ہر بات بجا مہ ہو گئی ہے

آپ کہیں گے کہ یہ لوا سکے پہلے کلام میں ہے تو یہ شعر بھی اُن کا سن لیجیے ؎

اے شوخ اگر یہی ہیں تلوّن مزاجیاں

پوری قسمے تو طرز جفا بھی نہ آئے گی

اگر آپ وارثی نہ ہوتے تو میں آپ کو غیر مقلد سمجھتا۔ باقی رہا اپنے منہ میاں مٹھو بننا تو وہ بھی اثر تلمذ کے سر منڈھا جا سکتا ہے۔

صہ ۲ "ابھی مرزا صاحب کے دیکھنے والے انھیں برتنے والے اور اُن سے فیضیاب ہونے والے ہندوستان میں ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں موجود ہیں"۔ غیر ذی روح چیز کا برتنا یعنے استعمال کرنا تو ممکن ہے مگر یہ آج ہی معلوم ہوا کہ حضرت داغ بھی برتے جاتے تھے اور "سینکڑوں" کے نون میں تو اب کاتب کے انیمی پن کو بھی دخل نہیں رہا۔

صہ ۲۲ "اس لیے ان کے حالات زندگی میں کسی قسم کا حشو یا نقص پیدا نہیں ہو سکتا اور ان لوگوں کی منصفانہ آوازوں پر ایسی لائف کی بہ نسبت حشو و زوائد کے اور کوئی بات نہ ہو اپنی تنقید کی نگاہوں سے معیوب و متروک قرار دے سکتے ہیں"۔ ماشاء اللہ کس قدر کوشش بلیغ سے یہ دو سطریں آپ نے لکھی ہیں۔ بے اختیار جی چاہتا ہے کہ آپ کو بلیغ الملک کا خطاب دے ڈالوں کیونکہ میں اس عبارت آرائی کا کچھ نتیجہ ہی نہ سمجھا اگر ناظرین منہ پھیر کر مسکرائے ہوں تو آپ جانیں۔

صہ ۳ "مرزا صاحب کی شاعری پر جن لوگوں نے خواہ مخواہ دانت نکالے اور اعتراضات کی بوچھار کی وہ عموماً لکھنؤ کے شاعر تھے جن کا ذکر ہم موقعے سے اس لائف میں کریں گے"۔ اللہ اللہ شعرائے لکھنؤ سے آپ کس قدر جلے ہوئے ہیں "دانت نکالے"، لکھ کر دل کا بخار اس طرح نکالا گویا آپ کی زبان نے دانت نکال دیے "دانت نکالنا" عاجزی کے محل پر بولا جاتا ہے حملہ کرنے والا دانت دکھاتا ہے۔ دانت نکالتا نہیں اور "بوچھاڑ کی" بجائے "بوچھار" بھی توہین فصاحت لسان کی شاہد عادل ہے۔ یہ صحیح ہے کہ پرانے اودھ پنچ میں بعض من چلوں نے جو لکھنوی نہ تھے۔ داغ کے کلام پر اعتراض کیے تھے۔ اور اودھ پنچ نے بے تعلق رہ کر اعتراض و جواب شائع کر دیے تھے مگر ظفر کا سہرا معترض ہی کے سر رہا۔ اب تو اس موقعے پر ہماری خاطر ہی سے سہی مگر آپ بھی اپنی ذات فصاحت سمات پر ضرور رحم کیجیے۔ اور اسی موقعے پر لگے ہاتھوں اس پہلے دو سطری نثر میں تنقید پر بھی شرما لیجیے کہ ذکر کا لفظ کریں گے سے کتنی دور ہے۔ کیا کیجیے "موقعہ" ہی تو ہے۔ اس "موقعہ" پر کہاں تک اپنا وقت ضائع کریں۔ جب آپ "موقعہ" سے کچھ اور لکھیں گے تو ہم بھی کچھ عرض موقعہ سے کریں گے۔"

دیباچے کو نظر انداز کرنے سے پہلے دو تین لفظوں کی اصلاح اور کیے دیتے ہیں جو آپ نے ابجد خواں لڑکوں کی طرح غلط لکھے ہیں۔ "نکات" میں کاف مشدد نہیں "ظیافت" غلط بضیافت صحیح "گھر دے" نہیں بلکہ گھردے کاف کو زبر ہے۔

صہ ۴ سے سوانح عمری شروع ہوتی ہے۔

"مرزا داغ دہلی کے ایک شریف خاندان میں پیدا ہوئے"۔ اس سچ میں کیا جھوٹ ہے۔ ہر کہ شک آرد کشتہ اسباب گردد۔

"عید الضحیٰ کے بعد دوسرے تیسرے ہی دن کو مرزا صاحب کے والدین کے گھر میں یہ دوسری عید تھی"۔ اول تو "عید الضحیٰ" کی صحت میں کلام ہے لغت میں عید اضحیٰ، عید قربان اور عید ذبحہ ہے۔ دوسرے اس فقرے میں "کو" بالکل زبان کے خلاف ہے۔ شاید اکبر آباد میں بولتے ہوں۔ تیسرے اجمالاً شرافت خاندانی کے اظہار سے زیادہ مناسب یہ تھا کہ آپ مختصر شجرہ بیان کر دیتے۔ دیکھیے آپ پھر فریاد کریں گے کہ خواہ مخواہ دانت نکالے "یہ ہونہار بچہ ناز و نعم کے ساتھ پلا اور پلتا رہا۔ پلا کے بعد پلتا رہا کہا تھا تو "اسے ماشاء اللہ" بھی بڑھا دیا ہوتا۔ کہ استمرار کہیں پر رک جاتا۔ یہ بلاغت غالباً استاد مرحوم کے "فیوض" میں سے ہے جو مرحوم کی محبت بھری نگاہوں نے نوازے تھے (حضرت نے دیباچہ میں یہ گل افشانی کی ہے)

صہ ۴ "آپ کی تعلیم نہایت قابل اور لائق اتالیقان شاہی کے سپرد ہوئی اور آپ نے وہ تمام علوم و فنون اپنے زمانۂ عقلی میں دہلی کے بالوں سے سیکھے جن کا سیکھنا شہزادوں کے لیے ضروری تھا۔" ہم پوچھتے ہیں کہ آخر سبب، موجب، باعث اور وجہ۔ داغ کے والد کا نام تو آپ جانتے نہیں مگر انھیں شہزادوں کی فہرست میں داخل کیے لیتے ہیں یہ کیا ستم ہے۔ کوئی اور ذریعہ نہ تھا تو مرزا فخرو شہزادے یا چھوٹی بیگم کی روح سے رجوع کر کے تحقیق کر لیا ہوتا۔ آپ بھی داغ کے عجب نادان دوست نکلے۔ کیا اسی دن کے لیے آپ پر محبت بھری نگاہیں ڈال کر فیوض پہونچائے تھے" کہ آپ خواہ مخواہ اُن باتوں کو چھیڑیں جن کی حقیقت ایک مبصر یا ناقد بیان کرے تو مردے کی روح شرمائے اور نہ بیان کرے تو واقعہ نگاری کا حق ادا نہ کر سکے۔

خیر آگے چلیے یہ "زمانۂ عقلی" چہ معنی دارد۔ اگر اکبر آباد میں لڑکپن کو کہتے ہیں تو جوانی کو زمانۂ بے عقلی بولتے ہوں گے اور بڑھاپے کو زمانۂ نقلی اور کیوں جناب بالوں کس جانور کا نام ہے۔ غالباً خاص اکبر آباد میں یہ پیدا ہوتے ہوں گے۔ (باقی آئندہ)

راقم

سنگ بوجھ کلوخ

خر خر خر کرتا ہوا انصاف

اہل غرض: فریاد! فریاد!! فریاد!!!

حق: اوں۔ وہ کم بخت میں! اسے ہمارا حق دینے سے پہلے فریاد؟

انصاف: اوہ ہوگا۔ کوئی اس کا انسداد جلد از جلد فرض ہے۔ اہل غرض علاحدہ کمبخت تو حد ادب ہی ناقص کرنے کو تیار ہوتی ہے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ
جاری شدہ سنہ ۱۸۳۹ء
شاخیں:- قنوج دہلی حیدرآباد دکن
منصوری
تار کا پتہ:- ”حنا“ لکھنؤ
ٹیلیفون:- نمبر ۱۳۹ لکھنؤ
نظام مدن مست اور نظام سیوتی
وہ عطریات ہیں جو ہز اگزالٹڈ ہائنس اعلیحضرت حضور
نظام دکن کے ارشاد کے بموجب چھ ماہ کی مدت میں
بڑی عرقریزی اور جانفشانی سے عنبر اشہب پر خاص اہتمام
و نگرانی سے تیار کیے گئے ہیں اور جنکو اعلیحضرت نے پسند فرما کر
پروانۂ خوشنودی عطا فرمایا ہے۔
مرغوب عثمانیہ جو اعلیحضرت خسرو دکن کی لکھنؤ تشریف آوری اور دست ہمایوں سے ہماری نئی عمارت ”حنا بلڈنگ“ کے
افتتاح کی یادگار میں تیار کر کے بارگاہ خسروی میں پیش کیا گیا تھا۔
عطر حنا ہندوستان نہیں بلکہ ایشیا کے ہر گوشہ میں عطر حنا کو جو مقبولیت حاصل ہے محتاج بیان نہیں۔ آج
تمام دنیا کو ہماری اس ایجاد پر رشک ہے
انکے علاوہ ہر قسم کے عطر اور تیل کی فرمائش کیجیے۔ فوراً تعمیل ہوگی تاجروں کے ساتھ خاص رعایت کیجاتی ہے

کبھی بھولنے بن کے رسولؐ سے ایسی فرمائشیں کر رہے ہیں جو کوئی شخص بجز ذات اللہ جل شانہ اپنی جگہ سے بھی نہیں کر سکتا۔ اکثر یہی کہ جوش نے جو انگلی اٹھائی تو محمود و رسول اکرم صفات باری سے اللہ شریک ہیں اور خود رسول مقبولؐ سے منسوب ہیں اور یہ تو بہت ہی تحقیر و بجبت الفاظ ہیں کہ ان کی مدح میں ولادت سانولے پیا۔ ساتھ ہیں۔ بیاں ترک کٹ ایسے چھبیلے رنگیلے ہیں (دوسرے اصطلاحات) کا استعمال کیا جائے یعنی یہ رنگیلی رواج ہے۔ لہٰذا ہم نے اس اپیل کو قابل توجہ اور ضروری تصور کیا۔ امید ہے کہ لوگ اس ناروا طرز فعل کے ارتکاب سے اجتناب کریں گے۔ ایڈیٹر

میلاد کی محفلوں میں جو نعتیں عام طور پر پڑھی جاتی ہیں وہ گو عاشقان نبیؐ کے والہانہ جذبات کی آئینہ دار ہونے کے لحاظ سے قابل قدر ہیں۔ لیکن بعض بعض اشعار کے مضامین اور تیور ایسے سوقیانہ اور بیباک پائے جاتے ہیں جو سلیم المذاق سامعین کو بار گزرتے ہیں بعض اشعار وفور عقیدت و محبت سے اس قدر لبریز ہوتے ہیں کہ حدود شریعت سے تجاوز کا لحاظ نہیں رہتا۔ اکثر نعت خواں احباب خود انتخاب کرنے سے معذور ہوتے ہیں۔ اس لیے ارکان سیرت کمیٹی جالندھر نے محسوس کیا ہے کہ ایک ایسا مجموعہ نعت شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ جو پاکیزہ جذبات کا حامل ہو اور جس میں احترام نبویؐ کا کامل طور پر ملحوظ رہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ان روشن واقعات کی جانب لطیف اور پرکیف اشارات اور اسلام کی عالمگیر رحمت کا نقشہ پیش نظر کر کے مردہ قوم میں از سر نو روح پھونک دی جائے اور ساز دل کے تار تار سے نغمہ محبت نبویؐ پیدا ہو جائے۔ لیکن ضعیف اور غیر مستند روایات سے احتراز کیا جائے۔ اس مجموعہ میں ایسی ایسی نظمیں شامل ہوں گی جو حیات نبویؐ کے مختلف واقعات کے متعلق ہوں۔ ایک حصہ ایسی نعتوں اور نظموں کے لیے مخصوص ہوگا۔ جو بچوں کے لیے آسان زبان اور موثر پیرایہ میں لکھی گئی ہوں۔ کچھ ایسی ہوں جن سے اقوام عالم کو فلاح دارین کا سامان میسر آیا۔ اور حضورؐ کے رحم، کرم، عدل، بذل، شجاعت، فصاحت، عفو، فقر، امانت، دیانت، بردباری تحمل، محبت، وداد، مساوات اور ان جملہ اخلاق حمیدہ کا تذکرہ ہو۔ جو انسانیت کی تکمیل کا باعث اور دنیا کے لیے مشعل ہدایت ہیں۔ اور ذکر حبیبؐ بھی اس انداز میں ہو کہ ہادی برحقؐ کی رفعت و عظمت۔ وابستگان دربار رسالت کی سعادت

نعتیں اور نظمیں بھی ہوں گی جو بچوں کے لیے لکھی جائیں اور ان سے وہ برکات ظاہر ہوں جو رسول کریمؐ کی ذات سے فرقہ اناث کو حاصل ہوئیں۔

تمام نعتیں اور نظمیں ایسے بحروں میں ہوں جو ترنم کے لیے موزوں ہوں۔ انشاء اللہ یہ مجموعہ یوم النبیؐ سے قبل اہتمام خاص پاکیزہ کتابت نفیس طباعت اور عمدہ کاغذ پر شائع ہو جائے گا۔ تمام شعرائے اسلام سے استدعا ہے کہ اپنی نعتیں اور نظمیں مرحمت فرما کر سعادت دارین حاصل کریں۔ بارگاہ رسالت کے لیے یہ نذر تیار ہو رہی ہے۔ ہر ایک شاعر جس کا ایمان ہو کہ نعت رسولؐ سرمایہ سعادت ہے۔ اپنے اپنے گلہائے اشعار لے آئے کہ فرقہ شعرا کی جانب سے یہ گلدستہ عقیدت مرتب ہو کر افصح عرب سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار رحمت میں پیش ہو۔ ایک گل بھی منظور ہو گیا تو گلدستہ کے تمام گلہائے رنگا رنگ شرف قبولیت سے ممتاز ہو کر باعث نجات و فلاح دارین ہو جائیں گے۔

نیاز مند ۔۔۔ ۔۔۔ بی اے ایل ایل بی پلیڈر و میونسپل کمشنر سکریٹری سیرت کمیٹی شہر جالندھر (پنجاب)

جھن جھن جھنا نانانا

("چینی پیالہ ٹوٹا تو کوئی جوڑتا نہیں")

"دوئی۔ ٹوٹی کرچیں سمیٹوں بھی تو کس کام کی ہوں گی"

مولانا پنچ کی نوٹ بک

تین قیمتی کلمے

عرب کے ایک مزدور کی حکایت ہے کہ وہ خالی ہو کر اپنے نخاس میں بیٹھا رزق مقسوم کا انتظار کر رہا تھا اتنے میں شیشے کا ایک سوداگر آیا اور اس نے شیشے کے نازک نازک برتن مزدور کے حوالے کیے۔ کچھ سفر کے بعد اپنی دکان کا پتا بتایا ایک راہ جو چلتے ہوئی سبب داگر صاحب تھوڑی دیر چل چکے تو کہنے لگے کہ میاں مزدور تمہیں حکمت کی باتیں بتاؤں

پسند میں جو ہمیشہ کام آنے والی ہیں یا ایک درہم جو ایک ہی آن میں اُڑ جائیگا اور پھر کوئی نشان اپنے وجود کا نہ چھوڑیگا۔ مزدور بھی اگلے زمانے کے حکمت دوست ہوا کرتے تھے، پیر حکمت بھی وہ چھپر پایک حقیر درہم کے عوض ملنی ممکن ہو۔ اُس نے ایسی سستی حکمت کی بابی بھولی۔ سوداگر صاحب نے فرمایا "نیک بخت یاد رکھ اب ایک تنہائی راہ ختم ہوئی لہذا ایک کلمہ سن لو! آپ دو آگے پڑھ کے بیان کرونگا۔ خوب یاد رکھو جو شخص یہ کہے کہ افلاس تنہ مندی و تمندی سے بہتر ہے وہ احمق ہے اور اُسکا قول کبھی نہ ماننا"۔

غریب مزدور کو بہت رنج ہوا، درہم کے ضائع ہونے کا بہت افسوس ہوا۔ ابھی تلاش ختم نہ ہوا تھا کہ راستہ کی دوسری تنہائی تک دونوں پہنچے۔ سوداگر نے پھر زبان کھولی "دوست میاں! کل جو کوئی کہے کہ کسی کو پیٹ بھرے ہونے سے نفل ہے تو وہ بیوقوف ہے۔ اُسکی بات ہرگز باور نہ کرنا۔" مزدور غریب کے دل کا یہ دوسرا چیر کا تھا۔ وہ خیال کرنے لگا کہ اگر تیسرا کلمہ حکمت بھی اسی قدر و قیمت کا ہوا تو دن بھر کو مرنا پڑیگا۔ دو چار قدم آگے چلے تھے کہ اس نے شیشے کا ٹوکرا راستہ میں گرا دیا۔ دانائی بھن بھن کر گئی۔ حکیم سوداگر پیچھے پھرا شیشے چکنا چور اور اُسکے ساتھ دل کا شیشہ بھی ریزہ ریزہ مگر مزدور نے سوداگر کو سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی دی۔ اُسنے با آواز بلند کہا "سن اے حکیم سوداگر جو شخص کہے کہ ٹوکرے میں ایک تن بھی سالم رہ گیا ہے تو ہرگز قبول نہ کرنا وہ احمق اور اُسکا باپ احمق۔ اب یکتنہائی درہم میں ہی ہمرینکا دایاں ہاتھ سے ڈھیلا کر ورنہ شیشوں کے ساتھ تیرا سر بھی پاش پاش ہوگا"۔

حکمت آپ سوداگروں نے بھی غزنین و درنی دکانگریس سے دانشمندی کے کلمات کا معاملہ چکایا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہاں کلمات حکمت بات کی ریل پیل تھی قدم قدم پر حکمت کے جواہر برس رہے تھے اور ہر مرحلہ پر قدر و قیمت گھٹائی جا رہی تھی۔ آپ جانیئے کہ ٹوکرے میں تھے نازک نازک حباب الماس زمرد کے گھنگرو نکی چوٹ نہ سہ سکے۔ بار بار چھن چھن کی صدا بلند ہوئی مگر شہر بوتک میں کسی نے سنی اور کسی نے یہی شیشوں کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ لعین تجارتی و درہم کی ریختشت ہو سکی خود جلنے والو پھسلا یگا۔ زمین کی کٹیا ٹانگوں دینی ہیں آڑی ترچھی ہو کا ارر اوندھا دھڑام سے گرنے کے بعد زبان قال بند اور زبان حال کھلی ہے۔ فرماتی ہیں کہ اے حکیم سوداگر کوئی شخص کہے کہ ایک ہندیا مسلمان کا شیشہ دل سالم ہے تو ہرگز یقین نہ کرنا وہ احمق اسکا باپ احمق۔

اخبار کی غندوں کے لیے کہنی ملکی خدمت کوئی عمدہ تجویز باقی نہیں چھاپنے اور قتل و ڈاکے اور چوری کے واقعات لکھتے اور چھن چھن کی صدا سے دل بہلاتے ہیں۔ حکیم سوداگر تو زندہ پہ ہاتھ رکھے ہم

عراق ریلوے

نجف کربلا سے معلّے۔ کاظمین اور سامرہ کے مقدس شہروں کی زیارت کے لیے عراق ریلوے کے ذریعہ آرام۔ تیز رفتاری اور بہت ہی سستا کرایہ سے سفر کریں۔

مختلف درجوں کی زیارتی کوپن کی کتابیں جو ایک سو پچاس دن کار آمد ہونگی نیچے درج ہیں اور ۵۰ کیلو سامان ہر کتاب کے عوض میں اپنے ہمراہ مزید کرایہ کے بغیر لے جاسکتے ہیں۔

	درجہ دوم	درجہ سوم
کوپن بک (الف) برائے سفر بصرہ سے کربلا کاظمین۔ سامرہ اور واپسی بصرہ	عللعہ/	للعہ/
کوپن بک (ب) برائے سفر بصرہ سے کربلا کاظمین اور واپسی بصرہ	للعہ/	عہ/

تین سال سے کم عمر کے بچے کا کرایہ معاف اور بارہ برس سے کم عمر کے بچوں کا نصف کرایہ لیا جاتا ہے۔ بمبئی اور کراچی سے ہر ہفتہ جہاز بصرہ کے بندرگاہ معقل کو جاتے ہیں جہاں ریلوے کے افسران زائرین کو ان کے آرام اور زیارت گاہوں کو جانے والی گاڑیوں میں جگہ کا انتظام کرنے کے لیے استقبال کرتے ہیں۔

زائرین جو مکہ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں انکو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ عراق کے راستہ سے سفر کریں اور اس طرح سے ایک ہی وقت میں اس ملک کی زیارت گاہوں کی زیارت کے مواقع بھی مل جائیں گے۔ بغداد سے دمشق کو بذریعہ موٹر ۲۴ گھنٹہ میں سفر کیا جاسکتا ہے دمشق سے جدہ، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا کرایہ حسب ذیل ہے۔

درجہ دوم	درجہ سوم بلا خوراک
مالعہ/	ملعہ

ہندوستان میں عراق ریلوے کے ٹکٹ اور کوپن کی کتابیں بمبئی اور کراچی میں مختلف ایجنٹوں سے خریدے جاسکتے ہیں۔

۱۔ مولوی محمد باقر صاحب مسافر خانہ حاجی یوسف جمال جیل روڈ۔ عمر کھاڑی۔ بمبئی۔
۲۔ آنریری جوائنٹ سکریٹری فیض پنجتنی۔ بالاگلی بمبئی۔
۳۔ مسٹر ای لوٹیا۔ مانڈوی کولی واڑا۔ بمبئی نمبر ۳۔
۴۔ حبیب حاجی رحمت اللہ صاحب۔ کھارادر کراچی۔
۵۔ مسٹر عبد العلی شیخ حسین بجا معرفت مسرز یوسف علی بھائی کریم جی اینڈ کمپنی نیپیر روڈ۔ کراچی۔
۶۔ آنریری سکریٹری فیض پنجتنی معرفت حاجی سیٹھیا بھائی گوکل۔ کوڈی باغ۔ کراچی۔

نوٹ: ایک ہی جہاز پر ایک سو یا ایک سو سے زائد تعداد میں بصرہ کو سفر کرنے والے زائرین کو جہاز کے کرایہ میں رعایت مل سکتی ہے۔

۳۵

REGISTERED M.A. 785
ظریف ہفتہ وار
LUCKNOW
OUDHPUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
M B KHAN ARTIST LUCKNOW

جلد ۱۸ نمبر ۴۲

مضامین [illegible]

مورخہ ۱۹ ۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء

حیاتِ داغ

(نمبر ۲)

ص۵ "کیونکہ غالب کی مشکل پسندی سے مرزا صاحب کی فطرت بیگانہ سی نظر آتی تھی" جس طرح آپ کی فطرت لفظ کے معنی جاننے اور محل استعمال سمجھنے سے بیگانہ ہے!۔

"جو داسرخ بحیثیت استاد السلطان حضرت ذوق کو حاصل تھے وہ جناب غالب کو میسر نہ تھے" اماں کیوں اتنا بہک بولتے ہو۔ کہیں آگرے کا قلعہ یا ٹونڈلا اسٹیشن سر پہ نہ پھٹ پڑے۔ استاد کے نسب سے دل لگی کرتے کرتے دادا استاد کے حسب سے بھی کھلی بازی کرنے لگے۔

دیکھیے مولوی محمد حسین آزاد جو اپنے بچپن سے جوانی تک ذوق کی خلوت وجلوت میں حاضر باش رہے اور اُن سے بڑھ کر شاید ہی کوئی ذوق کا ہر بات میں معتقد ہو ذوق کے حالات (دیوان ذوق) میں کیا لکھتے ہیں :-

ص۲ "شیخ مرحوم کے والد شیخ محمد رمضان ایک غریب سپاہی تھے"۔

ص۵ "اگرچہ لوازمات شاعری جو ایک ہونہار نوجوان کے لیے چاہییں سب اُن کی طبیعت میں جمع تھے لیکن ایک غریب سپاہی کے بیٹے تھے نہ کوئی اُن کا دوست ہمدرد تھا"۔

ص۱۰ "جب کبھی بڑی سے بڑی ترقی یا انعام کے موقع آئے تو استاد کے لیے یہ ہوا کہ قلعہ سے صد ہو گئے صد رسے صد رہو گئے۔ جب بادشاہ ہوئے (ظفر) اور مرزا مغل بیگ وزیر ہوئے تو وزیر شاہی کا سارا کنبہ قلعہ معلّےٰ میں بھر گیا مگر استاد شاہی کو سو روپیہ مہینہ۔ چنانچہ ان دنوں میں جب کوئی حالی مضمون چستی اور درستی کے ساتھ موزوں ہوتا تو اُس کے سرور میں آسمان کی طرف دیکھتے اور رکتے پھرتے۔

بہلا سمجھیں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہو

اہلِ کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

نواب حامد علی خاں مرحوم مختار ہو گئے تب استاد شاہی کا سو روپیہ مہینا ہوا۔

ص۲۳ "مرزا مغل بیگ کا بھائی روشن بیگ ور بھائی بندوں کی طرح بے علم بے تربیت جاہل تھا۔ قرابت سے بھائی کی بدولت آسودہ ہو گیا تھا۔ وضع کو تراشتا تھا۔ سرکار میں صاحب خدمت تھا۔ کاروبار میں دخیل تھا۔ یہی لوگ بیوڑے دربار تھے۔ استاد جاتے تو انھیں میں بیٹھنا اور وقت گزارنا پڑتا۔ ان دنوں جوانی کا عالم تھا۔ اس سے ہنسا کرتے اور دل بہلایا کرتے الخ"۔

ص۲۵ "ایک تنگ وتاریک مکان صاحب کی اگنائی اس قدر تھی کہ ایک چھوٹی سی چارپائی ایک طرف بچھی تھی دو طرف اتنا رستہ تھا کہ ایک آدمی چل سکے حقہ منہ سے لگا رہتا تھا۔ کھری چارپائی پر بیٹھے رہتے تھے"۔

ص۲۶ "جو غزل ہوتی جدا کاغذ پر لکھی جاتی۔ اسی طرح طاق میں رکھ دیتے کہ فرصت میں نظرثانی کریں گے۔ جب طاق بھر گیا تکیے کے غلاف میں بھرے اور گھر میں دے دیے کہ احتیاط سے رکھنا۔ کبھی مٹکے میں کبھی مٹلیاں بھرے" یہ تھے صاحب ذوق کے مدارج۔

ص۴ غالب سلطان زادہ ترسم خاں کی اولاد تھے"

ص۱۰ و ۱۱ "نواب فخر الدولہ احمد بخش کی بہن غالب کے چچا نصر اللہ بیگ خاں کو بیاہی تھیں۔ نواب موصوف نے انگریزی فوج میں ان کو رسالدار مقرر کرا دیا اور ذات اور رسالے کی تنخواہ میں دو پرگنے اُن کے نام پر مقرر ہو گئے۔ اُن کی وفات کے بعد سات سو روپے پنشن غالب کو ریاست فیروز پور جھرکا سے ملتی رہی"۔

ص۱۱ "غالب کے نانا کی آگرے میں ایک خاصی سرکار تھی جس کی بدولت ان کے ملازم اور متوسل دس بارہ بارہ ہزار کے مالگزار بن گئے تھے اور غالب کا بچپن اور عنفوان شباب ٹھاٹ کے ٹھاٹ میں بسر ہوا تھا"۔

ص۱۳ "گورنمنٹ ہند اور لوکل گورنمنٹ انکو خان صاحب بسیار مہربان دوستاں لکھا جاتا تھا اور جب کبھی دہلی میں لیفٹنٹ گورنر کا دربار ہوتا تھا تو نواب شمل [illegible] رؤسا شہر کے بلایا جاتا تھا اور سات پارچے کا خلعت مع جیغہ و سرپیچ و مالائے مروارید کے ان کو برابر ملتا رہا اور تمام لوکل حکام اور افسر اُن سے رئیس زادوں کی طرح ملتے رہے"۔

ص۱۹ "غالب کی خودداری دکالج میں فارسی مدرس مقرر ہونے کے لیے بلائے گئے ہیں۔ غالب پالکی سے اتر کر اس انتظار میں ٹھہرے رہے کہ دستور کے موافق صاحب سکرٹری اُن کے لینے کو آئیں گے۔ آخر صاحب نے خود باہر آکر کہا کہ جب آپ دربار گورنری میں تشریف لائیں گے تو آپ کا اسی طرح استقبال کیا جائیگا لیکن اس وقت آپ نوکری کے لیے آئے ہیں۔ غالب نے جواب دیا کہ ملازمت کا ارادہ اس لیے کیا ہے کہ اعزاز کچھ زیادہ ہو نہ اس لیے کہ موجودہ اعزاز میں بھی فرق آئے مجھ کو اس خدمت سے معاف رکھا جائے اور یہ کہہ کر چلے آئے۔ ص۲۳ غدر کے بعد اُن کی آمدنی کچھ اوپر ڈیڑھ سو روپے ماہوار کی ہو گئی تھی۔

ص۲ میں پھر کوشش بلیغ فرمائی ہے کہ داغ کسی رئیس یا امیر کے صاحبزادے یا محلات شاہی کے شاہزادے قرار پائیں۔ اچھا صاحب خدا کرے آپ کی سعی بارآور ہو۔ ص۳ میں داغ کو غالب مومن شیفتہ اور منیر وغیرہ ہی سے نہیں اونچا کیا ہے بلکہ ذوق کی شہرت پر بھی خاک ڈالی ہے۔ یعنی فرماتے ہیں "جس مشاعرے میں مرزا (داغ) صاحب شریک ہوتے تھے وہ مشاعرہ ایک کامیاب مشاعرہ سمجھا جاتا تھا اور جس میں وہ نہ ہوتے تھے اس مشاعرے میں سامعین وشعرا کا بھی رنگ پھیکا رہتا تھا"۔

حضرت یہ آپ کا انکسار نفس ہے ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ بے داغ مشاعرہ ہی نہ ہوتا تھا۔

ص۵ "ریاست رامپور اب بھی کاملان زمانہ کی قدردانی پر آمادہ تھی اور جس طرح دہلی میں غالب، ذوق اور داغ وغیرہ اپنی شاعرانہ قابلیتوں کا خراج لے رہے تھے اسی طرح امیر، تسلیم، جلال اور تلق وغیرہ

لکھنوی شعرا دربار رام پور میں رئیس کی نوازشوں سے بہرہ ور ہو رہے تھے، "یہ داب بھی" کی شعرونسا لفظ نسیں بھی نیرفیض ہی میں سے ہے اور جس طرح آپ کی عبارت ایجاد بندہ ہے اسی طرح ترتیب بھی "ذانت نکالنے" ہے۔ پہلے آپ سنہ کے غدر دہلی کی تباہی، غیر محدود مصیبتوں کی برہمی وغیرہ لکھ چکے تو دہلی میں غالب وغیرہ ہزاج کیونکر لے رہے تھے۔ اگر غدر سے پہلے کہیے تو اس وقت شعرائے لکھنؤ سرکار رام پور میں کب آئے تھے۔ خود غلط انشا غلط املا غلط۔ اس کے بعد آپ نے تعصب کا زہر اگلا ہے جس کے لیے آپ اول ہی سے منہ پھیلائے بیٹھے تھے۔ یہاں ایک لطیفہ پہلے آپ کو سنا دیں تو پھر آپ کے بہتوات کا قلع قمع کریں۔ ایک بزرگ تجربہ کار نے کہا کہ دلی والوں میں میں نے تعصب سے خالی کسی کو نہ پایا۔ ہمیں اس کا یقین نہ آیا مگر خیال رکھنے سے بہت سی مثالیں سامنے آ گئیں جن میں سے یہ بھی ہے کہ چاندنی چوک دہلی کے ایک حاجی صاحب بہت سے کپڑے چکے بیٹھے اور کامدانی کے بسبیل تجارت ایک ریاست میں لائے اور دیوان ریاست کے مہمان ہوئے۔ کچھ دوپٹے دکھائے سوڈیڑھ سو قیمت بتلائی۔ دیوان صاحب نے امتحاناً ایک دوپٹا کامدانی کا اپنے گھر سے منگوا کر حاجی صاحب سے قیمت جنچوائی۔ کچھ الٹ پلٹ کر دیکھا اور ۲۵ قیمت بتائی۔ اس پر دیوان صاحب مسکرا دیے۔ پوچھا کیوں کیا میرا اندازہ غلط ہے۔ دیوان صاحب نے کہا بہت غلط۔ بولے آخر آپ نے کس قیمت کو خریدا ہے؟ ۳۰۰ میں۔ کہاں؟ لکھنؤ میں۔ تو حاجی صاحب فرماتے کیا ہیں۔ صاحب لکھنؤ والوں کی نہ کہیے راتوں کو چوریاں کریں دن کو کامدانی بنائیں۔ بھلا دلی والے کیونکر ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

مولوی الطاف حسین حالی اور مولانا شبلی علم و فضل میں مشہور زمانہ اور ملک کے اہل قلم لوگوں میں یگانہ۔ تالیف و تصنیف میں اپنا فرض منصبی بے لاگ ادا کرنے والے مانے جاتے تھے اور طرفداران دہلی میں سے علی گڑھ کالج اور ندوۃ العلما کے میانہ شاعری کے دونوں مرحوم پہلوان بنے ہوئے تھے۔ حالی کے دیوان میں مقدمہ شعر و شاعری دیکھا تو جہاں کہیں فن شعر کا کوئی عیب بیان کیا ہے وہاں لکھنؤ کے شاعر کے شعر سے اس کی مثال دی ہے اور جہاں فن شعر میں صواب لکھا ہے وہاں تمثیل میں دہلی کے شاعر کا شعر دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مولانا شبلی نے تو داغ کی طرفداری کے جوش میں یہاں تک اجتہاد کر دیا کہ آدمی جتنا زیادہ جاہل ہوتا ہے اتنا ہی اچھا شاعر ہوتا ہے۔

خیر یہ دو مثالیں تو مشتے نمونہ از خروارے تھیں اب آپ کی "تعصب پاشی" کو دیکھنا ہے۔

۵ "کملائے دہلی کو بادشاہ دہلی کی قدر دانیاں بھلا کہاں نکلنے دیتی تھیں کہ وہ باہر جا کر اپنے کمالات کو دکھاتے۔ دہلی والوں کی اس مصروفیت نے لکھنؤ کے اساتذہ فن کو اچھا موقع دے دیا تھا کہ ان کی دال دہلی میں نہ گلی تو وہ دوسری ریاستوں میں پہنچ کر اپنی معاش تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔"

یا غیرت داری تیرا آسرا! ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ دلی والے اور ان کے طرفدار تعصب کے سوا اور کس بات پر ناز کرتے اور اتراتے ہیں۔ اردو شاعری دکن میں پیدا ہوئی اور اپنے شیرخواری کے زمانے تک عادل شاہی سلطانوں کی قدردانی کے آغوش میں پلتی رہی۔ لڑکپن اور عنفوان شباب اس کا دلی میں ہوا۔ پھر میر و سودا اسے لے کر لکھنؤ چلے آئے۔ شعرائے لکھنؤ نے نزاکت اور لطافت کا اس کو اسے پہنایا۔ حسن زبان و خوبی بیان کے زیوروں سے آراستہ پیراستہ کر کے ہر ہفت بنا دیا جس پر شعرائے دہلی نے ان کا ہاتھ بٹایا۔ تاریخ ایک طرف آپ نے کوئی تذکرۂ شعرا بھی نہیں پڑھا۔ یہاں تک کہ تذکرہ آب حیات بھی آپ کو دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ اچھا کیا یاد کرو گے اب ہم شاہان دہلی کی قدردانی کے برتے پر کملائے دہلی کا باہر نہ جانا ایک ایک کر کے گناتے ہیں۔ یاد کرتے جاؤ اور یاد رکھو بھلا نہ دینا۔

میر سا باکمال شاعر جس کے اشعار پر دہلی اور لکھنؤ دونوں دھڑکتے رہیں۔ بیچارہ جب دہلی سے گھبرا کر لکھنؤ پہنچا تو انتقال ہوا ہے تو قناعت کی طرح اسی لکھنؤ کے پاس دفن ہوا۔ سودا، جرأت، انشا، مصحفی سب کے سب شاہان اودھ کی فیاضیوں اور قدردانیوں سے عیش کرتے رہے۔ شاہ نصیر چار مرتبہ دکن جاتے رہے جہاں سے ان کی مالی امداد ہوتی تھی۔ ذوق کا حال ہم پہلے ہی لکھ چکے۔ ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ ان کو دلی سے محبت تھی ؎

آجکل گرچہ دکن میں ہے بڑی قدر سخن
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

مگر دلی کا ٹھکانا رہ گئے کی حکایت میں بیان کیا ہے۔

مومن کو دلی میں جو کچھ ملتا تھا اسی پر قانع تھے۔ دہلی کالج میں فارسی پڑھانے کے لیے ٹامسن صاحب نے ۱۰۰ روپیہ ماہوار دینے کو کہا مگر وہ سو روپے مانگتے تھے (آب حیات)۔

غالب فیروزپور کی پنشن پر بسر کرتے تھے۔ ہاں آخر میں ۵۰ روپیہ ماہوار تاریخ نویسی کی خدمت انجام دینے کی غرض سے ظفر شاہ نے بھی مقرر کر دیے تھے جو ان کی شراب نوشی کو بھی کافی نہ ہوتے ہوں گے۔ آخر وہ بھی لکھنؤ آئے اور شاہ اودھ کی مدح میں قصیدہ کہا جس پر پانچ ہزار صلہ بھی ملا تھا۔

بات یہ ہے کہ تعصب کے بخارات سے صرف بصارت ہی نہیں جاتی رہتی ہے بلکہ دل بھی تاریک ہو جاتا ہے۔

سمن بموجب دفعہ ۱۹۲ ایکٹ ۳ سنہ ۱۹۰۱ء ممالک متحدہ آگرہ و اودھ

نمبر مقدمہ ۲۱۰

بعدالت جناب تحصیلدار صاحب تحصیل قنوج

کیپٹن راجہ درگا نرائن سنگھ رئیس تروا مدعی

بنام

متھرا پرشاد مدعا علیہ

نوعیت مقدمہ درستی جمعبندی

بنام متھرا پرشاد ولد ۔۔۔ لال قوم برہمن ساکن و کاشتکار موضع ۔۔۔ پرگنہ قنوج ضلع فرخ آباد مدعا علیہ

ہر گاہ حاضر ہونا تمہارا واسطے انفصال مقدمہ مندرجہ صدر ضرور ہے لہٰذا بموجب دفعہ ۱۹۳ قانون ۳ سنہ ۱۹۰۱ء تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم روبرو اس عدالت کے اصالتاً خواہ بذریعہ مختار مجاز بتاریخ ۔۔۔ ماہ ۔۔۔ سنہ ۱۹۶۳ء بوقت ۱۰ بجے دن بنام سرشتہ میزان حاضر ہو۔

دستخط حاکم انگریزی

مہر عدالت

اور کچھ باتیں جن کا بتانا اچھا نہیں ہم آپ کو سنا دیتے اور سمجھایا کرتے ہیں۔ دیکھیے جب دلی والے بھی بعد غدر دلی میں رہ کر لکھنؤ آئے اور لکھنؤ والوں کے ساتھ مدرسہ چلانے لگے تو لکھنؤ والے اپنی دال گلانے ملک کیمپ جانے لگے تھے اور رجانے کہا بچارے شاہان دہلی کے پاس اس زمانے میں رہ کیا گیا تھا وہی قلعہ معلی کی چار دیواری میں حکومت۔ دماغ کے تین پات۔ مرزا احمد اختر اور مرزا سلیمان شکوہ وغیرہ تو خود ہی لکھنؤ میں آ پہنچے تھے اور نواب صاحب لوگ نے ان کے وظائف مقرر کر دیے تھے۔ زیادہ دوسری ریاستوں میں جانا تو وہ واقعات لکھنؤ کی بادشاہی کے انتزاع اور غدر ہو جانے کے بعد کی باتیں ہیں۔

(باقی آئندہ)

مراد ———

سنگ بعوض کلوخ

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۲)

پڑھنے والے اس اطلاع سے خوش ہوں گے کہ ہمارے نور اللغات صاحب فصاحت الفاظ کے بارے میں بھی خاص رائے رکھتے ہیں۔ مثلاً آزار کھینچنا کے تحت میں آتش کا ایک شعر نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس کی جگہ ایذا کھینچنا اور صدمہ اٹھانا فصیح ہے۔ شعر یہ ہے ؎

شکر کریں کہاں تک ہم جو ہم نے بتوں کے عشق میں
آب ہو جائے جو ہیا زار کھینچے

اصلاح معقول ہے۔ بہتر ہوتا کہ یہ اصلاح وقت آخر پر اٹھا رکھی جاتی۔ اگلے وقتوں میں کمال کے انتہائی ہنر اسی وقت لائق شاگرد یا اولاد کو بتائے جاتے تھے جب کہ استاد کا گھر گھر دبولنے لگتا اور شربت انار حلق میں ٹپکایا جاتا چنانچہ ایک عاقل اور درزی اس نے اپنے بیٹے کو خیاطی کے تمام گر تو سکھا دیے۔ "دیکھو بیٹا یوں بخیے ہیں یوں ترپائی کرتے ہیں۔ یوں کاج ہاتھ میں سیتے ہیں۔ اتنا بڑا دھاگا ہونا چاہیے۔ انگلی میں انگشتانہ پہنو۔ اس طرح پیسو جو۔

اس طرح تربیت اور اس ترکیب کی سکھاوٹ سے لڑکا تھا ہوشیار سب کچھ جلدی سیکھ گیا۔ مگر باوا اکثر اس کا ہنر دیکھ کے ریش مبارک پر ہاتھ پھیرتے آنکھیں فریب کر گردن کا ڈورا ہلاتے اور فرماتے کہ میاں یہ استادی ہے بہت دنوں میں آتی ہے۔ اس حرکت سے لڑکا یہ سمجھا کہ شاید کوئی گُر ایسا بھی ہے جو ابا جان نے بتایا نہیں مرنے کے وقت پر اٹھا رکھا ہے۔ والد محترم نے بھی اقرار کیا کہ ہاں بیٹے ایک بات ایسی ہے جو آخری وقت بتاؤں گا۔ اب صاحبزادے کو باوا کے آخری وقت کا انتظار رہنے لگا کہ دیکھیے کب رخصت جنوزے کے ٹانکے ادھڑتے اور جسم و روح کا چولی دامن کا ساتھ چھوٹتا ہے۔ آخر وہ ہنگام بھی آ پہنچا بخیۂ زندگی کا دھاگا ٹوٹنا اور بود و ہست کے ٹوٹنے پر مائل ہوا صاحبزادے نے باوا کے ہونٹوں کے پاس کان لگا کے فرمائش کی۔

"ابا جان اب تو کمال خیاطی کا گُر بتا دو" باوا نے پھٹے پھٹے دیدوں سے اپنے خلف صالح کو دیکھا اور سوزن کلام میں رشتۂ صدا کتنی بول پرو دیا "دھاگا ہو تو ذرا لمبا کہ بیٹا گانٹھ کا دوسرا نام وجب ہے" (مگر یہ یاد رکھو کہ بالشت کا دوسرا نام "وجب" بھی ہے) بس تار نفس میں گانٹھ لگی اور میاں درزی کمال خیاطی کا آخری مظاہرہ فرما کے دنیا سے رخصت ہو گئے واقعی اگر یہ گُر صاحبزادے کو نہ بتایا جاتا تو وہ بیچارے ادھورے ہی رہتے۔

ہمارے مؤلف صاحب نے غضب کیا جو طلسم فصاحت کی لوح اپنی زندگی میں یوں لوگوں کے سپرد کر دی خدا سلامت رکھے کتنی پتے کی بات کہی ہے کہ فصحائے زمانہ عش عش کرنے لگے ہوں گے۔

"آزار کھینچنا فارسی محاورے کا ترجمہ ہے اردو زبان اسی قسم کے ترجموں سے بنی ہے۔ ان میں سے بعض مقبول ہوئے اور بعض غیر مقبول۔ آزار کشیدن کا ترجمہ مروج نہیں ہوا۔ کوئی شاعر جب ردیف قافیے کے جنجال میں پھنس جاتا ہے تو اس قسم کے ایجادات کر بیٹھتا ہے۔ غالب مرحوم نے خمیازہ کشیدن کا ترجمہ جو کہ مطلب "تقاضا" کے محل پر فارسی میں بولا جاتا ہے نظم کر دیا۔ قیاس یہ تھا کہ یہاں بھی نشہ اترنے کے بعد لوگوں کو جمائیاں آتی ہیں گویا منہ کھول کھول کے شراب مانگ رہے ہیں۔ آزار کشیدن اس سے بھی زیادہ صاف ہے۔ "ایذا کھینچنا" اردو میں کوئی نہیں بولتا ایذا میں اٹھانا البتہ زبان زد ہے۔ پس جناب فصیح اللغات کے نزدیک "آزار کھینچنا" کس وجہ سے مرجوح ہوا ذری توضیح طلب ہے۔ خدا وہ گھڑی نہ لائے جب کہ فصاحت کا یہ گُر بیان کرنے کی نوبت آ سکے۔ اور حضرت اپنے شاگردان رشید سے فرمائیں "آزار کھینچنا صحیح نہیں ہے۔ کھینچو بھیا سکورا"۔ اچھا اچھا ہوا جو صاحب جامع اللغات نے یہ اجتہاد قبول نہیں کیا۔

اس طرح کی غلطیاں نکالنے کو بہت وقت درکار ہے اور ہم اسی سال کے آخر تک ایک مجلد کی موٹی موٹی غلطیاں واضح کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں اس وجہ سے بہت سی باریک غلطیاں کسی تفصیلی موقع کے لیے چھوڑے دیتے ہیں۔

نور اللغات میں ہے:۔

"آتش پکانا۔ در پے ایذا ہونا اب یہ محاورہ متروک ہے"

ہم پوچھتے ہیں کہ یہ محاورہ کب مروج تھا جو آج متروک ہے؟ خدا کے سامنے حشر کے دن جہاں اعمال سے مؤلف صاحب کو سامنا کرنا پڑے گا وہاں "محاورات" بھی فریادی صورت لیے دامنگیری پر آمادہ نظر آئیں گے کہ ہم پر خوب خوب تہمتیں مؤلف صاحب نے لگائی ہیں۔ خدایا ہمارا انصاف بھی کر۔

حقیقت سنیے کہ یہ محاورہ اردو کا نہ کبھی تھا نہ آج ہے۔ ہاں فارسی محاورہ "آش کسے پختن" ہے جس کا مطلب ہے "دوسرے کے واسطے سامان آزار مہیا کرنا"۔ سلیم ؎

اجل شد بر سر پرخاش ہر کس
بدیگ توپ پختے آش ہر کس

لفظ "آش" صاحب کشف اللغات کے نزدیک لفظ "آشام" کا مخفف ہے اور صاحب فرہنگ رشیدی نے مطلق غذا کے معنی لیے ہیں یعنی وہ غذا جو جزو بدن ہو جائے۔

صاحب جامع اللغات نے بھی یہ تو لکھ دیا کہ "آتش پکانا" مقابل

"اے شاباش۔ میری جان جنے جاؤ، جنوائے جاؤ! اللہ تمھاری کوکھ کو ہمیشہ ہرا بھرا رکھے
کمبخت پیدا ہوتے رہیں چاہے فاقوں مریں ——"

مصنوعات علی محمد تاجر عطر لکھنؤ

جاری شدہ ۱۸۳۹ء

شاخیں:- قنوج دہلی حیدرآباد دکن منصوری

تار کا پتہ:- "حنا" لکھنؤ

ٹیلیفون:- نمبر ۱۳۹ لکھنؤ

نظام مدن مست اور نظام سیوتی

وہ عطریات ہیں جو ہز اگزالٹڈ ہائنس اعلیحضرت حضور نظام دکن کے ارشاد کے بموجب چھ ماہ کی مدت میں بڑی عرقریزی اور جانفشانی سے عنبر الغہب خاص اہتمام و نگرانی سے تیار کیے گئے ہیں اور جنکو اعلیحضرت نے پسند فرما کر بہ اظہار پسندیدگی عطا فرمایا ہے۔

ہمرنو سبحان اللہ — اعلیحضرت خسرو دکن کی لکھنؤ تشریف آوری اور دست ہمایوں سے ہماری نئی عمارت "حنا بلڈنگ" کے افتتاح کی یادگار میں تیار کرکے بارگاہ خسروی میں پیش کیا گیا تھا۔

عطر حنا — ہندوستان نہیں بلکہ ایشیا کے ہر گوشہ میں عطر حنا کو جو مقبولیت حاصل ہے محتاج بیان نہیں آج تمام دنیا کو ہمارے اس ایجاد پر رشک ہے۔

انکے علاوہ ہر قسم کے عطر اور تیل کی فرمائش کیجیے فوراً تعمیل ہوگی تاجروں کیساتھ خاص رعایت کیجاتی ہے

جلد ۱۸ نمبر ۳۸

مضامین عنبر

(مورخہ ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

حیات داغ

(نمبر ۳)

صٖ "نواب صاحب موصوف نے مرزا صاحب کو کسی زمانے میں فارسی پڑھائی تھی"۔ یہ واقعہ بھی یقیناً آپ کو "فیوض داغی" سے حاصل ہوا ہے آپ چالاکی سے ناظرین کو یہ مغالطہ دینے کے بھی مجرم ہیں کہ واقعات میں سنہ نہیں لکھا ہے۔ کیوں جناب یہ کس سنہ کا واقعہ ہے جب نواب یوسف علی خاں ناظم اپنی ریاست چھوڑ کر مرزا صاحب کے در دولت پر فارسی پڑھانے گئے تھے ؟۔

صٖ "مرزا صاحب رام پور پہونچے تو نواب صاحب نے ان کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ لیا اور نواب کلب علی خاں کا مصاحب مقرر کر دیا"۔ ہم بھی اس پر صاد کرتے ہیں یہ واقعہ بالکل سچا ہے اور وہ کسی بے ادب گستاخ نے کہا تھا ع

لگتے ہی اصطبل میں داغ ہوا۔ چھوٹا

صٖ "نواب کلب علی خاں کا زمانۂ ولیعہدی تھا اور انھیں ایک ایسے مصاحب کی سخت ضرورت تھی جو انھیں علم و ادب میں بہرہ اندوز کر سکے اور ان کی آیندہ زندگی میں قابلانہ اثرات پیدا کر دے"۔ لے کیوں نہیں جبکہ ہم کو تو یہاں تک معلوم ہوا ہے کہ نواب یوسف علی خاں نے داغ کے انتظار میں نواب کلب علی خاں کی تعلیم ہی نہیں شروع کرائی تھی جب وہ بہادر شاہ کے محل سے نکل کر رام پور پہونچے تو نواب کلب علی خاں کو لکھایا پڑھایا۔ ادب سکھا کر نواب بنایا۔ آدمی کوئی واقعہ لکھے تو بھلا اتنا سچا تو ہو! اور یہ "قابلانہ اثرات پیدا کر دے" کا فقرہ معلوم نہیں کس قانون کی فکر میں آپ کی آورد سے ہم آغوش ہوا۔

صٖ "مرزا صاحب نے عہد یوسفی میں ایک خاموش مگر معزز زندگی بسر کی اور کچھ زمانے کے بعد جب نواب کلب علی خاں سریر آرائے حکومت رام پور ہوئے تو درباری شعرا میں مرزا صاحب کو بھی ایک خاص اور ممتاز درجہ مل گیا جس کے وہ ہر طرح اہل تھے"۔ خاموش زندگی یعنی شور و شر نہیں کیا فساد نہیں مچایا!؟ "خاص اور ممتاز درجہ مل گیا" آپ تو ہزاروں کو ایسا درجہ دے سکتے ہیں کہ خواہ مخواہ بدگمانی ہوتی ہے۔ خیر ہم اصلیت کے چہرے سے نقاب اٹھائے دیتے ہیں۔ داغ داروغہ اصطبل و منصرم فراش خانہ تھے۔ نواب کلب علی خاں کے بعد جو انقلاب ہوئے اس میں امیر نے اپنے خط میں ایک شاگرد کو لکھا "نواب مرزا خاں صاحب داغ سے کارخانۂ اصطبل پہلے نکل گیا تھا۔ فراش خانے کی موجودات وہ خود سمجھا کر مستعفی ہوئے۔ استعفا نامنظور اور دو ماہ کی رخصت منظور ہوئی (خطوط منشی امیر احمد صاحب) کیوں اب آپ کا یہ فقرہ کیسا رہا جس کے وہ ہر طرح اہل تھے! تو اصلی استاد کو اس اہلیت کا کند بنے کے اہل آپ نکلے۔

صٖ "فرماتے ہیں ؎

رئیس مصطفےٰ آباد کے نوکر ہوئے جب سے
داغ ہم آرام ہم نے کس قدر پایا

وہ تو خیر مگر آپ نے خوب فرمایا ہے بیچارے کو قبر میں بھی آرام نہ لینے دیا۔ ہم کو تو یقین نہیں آتا کہ داغ نے دوسرا مصرع ناموزوں کہا۔ یہ آپ نے اصلاح دے کر حق شاگردی ادا کیا ہے !۔

صٖ "نواب کلب علی خاں مرحوم کو مرزا صاحب کی مصاحبت نے ایک سخن فہم اور رنگین مزاج رئیس بنا دیا تھا اور جب وہ تخت پر بیٹھے تو اچھے خاصے شاعر تھے"۔ خیر یہی سہی مگر با این ہمہ نواب کی نظر نے امیر لکھنوی ہی کو انتخاب کیا انھیں کو اپنا استاد بنایا۔ انھیں سے تلمذ اختیار کیا ع

ٹوٹی گرہ تراق سے بند نقاب کی

اسی وجہ سے امیر کے ساتھ حسد کی بنیاد پڑی ورنہ تجر، منیر، جلال، عروج اور دو معاصرین داغ کے سامنے کیوں نہیں لائے جاتے۔

صٖ "دہلی اور لکھنؤ میں کچھ ازلی مخالفت تھی اس لیے اکثر شعرائے لکھنؤ سے مرزا صاحب کی چلتی رہی اور رئیس رام پور کے فیصلے نے ہمیشہ اپنے دہلوی مصاحب اور دہلوی شاعر کی بات رکھی"۔ خیر مرزا صاحب کی چلتی رہی یا نہیں یہ تو ان کی خدمت کرنے والے جانیں باقی کنایۃً نواب پر جو طرفداری کا الزام آپ نے لگایا ہے خدا کے یہاں اس کے جوابدہ آپ ہوں گے۔ خیر۔ ایک واقعہ تو ہم نے بھی سنا ہے کہ جب مرزا صاحب نے اس فارسی مطلع کا (شاید واقف کا ہے) ؎

صد غنچہ شگفت الا دل من
اے وا دل من اے وا دل من

منہ چڑایا اور یہ مطلع موزوں کر کے سنایا تھا ؎

دل کی کلی نہ تجھ سے کبھی اے صبا کھلی
چمپا کھلی گلاب کھلا موتیا کھلی

نواب نے اس "موتیا کھلی" پر بقول آپ کے دانت نکالے اور شعرائے لکھنؤ کے علاوہ ضیا اور مومن وغیرہ کے شاگرد بھی جو رام پور میں موجود تھے سب کہتے رہے کہ موتیا مذکر ہے مگر مرزا صاحب ہٹ دھرمی سے قسمیں کھا کھا کے اس پر اڑے رہے کہ دلی میں موتیا مؤنث ہے۔

صٖ "جناب امیر مرحوم اور جلال مغفور نے کبھی مرزا صاحب کی مخالفت نہ کی"۔ اول تو ان کی طبیعت ہی مرزا صاحب کی سی نہ تھی دوسرے مخالفت کی کوئی وجہ بھی نہ تھی مگر مرزا صاحب کبھی نہ چوکتے تھے۔

ایک بار حضرت ریاض رام پور گئے تھے۔ نواب کلب علی خان کے حضور میں باریابی کی تمنا ظاہر کی۔ امیر اپنے ہمراہ لے گئے اور یہ کہہ کر ریاض کو مصاحب منزل میں بٹھا گئے "میں نواب صاحب سے دریافت کر لوں اگر اجازت ہوئی تو تم کو بلوا لوں گا"۔ مصاحب منزل میں درباری جمع ہونے لگے۔

داغ بھی آئے اور ریاض کو دیکھ کر "آپ کی تعریف؟"
ریاض: "مجھے ریاض احمد کہتے ہیں" داغ اُٹھا "حضرت ریاض آپ ہی ہیں مگر یار کیا اس بیلے بھیکے کے شاگرد ہو۔ ہو تم کو تو یاروں کا شاگرد ہونا تھا۔"
ریاض: "خیر میں تو اس دریا کا ایک قطرہ ہوں۔ آپ کو اگر کچھ دعوے ہے تو اسی وقت طبع آزمائی ہو جائے اور اگر آپ کو اپنے اس تن و توش پر کچھ دعوے ہے تو (آستین چڑھاتے ہوئے) بندہ اس کے لیے بھی تیار ہے۔" داغ تو ع

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

مگر مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی نے ڈانٹ کر کہا "یہ کیا گستاخی ہے تیرے استاد کے برابر ہیں۔"
ریاض بیچارے مگر قبلہ و کعبہ دیکھیے تو میرے منھ پہ میرے اُستاد کو بُرا کہتے ہیں!"
فدا (تلمیذ امیر) نے مشاعرے میں اپنا مطلع پڑھا۔

نصیحت سے کوئی مانع نہیں اے شیخ حضرت کو
مگر قبلہ ذرا سمجھے ہوئے مستوں کی ذلت کو

داغ جو کسی قدر قریب بیٹھے ہوئے تھے چپکے سے کہنے لگے "بھئی دوسرے مصرع کے کیا تیور ہیں اس شخص کو تو میرا شاگرد ہونا تھا۔" آداب مشاعرہ کے خیال سے فدا نے خموشی اختیار کی۔

ایک دن منیر مبارک کے خانساماں محمد ابراہیم غفور بھی موجود تھے (جن کی سعی سے داغ حیدرآباد پہونچے اور جو ہر شخص کے لیے کلمہ خیر کہنے سے پرہیز کرتے تھے) نواب میر محبوب علی خاں طاب ثراہ نے داغ سے کہا "اب تو امیر بھی آتے ہیں۔" داغ بولے "حضور وہ کیا آئیں گے وہ تو نہایت کمزور اور ایسے امراض میں مبتلا ہیں کہ ایک جگہ دم بھر بیٹھ نہیں سکتے۔" نواب نے محمد ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ تو کہتے ہیں" داغ کہنے لگے "یہ کہا کریں مجھے تو یقین نہیں آتا۔" صحبت برخاست ہو جانے پر محمد ابراہیم نے کہا۔ "داغ میں تم کو ہیسا نہ سمجھتا تھا میری بہت دنوں کی سلسلہ جنبانی پر تم نے پانی پھیر دیا۔ آخر تم کو اس سے کیا مل گیا۔"

حیدرآباد میں امیر کی وفات کے ایک دن بعد داغ کہنے لگے "منشی صاحب تو خود مجھ سے کہتے تھے کہ میں غزل کہنا کیا جانوں مسدس پسدس کہہ لیا کرتا ہوں (یہ تلامذۂ امیر کی بہ جملی تھی!) جلیل القدر نواب فصاحت جنگ جلیل نے قلمدان کھول کر کہا بسم اللہ اسی وقت طبع آزمائی ہو جائے۔"

ص ۱۱۱ "رام پور میں بے نظیر باغ کا میلہ ہوا کرتا تھا۔ مرزا صاحب بھی اکثر اس میلے میں شریک ہوتے اور ماہ منیر نامی کسی خاتون سے جو شاعرہ تھی اور لکھنؤ میں رہا کرتی تھی آپ کو انس ہو گیا۔ اسی تقریب سے آپ ایک مرتبہ بھول رخصت کلکتے تشریف لے گئے تھے۔ مرزا صاحب کا انس کسی نفسانی خواہش کے ماتحت نہ تھا۔" نصف حصۂ جسم کی تصویر دیکھ کر اس پر کتنا شاعرانہ ریویو کیا ہے۔"

اللہ رے حجاب بدگمانی تیری
بھیجی ہے مجھے نصف بدن کی تصویر

"قیام رام پور کا یہ ایک اہم واقعہ تھا جو نظر ناظرین کر دیا گیا۔"
ہم تو خیر مگر دیکھیے داغ کی روح آپ سے کیا کہہ رہی ہے۔ واقعی ایسا سپوت شاگرد شاید ہی بیچارے داغ کو اور بھی کوئی ملا ہو۔ سر دلفے میں پردے کے اندر ان کی بہو بیٹی ہے۔ ایک نجی سے تعلق ہونا اور اس کے پیچھے داغ کا کلکتے جانا کتنا اہم واقعہ قیام رام پور کا ہے اور اس پر آپ کی مہر شہادت نفسانی خواہش کے ماتحت کے نیچے۔ یا سیم کہنا یہ کب کا بغض اپنے استاد کے ساتھ نکالا ہے کہ زندگی میں تو وہ غریب اس اہم واقعے سے نکو بنے ہی تھے اب یہ مرے پر سو درے کا مضمون ہے۔

اس کے بعد داغ کا عظیم آباد، اجمیر وغیرہ کا سفر اور وہاں کی آؤبھگت ہونا پھر کمال پریشانی میں حیدرآباد جانا وہاں شنوائی نہ ہونا اور دربار رام پور کی گزشتہ قدر دانیوں کی یاد میں یہ رباعی کہنا ہے

نواب نے کی جو قدردانی میری
اے داغ گزر گئی جوانی میری
لیکن یہ خبر نہ تھی کہ وقت پیری
مر مر کے کٹے گی زندگانی میری

وغیرہ وغیرہ لکھا ہے۔
اے حضرت! آپ نے شاید گلزار داغ بھی نہیں دیکھا ہے جو نواب کلب علی خاں کی زندگی ہی میں چھپ گیا تھا۔ اس میں یہ رباعی موجود ہے اور غالباً اپنی حالت زار پر توجہ دلانے کے لیے داغ نے یہ رباعی اسی عہد میں کہہ کر پیش کی تھی۔

"مرزا صاحب کئی بار دکن آئے اور گئے اور پھر آ گئے ایک جو آئے الخ" یہ دکھڑا رو کر آخر دل کی کامیابی، قابل رشک خطاب ملنا اور حضرت آصف طاب ثراہ کا شاگرد ہونا بیان فرماتے۔ رقم کرتے ہیں۔
"اور مرزا صاحب کی اصلاح ان کے کلام میں ایک تازہ روح ڈالتی تھی" واقعی یہ ایک نئی بات آپ نے سنائی ورنہ کسی استاد کی اصلاح سے شاگرد کے کلام کی زینت نہیں ہوتی۔
پھر داغ کا عروج اور سرکار سے داد و دہش کا ہونا لکھ کر "دفتر فصیح الملک کھول دیا" کوئی دکان کھولتا ہے آپ نے دفتر کھولا ہے۔ کیوں جناب ہاں کیا مال بکتا تھا۔

پھر داغ کی وفات کا ذکر اور اس کی چند تاریخیں جو شعرا نے کہیں لکھی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اپنا قطعہ آپ کو بہت ہی پسند آیا۔ خیر شکر ہے کہ کسی اور کو پسند نہ آیا ورنہ اس خوشی میں نہ معلوم دماغ کی کیا حالت ہوتی۔ خدانخواستہ حسب بارج کی ضرورت ہو جاتی۔

ص ۱۹ پھر ارشاد ہوتا ہے "مرزا صاحب کے عہد زرین کی عظمت کا یہ ایک معجزہ تھا کہ لکھنؤ والوں نے ان کے سامنے کبھی سر نہ اٹھایا الخ" اس پر ہمارا بھی صاد ہے۔ مگر اتنا یاد ہے کہ ۱۸۹۶ء میں کسی شاعر نے (چاہے وہ لکھنؤ کا ہو چاہے دہلی کا آفتاب داغ عدیل ثانی دوم) پر اصلاح دی تھی جس سے اودھ پنچ کے صفحے کے صفحے بھر گئے تھے۔ کیوں جناب آپ کو یاد ہے داغ اس سنہ میں بقید حیات تھے نا؟

ص ۱۹ مرزا غالب نے جناب ذوق کے سہرے کا جواب لکھا "واقعی آپ نے غلط نگاری کا ٹھیکا لیا ہے

اودھ پنچ کے سانچے میں چھپے ہوئے واقعات ڈھلتے ہیں۔ اب خطاب ظفر شاہ طاب ثراہ نے ذوق سے غالب کے سب کا خطاب کہلوا دیا تھا۔ اب یاد رہے کہ چار قدم چل کے بھول نہ جائیے گا۔

۶۔ "دنیاوی جاہ منزلت اور ذاتی شہرت نمود داغ کی کیسی (یہ کیسی کیا خوب ہے) اور بغور یافتہ (یہ ترکیب بھی خود ساختہ ہے) تھیں" یعنی دنیا کے اور سب شاعر سفارشی ٹٹو تھے۔ ہم بھی دفتر فصیح الملک میں لکھا گیا ہے کہ میر و سودا بلکہ ذوق کی بھی قدر دانی اور شہرت صرف سیماب اکبر آبادی کی سفارش سے ہوئی تھی۔

۷۔ "کورس کی کتابوں اور نصاب میں مولانا داغ کے کلام کا انتخاب شامل ہوا" اخاہ آپ نے کورس کی کتابیں بھی دیکھی ہیں۔ آپ کی بصارت کی قسم کھائیے جس کی وجہ سے آپ تعصب کی عینک چڑھائے رہتے ہیں۔ ابی حضرت میری آنکھوں سے دیکھیے بہت سے فصحائے لکھنؤ و دہلی کا کلام کورس میں منتخب ہے ہاں یوں کہیے ؎

خیر ہم داغ کی مناتے ہیں
جب کہ کھلاتے ہیں اسکی گاتے ہیں

۸۔ "طوائفوں نے ان کی غزلوں سے اہل محفل کو محظوظ کر کے خوب خوب شہرت حاصل کی" آپ کو تو طوائفوں کی شہرت پر بھی رشک آتا ہوگا کہ یہ بھی داغ کے حصے میں کیوں نہ آئی مگر ع

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

یہ فقرہ تو ہماری جانب سے قبول فرمائیے۔ واقعی داغ کی عام شہرت کا باعث طوائفوں کا گانا اور بھاؤ بتانا ہوا۔

۹۔ "زبان کو مرزا صاحب نے ایسا صاف کیا اور اس طرح صاف کیا" ہاں ہاں چلے چلیے رکیے نہیں "اتنا مانجا کہ ملمع اتر گیا اور قلعی کھل گئی"۔

۱۰۔ کہتے ہیں جسکو اسد ہم جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

ہائے تیری بلاغت کی دم میں نمدا اور فصیح الملک کی روح کے حوالے کیوں نہ ہو آج داغ زندہ ہوتے تو اس اصلاح سے آگے وہ بھی اپنے کان پکڑتے یا آپ کی ناک۔ داغ نے بوجوش خودستائی میں یوں کہا تھا ؎

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

آپ نے کسی قاعدہ میں استاد کو اصلاح دی تو بھوک کی جھانج میں اردو کے دادا ہی کو نگل گئے۔

(باقی آئندہ)

سنگ بعوض کلوخ

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۲۱)

حضرت حاجی زمزم اللغات آفتابی کے تحت میں رقمطراز ہیں "ماہی مراتب میں چاندی سونے کا ایک دائرہ ہوتا ہے جس میں ایک ڈنڈی لگی ہوتی ہے۔ بادشاہوں کے جلوس میں سواری کے ساتھ ہوتا ہے" یہاں تک تو درست فرمایا۔ آگے چل کے لکھتے ہیں "اس کا سایہ چتر کی طرح سر پر ہوتا ہے۔ ذوق ؎

وہ آفتابی اس کی خجل جس سے آفتاب
وہ چتر اس کا جس سے نہ ہو ہمسر آسمان

یعنی استاد ذوق کے شعر سے حضرت نے از خود پیدا کر لیے۔ اصل یہ ہے کہ جس طرح "ماہی" کی شکل چاندی یا سونے کی جلوس کے ساتھ محض بطور زیبائی و زینت ہمراہ ہوتی ہے اسی طرح "ماہ" کی اور اسی طرح آفتاب کی۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کا سایہ "چتر کی طرح سر پر" ڈالا جائے۔ ماہی مراتب کے ساتھ اور بھی علم ہوتا ہے جس کی علت معلوم نہیں۔ حاجی زمزم اللغات نے اگر آفتابی کے وجود کی غرض و غایت یوں ہی آسانی سمجھ لی جیسے خدا بخشے لال بجھکڑ نے کولھو کی غایت و غرض سمجھ لی تو کوئی اعتراض نہیں۔ نقل ہے کہ ایک تیلی کولھو سر پر لادے اپنے گاؤں جا رہا تھا راہ میں بیمار ہو گیا اس نے کولھو سڑک پر رکھ دیا اور کسی دوست کے یہاں آرام لینے چلا گیا۔ دل میں یہی خیال کیا ہوگا کہ اتنا بھاری بوجھ کس کے مصرف کا ہے جو چرا لیجائیگا۔ اب سنیے کہ جہاں کولھو ڈال دیا گیا تھا وہ شیخ جی کا گاؤں تھا (کاکوری نہیں اور کوئی مقام) اس گاؤں میں کولھو کسی نے دیکھا نہ تھا۔ گاؤں والے تعجب سے دیکھنے لگے اور گرد جمع ہو گئے۔ جب کسی طرح قیاس نے یاوری نہ کی تو لال بجھکڑ بلائے گئے "چلیے یہ گول مول بے تکی پہیلی بوجھیے"۔ لال بجھکڑ آئے اور نور اللغات ساتھ لائے۔ ادھر ورق الٹا۔ ادھر ورق پلٹا۔ ہم سر نہ ہوئی۔ ذہن وذکا پر حرف آتا تھا۔ وضع قطع کی مشابہت نے لکڑی کی سرمہ دانی پیش نظر کر دی جو گنوار بڑھی مسز پکھی مہتوں کی نذر کے لیے ہر تہوار کو ڈھوئے (تحفہ) میں لاتا تھا۔ ایک مرتبہ بہ تبختر خاص آپ نے گردن کا کولھو پھرایا اور فرمانے لگے "ارے ہم بوجھ گئے۔ یہ نہ ہو یو (یہ) اللہ میاں کا سرمے دانا ہے۔ جبریل بھر رستے لے آوا"۔ علی ہذا القیاس لال بجھکڑ اللغات نے بھی ذوق کے

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۰۰۳ سنہ ۱۹۳۳ء

بعدالت جناب منصف صاحب بہادر مقام اکبرپور
ستیت رام عرف بچھن سنگھ پنجابی مدعی

بنام

بھگوان سرن لال مدعا علیہ

بنام بھگوان سرن لال ولد گنگا پرشاد ساکن موضع بیتی پور پرگنہ اکبرپور

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت ... کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۳۰ ماہ اکتوبر ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی کیا گیا ہو اور جمیع امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے اور جواب دہی دعوے مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوے کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۱۶ ماہ اکتوبر ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

وقت حاضری بدفتر منصفی اکبرپور ۱۰ بجے سے ۵ بجے تک

مہر عدالت

دستخط حاکم بخط انگریزی

شعورت آفتابی کا سرے دانا رسوید نکالا۔ یو جو ت گئے یعنی چھپ
انتقال ذہن کی وجہ؟ ائے صاحب یہی کہ ذوق نے جہاں
چیز کا ذکر کیا تھا۔ وہیں آفتابی کا بھی۔ لہٰذا جو مصرف
چیز کا ہونا چاہیے یعنی "دھوپ کی روک" وہی اس
آفتابی کا بھی جو۔ ورنے یا پنکھ کی بصورت طبق بنائی
جاتی ہے اور میاں آفتاب علیہ الرحمہ کا فرضی چہرہ مع ابر
مع شعاعوں سمیت اس میں بنا ہوتا ہے۔ بڑے
بڑے دیدے اٹھی ہوئی گھڑی مونچھیں چڑھا ہوا منہ۔
قیاس کا یہ عالم ہے تو خدا جانے "شیر دہاں سونٹے"
کی علت آفرینش جو ماہی مراتب کا ایک جزو ہے
کیا ہوگی۔ لکڑی کی ایک چھڑ یا بانس میں پتیل یا چاندی
کا بنا ہوا شیر سا سر۔ آخر جلوس کے ساتھ کیوں ہوتا
ہے! شاید اس وجہ سے کہ ڈرونی چیز ہے۔
دشمنوں کا دل اس سے دہل جائے۔ علم بردار نے
شیر دہاں بڑھایا اور منہ سے کہا "ہَو" بس لوگ
ڈر گئے۔ کیوں استاد زمزم اللغات۔ ہے یہی بات۔
ابھی تمہاری سمجھ سے تو نور اللغات کی سمجھ بہتر ہے
اس نے تمہارے لال بھبکڑ پن کو بھانپ لیا اور
آفتابی کے مصرف سے بحث نہیں کی۔ غالباً
اس نے لکھنؤ میں پرانے فیشن کی براتیں اور ان کا
جلوس دیکھا ہوگا۔ اور "آفتابی" کو دولھا کے منہ سے
دور کسی اونٹ پر جلوسی آدمیوں کے ہاتھ میں بلند
دیکھ لیا ہوگا۔

جناب حاجی زمزم اللغات نے پہلے تو لفظ "آل"
لکھا اس کے بعد: آل تمغا کی بحث چھیڑی اور
آل تمغا کی سرخی کے بعد پھر آل پیمبر۔ آل رسولؐ
کے معنی بیان فرمائے۔ آل پیمبر کے ذیل میں ایک
نہایت معقول اور ضروری لغت "آل کا انڈا"
بھی لکھی ہے جس کی سرخی اور سطر علیحدہ نہیں ہے
جو کوئی یہ سمجھ لے کہ دونوں لغتوں میں کوئی ربط نہیں۔
آل کے انڈے کی تفسیر فرماتے ہیں کہ لڑکوں کا ایک
کھیل ہے (یاں کہیں نہ ہو۔ آل کا کھیل تو نہیں)۔
جس لڑکے کو غریب کہتے ہیں اس کو چپتیں لگنے کے
واسطے ایک لڑکا کہتا ہے کہ اتنا انڈا کا ہے کا۔
جواب "یہ بابائی لڑکے کہتے ہیں آل کا تو دوپچھنے الا

لڑکا اس غریب لڑکے کی طرف (جس کو پہلے سے
چپتیں لگانے کے لیے تجویز کر رکھا ہے) اشارہ
کرکے کہتا ہے جو اس کو نہ مارے اس پر قسم ہے یہ
کہتے ہی اس لڑکے پر چپتیں پڑنے لگتی ہیں یہ
لڑکوں کا خاص کھیل ہو تو حاجی زمزم اللغات
ہی کو معلوم ہوگا۔ کھیل وہیل نہیں ہے پچھڑے
لڑکوں کا ایک جملہ ہے جب کسی بات کی طرف
اپنی جماعت کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں تو پکار کے
پوچھتے ہیں "اتنا اتنا بڑا انڈا کا ہے کا" دوسرا
جواب دیتا ہے "آل کا" اب پکارنے والا کہتا ہے
"جو فلاں کام نہ کرے وہ چھنال کا" غضب دیکھیے
کہ لونڈے بھی بے تکی نہیں کہتے مگر حاجی صاحب لونڈوں
سے بھی رموز فصاحت کے ادراک میں کم ہیں جنھیں یہ
محسوس نہ ہوا کہ "آل" کا قافیہ اس محل پر ضروری ہے بھلا
یہ بھی کوئی بات ہوئی "جو اس کو نہ مارے اس پر قسم ہے"
خدانخواستہ اگر بچپنے میں کسی لونڈے نے یہ گستاخانہ قافیہ
آپ کے ساتھ کھیلنے میں صرف کیا ہوتا تو خیر جھینپنے کی
بات تھی بفضل خدا آپ شریف ہیں شرفا کے بچوں کو
ایسے الفاظ سے کیوں سابقہ پڑنے لگا پھر فقل قول
سے کیوں گھبرائے اور لغت کی کتاب کو غلطیوں کی
پوٹ بناتے ہیں؟۔
آل تمغا کے بعد آل رسولؐ کی لغت درج کرنے کی
بیہودگی صاحب جامع اللغات نے بھی کی ہے جہاں
آل بمعنی اولاد و خاندان لکھا تھا وہیں آل عبا یا
آل رسولؐ کا مرکب لفظ لکھ دینا تھا۔ آخر آل تمغا کو
آل رسولؐ کے ساتھ کیا ربط ہے؟۔ یہ دو لفظیں ہیں
اور ان میں آل کے معنی وہی ہیں جو "آل" کے تحت میں
بیان کیے گئے۔ اگر آل کے معنی لفظ رسول کے ساتھ
مرکب ہونے سے بدل گئے ہوتے اور وہ معنی ہوتے
جو آل تمغا میں "آل" کے ہیں یعنی سرخ تو خیر مضائقہ
نہ تھا۔ ہمیشہ ترکیبات لفظ اسی لفظ کے ساتھ لکھے
جاتے ہیں۔ مگر مکھی پر مکھی مارنے والے مقلد دل سے
جو نہ ہو وہ تھوڑا۔
"مکھی پر مکھی مارنے" کا قصہ مشہور ہے۔ ایک صاحب
کو کاغذ نقل کرنے کے واسطے دیا گیا۔ اتفاق سے

منقول عنہ میں مری ہوئی مکھی ایک مقام پر چپکی ہوئی تھی۔
ناقل مرحوم نے نقل کو اصل بنانے کے لیے فرض کیے
مکھی پکڑی اور اسی نقطہ پر مسل دی جو منقول عنہ میں
ستم خوردہ مگس تھی مثلاً [illegible]
کا اطلاق عموماً ذوی العقول پر ہوتا ہے "عبا" یا
"بیت" کی (مثلاً آل البیت) طرف اضافت اس کی
نادر ہے۔ مگر شاید انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ "اہل"
بھی آل کے معنی میں آتا ہے اس وجہ سے آل عبا
اور اہل عبا دونوں اس مقام پر مشترک فائدہ دیتے
ہیں: "اہل" عربی میں ایک گھر کے آدمیوں کو کہتے
ہیں اور یہ ماخوذ ہے عبرانی لفظ [illegible] "اہل"
سے جس کے معنی خیمہ کے ہیں۔ بنابر مشہور پیمبر نے بروقت
نزول آیہ چادر خیمہ کی طرح تانی تھی اور اس میں چند
حضرات کو جمع کرکے آیہ تطہیر پڑھنے کے بعد فرمایا
تھا کہ خدایا یہی میرے اہل بیت ہیں۔ اسی وجہ سے یہ
حضرات آل عبا مشہور ہوئے۔
اکثر اعراب اہل البیت کی جگہ "آل البیت" لکھتے
ہیں مصر کی اکثر کتابوں میں "آل البیت" ہے۔ آل
کی اضافت عبا کی طرف اگر نادر ہے تو "بیت" کی
طرف بھی ندرت سے خالی نہ ہونا چاہیے۔ یہ تو عام ہے۔
صاحب نور اللغات فرماتے ہیں: "آلو شفتالو
ایک کھیل ہے جس میں ایک لڑکا دوسرے کی چڈھی
پر سوار ہو کے (چڈھی پر سوار ہونا نیا محاورہ ہے
لوگ یاد رکھیں) اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کی
دونوں آنکھیں بند کرتا ہے اور باقی لڑکوں میں سے
ایک لڑکا اس سوار کی پشت کی طرف جا کر اپنی انگلیاں
ہلا کر گھوڑے سے (گھوڑا خدا جانے کہاں آگیا)
پوچھتا ہے کہ "آلو شفتالو تیری جلتی کمر ماروں کل
سور کے پیڑ تلے بول گر مکے" اگر اس نے انگلیوں
کی تعداد صحیح بتا دی تو گھوڑا اسوار اور پوچھنے والا
گھوڑا بن جاتا ہے"
خدا جانے یہ کھیل کہاں کھیلا جاتا ہے ہم نے تو
نہ آج تک اس کا نام سنا نہ یہ منتر، جو حاجی
زمزم اللغات صاحب نے یاد فرمایا ہے کسی کی زبان سے
سنا۔ زمزم اللغات کے مطبوں جامع اللغات کی صحیح

کونسل چیمبر لکھنؤ
مغنی
(ممبر شکایت کنندہ)
M. B. K
دیوارہا گوش پیدا است شد
مغنی :- نالہ اس شور سے اپنا نہ دُہائی دیتا
اے فلک گر تجھے اونچا نہ سنائی دیتا .... تُن تُنن تُن تُن تُنن تُن ....
پنچ :- ارے بھائی شکر کرو۔ اب تمھاری آواز سنائی دے گی۔ چاہے بہتی اور بہرے سے بھی ہو جائے۔

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ
جاری شدہ ۱۸۳۰ء
شاخیں:- قنوج دہلی حیدرآباد دکن
منصوری
تار کا پتہ "حنا" لکھنؤ
ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ لکھنؤ
نظام مدن مست اور نظام سیوتی
وہ عطریات ہیں جو ہز اگزالٹڈ ہائنس اعلیحضرت حضور
نظام دکن کے ارشاد کے بموجب چھ ماہ کی مدت میں
بڑی عرقریزی اور جانفشانی سے عنبر اشہب کے خاص اہتمام
و نگرانی سے تیار کیے گئے ہیں اور جنکو اعلیحضرت نے پسند فرما کر
پروانہ خوشنودی عطا فرمایا ہے۔
مرغوب عثمانیہ
جو اعلیحضرت خسرو دکن کی لکھنؤ تشریف آوری اور دست ہمایوں سے ہماری نئی عمارت "حنا بلڈنگ" کے
افتتاح کی یادگار میں تیار کرکے بارگاہ خسروی میں پیش کیا گیا تھا۔
عطر حنا
ہندوستان نہیں بلکہ ایشیاء کے ہر گوشہ میں عطر حنا کو جو مقبولیت حاصل ہے محتاج بیان نہیں آج
تمام دنیا کو ہماری اس ایجاد پر رشک ہے
انکے علاوہ ہر قسم کے عطر اور تیل کی فرمائش کیجیے فوراً تعمیل ہوگی تاجروں کے ساتھ خاص رعایت کیجاتی ہے

کسی جگہ ر ہ گئی مثلاً جامع اللغات میں ہے آگین (ف) صفت بھرا ہوا۔ مرکبات میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے زہر آگین۔ حسرت آگین۔ آگندن، آغشتن بھرنا۔ آگین کے معنی ترکیبی قدر صحیح ہیں کہ "بھرا" اور "مالامال" ہیں۔ مگر آغشتن کو اس سے کوئی علاقہ نہیں۔ آگین آغشتن سے مشتق نہیں معمولی آدمی اگر پڑھا لکھا ہو اسے بھی کوئی پوچھے تو وہ بھی بتا دے گا۔ خدا کے لیے احتیاط کر دیجیے بھائی۔ دنیا کو غلط راہ نہ دکھاؤ۔ ایک تو یو نہیں اُردو کمبخت کی مٹی خراب ہے۔ غلط کتابیں اور بھی اُسے تباہ کر رہی ہیں۔

غفلت دیکھیے کہ دونوں صاحبوں نے اپنے دماغ کو ذرہ سی زحمت نہیں دی یعنی یہ بھی نہ سوچا کہ ود دیکھ لیں کوئی لفظ باقی تو نہیں رہا ہے۔ مثلاً "الاؤ" کا سا مشہور لفظ جسے بار ہا حامی حزم اللغات کے گاؤں میں لوگ تاپتے ہیں۔ دونوں میں سے کسی صاحب نے درج کتاب نہیں کیا۔ یہ فارسی لفظ ہے مگر اتنا مشہور کہ تمام گنوار بولتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں آتش شعلہ ور۔ جاڑوں میں غریب غربا پھونس جلا کے تاپتے ہیں اور اُسے الاؤ کہتے ہیں کوئی بالمد کہتا ہے کوئی بالقصر۔ زیادہ تر "بالمد" بولا جاتا ہے۔

(باقی آئندہ)

راقــــــــــــم

ادبار اللغات

مولانا پنچ کی نوٹ بک

قوم کے مہتر اور مسلم کانفرنس

روایت ہے کہ ایک وزیر خلیفہ مامون الرشید جو محل سے برآمد ہو کے باغ میں چہل قدمی کرنے نکلے تو ایک مہتر جھاڑو دیتا اور ساتھ والے سے کہہ رہا تھا کہ خلیفہ مامون نے جس دن سے اپنے بھائی امین کو قتل کیا اُس روز سے میری نگاہوں میں حقیر ہو گیا۔ یہ سمجھ لو کہ نگاہوں سے گر گیا۔ خلیفہ نے یہ گفتگو سنی اور مصاحب سے کہا یہ یاد کر رکھو کہ یہ جو اس رذیل کی نگاہوں میں مجھے ذلیل کر رہا ہے معلوم نہیں کہ یہ طعن تھی یا حقیقت۔ طعن اس وجہ سے خیال کر سکتے ہیں کہ ایک خلیفہ کو کسی مہتر کی نگاہوں سے گرنا کیا نقصان پہونچا سکتا ہے۔ اور اگر حقیقت سمجھیے تو بھی ہو سکتا ہے کہ حاکم کو رعایا کی نگاہ میں عزیز ہونا بہت ضروری ہے۔ بہر کیف امر ہے ذو جہتین۔ اسی طرح مسلم کانفرنس کے بارے میں بھی قوم کے مہتروں کی راے ہے کہ جب سے نفاق و شقاق کی پالیسی پر عمل کیا وہ ہماری نگاہوں سے گر گئی۔ فرق اتنا ہے کہ یہ مہتروں کی نگاہوں سے تو گری مگر سرکار کی نگاہوں پر چڑھ گئی ہے۔ ہوگا ہوگا وہی جو پھوٹ ڈلوا پیدا کرنے والی ناشدنی کانفرنس تجویز کرے گی۔ اپنے بارے میں نہیں سارے ہندوستان کے بارے میں۔

شرما۔ شرمی

ایک زاہد مرتاض (گاندھی جی) کی صحبت کا جیسا اثر اُن کی ولائتی چیلی کے نفس حیوانی پر ہوا۔ شاید ہی کسی اور پر پڑا ہو۔ آپ کو واللہ اعلم ولایت سے بھگت تھے اور یہاں آ کے عشق چرایا۔ سو دل میں آیا کہ لاؤ شرما کی شرمی بن جاؤں۔ بھلا کہیے کہ شرما غریب میں وہ گرما گرمی کہاں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف سے جتنی شور اشوری بڑھی دوسری جانب سے اسی قدر بے نکی۔ سنا ہے کہ ایک شب کو بی شرمی شرما کے آغوش میں بے شرمی سے جا ہو نچیں اگر شرما بیچارے انھیں بنتہا سے شرم نکال نہ دیتے تو شاید بجبر دھرم بگڑ جاتا۔ باسے رسیدہ بود و بخیر گزشت۔ اب بقول اخباری کاغذوں کے میم صاحب متھرا میں بیٹھے کُڑھا رہی ہیں۔ گاندھی جی کا حکم ہے کہ ایسی جو شرمی بے شرمی پر آمادہ ہو تو نکال کے پولیس کے حوالے کر دو۔ بہر حال جائے شرم ہے۔

داڑھی اور پائجامہ

عرب کے قاضی کی حکایت ہے کہ وہ وزیر زادی پر عاشق تھا۔ شب کو باغ میں ملاقات ہوا کرتی تھی اتفاقاً ایک طبلچی مسافر خواجہ لنے کہاں کا مارا تھکا باغ میں ٹھہرا اور اس خوف سے کہ مبادا مالک باغ مواخذہ نہ کرے درخت پر چڑھ کے بیٹھ رہا عین وقت پر قاضی اور وزیر زادی کا اجتماع اسی درخت کے نیچے۔ اندھیری رات۔ دونوں نے لباس اتار ڈالا۔ طبلچی کے دل نے کہا کہ شادی بیاہ میں گا تا بجاتا تمہارا کام ہے یہی وقت ہے۔ یہ سوچتے ہی ایک مرتبہ اُس نے طبلے پر تھاپ جڑ ہی تو دی۔ تا.... دھن.... دھن.... تا... تا.... تن.... تن.... تا.... سے میرے بھائی قاضی برہنہ ایک سمت بھاگے اور زنگی دلھن دوسری طرف۔ صبح کو طبلچی نے دونوں کا ملبوس اٹھایا نخاس کی راہ لی۔ آپ جانیے قاضی کی پگڑی کہیں چھپی رہتی۔ پیادہ پکڑ لے گیا۔ مگر مقدمہ کیا چلتا قاضی خود ہی جانتا تھا کہ چوری کے ساتھ میرا چھنالا بھی وابستہ ہے۔ یہ تو ہے پرانا واقعہ۔

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۱۰۵۰ سنہ ۱۹۳۴ء

بعدالت جناب مسٹر احمد کریم صاحب بہادر ڈسٹرکٹ و اسپیشل جج خفیہ لکھنؤ
لالہ سری کرشن داس لالہ بنگلہ پریال قوم رستوگی ساکن محلہ کنگاعو باڑہ
تھانہ چوک شہر لکھنؤ مدعی

بنام

سکھ رام وغیرہ مدعا علیہم
بنام سکھ رام ولد شیورانی قوم کوری جار ملازم ریلوے اسٹیشن
گھورنک پور مدعا علیہ

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت دلاپانے ایک سو کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۳۰ ماہ اکتوبر ۱۹۳۴ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعوے مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوے کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔
مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔
آج بتاریخ ۱۶ ماہ اکتوبر ۱۹۳۴ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

مہر عدالت	دستخط انگریزی حاکم عدالت

تازہ واقعہ یہ ہے کہ بمبئی میں ایک عورت سو رہی تھی۔ کھٹکا جو ہوا تو آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک داڑھی والا پائجامہ پہنے سامنے کھڑا ہے۔ اس نے کہا تو کون۔ اس نے جواب دینے سے پہلے داڑھی الگ نوچ کے پھینکی اور پاجامہ الگ۔ پھر کہا کہ میں ہندو ہوں ڈرو نہیں۔ غل غپاڑا مچا۔ داڑھی اور پائجامہ رہ گیا کمرے میں اور چور صاحب بھاگ گئے۔

اب سنیے کہ پائجامہ پر کسی گازر خانے کے نمبر لگے ہوئے تھے۔ سرکاری پیادوں نے انھیں نمبروں سے ملزم صاحب کا سراغ لگایا۔ ایک طالب علم صاحب دھرے گئے ہیں۔ اس پائجامے سے تو داڑھی ہی غنیمت ہے جس نے چغلی کھانے کے اخلاقی عیب کا ارتکاب نہیں کیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ عشق یکطرفہ تھا ورنہ عرلی طلیلے کے مقدمے کی طرح معاملہ رفع دفع ہو جاتا۔ بھیس بدلنے سے مطلب (اگر واقعہ صحیح ہو) تو یہی ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان کے ذمے الزام تھپ جائے گر واے ملامت مسلمانی ہی نے بھانڈا پھوڑ دیا۔

عظیم نقصان

سنتے ہیں کہ ۲۳۔ اکتوبر کو مسٹر وی جے پٹیل سابق صدر اسمبلی جو ایک پابند وضع قوی الارادہ یک رنگ با اصول نڈر اور منصفانہ مزاج کے آدمی تھے چل بسے۔

ایسے مرد میدان ہمیشہ پیدا نہیں ہوتے۔ کہنے کو تو جو مرتا ہے وہ ملک اجاڑتا ہوا مرتا ہے مگر پٹیل کی موت واقعی ہندوستان کی کوکھ جھوٹی کر گئی۔

التماس

جن حضرات کے نام وی پی روانہ کیے جا چکے ہیں وہ مہربانی فرما کے وصول فرما لیں۔ باقیدار حضرات قیمت کا منی آرڈر ارسال فرما دیں۔ نیاز مند منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

عراق ریلوے

نجف۔ کربلائے معلی۔ کاظمین اور سامرہ کے مقدس شہروں کی زیارت کے لیے عراق ریلوے کے ذریعہ آرام۔ تیز رفتاری اور بہت ہی سستے کرایہ سے سفر کریں۔

مختلف درجوں کی زیارتی کوپن کی کتابیں جو ایک سو پچاس دن کار آمد ہونگی نیچے درج ہیں اور ہر کیلو اسباب ہر کتاب کے عوض میں اپنے ہمراہ مزید کرایہ کے بغیر لے جا سکتے ہیں۔

	درجہ دوم	درجہ سوم
کوپن بک (الف) برائے سفر بصرہ سے کربلا کاظمین۔ سامرہ اور واپسی بصرہ	عہ للعہ	للعہ
کوپن بک (ب) برائے سفر بصرہ سے کربلا کاظمین اور واپسی بصرہ	للعہ	عہ

تین سال سے کم عمر کے بچے کا کرایہ معاف اور بارہ برس سے کم عمر کے بچوں کا نصف کرایہ لیا جاتا ہے۔ بمبئی اور کراچی سے ہر ہفتہ جہاز بصرہ کے بندرگاہ معقل کو جاتے ہیں جہاں ریلوے کے افسران زائرین کو ان کے آرام اور زیارت گاہوں کو جانے والی گاڑیوں میں جگہ کا انتظام کرنے کے لیے استقبال کرتے ہیں۔

زائرین جو مکہ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ عراق کے راستہ سے سفر کریں اور اس طرح سے ایک ہی وقت میں اس ملک کی زیارتگاہوں کی زیارت کے مواقع بھی مل جائیں گے۔ بغداد سے دمشق کو بذریعہ موٹر ۲۴ گھنٹہ میں سفر کیا جا سکتا ہے۔ دمشق سے جدہ۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا کرایہ حسب ذیل ہے۔

درجہ دوم	درجہ سوم مع خوراک
ماللعہ	عہ

ہندوستان میں عراق ریلوے کے ٹکٹ اور کوپن کی کتابیں بمبئی اور کراچی میں مختلف ایجنٹوں سے خریدے جا سکتے ہیں۔

۱۔ مولوی محمد باقر صاحب مسافر خانہ حاجی یوسف جان جیل روڈ عمر کھاڑی بمبئی۔
۲۔ آنریری جوائنٹ سکریٹری فیض پنجتنی۔ بالاگلی بمبئی۔
۳۔ مسٹر ای۔ ای لوٹیا۔ ماینڈوی کوہلی واڑا بمبئی نمبر ۳۔
۴۔ حبیب حاجی رحمت اللہ صاحب کھارادر کراچی۔
۵۔ مسٹر عبد العلی شیخ عیسیٰ جی معرفت مسرز یوسف علی بھائی کریم جی اینڈ کمپنی نیپیر روڈ۔ کراچی۔
۶۔ آنریری سکریٹری فیض پنجتنی معرفت حاجی پیٹا بھائی گوکل۔ کوڈی باغ۔ کراچی۔

نوٹ:۔ ایک ہی جہاز پر ایک سو یا ایک سو سے زائد تعداد میں بصرہ کو سفر کرنیوالے زائرین کو جہاز کے کرایہ میں رعایت مل سکتی۔

REGISTERD NO. A. 78
ظریف ہفتہ وار
مشہور باتصویر پرچہ
LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
अवध पंच

جلد ۱۸ ۔ نمبر ۲۱

مضامینِ نیر

(مورخہ ۵۔ نومبر ۱۹۳۳ء)

حیاتِ داغ

(نمبر ۱۴)

اس کے بعد داغ کے دیوانوں کی غزلیں، رباعیاں گنائی ہیں۔ اس فخریہ ہم کو کچھ اعتراض نہیں کیونکہ غالب ذوق۔ مومن۔ شیفتہ۔ ظہیر وغیرہ کے دواوین پانچ سات جزو سے زیادہ نہیں۔

"یہ تیسرا دیوان دونوں پہلے دیوانوں سے زیادہ اچھا ہے"۔ اس کی غزلیں فصاحت اور صفائی کا ایک نہایت پاکیزہ اور اپ ٹوڈیٹ نمونہ پیش کرتی ہیں" قدر دانی عالم بالا معلوم شد۔ کھاتے ہیں آپ قسم اپنی خود رائی کی۔ تلامذہ و معتقدانِ داغ سے پوچھ کر یہ فقرہ لکھا ہے بہنیر وہ جانیں وآپ۔ آپ ہی جوتی میں دال بٹے گی۔ رہی آپ کی اپ ٹوڈیٹ انگریزی فصاحت اور صفائی اس کے لیے ہم آپ کو شعرائے حال کے حوالے کرتے ہیں۔

صلا۔ مثنوی فریادِ داغ کی تعریف میں آپ اظہار حماقت فرماتے ہیں "باعتبار سلاست بیان اور انداز تحریر مثنوی میر حسن یا گلزار نسیم اس کے پاسنگ بھی نہیں ہے" جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔ پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی۔ میر حسن کی مثنوی سحر البیان کی تصنیف کو ڈیڑھ سو برس ہوئے ہوں گے اور پنڈت دیا شنکر کی مثنوی گلزار نسیم کی تصنیف کو بیش و کم سو برس (جن میں بادشاہوں۔ شہزادوں بیگموں اور پریوں کی داستان ہے) باایں ہمہ ہر عہد کے شعرا نے ان مثنویوں کو بے نظیر اور لاجواب خیال کیا ہے۔ ان سے فریادِ داغ کی سلاست بیان کا مقابلہ کرتے غیرت نہ آئی اور مومن کی مثنویوں کو سامنے لاتے شرم آگئی جن میں مومن نے اپنے کارنامۂ زندگی ویسے ہی بیان کیے ہیں جیسے داغ نے اپنی بپتی کہی ہے لیکن آپ سے امید سخن سنجی فضول ہے۔ سب آپ کا چیا بڑھ رہا تمہارا اس زمانے کی زبان پر خیال کیجیے اور سحر البیان کے دس پانچ شعر ہم سے سن کر گریبان میں منہ ڈالیے بلکہ خموشی سے ہلکے کا سنگ مرمر ہو کر بت بن جائیے ؎

وہ رخسار نازک کہ ہو جائے لال
اگر اس پہ بوسے کا گزرے خیال

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام
قیامت کرے جس کو جھک کر سلام

کسی نے کہا دیکھنا اے بوا
کھڑا ہے کوئی صاف یہ مردوا

خواصوں کے کاندھے پہ دھر اپنا ہاتھ
عجب اک ادا سے چلی سادہ سلفہ

وزیر زادی شہ دے رہی ہے ؎

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

مجھے پوچلے تو خوش آتے نہیں
ترے ناز بیجا یہ بھاتے نہیں

یہ حسن و جوانی یہ جوش و خروش
غفور است ایزد تو سالے بنوش

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

یہ سن سن کے وہ نازنیں مسکرا
لگی کہنے اچھا بھلا ری بھلا

وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے
بدن کو چرائے ہوئے ناز سے

منہ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے
لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے

مرو تم پری پر وہ تم پر مرے
بس اب تم ذرا مجھ سے بیٹھو پرے

میں اس طرح کا دل لگاتی نہیں
یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں

بے نظیر کی جدائی میں بدر منیر کی حالت کی تصویر کھینچی ہے ؎

خفا زندگانی سے ہونے لگی
بہانے سے جا جا کے سونے لگی

خواصوں کو بالا بتانا اسے
اکیلے درختوں میں جانا اسے

کبھی خون آنکھوں سے رو ڈالنا
کسی کو کبھی دیکھ دھو ڈالنا

کہا گر کسی نے کہ بی بی چلو
تو اٹھنا اسے کہہ کے ہاں جی چلو

کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے
کہا خیر بہتر ہے منگوائیے

کسی نے جو کچھ بات کی بات کی
یہ دن کی جو پوچھی کہی رات کی

جو مسی ہے دو دن کی تو ہے وہی
جو کنگھی نہیں ہے تو یوں ہی سہی

گریہ حسینوں کا دیکھا سبھاؤ
کہ بگڑے سے دونا ہو ان کا بناؤ

آپ بیتی تو اپنی زبان میں سب ہی کہہ لیتے ہیں کمال تو یہ ہے کہ دوسرے کی بات چیت اور اس کے اندرونی خیالات کی تصویر کھینچ دی جائے سنگے ہاتھوں کچھ شعر گلزار نسیم کے بھی سن لیجیے۔

دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے
کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے

گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل
جھنجھلائی کہ کون دے گیا بل

ہے ہے مرا پھول لے گیا کون
ہے ہے مجھے خار دے گیا کون

ہاتھ اس پہ اگر پڑا نہیں ہے
بو ہو کے تو پھول اڑا نہیں ہے

نرگس تو دکھا کدھر گیا گل
سوسن تو بتا کدھر گیا گل

سنبل مرا تازیانہ لانا
شمشاد انہیں سولی پر چڑھانا

نرگس نے نگاہ بازیاں کیں
سوسن نے زبان درازیاں کیں

"وئی! اے بی تم کون -؟"

"میں؟ میں ہوں تمہاری ہونے والی جانشین"

"توبہ - میں کبھی ایسی اچھال چھکا ہوتی - یہ ناچ ہندوستانی نہیں یہاں برف کہاں سے پہیے دار جوتی یہاں کہا چلے گی؟"

آٹھواں حصہ شائع ہو کر جلد اول مکمل ہو گئی

جامع اللغات اردو

السنۂ متعلقہ

مرتبہ: خواجہ عبدالمجید بی اے

جلد اول میں تقریباً ۵ ہزار الفاظ بیس ہزار محاورات چار ہزار ضرب الامثال اور اقوال ۴ ہزار سوانح حیات ۲ ہزار جغرافیائی حالات میں

واحد لغت جس میں اردو کے علاوہ فارسی عربی سنسکرت اور ہندی الفاظ کے معانی بھی مل سکتے ہیں

الناشر: خواجہ محمد محمود اختر بی اے مینجر جامع اللغات کمپنی بل روڈ لاہور

ظریف ہفتہ وار
مشہور باتصویر
LUCKNOW
اودھ پنچ لکھنؤ
سالانہ
دس روپیہ

کسی ایک لو اشتک کستا تھا کہ پیسے پیٹ جیب نکل پڑی۔ اگر جدت طرازی کا یہی عالم رہا تو نظام عالم کا تختہ الٹ جائے گا یعنی الکٹرک کے پول آسمان پر اور چاند سورج زمین پر نظر آئیں گے۔ واللہ کہ شعر جلال یہ شاعری نہیں قیامت ہے قیامت بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔ جلال ؎

مرشد عشق طلب اور حسن بے پایاں حصول تشنہ لبی ہے شدید تشنہ لبی

جلال۔ جب تک کہ طلب عشق کو مختصر یا محدود نہ کیا جائے "حسن" کے کلام میں "بے پایاں" کا لانا بالکل بے معنی اور فضول ہے۔ کیونکہ طلب کو جو عشق کی سرشت میں ہے حسن سے مطلب ہے خواہ اس کے حدود اربعہ کچھ ہوں یا نہ ہوں۔ نہ طلب عشق کوئی بیعنامہ ہبہ نامہ، رہن نامہ یا پٹہ ہے اور نہ حسن کوئی رقبہ یا مکان جس کا عرض و طول بیع دستاویز ہونا ضروری ہو معلوم نہیں کہ شاعر صاحب کو حسن کی پیمائش کا خبط کیوں کا ہوا اسکے علاوہ حصول تشنہ لبی کو شدید تشنہ لبی کسکل نتیجہ کیا نکالا ہے یعنی یہ کہ طلب عشق کی کامیابی اور تشنہ لبی کا حاصل طلب کی ناکامی اور تشنہ لبی کی شدت کا سبب ہے تو اسلئے قابل ترک و مقابل خطر ہے اگر ایسا ہے تو اس کے یہ معنی ہوے کہ عشق کا بائیکاٹ کر دیا جائے اور بازار حسن پر پکیٹنگ کا انتظام کیا جائے اور یوں بھی کام نہ چلے تو ہنگر اسٹرائک یا برت سے کام لیا جائے ورنہ جو چیز تشنہ لبی سے حاصل ہے وہ شدید تشنہ لبی سے بدرجہ اولیٰ حاصل ہونی چاہیے کیونکہ حاصل نتیجہ ہے کوشش کا کوشش وابستہ ہے ضرورت سے۔ اور ضرورت ماں ہے ایجاد کی۔ (باقی آئندہ)

راقم

کھلے رستم از بدایون

حیات داغ

(نمبر۵)

صفحہ ۲۱ "یہ محاورات کے انضباط کی کوشش دیکھیے"۔ مگر کوشش میں کامیابی کم ہوتی تھی۔ بہر حال آپ کو محاورے اور ضرب المثل کا فرق بھی معلوم نہیں ؎

تنگ ہے دل وسعت داماں محشر دیکھ کر اے جنوں ہم پاؤں پھیلاتے ہیں چادر دیکھ کر

وسعت کی جگہ اگر تنگی ہوتا تو مطلب در واضح ہو جاتا اور یوں بھی ہو سکتا ہے ؎

اے جنوں ہم تنگ ہیں داماں محشر دیکھ کر آدمی تو پاؤں پھیلاتا ہے چادر دیکھ کر

اب مثل پوری ہو گئی مگر اس مثل کا استعمال تو اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرنے کی جگہ ہوتا ہے ؎

نہیں ہوتی بندے سے طاعت[1] یاد بس اب خانہ آباد دولت زیادہ

طاعت اور استطاعت میں جو باریک فرق ہے اس کو سب ہی جانتے ہیں۔ یہ بات ہی اور ہے اگر آپ یہ بات بنائیں کہ دوسرا مصرع خدا ہی سے تو کہا گیا ہے۔

یہ عیب یوں دور ہو سکتا تھا ؎

نہیں ہو سکی ہم سے اطاعت زیادہ

میرے رونے پر جو ہنستا ہے بہ عاجزی ہے ناصح عاقل ہو اتا گرگ باراں دیدہ ہے

واقعی سنجیدہ ہونے کا ثبوت ہنسنا ہی ہوا کرتا ہے مگر سو کام چھوڑ کے اصلاح کو کہنا تھا۔ دیدہ کا قافیہ بھی سوجھا کیا مشکل ہے عیب پر نظر پڑتی ہی جاتی ہے۔

جنت میں جائیں ہم کہ جہنم میں جائیں ہم مل جائے تو کہیں نہ کہیں تجھ کو پائیں ہم

ہو سکتا ہے کہ معشوق پہلے ہی سے جہنم میں ڈال دیا گیا ہو ؎

اس پہ وصل سے انکار ہے ہم جان گئے یہ نہ سمجھے کوئی کیا جلد کہا مان گئے

آپ کے استاد نے تو من بھائے منڈیا ہلائے کہا اور آپ فرماتے ہیں کیا حسینوں کی سوال وصل پر خاموشی کا فلسفہ اس سے بہتر کسی اور شاعر کے کلام میں موجود ہے کسی اور شاعر کا شعر سمجھنے کی استعداد سے تو حیات کا دماغ محروم ہی ہے۔ خیر اس کو چھوڑ کر اب ہم آگے بڑھتے ہیں۔

صفحہ ۲۹ "منشی صاحب کا دیوان مراۃ الغیب دیکھیے جہاں تک نظر جائے گی یہی نظر آئے گا کہ "مہندی لگائی جاتی ہے پائے نگاہ میں"۔"

بارت تیرے تعصب کی دم میں دمعاملہ کا بچھلا۔ آخر قلم سے تاریک دل کی سیاہی ٹپک ہی پڑی۔ داغیوں نے یہ عجب شیوہ اختیار کیا ہے کہ امیر کے دو ایک شعر یاد کر لیے ہیں رسالوں میں ہمیشہ انھیں کو بحث میں لاتے ہیں۔ مگر غریب کیا کریں آنکھ کھول کر ہر رنگ کی شاعری دیکھی ہی نہیں۔ اگر شاعری سے آپ کو لگاؤ بھی ہوتا تو امیر کی اس مضمون آفرینی کی داد دیتے۔ ع

مہندی لگائی جاتی ہے پائے نگاہ میں

اس مشکل مصرع پر کیا مصرع لگایا ہے ؎

وہ دیکھتے ہیں خون تمنا جما کے آنکھ مہندی لگائی جاتی ہے پائے نگاہ میں

مراۃ الغیب پر آپ منہ آئے ہیں اور مصرع آپ نے "صنم خانۂ عشق" کا لکھا ہے اس لیے ہم پہلے مراۃ الغیب ہی کی دو غزلے سے اس قافیے کے دو تین شعر لکھتے ہیں

آئے ہو تیغ کھینچ کے تم قتل گاہ میں تو لو تو پہلے موئے کمر کو نگاہ میں

کانٹا ہوا ہوں سوکھ کے لیکن نہال ہوں کھٹکوں گا اور اپنے عدو کی نگاہ میں

کیا سمجھے قدر ساغر جمشید کی وہ چشم دنیا نہیں سماتی ہے جس کی نگاہ میں

مراۃ الغیب میں بھی ہزاروں شعر اس رنگ کے ہیں جو چودھویں صدی میں مقبول عام ہوا مگر یہ سچ ہے کہ ع

چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اس کے بعد صنم خانے میں جو دو غزلہ ہے (یہ غزلیں ۱۸۸۵ء یا ۱۸۸۲ء میں لکھنؤ کے مشاعرے میں کہی گئی تھیں اور مشاعرہ امیر کے ہاتھ رہا تھا) اس سے تین چار شعر اسی قافیے کے ہم لکھتے ہیں ؎

اندھیر کر رہی ہے یہ چشم سیاہ میں شوخی کو قید کیجیے نیچی نگاہ میں

وہ دشمنی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں

---

[1] وسعت کے معنی گنجائش کے ہیں گنجائش کم بھی ہوتی ہے اور زیادہ بھی اس لیے اس اعتراض میں اشتباہ کا فائدہ معاملہ کو ملنا چاہیے۔ "مدیر"

آنکھ اپنی فتنہ ہائے قیامت پہ کیا پڑے
جسکے یتنے ہیں وہ ہے اپنی نگاہ میں

تیرے جلال میں بھی مزہ ہے جمال کا
چشم کرم چھپی ہے غضب کی نگاہ میں

خدا کی مخلوق میں ایک آفتاب ہی کو دیکھیے کتنی تابش اور کس قدر شان جلال ہے۔ کیا مجال جو کوئی آنکھ بھر کر دیکھ سکے۔ مگر طرح طرح کے اناج کیسے کیسے خوش بو خوش رنگ و لذیذ پھول پھل کتنے قیمتی جواہر آفتاب ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح آگ کو دیکھیے۔ یہ دو ایک مثالیں ہیں۔ اس شعر کی شرح کا یہ موقع نہیں ہے۔

مدیر:۔ حکیم جلال کا پہلا دیوان شروع سے آخر تک پڑھیے وہی الفاظ کا ایک طلسم ملے گا۔ ع

تحیر حیرت افزا ہے ہماری چشم حیراں کا

مصرع

وہ ایک تھی یہ دوسری اب حاملہ ہوئی

جب بصیرت ہی نہ ہو تو بصارت اگر ہو بھی تو کس کام کی خصوصاً جب تعصب کی عینک لگی ہو۔ خیر آپ تو بچے ہیں۔ مگر چھوٹے کو ہم جلال کے پہلے دیوان سے بھی چند شعر سناتے اور انھیں قافیوں میں آپ کے اُستاد کے بھی شعر لکھتے ہیں سنیے اور ہماری خاطر سے گریبان میں منھ ڈالیے۔

جلال

زمانہ بھر کا جا جا کے کیوں نہ پھر آتا
شب وصال نہ تھی موسم شباب نہ تھا

دکھلایا ہے طبیعت نے آکے جو عالم
تر بھی رنگ یہ لائے آمد شباب نہ تھا

جلال پاس سے اُنکے ہٹی نہ روز وصال
حیا کی آنکھ میں اس دن فقد حجاب نہ تھا

دیے ہیں غم ہیں کتنے وہ یاد کیوں رکھتے
ہمارے داغ تھے بوسوں کا یہ حساب نہ تھا

رکتا ہے دم نفاق عجب جسم و جاں کے ہیں
کیوں اے فراق دست جھگڑے کہاں کے ہیں

کیا جانے لے چلی ہے کدھر بیخودی ہمیں
خود پوچھتے ہیں ہم کہ ارادے کہاں کے ہیں

کعبہ ہو بتکدہ ہو عرش بریں ہو دل ہو
جو مکان جلوہ گہ یار ہے آباد رہے

برش ہیں مجکو جو بانے میں کہتے ہیں یہ شوخ
جو کبھی آپ میں رہتا نہ ہو وہ ہم میں رہے

داغ

حیران ہوئے تو قیامت ہوئی خدا کی پناہ
وہ جب بھی فتنہ تھے جب عالم شباب نہ تھا

ہزار پردوں میں مشتاق دیکھ لیتے ہیں
اسے حجاب تھا موسیٰ کو تو حجاب نہ تھا

نہ پوچھ مجھ سے مرے جرم داور محشر
کہ گناہوں کا دنیا میں بھی حساب نہ تھا

جلوے ہمارا نگاہیں کون و مکاں کے ہیں
مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں

کیا اضطراب شوق نے مجکو خجل کیا
وہ پوچھتے ہیں کیسے ارادے کہاں کے ہیں

دیکھ لی سیر حرم حضرت زاہد رخصت
آپ کا کعبہ مرا بتکدہ آباد رہے

دل میں مہمان دل آزار بہت رہتے ہیں
کوئی ایسا نہیں جو دل کی طرح ہم میں رہے

(باقی آئندہ)

راقم:۔ سنگ بعوض کلوخ

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۴۳)

جامع اللغات کو مثلیں اور کہاوتیں جمع کرنے کا بہت شوق ہے شوق ہے تو اچھا لیکن اسکا نتیجہ یہ نہ ہونا چاہیے کہ مثل کے الفاظ میں تصرف کی نوبت آئے۔ مثلاً "آگے جو قدم رکھتا ہوں پیچھے پڑتا ہے" یہ کوئی مثل نہیں ایک فقرہ ہے کثیر الاستعمال بھی نہیں۔ کہنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں "جو قدم آگے رکھتا ہوں پیچھے پڑتا ہے" مثل یا کہاوت میں الفاظ کا ردو بدل نظم میں بھی معیوب ہے چہ جائیکہ نثر میں جو وزن اور دیگر قیود کی پابند نہیں ہوتی۔ یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ صرف حرف الف کی بحث کو اتنا طول دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ عیب نور اللغات میں بھی ہے۔ محل آنے پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

جامع اللغات میں ایک محاورہ لکھا ہے "آگے ڈولنا متعدی سامنے کھیلنا" معلوم نہیں یہ کہاں کا محاورہ ہے۔ ڈولنے کے معنی ہلنے اور جنبش کرنے کے ہیں۔ کھیلنے کے معنی نہ تو دیہاتیوں نے لیے ہیں نہ شہریوں نے۔ اسی طرح "آم املی کی بھینٹ ہو گئی یا آم املی کا ساتھ ہے" بھی کوئی محاورہ نہیں نہ کہاوت ہے۔ اگر کسی خاص گاؤں میں اس کا رواج ہو تو خیر! لیکن تصریح ضروری تھی۔

نور اللغات میں ہے "آگ میں پھونک ڈالنا۔ آگ میں ڈال کر جلا دینا" "پھونک" کے دو معنی ہیں (۱) منھ سے سانس باہر نکال کے آگ کو تیز کرنا جسے فارسی میں "دمیدن" کہتے ہیں۔ جب یہ "ڈالنا" کے ساتھ بولی جاتی ہے تو اس سے "سانس کا باہر نکالنا" مفہوم ہوتا ہے۔ خواہ وہ دعا پڑھ کے دم کرنے کے محل پر استعمال ہو یا آگ بھڑکانے کے موقع پر۔ (۲) پھونک جو جلنے یا جلانے کے معنی میں ہے "دینا" کے ساتھ بولی جاتی ہے۔ چنانچہ راز اللغات نے جو سند خلیل کی پیش کی ہے اس معنی کی گواہ ہے۔ ؎

جو وہ کرتے ہیں مرا امتحان پڑے دریا بیچ والے نہ درمیان
اگر آگ میں بھی وہ پھونک دیں تو خلیل کچھ مجھے ڈر نہیں

مگر راز اللغات کو اس سے تو کوئی بحث نہیں کہ زبان پر اس قسم کی لا یعنی عبارت کا اثر کیا پڑے گا۔ اندھیر دیکھیے کہ لکھتے ہیں "آگ میں پھونک ڈالنا" اور سند پیش کرتے ہیں "پھونک دینے" کی۔

مقدم الذکر "پھونک کا صلہ" "میں" کے ساتھ نہیں ہوتا۔ "کچھ پڑھ دعا پڑھ کے پھونک ڈالی یا پھونکی۔ چراغ پھونک دیا (سانس سے بجھا دیا) مؤخر الذکر پھونک البتہ اکثر میں کے ساتھ مستعمل ہے۔ جامع اللغات نے بھی غالباً نور اللغات کی نقل کی ہے لیکن سند کا جھول تو وہ پا لیتے نہیں صرف لفظ و معنی نقل کر کے فرصت حاصل کر لی۔

ایک تھی مرغی۔ لڑکے کو ساتھ لیے لوہار کی دکان سے جو گزری تو وہ پھر کے لیے ٹھہر گئی۔ تھوڑی دیر سر کھجایا۔ نال نکال دھونکنی کا کھیل دیکھا پھر کہنے لگی اُستاد

باورچن۔ دُئی دُئی۔ وہی مثل ہے "بیس مؤے پکائے آئے نوٹھے کھا گئے ہم نے تو خون پانی ایک کرکے پکوان تلا اور یہ موا . . ."

چرچل " غُر۔ غُر۔ غُر (دیکھو چرچل کی گواہی کی روداد)

عراق ریلو

نجف۔ کربلائے معلی۔ کاظمین اور سامرہ کے مقدس شہروں کی زیارت کے لیے عراق ریلوے کے ذریعہ آرام۔ تیز رفتاری اور بہت ہی سستا کرایہ سے سفر کریں۔

مختلف درجوں کی زیارتی کوپن کی کتابیں جو ایک سو پچاس دن کار آمد ہونگی نیچے درج ہیں اور ۵۰ کیلوز سامان ہر کتاب کے عوض میں اپنے ہمراہ بلا کرایہ کے بغیر لے جاسکتے ہیں۔

	درجہ دوم	درجہ سوم
کوپن بک (الف) برائے سفر بصرہ سے کربلا کاظمین۔ سامرہ اور واپسی بصرہ	ع ۱۲۸	۸۰
کوپن بک (ب) برائے سفر بصرہ سے کربلا کاظمین اور واپسی بصرہ	۸۲	۴۶

تین سال سے کم عمر کے بچے کا کرایہ معاف اور بارہ برس سے کم عمر کے بچوں کا نصف کرایہ لیا جاتا ہے بمبئی اور کراچی سے ہر ہفتہ جہاز بصرہ کے بندرگاہ معقل کو جاتے ہیں جہاں ریلوے کے افسران زائرین کو وہاں کے آرام اور زیارت گاہوں کو جانے والی گاڑیوں میں جگہ کا انتظام کرنے کے لیے استقبال کرتے ہیں۔

زائرین جو مکہ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ عراق کے راستہ سے سفر کریں اور اس طرح سے ایک ہی وقت میں اس ملک کی زیارت گاہوں کی زیارت کے موقع بھی مل جائیں گے۔ بغداد سے دمشق کو بذریعہ موٹر ۲۴ گھنٹہ میں سفر کیا جاسکتا ہے دمشق سے جدہ۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا کرایہ حسب ذیل ہے۔

درجہ دوم	درجہ سوم بلا خوراک
۱۱۵	۸۵

ہندوستان میں عراق ریلوے کے ٹکٹ اور کوپن کی کتابیں بمبئی اور کراچی میں مختلف ایجنٹوں سے خریدے جاسکتے ہیں۔

۱۔ مولوی محمد باقر صاحب مسافر خانہ حاجی دیوجی جمال جیل روڈ عمر کھاڑی بمبئی۔

۲۔ آنریری جوائنٹ سکریٹری فیض پنجتنی۔ بائکلی بمبئی۔

۳۔ مسٹر ای ای نوٹیا ماڈوی کولی واڑا بمبئی نمبر ۳۔

۴۔ جیب حاجی رحمت اللہ صاحب۔ کھارادر۔ کراچی۔

۵۔ مسٹر عبدالعلی شیخ عیسیٰ جی معرفت مسرز یوسف علی بھائی کریم جی اینڈ کمپنی نیپیر روڈ کراچی۔

۶۔ آنریری سکریٹری فیض پنجتنی معرفت حاجی سیٹھ اعبائی گرگل کوڈی باغ۔ کراچی۔

نوٹ: ایک ہی جہاز پر ایک سو یا ایک سو سے زائد تعداد میں بصرہ کو سفر کرنے والے زائرین کو جہاز کے کرایہ میں رعایت مل سکتی ہے۔

اس چال میں بھی نہیں جو اب چلی جاری ہے اور پنڈت جی کے سے فقیر منش حکیمانہ مزاج بزرگ جس کے رہنما ہیں۔ کام اس وقت چل سکتا ہے جب کہ ایک پہننے کی دھوتی بھی دوسرا نہ اٹھائے۔ بالفعل یہ خارج از امکان ہے۔ لہذا کوئی ایسی کارروائی جس کا انجام عوام کے اور ترقی کے شرائط کی مخالفت پر ہو سردست قابل عمل نہیں۔

شری۔ ستی گرہی دکنی نے پنڈت نہرو کو ہدایت کی ہے کہ وہ یہاں کا ایک حلقہ بنا کر اس حلقے کو ایک نگراں کارکن کے سپرد کریں نگراں لنگوٹا باندھ کے ہاتھ میں کھرپا لے اور ستا گنوار بنکے دیہاتیوں کا روپ بھرے ساہوکاروں اور زمینداروں کے ظلم سے بچانے کا وعدہ کرے۔ قرض دلوانے کا ذمہ لے۔ مقدموں میں سر پنچ بنے۔ سیاسیات کی تعلیم دے اور سکے بس بھی کھانے کو ٹکڑا اور پڑ رہنے کو جھونپڑے میں جگہ دے دو پھر میں خدائی کی تمام قوتیں اشاعت حقیقت میں صرف کردوں گا۔

تجویز تو بظاہر ویسی ہی معقول ہے جیسی کہ شری سنتوں کی ترک دنیا اور حب خدا کی تجویز۔ مگر اس کا پورا ہونا ان ہندوستانیوں کے ہاتھوں جو اپنی قوم کی چندیا مونڈنے کے عادی ہیں محال نظر آتا ہے۔

نادری کا خاتمہ — آخر اس ہفتہ میں نادر خاں امیر افغانستان کے قتل کی خبر آہی گئی فیاضی کے ساتھ سفاکی اسی مآل کی منتظر تھی۔

اعلان

شکایت سنی گئی ہے کہ "جامع اللغات" کے تبصرے سے متاثر ہو کر بعض حضرات نے ماہانہ خریداری سے استعفا دینا شروع کر دیا ہے۔ ہم ابتدا ہی میں کہہ چکے ہیں کہ حضرت اس کمپنی کی مالی مدد کیجیے۔ غلطیوں کے انکشاف سے بد دل ہو کے خریداری سے پرہیز نہ فرمائیے۔ یہ ایک وسیع نئی بنائی لغت ہے۔ چار دن میں اس کی تصحیح ہو جائے گی تو یہی مستند ہو جائے گی۔ اور اب بھی یہی کہتے ہیں۔ ہمارے ظریفانہ طرز تحریر سے ایک مفید کام کو نقصان نہ پہنچنا چاہیے۔ (نیاز مند اڈیٹر)

آٹھواں حصہ شائع ہو کر جلد اوّل مکمل ہو گئی

جامع اللغات اردو

السنۂ متعلقہ

مرتبہ:- خواجہ عبدالمجید بی۔اے

جلد اوّل میں تقریباً [illegible] ہزار الفاظ بیس ہزار محاورات چار ہزار ضرب الامثال اور اقوال [illegible] ہزار سوانح حیات [illegible] ہزار جغرافیائی حالات ہیں یہ

واحد لغت جس میں اردو کے علاوہ فارسی عربی سنسکرت اور ہندی الفاظ کے معانی بھی دیئے گئے ہیں

المشتہر:- خواجہ محمد محمود اختر بی اے مینیجر جامع اللغات کمپنی مال روڈ لاہور

ظریف ہفتہ وار
LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
سالانہ
ششماہی
M. S. KHAN ARTIST LUCKNOW

قواعد و ضوابط ادارۂ ہذا

(۱) بفضل خدائے عز و جل ہر مہینے کی ۱۰-۱۱-۲۲ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

(۲) اودھ پنچ میں سیاسی، علمی، ادبی، مذہبی ہر قسم کے مضامین شائع ہوتے ہیں مگر یہ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۳) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے سمجھ کر تو دیکھئے چیزوں میں ایسے گوہر و خزف میں فرق ہے بلا افادہ کے کوئی حرف لکھنے والے کی اصابت بے رو رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی ادبی پر نظر رکھیے ان شاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائینگے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

(۴) اجرت اشتہارات و قیمت اودھ پنچ پیشگی لی جاتی ہے۔

(۵) طلبا و شاگردان مدارس سے بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر سالانہ قیمت صرف للعہ لی جائے گی۔

(۶) پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۵ دن کے اندر دیجیے ورنہ بعد میں ممکن ہے کہ نہ مہیا کیا جا سکے۔

(۷) جو مضامین اودھ پنچ کی صلح پالیسی کے مطابق نہ ہونگے وہ شائع نہ ہونگے اور ان کی واپسی پر ہم مجبور نہیں ہیں۔

(۸) مضامین صاف خوشخط کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص ان میں نہ ہو۔

نوٹ:۔ جو حضرات خریدار ہیں انھیں خطوط اور منی آرڈروں میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ ان کے نام کی چٹ پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جواب طلب امور کے لیے کارڈ یا لفافہ آنا لازمی ہے۔

احمد حسین بابروی منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

شرائط ایجنسی اودھ پنچ

(۱)۔ روپیہ نقد جمع کرنا ہوگا۔

(۲)۔ رقم جمع شدہ کے برابر پرچے ہر ہفتہ بھیجے جائینگے

(۳)۔ پانچ پرچے سے کم کی ایجنسی قبول نہ کی جائیگی۔

(۴)۔ بحساب ۵ آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائے گا۔

کسی حالت میں بھی پرانے پرچے واپس نہ لیے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

[illegible]

جلد ۱۸ نمبر ۴۲

مضامین ؔ

(مورخہ ۲۶۔ نومبر سنہ ۱۹۳۶ء)

غزل

(از حضرت مرزا شاعر شبلی یگانہ آختہ اصفہانی)

لگ گیا تو کھا لیا فاقے سے ہیں تو غم نہیں — مسلم قانع ہیں ہم کو فکر بیش و کم نہیں
ملے بدبختی کہیں ہمدردی باہم نہیں — آدمی سب ہیں مگر کوئی بنی آدم نہیں
اُگیلے ہے فطرتوں سے غیر کی دم نگ میں — آج بزم یار میں یا وہ نہیں یا ہم نہیں
گرچہ پر ہیبت بہت ہے قلعہ استبداد کا — لیکن اندیشہ ہے کہ بنیاد اس کی مستحکم نہیں
ہیں بہت سے راز کہنے کے مگر کس سے کہیں — قحط انساں ہے زمانے میں کوئی محرم نہیں
بھیجئے مونس کو دشمن کے بلانے کے لیے — بندہ ہوں در شکر پہ بندہ کوئی قرم نہیں
رنگ گل کی بے ثباتی پر ہے گریاں ابر بہار — عارض رنگین گل پہ اشک ہیں شبنم نہیں
غم ملا کھانے کو کثرت سے تو فربہ ہو گیا — جسم عاشق میں مواد عشق ہے بلغم نہیں
تاج شاہی سے ہے بڑھ کر جوہر انسانیت — آدمی کو احتیاج رایت و پرچم نہیں
اپنے دستر خوان پر ہوں کوفتے یہ فکر ہے — کوفت میں ہے قوم فاقے سے کچھ اس کا غم نہیں
درد ہے لیکن علاج اس درد کا ناپید ہے — زخم ہے لیکن کوئی اس زخم کا مرہم نہیں
مصلحان قوم و ملت ہیں یہ سب بہرے ہیں — رونے والے سیکڑوں ہیں آنکھ کوئی نم نہیں

آجکل اہل خرد پر تنگ ہے دور حیات
یہ سبب ہے ورنہ احمق کوئی پاگل ہم نہیں

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۲۹)

ہمارے حاجی زمزم اللغات صاحب فرماتے ہیں "آنتیں گلے پڑنا مصیبت میں پھنسنا۔ آنتیں گلے میں آنا۔ دہلی: مصیبت میں پھنسنا۔ آنتیں منہ کو آنا۔ نہایت بیقرار ہونا"

التماس ہے کہ مصیبت میں پڑنا اور مصیبت میں پھنسنا ایک ہی بات ہے۔ لہذا تکرار بے سود ہے۔ مگر اول تو یہ محاورہ بغیر "اُلٹی" کے بولا نہیں جاتا۔ جب کہتے ہیں تو اس طرح کہتے ہیں کہ اُلٹی آنتیں گلے پڑیں۔ دہلی کا حال ہمیں معلوم نہیں۔ دوسرے مصیبت میں پڑنا یا پھنسنا اس سے مراد نہیں بلکہ جو شخص کوئی دعویٰ کرے اور دعوے کا نتیجہ یہ ہو کہ خود ہی ملزم ٹھہرے یا سزا دے اور سزا کا خمیازہ خود ہی بھگتے تو کہتے ہیں "اُلٹی آنتیں گلے پڑیں" عموماً کوئی شخص اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو کوئی نہیں کہتا کہ آنتیں گلے پڑیں۔ فرض کیجیے کسی کا بچہ مر جائے اور حاجی زمزم اللغات صاحب اس کے بارے میں فرمائیں کہ آنتیں گلے پڑیں تو غالباً وہ بیزار ہو کے حلق کی راہ سے آنتیں کھینچنے پر مبتلا ہو جائے گا۔

اب رہا "آنتیں منہ کو آنا" تو وہ بھی بیقرار ہونے کی جگہ نہیں بولا جاتا بلکہ جی متلانے یا متلی ہو جانے کے معنی میں مستعمل ہے۔ یوں بھی کہتے ہیں "آنت آنت ٹوٹ گئی" یعنی متلی سے اتنے جھٹکے آنتوں کو پہونچے کہ آنتوں کے ٹکڑے ہو گئے۔

خدایا اس فریب کو پاداش سے بچا جو نور اللغات کے اعتبار پر بے محل بول اُٹھے کہ جناب فلاں کی آنتیں منہ کو آ رہی ہیں "درد کے مارے بے قرار ہیں"۔ یا اس طرح کہے کہ فلاں شخص کی جورو مر گئی اس کی آنتیں منہ کو آ رہی ہیں (کلیجہ منہ کو آ رہا ہے) ایجاد بندہ ملاحظہ ہو حاجی صاحب۔

"آنتوں کا بل کھلنا۔ کھولنا" کی شرح یوں لکھتے ہیں "جب کوئی بھوکا پیٹ بھر کے کھا جاتا ہے تو مذاقاً کہتے ہیں کہ آج تو خوب آنتوں کے بل کھل رہے ہیں" حالانکہ یہ محاورہ کبھی مہذبین کے زبان زد نہیں اور عوام بھی نہیں بولتے۔ ہاں حاجی صاحب کا خاندانی محاورہ ہو تو ہو۔

حاجی صاحب کی عبارت میں "مذاقاً" کی تنوین بھی ان کے پڑھے لکھے یا محقق ہونے کی دلیل قوی ہے۔ تنوین اس لفظ کے عربی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ذال سخذ بھی "ذوق" اس کے حروف اصلیہ ہیں۔ کوئی حاجی صاحب سے پوچھے کہ "مذاقاً" کے معنی ہنسی دل لگی کے صحیح ہیں یا نہیں۔ اور اہل ذوق اس محل پر "مزاحاً" کہیں گے یا "مذاقاً"۔ یہ تو کسی گنوار کا دیہاتی نام معلوم ہوتا ہے۔ مذاق اللغات کی یہ ادا تمہارا کیا کہنا۔

یہ مصنوعی محاورے جامع اللغات میں غالباً نور اللغات سے نقل کیے گئے ہیں لہذا صاحب جامع اللغات کی خدمت میں عرض ہے کہ آئندہ اشاعت میں ایسے نامعقول محاوروں کو اپنی کتاب سے خارج کر دیں۔ بلکہ زمزم اللغات کو بھی کتاب خانے سے نکال باہر کریں یہ کمبخت غضب کی بہکانے والی ہے۔ ہرگز اس کی بات کا اعتبار نہ کرنا چاہیے۔

"ذاتاً" کے تحت میں جو صفحات رنگے گئے ہیں ان سے تعرض نہیں کیا گیا اس وجہ سے کہ ہم ابتدائے مضمون میں اس پر بحث کر چکے ہیں۔ نور اللغات بعد میں دستیاب ہوئی لہذا چند جدید اعتراضات پر اکتفا کی جاتی ہے جو نور اللغات سے متعلق ہے)

"آنا" کے ذیل میں صاحب نور اللغات تحریر فرماتے ہیں "۴۔ ملنا۔ حاصل ہونا" سند میں میر مرحوم کا شعر لکھتے ہیں ؎

جب نام ترا لیجیے تب آنکھ بھر آئے — اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آئے

اصل میں "آنکھ" نہیں "چشم" ہے۔ میر مرحوم کی روح کو حاجی صاحب کا احسان ماننا چاہیے کہ انھوں نے مغلق لفظ کی جگہ عام فہم لفظ بنا دیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ "بھر آئے" میں جو "آئے" ہے اس کے معنی ملنے اور حاصل ہونے کے ہیں یا

"آنا" کی پوری بحث غیر منطقی ہے جناب ذاق اللغات نے بخار آنا۔ دل آنا۔ منھ آنا۔ فرم آنا۔ آسیب آنا۔ جوتا آنا۔ دام آنا۔ (آنکھیں تاڑ کھا بیٹھیں بھرا تا سرا پا بہا) کرآنا یا آرہنا۔ سن آنا۔ دن آنا۔ وغیرہ کو آنا کے ساتھ لکھ کے دنیا کو بہکایا ہے کہ یہ تمام معنی "آنا" کے ہیں حالانکہ یہ معنے ترکیب لفظ سے پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی لفظ مقدم کے ساتھ اُس لفظ اور اُس حرف کے باب میں لکھنا تھا۔ (یہ اعتراض نیا نہیں یہ تکرار وارد ہو چکا۔ مگر تنبیہ کی ضرورت سے دہرانا پڑتا ہے)۔

آنسو کے ذیل میں ہمارے حاجی زمزم اللغات صاحب اور اُنھیں کی تقلید میں صاحب جامع اللغات جدّت فرماتے ہیں: "آنسو کا چھالا وہ آبلہ جو آنسوؤں کی حدت اور گرمی سے پڑ جائے (اسیر)۔

یہاں تک تو غم ہے دل میں کہ پہروں میں لہو پیا
کوئی آنسو بھی چھالا جو دیکھا تیغ مژگاں میں

خدا اُن حضرت کے پروار کو عقل دے (انھیں تو دے چکا) آنسو کا چھالا کبھی نہ سنا تھا آج سن لیا۔ کوئی محقق بتائے کہ آنسو کا بھی چھالا ہوتا ہے؟ اگر شاعر کو جدت دکھانی ہو تو وہ اشک گرم سے چھالے پڑنے کا اظہار کر سکتا ہے مگر مطلق آنسو کا چھالا کہاں پڑتا ہے؟ (حاجی زمزم اللغات نے تصریح نہیں فرمائی) دوسری بات شعر فہمی سے تعلق رکھتی ہے۔ اسیر مرحوم نے لکھا تھا "رحم" لا بہ رائے تعلیم ترشت وجائے حلی) حضرت نے اُسے پڑھا زخم۔ آپ کو دا اللہ ذری لقہ زخم" آپ بھی پڑھیے اور شعر کے معنے سمجھا دیجیے۔ شاعر تو یہ کہتا ہے کہ تیغ مژگاں میں آنسو چھالے کی طرح نظر آتا ہے اُسے ہی دیکھ کے میرا رحیم دل پہروں لہو روتا ہے۔ اور آپ آنسو میں چھالے ڈالتے ہیں۔ اگلے سپاہی ابھی موجود ہیں سب کے سب نہیں مرے۔ وہ بتا دیں گے کہ جس طرح خرابی صنعت سے شیشے میں چھالا پڑ جاتا ہے اسی طرح لوہے میں بھی خصوصاً کچے لوہے کی تلوار میں۔ شاعر نے مژگاں کو تیغ سے مشابہت دی اور اس تیغ کا چھالا "آنسو" کو قرار دیا۔ کیونکہ ایسی تلوار کے لیے ایسے ہی چھالے مناسب ہیں۔ پھر اپنا رحم دل ہونا ظاہر کیا کہ ایسے فرضی چھالے کا وجود بھی میری رقت کا سبب ہو جاتا ہے دوسرے کو ایذا میں نہیں دیکھ سکتا۔

انصاف ناظرین کے ہاتھ ہے کہ جس مؤلف کی سخن سنجی کا یہ حال ہو وہ لغات کی تدوین و تشخیص کا حق رکھتا ہے یا نہیں اور یہ کہ محاورات کے محل استعمال سے وہ کہاں تک مطلع ہونے کی استعداد رکھتا ہے۔

ایک تھا اناڑی عطار (دوا فروش) بیمار ہوا حکیم کے پاس گیا حکیم صاحب نے نسخے میں دو لفظیں ایسی لکھیں جن سے وہ واقف نہ تھا ایک جنطیانا (بہ جیم معجمہ) دوسرے بالسویہ (برابر وہموزن)۔ جنطیانا کو عطار صاحب خبطیانا (بہ خائے معجمہ) پڑھا اور بالسویہ کو "بال سوا" کہہ کر گھبرا کے فرمانے لگے۔ حکیم صاحب اور تو سب دوائیں میری دکان میں ہیں خالی "خبطیانا" اور "بال سوا" نہیں ہے۔ تو وہ میں کسی اور دکان سے مانگ لوں گا۔

ایک مرثیہ خوان صاحب تھے اُنھوں نے "کہنی" کو "گھٹنے" پڑھا اور فرمایا۔

گھٹنے تک آستین چڑھائی حسین نے

کاش یہ عطار اور یہ مرثیہ خوان بھی کسی لغت یا مخزن اللغۃ کے مؤلف ہوتے اور دنیا اُنھیں بھی مستند مان کے "محسن اُردو" کا لقب عطا فرماتی۔

خیال کرنے کی بات ہے لکھنے بیٹھے لغت کی کتاب اور لیاقت کا یہ حال ہے؟۔

محاورہ گڑھنے کی ایک اور مثال لیجیے "آنسو چلنا" آنسو بہنا۔ (فقرہ) بے اختیار آنکھوں سے آنسو چلنے لگے" (نور اللغات) یہ فقرہ اس طرح لکھتے تو درست ہوتا۔ "آنکھوں سے آنسو چلنے لگے" یہ کیا معنی کہ شرفا اور فصحا کبھی آنسو بہنے کے مقام پر آنسو چلے نہیں بولتے۔

فرماتے ہیں: "آنسو ڈالنا۔ رونا۔

شمع روئے قبر پر گر وہ ہمارے واسطے
حیف تو ڈالے نہ دو آنسو ہمارے واسطے

مگر یہ نہیں لکھتے کہ "آنسو ڈالنا" محاورہ نہیں اور اسی وجہ سے مروج نہیں اگرچہ معنوی غلطی سے پاک ہے کسی نے اجتہاداً نظم کیا تو وہ اُسی کے لیے مخصوص تھا۔

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۴۵ سنہ ۱۹۳۳ء

بعدالت جناب شیخ محمد طفیل احمد صاحب بہادر منصف اترولہ مقام گونڈہ

راجہ محمد ممتاز علی خان ولد راجہ ریاست علی خان تعلقدار ریاست اترولہ ساکن قصبہ اترولہ ضلع گونڈہ مدعی

بنام

بکا محمد خاں وغیرہ مدعا علیہم

بنام (۱) نسیم اسعد خان ولد عبد الغفور خان سکنہ موضع ... پرگنہ اترولہ ضلع گونڈہ (۲) نصیر احمد خان ولد ضیاء اللہ ... ساکن وارد حال ہیڈ کانسٹبل ضلع بہرائچ متعینہ تھانہ صدر بہرائچ خاص مدعا علیہم

ہرگاہ مدعی نے تمھارے نام ایک نالش بابت مالکانہ کے دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم تاریخ ۲۹ ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۳ء کو بوقت ۱۰ بجے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دعوے مدعی مذکور کا دو اور چونکہ وہی تاریخ جو تمھارے حاضر ہونے کے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمھارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۱۵ ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۳ء ہمارے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

اطلاع نامہ واسطے ظاہر کرنے وجہ اس امر کے کہ حکم نیلام قطعی کیوں نہ صادر کیا جائے

نام عدالت منصفی حوالی بنارس — نمبر مقدمہ ۴۰ سنہ ۱۹۳۳ء

نام فریقین منشی جیناتھ پرشاد بنام مسماۃ دھرماں کنور بعدالت منصفی حوالی مقام بنارس ضلع بنارس

مقدمہ نمبر متفرقہ ۱۰۴ سنہ ۱۹۳۳ء

منشی جیناتھ پرشاد ڈگری دار سائل

بنام

مسماۃ دھرماں کنور مدیون ڈگری فریق ثانی

بنام مسماۃ دھرماں کنور زوجہ آدت ... ساکن محلہ ... شہر بنارس فریق ثانی

ہرگاہ مدعی ڈگری دار مذکور الصدر نے درخواست صدور حکم قطعی واسطے نیلام جائداد مرہونہ و مکفولہ ڈگری نمبری ۲۶ سنہ ۱۹۳۳ء جو کہ بتاریخ ۳ ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۳ء عدالت ہذا سے صادر ہوئی تھی بمطالبہ مبلغ ... گزرانی ہے لہٰذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر تم کو کوئی عذر نسبت صادر ہونے حکم قطعی نیلام جائداد مذکورہ کے ہو تو اس عدالت میں بتاریخ ۴ ماہ دسمبر سنہ ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن کے اصالتاً یا وکالتاً یا بذریعہ مختار مجاز حاضر ہو کر پیش کرو۔

آج بتاریخ ۱۰ ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

پھر فرماتے ہیں "آنسوؤں کے دریا میں نہانا"

آنسوؤں سے منھ دھونا" حالانکہ سارے فقرے کا مطلب ہے "رونا"

حامی زمزم اللغات صاحب فرماتے ہیں "آنکھ اونچی نہ ہونا۔ نگاہ نہ اُٹھنا مفت ہے۔ مصحفی ؎

لے سحاب تو ہو مجاہے نقاہت سے یہ حال
آنکھ اونچی ہو نہیں سکتی ترے بیمار سے "

نہ ہونا اور نہ ہو سکنا کا فرق بھلا ہمارے حامی صاحب کی آنکھ میں کیوں کھٹکتا۔ مثال دیتے ہیں نہ ہو سکنے کی اور لکھتے ہیں تحت میں "نہ ہونا" کے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے " اب اس جگہ آنکھ اُٹھ نہیں سکتی کہتے ہیں " شاید اس کا یہ مطلب ہے کہ "آنکھ اونچی نہیں ہو سکتی" متروک ہے۔

سچ ہے میاں حامی سچ ہے۔ اب کوئی "آنکھ اونچی نہیں ہو سکتی" نہیں بولتا۔ لکھنؤ کے ناواقف شاعر بولتے ہوں تو اُس کی سند نہیں۔

(باقی آیندہ)

خاکسار ادبار اللغات

یہاں پر ہم بھی قائل ہیں

مولانا پنچ! باوجود آپ کی سرزنش کے رام پور کی نواب زادی کا فتنہ فرو نہ ہوا۔ حالانکہ بہت سے اخباری کارندوں نے لہجہ نرم کر دیا اور پرائے گھر کی بات میں اپنی ذاتی مداخلت یا پھٹے میں پاؤں دینے کے نام سے اجتناب فرمایا۔ لیکن یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں کیا معنے کہ ریاست رام پور خود اس فتنے کا منھ بند کرنے پر آمادہ نہیں۔ آپ جانیے خواجۂ عادل کے منھ میں بات پڑے اور ڈھنڈورا نہ پٹے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں۔ بھلا خواجہ کے پیٹ میں کبھی بانی پچا ہے؟۔ اس کے علاوہ بڑھاپے میں ایسے لذت آمیز اشغلے ذکر لعیش نصف العیش ہیں۔ خدا بخشے اُن بی عرب کو جن کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے ؎

مجوز اشتوت عنزا وجدیا
لتنظر لذۃ المتناکحین

وہ قیامت کی بڑھیا جس نے بڑھاپے میں بکری اور بکرے کا جوڑا اس غرض سے مول لیا کہ دونوں کی مزے داریوں کا تماشا دیکھا کرے) اور اُن بی خیرالی کی ہڈیاں بھی جنت میں رہیں جو خواہ مخواہ کی ایک بھی بنی گلی کے کنارے بیٹھی رہتی تھیں۔ ادھر کوئی جوان اُدھر سے نکلا اور گڑگڑانے لگیں " اے میاں اپنی جوانی کا سکھ دیکھو میں بڑھیا اپاہج ہوں ذرا اس کنارے سے اُس کنارے تک مجھے پہونچا دو۔ الٰہی ایک ایک روئیں میں ہزار ہزار دم " جوان کی گود کی گرمی ٹل میں پہونچی اور سسکاری بھر کے بولیں " ہا۔ ہے چھیلا اے میاں کبھی ہم بھی جوان تھے "

منلق آرا بیگم پہلے ہی تاڑ گئی تھیں کہ ریاست رام پور کے اناڑی کارندوں نے یہ معاملہ خواجۂ عادل کے ہاتھ میں دے کے بڑی غلطی کی۔ جس کا اثر اب ظاہر ہو رہا ہے۔ (بحوالۂ آزاد لاہور۔ وبندے ماترم و زمیندار لاہور) سنا جاتا ہے کہ خواجہ کے دفتر سے چند کاغذ چوری گئے۔ اس چوری کے سلسلے میں پرنسپل انڈیا اور "ریاست دہلی" کے دفتروں کی تلاشی ہوئی۔ غالبًا یہ تلاشی اُن دو تحریروں کے چھپ جانے پر مبنی ہے جن کی ہو بہو نقل دہلی کے ریاست میں چھپ گئی۔ ریاست دہلی مدعی ہے کہ ایک ان میں سے پبلسٹی آفیسر رام پور کی ہے اور دوسری ریونیو منسٹر صاحب کی۔ یہ بات کچہری میں طے ہونے کے قابل ہے کہ کاغذ کس نے چرائے اور ریاست کے ہاتھ کیونکر لگے۔ لیکن اگر یہ تلاشی انھیں خطوط کے چھپ جانے پر ہوئی ہے تو کچھ مفید مطلب نہیں۔ یعنی اصل معاملے کے متعلق نواب صاحب رام پور کی سیاسی سخاوت اور خواجہ صاحب کی خدمت بے کمائے میں چلی گئی۔ غور کرنے کی بات ہے۔ اگر یہ خط اصلی ہیں اور انھیں کے سرقے کی علت میں تلاشی ہوئی تو صاف ثابت ہو جائے گا کہ رام پور کی دولت سے "عادل" جاری ہوا۔ رام پور کے سرکاری ذمہ دار حاکموں کے اشارے اور مشورے پر مضامین لکھے جاتے ہیں " خواجہ صاحب اجیر ہیں شہزادی بیگم کے بدنام کرنے کی خدمت بہ اُجرت سرانجام دیتے ہیں۔ اگر یہ تحریریں اصلی نہ ہوتیں تو اُن کی اصلیت سے انکار کیا جاتا۔ ان کی صحت سے انکار نہ تو اُن لوگوں نے کیا جن کی طرف یہ تحریریں منسوب ہیں نہ خواجہ صاحب نے۔ اگر یہ تحریریں اصلی ہیں وہ چوری ہی کی سہی اور ان کے انکشاف و اشاعت کے بعد جو دنیا نے از راہ فراست اعلیٰ حضرت رام پور کو شہزادی بیگم کا دشمن حقیقی سمجھا تو بالکل بجا سمجھا۔ اب تو ان کے اصلی ہونے سے انکار دشوار ہے اس لیے کمال سرقہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ اور فرضی تحریروں کو بطور ایک دستاویز کے دفتر عادل کے خزانے میں جگہ کیوں دی گئی۔ پبلسٹی آفیسر صاحب اور ریونیو منسٹر صاحب کہیں کہ صاحب یہ تحریریں ہماری نہیں۔ خواجہ صاحب فرمائیں کہ "تلک بضاعتنا سرقت من عندنا" یہ ہمارا مال ہے ہمارے دفتر سے چوری ہوا۔ بھلا کون سی منطق ان مختلف دو بیانوں میں توافق کی راہ نکال سکے گی۔ اگر یہ مان لیا گیا کہ نہیں صاحب کاتب اصلی ہے اور مکتوب الیہ کا دعوے صحیح تو ہم اسی طرح "یہاں پر ہم بھی قائل ہیں" کہنا پڑے گا جس طرح ایک نواب صاحب کو کہنا پڑا تھا اور "پروپگنڈے صاحب" پرانی دیوار کی طرح پھس پھسا کے بیٹھ جائیں گے۔

حکایت ہے کہ ایک نواب صاحب اپنی لونڈی پر عاشق تھے۔ بیگم صاحب ہمیشہ سرزنش کرتی رہتیں مگر الزام کی دلیل بجز فراست کے اور کچھ نہ تھی لہذا نواب صاحب کے اتنا کہہ دینے پر خون کے گھونٹ پی کے چپ ہو رہتیں " تمھارے سر کی قسم بیگم یہ جھوٹ ہے بیگم تمھاری جان کی قسم یہ کس نے لگائی بجھائی کی ہے بھلا تم اپنی پیاری صورت آئینے میں دیکھو اور اس مردار کی صورت سے مقابلہ کرو۔ کہاں پری اور کہاں چڑیل۔ لاحول ولا قوۃ کمبخت کے ڈیل سے پیاز لہسن کی بو آتی ہے مہینوں دانت نہیں مانجتی۔ جوئیں لٹوں سے ٹپک رہی ہیں۔ لیکھوں کا یہ عالم گویا بال بال گج موتی پروئے ہیں۔ تمباکو کی بو بھبک بھبک منھ سے آ رہی ہے۔ کمبخت بد سلیقہ ملگجی گندی چھچھوندر"

اس معقول نکتہ چینی پہ بات آئی گئی ہو جاتی۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ بیگم صاحب نے جو لونڈی کو ٹیکا راتو دیکھتی کیا ہیں میاں کا گھٹنا پھٹا جاتا ہے اور میاں لونڈی کا گھٹنا ڈاٹ رہے ہیں۔ غالباً ازمیرے میں ازار بدل گئی۔ بیگم نے سر سے پاؤں تک لونڈی کی بوکھلاہٹ کا جائزہ لیا پھر نگاہ نیچی کر کے پاؤں کے نچلے دھاگے پر نظر ڈالی۔ دونوں کی سانس پھولی ہوئی دونوں کے چہرے پھیکے اڑتے ہوئے۔ میاں سے کہنے لگیں۔ کیوں جی تم تو کہتے تھے مجھ سے اور اس مردار سے کچھ واسطہ نہیں۔ نواب نے فرمایا۔ "تو کیا میں نے جھوٹ کہا تھا" لونڈی بولی "غلام بیگم صاحب نواب صاحب میرے باپ کی جگہوں (جگہ) ہیں" بیگم صاحب مسکرائیں۔ درج دہن کلام کے آبدار موتی یوں نکالے کہ "اچھا تم مجھ کو لکھنؤ کے اخباری کاغذ سمجھو مگر لونڈی کا پاجامہ تمھاری ٹانگوں میں کیونکر پہونچ گیا"

اہتمام سرسری اطلاعنامہ بنام دائنان

(دفعہ ۴ ایکٹ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء)

بعدالت جناب منشی ہالی میرزا بیگ صاحب بہادر جج خفیفہ لکھنؤ

درخواست دیوالیہ نمبر ۱۲ سنہ ۱۹۳۳ء

بغرض قرار دیئے جانے دیوالیہ مسمی بدری پرشاد ولد پنڈت رام چرن قوم برہمن ساکن پیر دفتی خندق شہر لکھنؤ

بنام

جملہ قرضخواہان

اطلاع دی جاتی ہے کہ بتاریخ ۱۶ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء مدیون مذکور الصدر نے ایک قطعہ درخواست اس عدالت میں بدین غرض پیش کی ہے کہ وہ دیوالیہ قرار دیا جاوے اور یہ کہ بتاریخ ۱۰ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء عدالت ہذا نے اس امر کا اطمینان کر کے کہ مدیون کی جائداد غالباً مبلغ پانچ سو روپیہ سے زائد نہ ہوگی ہدایت کی جاتی ہے کہ مدیون کی جائداد کا اہتمام سرسری طریقہ پر کیا جاوے اور تاریخ ۷ ماہ دسمبر سنہ ۱۹۳۳ء بنا بر مزید سماعت درخواست و اظہار مدیون مذکور مقرر کی ہے۔ اس امر کی بھی اطلاع دی جاتی ہے کہ عدالت تاریخ مذکور الصدر پر تصفیہ و تقسیم جائداد مدیون مذکور کی فوراً کارروائی شروع کر سکتی ہے۔ تم کو اختیار ہے کہ تم حاضر ہو کر اس تاریخ پر ثبوت دو۔ ثبوت کسی قرضہ کا جو تم کرنا چاہو تاریخ مذکور پر یا اس کے قبل داخل عدالت کرنا لازمی ہوگا۔

میرے دستخط اور مہر عدالت سے آج بتاریخ ۱۰ ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

وقت حاضری عدالت ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

ار سے چوری کھل گئی۔۔۔۔ نواب نے دانتوں تلے انگلی دبائی۔ گردن جھکائی۔ بات بنائی عجب سنائی۔ "واللہ یہاں پر تو ہم بھی قائل ہیں۔ یہی تعجب ہے کہ کہاں اس چڑیل کی سوکھی سہمی ازار اور کہاں میرا موٹا تازہ ڈیل۔۔۔۔۔۔"

اس وقت اس تلاشی کی بدولت فی الحقیقت خواجہ کی تہمد زیر مال اور پیلیٹی آفیسر کی ٹانگوں میں دکھائی دیتی ہے اور ان دونوں کا گھٹنا خواجہ صاحب کی عارفانہ تہمد کے نیچے بچوں کی طرح "تا" کر رہا ہے۔ دیکھیے "یہاں پر ہم بھی قائل ہیں" کہنے کی نوبت کب آتی ہے۔

یہ چھیڑ چھاڑ جو آجکل رامپوری معاملات کے متعلق بج رہی ہے اسی طرح وہم پڑ سکتی ہے جس طرح "یہ میری بیوی کا بیاہ ہے" کہنے والے عرب میاں مزید کی کارروائی۔ امام ابن قیم جوزی شیخ المشائخ حافظ شمس الدین محمد بن ابی بکر الزرعی الدمشقی الحنبلی نے اپنی کتاب "اخبار النساء" میں مدائنی سے ایک حکایت نقل کی ہے کہ مزید ہر سال موسم حج میں دیگر حاجیوں سے تین دن پہلے روانہ ہو جاتے اور بعد حج سے فارغ ہونے کے تین دن کے اندر مدینہ پہونچ جاتے۔ ایک مرتبہ مدینے کی طرف پلٹنے میں چند روز کی دیر ہو گئی۔ اب سنیے کہ میاں مزید کی جورو صاحب کسی اُدن فروش سے اٹکی ہوئی تھیں خلاف معمول مزید کی معاودت میں تاخیر جو ہوئی تو سمجھیں کہ میاں اب ایسی جگہ پہونچ گئے ہیں جہاں سے تاقیامت پلٹ نہیں سکتے۔ لہذا پشمینہ بیوپار گھونگروالی زلفوں کا سودا کر لینا چاہیے۔ میاں صواف بے کھٹکے پڑا ے گھر میں بیٹھے محبت کی بھیڑ کی اون کات رہے تھے کہ مزید مدینے میں وارد ہوا حسب معمول پہلے حاکم کو حج کی خبر دی پھر مکان کے چوکھٹ تک آیا۔ روزن دیوار سے جھانک کے جو دیکھا تو واہ واہ کھلی اور در و دیوار دونوں لٹکے ذات ہیں۔ چپکے سے پیچھے ہٹا اور شہر کے زنانوں سے کہا یارو میرے بخیریت واپس آنے کی بدھائی میں چل کے شادیانے تو بجا دو۔ مخنث ڈھولکی کھنجری لیکے

مزید کے گھر پر مبارکباد گانے لگے "آئی مخنث مبارک سلامت باشد" محلے والے پڑوسن کے دوڑے "ارے میاں کیا ہے؟" کہا کچھ نہیں۔ خاکسار کی بی بی کا بیاہ ہے" لوگ ہنستے ہوئے چلے گئے۔ بھیڑ پھینٹی تو غریب پشمینہ ساز نے دروازے کے سوراخ میں منہ لگا کے آہستگی سے مزید کو آواز دی۔ دونوں میں یوں باتیں ہوئیں۔

صواف: "اے ابو اسحاق (مزید) خدا کے لیے مجھے رسوائی سے بچاؤ"

مزید: "تو بھائی کچھ دلواؤ"

صواف: "جو مانگو سو پاؤ"

مزید: "مہر اور نفقے کی رقم گھر سے منگواؤ۔ بندہ طلاق دیتا ہے اس آوارہ کو یہاں سے لے جاؤ۔ چاہے باندی بناؤ چاہے جورو بناؤ"

صواف: "بھلا نفقے اور مہر کا شمار؟"

مزید: "کرائی پچاس دینار"

میاں صواف نے اپنے ایجنٹ کے نام پچاس دینار کا رقعہ لکھ کے حوالے کیا۔ انھوں نے مال مجید ملکہ قدرے مزید میاں کی میں باندھا۔ گھر میں آئے۔ ہیجڑوں سے کہا "کمبخت کیا بے سُر اراگ گا رہے ہو یہاں سے جاؤ۔ میاں نے تو دل لگی کی تھی" جب زنانے متفرق ہو گئے تو میاں صواف منہ پر کملی لپیٹ کے گھر سے نکلے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر میاں مزید خانہ نشین ہوئے۔

خواجہ صوفی صواف سے رام پور کی ریاست کو کچھ ملنا ملاتا تو ہے نہیں۔ وہ نور سوا کرنے کا انعام اُلٹا حاصل کر چکے ہیں لیکن اب ان کو مزید فضیحت سے چھٹکارا اسی طرح مل سکتا ہے کہ ریاست رام پور کے غلط کار شیر وہ بھیجیں۔ اور ان مخنثوں کو جو چھیڑ چھاڑ بجا رہے ہیں اپنے دل لگی باز ہونے کا یقین دلا دیں "جاؤ کمبخت کیا بے سُر اراگ الاپ رہے ہو۔ ہم نے تو دل لگی کی تھی"۔

یاد رہے کہ شہزادی بیگم کی وقعت کا بہت بڑا سبب وہ رشتہ ہے جو ان کو نواب صاحب رامپور سے ہے اور افسانے کے دستور کے بموجب نواب صاحب کا خاندانی وقار بھی گھڑی تک دلوں میں دنگا ہوں میں ہے یا نہیں ہے)

سمن بغرض ادا۔۔۔
(آرڈر ۵
نمبر مقدمہ ۹۵
بعدالت جناب۔۔۔
بہادر منصفی باغ۔۔۔
متالال ولد۔۔۔
نیاز ساکن پاندہ۔۔۔
بنام رام۔۔۔
ٹھاکر ساکن۔۔۔
بدوسا ضلع۔۔۔
ہرگاہ مدعی۔۔۔
ما اُوپر معروضہ۔۔۔
ہے کہ آپ بتاریخ۔۔۔
دقت ۱۰ بجے۔۔۔
وکیل کے جو۔۔۔
قرار واقعی واقف۔۔۔
کل امور اہم۔۔۔
دے سکے یا جس۔۔۔
شخص نوکر جو۔۔۔
دے سکے حاضر۔۔۔
کی کریں اور۔۔۔
کا اعتبار کر۔۔۔
قطعی مقدمہ۔۔۔
آپ کو لازم ہے۔۔۔
جن کی شہادت۔۔۔
کو جن پر آ۔۔۔
میں استدلال۔۔۔
کریں آپ کو۔۔۔
بروز مذکور۔۔۔
تو مقدمہ۔۔۔
اور فیصلہ۔۔۔
بثبت میرے۔۔۔
کی آج بتاریخ۔۔۔
جاری۔۔۔
دستخط

مسئلہ جرِ ثقیل

"چاروں طرف مساوی جاذبیت ہو تو جرِ ثقیل معلق ہے"

کانگرسی پارٹیاں:- "زور لگانا بھائی...... ہاں بھائی۔ ہے یا...... بھلا بہادر۔ ہے یا..... اوں اوں ہے یا۔"

خوشامدی:- "صدقے اس قدم کے۔"

پنچ:- "بھائی تو ہی اچھا رہا۔ انھیں کو کھنچنے دے۔"

قائم رہنا چاہیے جب تک کہ اُن کی رشتہ داریاں قیود شرعیہ سے آراستہ ہیں۔ لیکن یہ عزت و وقار نادان دوستوں کی رائے پر زر و مال صرف کرکے اپنے ہاتھوں زائل کیا جا رہا ہے۔ علمائے اخلاق نے عقل خواہش اور غصے کے امتزاج سے (ان تینوں کو آپس میں ضرب دے کے) نو قسمیں نکالی ہیں جن میں سے ایک کا نام غضب غضبی ہے یعنی وہ غصہ جو خالص غصے نے بغیر شرکت عقل و خواہش پیدا کیا ہو۔ مثلاً کوئی شخص کسی کی جورو سے زنا کرکے اپنی ذات کو گنہگار بنالے تو اس عورت کا شوہر بھی اس زانی کی جورو سے زنا کر بیٹھے اور اسی بلا کا مستحق بن جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس معاملے میں غضب غضبی کارفرما ہے۔ جن لوگوں سے کام لیا جا رہا ہے وہ بھی اتنے ہوشیار و محتاط نہیں جتنا کہ انھیں ہونا چاہیے۔ پبلسٹی آفیسر صاحب نے دلشر طیکہ تحریر مطبوعہ ریاست صحیح ہو اپنے نزدیک "شش" لکھ کے رموز فن "جفر" یا تکسیر الحروف حل کر دیے تھے لیکن وزیر مالیہ صاحب نے یقیناً کمال ہوشیاری (بشرط صحت تحریر مطبوعہ ریاست) تمام اسرار کھول کے دکھا دیے بلکہ خواجہ صاحب کے لیے پروگرام تیار کر دیا ہے۔ خواجہ صاحب تو وہ ایسے محتاط ہیں کہ اُن سے ان فرمانوں کی حفاظت بھی نہ ہوسکی۔

خواجہ صاحب کی یہ تدبیر کسی قدر کارگر ہوئی کہ اُنھوں نے اسلام کا نام لے کے مذہب کو جناب سے زیادہ نازک سمجھنے والے اخبار نویسوں کو ریاست دہلی کے خلاف مشتعل کیا مگر اس سے کچھ بھی نہ ہوگا۔ یعنی ریاست دہلی بے دین سہی مسلمانوں کا دشمن سہی۔ دل آزار سہی۔ رشوت خوا

سہی۔ پھر آپ کو کیا۔ آپ خود اپنے دامن کو آلودگی سے پاک دکھائیے "عادل" کیوں جاری ہوا کس نے جاری کرایا اور کیا خدمت انجام دیتا ہے اور وہ خدمت قومی ہے یا دینی یا اخلاقی؟۔ .... کچھ نہیں .... بس یہاں پہ ہم بھی قائل ہیں۔ (باقی آئندہ)

احسان

ورزش برائے بزم رقص

"میدان صاف ہے۔ کودے جاؤ ناچے جاؤ۔ سال آئندہ مردانی ٹوپی انعام ہے"

مولانا پنچ کی نوٹ بک

نوادر

ہمارے محترم کرم فرما جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے کبھی بے کار نہیں رہتے حال ہی میں اُنھوں نے ایک ضخیم مجموعہ حکایات بطرز کتاب الاذکیا (مصنفہ امام ابی الفرج ابن جوزی) اُردو میں تمام و کمال شائع کیا ہے۔ کتاب کی چھپائی قریب ختم تھی کہ ہم سے اس کا مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی مگر یہ بھی کہہ دیا کہ حضرت قلم کو روکے ہوئے۔ اب صرف سات آٹھ صفحوں کی گنجائش ہے اگر مضمون باعتبار کمیت بڑھ گیا تو کیفیت کی خوبی کا لحاظ کیے بغیر بیچ ہی ہزار نعمت کھائی کہہ کے واپس کر دیا جائے گا۔ موضوع بحث وسیع اور جگہ تنگ لہٰذا ہم کو گفتگو کی لنگوٹی پر قناعت کرکے سات صفحوں کا مضمون ڈرتے ڈرتے نہیں سطریں ناپ ناپ کے لکھا۔ خدا ہی جانے کہ مقصود ادا ہوا یا نہیں۔ اپنے نزدیک جہاں تک درد نیم سر نے اجازت دی ہم نے صرف تعمیل حکم کی ہے۔

یہ ۲۶۲ صفحہ کی کتاب ہے۔ لطائف کی ترتیب طبقات و اصناف رجال کے اعتبار سے ہے۔ کتاب مرتب اور کاپی تحریر ہو چکی اُس وقت فاضل مؤلف نے ہمیں اطلاع دی ورنہ ہمارے پاس اس قسم کے لطائف کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جس کا تھوڑا سا حصہ بھی ترجمہ ہو کے شائع نہیں ہوا۔ خود اودھ پنچ کی اٹھارہ انیس جلدوں میں ہزاروں غیر مشہور لطائف موجود ہیں جو ادبی خوبیوں سے آراستہ ہیں۔ اور زمانہ حال کے جرائد و مجلات سے ماخوذ نہیں۔ پھر بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُردو میں اس طرز کی کوئی کتاب موجود نہیں فاضل مؤلف نے کافی محنت کی ہے اور یقیناً اتنی محنت کا شجر بار ور ہو کے شیریں ثمر سے لوگوں کو مستفید کرے گا۔ ان کی یہ دعوت کہ میجناب والا اگر آپ بھی ایک حریف ظریف ہشاش بشاش آدمی ہونا چاہتے ہیں تو کتاب نوادر کے لطیفوں سے فائدہ اُٹھائیے" ہر طرح قبول کے قابل ہے۔ لکھائی چھپائی صاف۔ کاغذ سفید ہے۔ اور قیمت عمر کچھ زیادہ نہیں مصنف سے بہ نشان عبدالعزیز روڈ لکھنؤ مل سکتی ہے۔

اُلٹوانسی

"نقصان کے بعد زیادت"

جب دنیا میں مہلک ہتیاروں کی بھرمار ہوئی تو ہر طرف سے جنگی ہتیاروں کی تخفیف کی پکار ہوئی۔ دھوم ہوئی تو دوڑ میں دوڑے۔ یہاں نہیں وہاں چل کے مشورہ کرو۔ یورپ کی ہر ایک طاقت نے ضعف پر اس طرح رضامندی ظاہر کی کہ گویا اس تجویز کا زمانہ دراز سے انتظار تھا۔ غیر معتدل مزاج نوجوان اپنی جوانی غیر معتدل طریقے سے جلد زائل کر دیتے ہیں۔ طاقت صرف بے محل آخر انھیں حکیمان اعضائے مخفیہ کی دہلیز پچھوڑنا پڑی۔ یورپ کی طاقتیں جوانی روانی کے پھیر میں پھنس جنگ عظیم کے بعد جب خرخشہ کی استعداد ہی نہ رہی تو مصلّے پر بیٹھ کے اس دعا کے قبول ہونے کی دعا مانگنے لگیں۔ اگر جنگ عظیم کے مزلزل طاقت ہونے کے وقت یہ تجویز پیش ہو جاتی تو شاید کچھ اثر ہوتا۔ ہوشیار قومیں نقصان کے بعد زیادہ ہوشیار ہو جاتی اور تحلیل شدہ قوت کو واپس لانے میں سرگرمی صرف کرنے لگتی ہیں۔ چنانچہ نتیجہ تجویز تخفیف اسلحہ کا اس وقت یہ نکلا کہ ہر مستقل حکومت بہ نسبت ۱۹۱۴ء کے کہیں زیادہ سامان جنگ کی مالک ہے یعنی قاتلانہ ہتیاروں کی ایجاد خوب ترقی پر ہے۔ جب قتل کے سامان کے ساتھ قاتلانہ جدوجہد کو ترقی ہوئی تو یہ فلسفہ بلند ہوا کہ دنیا کی آبادی بڑھانے والی مشین بھی معطل کر دو تاکہ قاتلوں کو قابل قتل افراد ہی نہ ملیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ تجویز بھی فطرت کو نہ بھائی چند سال اُدھر ایک سے زیادہ بچہ جننے والی عورتوں کی بہت کمی تھی۔ شاذ و نادر اخباری کاغذوں میں توأم ولادت کی خبر نظر آتی تھی اور اب کوئی ہفتہ ایسا خالی نہیں جاتا جس میں یہ خبر نہ سنی جائے کہ فلاں عورت نے ایک ہی جھول میں تین چار پانچ اور حال کی خبر ہے کہ سات بچے جن دیے۔ بقول بزانفیبن کے "یہ پچیس کروڑ عورت ہے جو ہمارے بچی رہے گی" لامحالہ شادیاں بھی ہوں گی بیاہ بھی ہوں گے اور دو کے ملاپ سے تیسرا بھی ضرور آشکار ہوگا۔ مان لیجیے کہ ایک عورت نے عمر بھر میں صرف دو ہی مرتبہ پیٹ رکھوسنے کا گناہ کیا اور ہر مرتبہ ایک کی جگہ سات جن دیے تو بتائیے دنیا تنگ ہو جائے گی یا نہیں۔

الغرض ہر قسم کے ہتیار اس وقت صدم صدا پر آمادہ ہیں کوئی تخفیف کی تجویز ایسی نہیں جس کا نتیجہ زیادت نہ ہو۔ واہ ری الٹوانسی۔
تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ۔

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قواعد ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۷۳

بعدالت جناب سید جعفر صاحب آنریری اسسٹنٹ کلکٹر درجہ اول بمقام کھیم پور ضلع کھیری

راجہ یوراجدت سنگھ صاحب تعلقدار ریاست اہلسا کیوہ ساکن راجہ پور پرگنہ و ضلع کھیری مدعی

بنام

اکبر خان مدعا علیہ

بنام اکبر خان ولد منڈی خاں قوم پٹھان ساکن موضع کھریا پرگنہ و تحصیل پوایاں ضلع شاہجہانپور کاشتکار موضع رام پور داری پرگنہ اور سیا تحصیل سھری ضلع کھیری مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت بیدخلی دفعہ ۶۱ کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۹ ماہ دسمبر ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے بمقام کھیم پور اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوے کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم بتائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔
بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۴ ماہ نومبر ۱۹۳۳ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۱۴ بابت ۱۹۳۳ء

بعدالت منصفی صفی پور مقام و ضلع اناؤ

چودھری اشفاق رسول عمر تخمیناً ۴۰ سال ولد چودھری خادم رسول قوم شیخ پیشہ زمینداری ساکن قصبہ صفی پور ضلع اناؤ مدعی

بنام

تھا عمر تخمیناً ۴۰ سال ولد نشو، مدار عمر تخمیناً ۴۰ سال ولد رکھی، دینی عمر تخمیناً ۴۰ سال ولد سبلا — اقوام اہیر ساکنان بھکھاری پور پرگنہ بانگرمؤ ضلع اناؤ مدعا علیہم

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۹ ماہ نومبر ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوے مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جوابدعوے کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔
مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔
آج بتاریخ ۲۴ ماہ نومبر ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔
وقت حاضری بدفتر منصفی صفی پور ضلع اناؤ ۱۰ بجے سے چار بجے تک

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۷۹ ۲، ۱۹۳۳ء

بعدالت جناب بابو شیو گوپال صاحب بہادر سکنڈ ایڈیشنل جج خفیفہ لکھنؤ

باسدیو گپتا پروپرائٹر دی گپتا اسٹورس لاٹوش روڈ لکھنؤ مدعی

بنام

بابو جانکی پرشاد مدعا علیہ

بنام بابو جانکی پرشاد ولد نامعلوم قوم کایستھ حال کرشچین ہاؤس نمبر ۲ اسوتند ماری بازار لکھنؤ

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت ... کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۴ ماہ دسمبر ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوے مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوے کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔
مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔
آج بتاریخ ۱۰ ماہ نومبر ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

وقت حاضری بدفتر ۱۰ بجے سے چار بجے تک
دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

REGISTERED No. A. 70

ظریف ہفتہ وار

مشہور با تصویر

LUCKNOW

OUDH PUNCH

اودھ پنچ لکھنؤ

دس روپیہ

قیمت فی پرچہ دو آنہ

M. D. KHAN ARTIST LUCKNOW

قواعد و ضوابط اودھ پنچ

(۱) بفضل خدائے عزوجل ہر مہینہ کی ۵-۱۲-۱۹-۲۶ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) اودھ پنچ میں عرصہ کی نہیں بلکہ مذہبی جھگڑے اور بے تہذیب مضامین نہیں ہوتے یہ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز رہتا ہے۔

(۳) قیمت کی زیادتی پر نظر نہ کیجیے۔ بلکہ کمی پر نظر رکھیے۔ اور یہ سمجھیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلا افادات کی جدت رائے کی اصابت بے رو رعایت کہنی صحیح نتائج واقعات و نیاوی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائینگے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

(۴) اجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ پیشگی لی جاتی ہے۔

(۵) بکم ایہ شاگردان مدارس سے بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر سالانہ قیمت صرف للعہ لی جائے گی۔

(۶) پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۵ دن کے اندر دیجیے ورنہ بعد میں ممکن ہے کہ نہ مہیا کیا جا سکے۔

(۷) جو مضامین اودھ پنچ کی صلح پالیسی کے مطابق نہ ہونگے وہ شائع نہ ہونگے اور ان کی واپسی پر ہم مجبور نہیں ہیں۔

(۸) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص ان میں نہ ہو۔

نوٹ:- جو حضرات خریدار ہیں انھیں خطوط اور منی آرڈروں میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ ان کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جواب طلب امور کے لیے کارڈ یا لفافہ آنا لازمی ہے۔

احمد حسین ہاروی منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

شرائط ایجنسی اودھ پنچ

(۱)۔ روپیہ نقد جمع کرنا ہوگا۔

(۲)۔ رقم جمع شدہ کے ادا ہوتے تک پرچوں کی روانگی موقوف رکھی جائیگی

(۳)۔ پانچ پرچوں سے کم کی ایجنسی قبول نہ کی جائیگی۔

(۴) بحساب ۲ آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائیگا۔

کسی حالت میں بھی پرانے پرچے واپس نہ لیے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۸ نمبر ۴۳

مضامین

(مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۳۳ء)

غزل

(از حضرت فرزانہ شاعر یگانہ احمق پھپھوندوی)

تو ہم وفا پہ قتل کیا جا رہا ہوں میں
جو کچھ کیا تھا اُس کی سزا پا رہا ہوں میں

لیڈر ہے نام نکبت و افلاس کا ہوں جن
مدت سے اپنی قوم کے سر آ رہا ہوں میں

اُلجھا ہوا ہوں کشمکش بیم دوستی میں
دل کے معاملات کو سلجھا رہا ہوں میں

تیغ جفائے یار پہ سر کیوں نہ رکھ دیا
یہ شرم ہے کہ جس سے کٹا جا رہا ہوں میں

ہے بسکہ دل میں قوم کی فاقہ کشی کا غم
ہوٹل میں تو سہ کیک ٹھن کھا رہا ہوں میں

کرتا ہوں بزم وعظ میں دوزخ کا ذکر یوں
گویا ابھی وہیں سے چلا آ رہا ہوں میں

اللہ ری کشش کہ سنبھلنے کے باوجود
بے ساختہ ادھر کو کھنچا جا رہا ہوں میں

دامن چھڑا کے بھاگ گیا تو تو کیا ہوا
شب بھر ترے خیال سے لپٹا رہا ہوں میں

جب یہ سمجھ رہا ہوں کہ ہے تو فریب کار
پھر اس ترے فریب میں کیوں آ رہا ہوں میں

اتنا تو جانتا ہوں لیے جا رہا ہے دل
اتنی خبر نہیں کہ کہاں جا رہا ہوں میں

احمق عبث ہے مجھ کو حماقت پہ اپنی رنج
کیوں دل اُسے دیا تھا کہ پچھتا رہا ہوں میں

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۲)

آنکھوں کی بحث مد نظر سے بھی زیادہ وسیع کر دینے کی مصلحت ہمیں معلوم نہیں جن الفاظ کی شرح ممکن ہی نہیں وہ بھی اس مجموعہ لغات میں موجود ہیں جب اُن کی تفصیل یا تفہیم اردو الفاظ کے ذریعہ سے غیر ممکن نظر آئی تو ہمارے حامی زمزم اللغات نے عربی فارسی الفاظ ٹھونس دیے کہ مجتہد اسکو سمجھ گئے ہیں مثلاً:۔
آنکھوں کی پتلی۔ مردمک چشم۔ آنکھوں کی بینائی۔ بصارت آنکھوں کی تری۔ آنکھوں کی نمی وغیرہ۔

عموماً دستور اہل لغت کا یہ ہے کہ مشہور لفظ کی تفصیل سے عمداً احتراز کرتے ہیں اس سبب سے کہ جو شخص جاہل مطلق ہو اس کی سمجھ میں مجمل مطلق آ ہی نہیں سکتا۔ کتاب لغت اسی شخص کے واسطے مفید ہو سکتی ہے جو فی الجملہ واقفیت رکھتا ہو۔

نور اللغات یا جامع اللغات سے مدد لینے والے اگر آنکھ کے معنی سے بھی واقف نہیں تو کوئی بتلائے کہ وہ ان کتابوں سے یا کس کتاب سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ دونوں کتابوں کی زبان اُردو ہے۔ سمجھانے کے لیے (بشرطیکہ سمجھانا ضروری ہو) آنکھوں کی پتلی کی تفصیل اس طرح ہو سکتی تھی "آنکھ کے ڈھیلے کا کالا گھیرا" "آنکھوں کی بینائی" کا ترجمہ صرف ایک لفظ میں ممکن ہے "سوجھ" "آنکھوں کی تری سے مراد سیل" ہے۔ یہ عضو قدرتاً مرطوب پیدا کیا گیا ہے ہر وقت سیلا گیلا رہتا ہے۔ آنکھوں کی تری کے حقیقی معنی تو یہ ہوئے۔ علاوہ بریں مجازی معنی بھی ہیں۔ آنکھوں کی سیل ترجمہ ہے "تر دیدہ" کا جس کے معنے رقیق القلب اور با مروت کے ہیں۔ فارسی کی اصطلاح اس مجاز کے مقابلہ میں "خشک دیدہ" بھی ہے۔ یعنی سوکھی آنکھوں والا جس کی آنکھوں میں سیل نہیں سیل یا تری کے ذکر کی ضرورت ہی نہ تھی ذو تاد بھی۔

الحاصل جہاں تفصیل غیر ممکن ہو یا خود لفظ ہی آسان سے آسان تر ہو وہاں خواہ مخواہ ہندی کی چندی بے معنی ہے۔ اگر کوئی ہندی (جو کسی دوسری زبان سے ناواقف ہو) پوچھے کہ "آنکھ کیا ہے۔ آنکھ کسے کہتے ہیں" تو بذریعہ الفاظ اسے کوئی نہیں سمجھا سکتا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ذرا سی اُنگلی اُٹھائے اور اُس کی آنکھ میں گھسیڑ دے "دیکھ لے یہ ہے آنکھ اور اسے آنکھ کہتے ہیں"۔

لطیفہ:۔ مرحوم نواب مرشد آباد جب لندن تشریف لے گئے اور وہاں زیادہ دنوں تک قیام کا اتفاق ہوا تو انھوں نے مہدی حسین صاحب سوزخوان کو لندن بلا بھیجا تاکہ ایام عزا میں مرثیہ سنیں۔ سوزخوان صاحب کو دیوان ریاست نے جہاز کا ٹکٹ دلوا کے جہاز پر لاد دیا اور ایک انگریزی دان ساتھ کر دیا۔ مگر اتفاق کی بات یہ رہبر یا ترجمان مصر میں کسی سرکاری ضرورت سے اُتر پڑا۔ اور نواب صاحب کو تار کے ذریعہ سے مرثیہ خوانوں کے وقت ورود لندن سے مطلع کر دیا۔ سوزخوان صاحب اپنے بازو سمیت اکیلے رہ گئے۔ تری کا راستہ ختم ہوا۔ یہ دونوں ہکا بکا جہاز سے اُترے ہر ایک سے پوچھنے لگے۔
"اے صاحب اے صاحب۔ اجی او جا نگلو صاحب۔ کہاں ہیں ہمارے حضور اماں بتاؤ۔ یا اللہ عجب وحشی لوگ ہیں بھلے مانس کو نہیں پہچانتے"

صاحب لوگوں نے جو برادر پائجامہ چکن جالی کا روال پنجگوشیا ٹوپی اور دوہرا کھلا انگرکھا دیکھا تو انھوں نے گھیر اُڑالا۔ کم سن چھوکریوں نے تالیاں بجائیں کسی نے ٹوپی کی غرابت ہاتھ میں لے کے جانچنی چاہی۔ ایک نے انگرکھے کی تین کو ٹٹولا۔

جان چڑیا تو چمن میں پھنس گئی۔ ہمارے نوواردوں نے بھی جب دیکھا کہ یہاں ہمارا زبان داں کوئی نہیں تو لگے "ناگفتنی بگوگفتنی" سنانے "اے واہ رے چڑیا کے۔ جواب نہیں دیتا۔ ہم پوچھتے ہیں ہمارے نواب اللہ رکھے کہاں فروکش ہیں"

یہ تو خواب میں پھنسے ہوئے تھے اور نواب صاحب نے اُن کی پیشوائی کے لیے جو شخص مقرر کیا تھا وہ خدا جانے کہاں مر رہا۔ وقت پر نہ پہنچا سوزخوان

کا بہت اہتمام کیا گیا تھا۔ سارے سب کچھ کہا بات
کر ستانا پاس جا کے۔ ارے بھائی ہم لوگ دو دو دن
سے ایک نہیں پیتے۔ یہ تمہارے شہر والوں ہی
کا تماشہ ہوگا۔ یہ تم ہی لیے پلیٹ (پلیپ) ہوئے
یہ تماشا ہو رہا تھا کہ نواب صاحب کا خیرمقدم کیا
ہوا آدمی ان کو لینے گیا جہاں وارد ہوا اس تلاش
بہت آسان تھی۔ سارے شہر میں ہمارے سرنظام
صاحب کے آنے کی دھوم مچ گئی تھی۔ جوق جوق
کھلنڈری لڑکیاں۔ زندہ دل بڑھیاں۔ عشق مرد
کھلی باز لونڈے ہوٹل کے گرد جمع ہو گئے تھے۔
(داستان طویل ہے پھر کبھی)۔

دیکھا آپ نے جاہل مطلق کو اس طرح سمجھاتے ہیں
اس طریقے کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں۔

ہمارے زمزم اللغات صاحب اور ان کے
مقلد خاص جناب جامع اللغات ایک نئے محاورے
کے موجد ہیں۔ جو ہم نے کسی کی زبانی نہیں سنا دیکھا؟
"آنکھوں کے ناخن لو" حاجی زمزم اللغات
صاحب فرماتے ہیں: "(اس محاورے میں ناخن ناخنہ
کا بگاڑا ہوا ہے۔ ناخنہ بیماری ہے جس سے آنکھ میں
ایک قسم کی سفیدی پیدا ہو جاتی ہے اور آخر کو آنکھ
سے بالکل نظر نہیں آتا) دیکھو آنکھوں کی فصدیں کھلواؤ"

انا للہ۔ خدا کی مار اس جاہلانہ ڈھٹائی پر اول
تو آنکھوں کے ناخن لو کوئی شریف نہیں بولتا۔
دوسرے "ناخن" اردو میں مروج نہیں۔ یہاں تو
عموماً "ناخون" بولتے ہیں۔ تیسرے ناخن کا اشتقاق
"ناخنے" سے نرالی تحقیق ہے۔ اور ہم پوچھ سکتے ہیں کہ
"ہوش کے ناخون لو" میں "ناخون" کس ناخنے سے
مشتق ہے؟ کیا ہوش یا عقل میں بھی کوئی "ناخنہ"
ہوتا ہے۔

چوتھے "ناخنہ" کی تشخیص بھی غلط در غلط ساری دنیا
جانتی ہے کہ "ناخنہ" ترجمہ ہے "ظفرہ" کا یہ بیماری آنکھ
کے کوئے سے شروع ہوتی ہے۔ سرخ رنگ کے
زردی مائل بد گوشت کی پتلی سی پرت سیاہ پتلی کی
طرف بڑھنا شروع ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ [illegible]
پر قبضہ کرنے کے بعد [illegible]

یا نشتر اور دستکاری سے کام نہ لیا جائے بینائی جاتی
ہے۔ جب نور اس پرت کی نقاب میں مستور ہو جاتا ہے۔
ناخنہ کی وجہ تسمیہ ترشے ہوئے ناخن سے اس کی
مشابہت ہے۔ اور یہی شکل و صورت سبب
ہوئی ہے ماہ نو کو بالکنایہ "ناخنہ چشم شب" کہنے
کی۔

بہرحال "ناخنہ" کا ماخذ اس محل پر بالکل بے معنی
ہے۔ اگر "آنکھوں کے ناخن" کوئی محاورہ ہوتا تب
بھی اس کے یہ معنی ہرگز نہ ہوتے کہ آنکھوں میں جو
ناخنہ پیدا ہو گیا ہے اسے ناخن گیر سے چھلواؤ۔
دیہاتی ملا یا ان کبھی یا میانجیوں سے پڑھنے کا یہی
نتیجہ ہوتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے حاجی صاحب
اسی قماش کے معنوی شاگرد ہیں جس نے عرفی کا یہ مشہور شعر

اقبال کرم می گزد ارباب ہمم را
ہمت نخورد نیشتر لا و نعم را

شاگرد کو یوں سمجھایا تھا کہ "ہمارے ہمت والوں کا
اکبال کیسر کر زدا کاٹت ہیں۔ جیسے نیز بیسالا نشتر سے
چونکا دیتا ہے" یعنی انھوں نے گزیدن (کاٹنا۔
ڈسنا) کو خاصۂ کرم "(بگون رانے خلاف کیسل)
سمجھ کے "کرم معد لقتین) کو کرم (غلط العام ہے)
کر لیا۔ اور اقبال (قبول کرنا) کو اقبال (مقابل ادبار
خوش بختی)۔

صاحب جامع اللغات نے مرض (ناخنہ) کی
نوعیت بیان نہیں کی مگر حاجی زمزم صاحب کے
دھوکے میں آ گئے۔ یہ نیا محاورہ بھی لکھا اور "ناخنہ"
کا حوالہ بھی دیا۔

(باقی آئندہ)

ادبار اللغات

کہاں سے آئے تھے کہیں سے نہیں کہاں گئے تھے کہیں نہیں

اس ہفتہ میں دو نظمیں آئی ہیں جسے عجیب و غریب کہنے میں
کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے ہیں اس لئے ایک تو سرکار کی

دربار برار کا مسئلہ ہے سنتے ہیں کہ ہمارے وائسرائے
صاحب نے "فلک نما" (حیدرآباد دکن) میں کھڑے
ہو کے ایسی عمدہ آسمانی تقریر فرمائی کہ واہ جی واہ
فرماتے ہیں کہ صوبہ برار نظام حیدرآباد کی ملک میں
ہے مگر گزشتہ ۱۹ء کے معاہدے کے مطابق صوبہ برار
کا انتظام صوبہ متوسط کے ساتھ بالاشتراک ہوتا رہا
ہم اپنی طرف سے ان کے مالکانہ حقوق تسلیم کیے لیتے ہیں
اور نظام اپنی طرف سے اس امر کے لیے تیار ہیں
گے کہ جب مجوزہ قوانین (غالباً جدید) برٹش انڈیا کے
صوبوں میں نافذ کیے جائیں تو وہ (نظام) اپنے
علاقہ برار کو فیڈریشن میں شامل کر دیں۔
صوبہ متوسط اور برار کا انتظام مشترک رہے گا
بلکہ اس صوبہ کا نام "صوبہ متوسط اور برار" رکھا
جائے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم ایسے انتظامی امور
کی تفاصیل اس موقع پر بیان کریں جو نظام کی میل
خواہش کی غرض سے عمل میں لائے جائیں گے بس
یہی کافی ہے کہ برار کا انتظام صوبہ متوسط سے متعلق
رہے گا اور یقین رکھنا چاہیے کہ جو انتظام ہونے
والا ہے وہ یقیناً برار پر برٹش گورنمنٹ کے وفادار
دوست نظام کی تمکنت کی دلیل ہوگا۔
اس تقریر کو سن کے اگر کوئی پرانی منطق کا طالب علم
کٹھ حجتی کی راہ سے پوچھ بیٹھے کہ تحصیل حاصل کی
تعریف کیا ہے تو اسے کوئی حق نہیں یعنی
"کہاں سے آئے تھے کہیں سے نہیں"
دوسرا کھیل پنڈت جواہر لال نہرو نے کلمہ حق کہنے کے
بعد کسی بھائی جی کے آنکھیں دکھانے پر پلٹا کھا کے
دکھایا ہے۔ عام رائے یہ ہے کہ عمر میں چھوٹا ہونا
بھی بہت بڑا عیب ہے۔ پنڈت جی بقامت کہتر
بقیمت بہتر "بہ دانش جوان و باندیشہ پیر" ہونے
کے باوجود رہنے والے ہندوستان ہی کے ہیں
جہاں چھوٹوں کی کوئی منزلت نہیں ہوتی۔ بھلے بھائی
بھائی جی کی ایک ہی گھڑکی نے ساری منطق کرکری
کر دی۔ دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان ایسی بستی
ہے جس میں طرح طرح کے جانور بستے ہوئے
ہیں یہی وہ مقام ہے جس کے ایک گھونسلے میں

بھی ایک صنف کے دو جانور نظر نہیں آتے۔ اس قلمی قدیمی اختلاف کے علاوہ عجم افغانستان عرب اور یورپ کے جانوروں نے تو جنگجوئی کی شان ہی خراب کر دی۔ مذہب کو فساد کی جڑ بنا کے اپنی سینڈ یا گرم کرنے والوں کا تسلط بہت زمانے سے ہے۔ ایسی حالت میں کسی مذہبی سبھا کو برا بھلا کہنا جس کی بنیاد پولٹیکل اغراض کے حصول پہ قائم کی گئی ہو آسان نہ تھا۔

ہمارے پنڈت جی جانے سے مجلس تقلید و تنقید اختلاف افکار کی ماں ہے۔ یکسوئی خاطر نے جو صحیح نتائج اخذ کیے تھے وہ بے ساختہ زبان سے نکل پڑے۔ بھلا "آزادی کا لطف اٹھانے والوں" کے کان یہ کلمے کیونکر برداشت کر سکتے۔ بھائی جی نے بھبکی بتائی۔ ڈاکٹر مونجے تڑتڑائے اور ہمارے پنڈت جی کو سچ کہہ کے پچھتانا پڑا۔ اب پنڈت جی فرماتے ہیں کہ ؎

ستیزہ با چو تو بھائی و مونجے نقش نیست
دہان گزیدم و کردم ز گفتہ استغفار

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مہاسبھا کی سی کئی اسلامی انجمنیں بھی ہیں جن کا مقصد اعلیٰ کلمۂ حق کا اعلان یا مذہب حق کی تبلیغ نہیں بلکہ پلاؤ علیہ السلام ہے۔ اور پلاؤ کا اثر شاذ و نادر ہی منجر بفساد ہونے سے باز رہتا ہے۔ پنڈت جی نے جو کچھ سرزنش مہاسبھا و غیرہ کے خلاف کی تھی وہی سرزنش بوجہ اغراض کی نوعیت متحد ہونے کے ان اسلامی انجمنوں کے خلاف بھی وارد ہے۔ جن مسلمان اخباری کاغذوں نے بعنوان "پنڈت جواہر لال نہرو کا اعلائے کلمۃ الحق" پنڈت جی کے افادات شائع کیے تھے انھوں نے خود اندھیرے میں کھڑے ہو کے اپنی داڑھی بھی ضرور ٹٹولی ہوگی کہ کہیں اس میں بھی تنکا نہ ہو۔ اور وہی اخباری کاغذ عجب نہیں کہ پنڈت جی کے استغفار بے محل پر رشک فرمائیں۔ یعنی

"کہاں گئے تھے کہیں نہیں"

ہماری کانگریس یا تو اب کانگریس رہی نہیں وہ الف لیلہ کے بھنگڑ کا خواب ہو گئی ہے۔ ان "بھنگ نوش" حضرت کا قصہ یوں ہے کہ عنفوان شباب میں خدا نے انھیں بہت کچھ دیا تھا۔ جوانی نے زور جو بھرا تو ساری دولت لٹنے پانی میں اڑا دی بالکل کھکھ ہو گئے۔ تن پر بستر نہ رہا تو بھنگ اور اسکے لوازم کیونکر فراہم کرتے۔ ایک روز اس آرزو میں کہ کہیں سے دو چار پتیاں بھنگ کی مل جاتیں بیٹھے ہوئے تھے جی میں آئی کہ حمام چلو۔ اتفاق سے حمام خالی مل گیا ٹھنڈے پانی کے حوض میں اترے ڈبکی لگائی قضارا ایک ننھی سی پتی بھنگ کی پانی میں تیر رہی تھی سانس کے ساتھ دماغ میں جا گھسی۔ اللہ ری پتی۔ نشے کا طوفان برپا ہو گیا حضرت حوض کی فصیل پر اتنا چت ہو گئے کیا دیکھتے ہیں کہ تمام حمام خدام دلاک بلّان و غلامان زریں کمر سے جگمگانے لگا۔ قسم قسم کے میوے کشتیوں میں لگے ہوئے ہیں تکیے لگے عنبر اشہب و عود خالص کے انگیٹھیوں پر پڑے ہیں۔ گلاب کے قرابے زنگار تسلوں میں انڈیلے جاتے ہیں اور انسی گلاب میں ان کے پاؤں ڈوبے ہوئے ہیں۔ پنکھا نواب ہو رہا ہے۔ کھیسا چل رہا ہے۔ پیچوان لگا ہے۔ کوئی کہتا ہے خداوند ہاتھ بڑھا کے میرے کندھے پر رکھیے تو مشت مال ہو۔ کوئی عرض رسا ہے حضور کروٹ بدلیے۔ جب حمامی اپنے کاموں سے فارغ ہو چکے تو ان کا افسر کشتی میں ابریشمی چادریں لے کے آیا ایک چادر سر پہ لپیٹی۔ دوسری کندھوں پر ڈالی تیسری کمر میں باندھی۔ سونے کی کھڑاؤں (سڑے ہوئے کچھ لیتھڑے) پاؤں میں پہنائی۔ بغلوں میں ہاتھ دے کے اٹھایا۔ جامہ خانے پہنچایا مسند پر بٹھایا۔ بالوں میں کنگھی کی۔ ڈیل کا پانی پونچھا۔ قمیص دیبائی گلے میں پہنائی۔ عمامہ بلند سر پر باندھا ازار و قبا و عبا و کمربند زریں سے جسم آراستہ کیا۔ ایک نہایت خوبصورت عورت کو پہلو میں لا بٹھایا۔ حسن کی بہار نے کچھ ایسا بیخود بنا یا کہ جو لباس (لنگوٹی) یہ پہنے ہوئے تھے وہ انھوں نے اتار پھینکا۔ اور لگے بھنچ بھنچ کے اسے پیار کرنے۔ توبہ۔ اتنے میں گدّی پر کچھ دھواں دھول اور چٹاخ پٹاخ کی صدا سنائی دی۔ نشہ ہرن ہوا اور حقیقت کی قلعی جس نے دماغ میں یہ گل پھلایا تھا ریشٹ کے ساتھ بہہ گئی۔ آنکھ تڑ سے کھلی تو واقعی یہ بیچارے حوض کی فصیل پر ننگے دھڑنگے پڑے تھے۔ لنگوٹی اور بدن میں افتراق تھا دونوں ہاتھ اپنی ہی چھاتی سے اس طرح واصل تھے جیسے کوئی کسی کو گلے سے لگائے ہو۔ ناک سے ٹپ ٹپ بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ اور حمام کا سارا عملہ جنہد یا پر دلائی کی مشق کر رہا تھا۔

ماف ـــــــــــــــــــــ ہو

ادبار الملک

مولانا پنچ کی نوٹ بک

"اضافت تملیکی" اور اُس کا خمیازہ

اضافت کی ایک قسم اضافت تملیکی بھی ہے جیسے "سپاہی کے بیٹے وہ گھوڑا جس کا مالک زید ہے۔" بسا اوقات جملوں میں اضافت تملیکی تو پائی جاتی ہے مگر اس سے تملیک حقیقی ثابت نہیں ہوتی۔ چنانچہ اکثر عورتیں سڑک پر گھوڑا دیکھ کے اپنے بچوں کو بایں الفاظ بہلاتی ہیں "وہ میاں کا گھوڑا جا رہا ہے۔ آؤ بھیا کے

لاوارث مردہ

کوئی نہیں ہے تیرا مقدور ہو تو اے بزم ٭ دے رکھ اجرۂ دست غسال گورکن میں

جان بل :- اور سب ساتھ چھوڑ گئے تو خیر اکیلا میں غریب اس جنازے کی مٹی ٹھکانے لگانے کو بہت ہوں"

گھوڑے سے آؤ بیٹا لاتا ہے " یا یہ کہ بیٹا کے اہلِ لطف کبھی خواب میں بھی گھوڑا انڈہ دیکھا ہو"

پھر روئے زمین کے موجودات پر موقوف نہیں یہ تو اجرام سماوی پر بھی اضافت تملیکی دھری کر بیٹھی ہیں۔ " آؤ بیٹا کہہ چندا ہتھیلی پر بیٹھ جاؤ "

پس کوئی تعجب نہیں جو ہمارا مربی (حکومت برطانیہ) نے اپنی دختر (حکومت دکن) کو بوساطت اضافت تملیکی برار کا مالک تسلیم کر لیا۔ اس عطاو قبول نے ایک قانونی مسئلہ بھی نئے عنوان سے حل کر دیا۔ وہ یہ کہ اگلے زمانے میں قبضہ دلیل ملک خیال کیا جاتا تھا۔ اب قبضے کا حصول لازمی نہیں۔ قبضہ چاہے پایا جائے یا نہ پایا جائے صرف اضافت کافی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس اضافت تملیکی کا خمیازہ حکومت دکن کو کیا اُٹھانا پڑتا ہے۔ کیا معنے کہ مالک ہونا دل لگی بازی نہیں۔ جھوٹ موٹ مالک بننا بھی دشواری سے خالی نہیں اور حکومت نظام تو بہ توثیق لارڈ ولنگڈن برار کی مالک حقیقی تسلیم کی گئی ہیں۔

روایت ہے کہ شارع بغداد میں ایک صاحب چلے جاتے تھے اُدھر سے کوئی برقع والی بیگم بھی نکلیں جن کی بغل میں چھوٹا سا پارسل تھا۔ مسافر تھا جوان بیگم کو گھورنے کھڑا ہو گیا۔ بیگم بھی قدر دان کی طالب تھیں۔ مسافر کو دیکھ کے ٹھٹکیں۔ تھوڑی دیر کے بعد طرفین کے تار ہائے نظر میں گتھیاں پڑیں گھمسان ہونے لگی۔ رشتۂ نظر کی لمبان کم ہوتی اور ہر ایک دوسرے کے نزدیک پہنچ گیا۔

یہاں چلے چلو۔ اور میرے شوہر کا فرضی نام اختیار کر کے مجھے طلاق دے دو۔ بس میرے پاؤں کی بیڑیاں کٹ جائیں۔ یہ سو اشرفیاں مہر میں دے دینا طلاق مکمل ہو جائے گی۔ عدت کے بعد میں تمہاری ہوں اور تم میرے ---

بیگم سو اشرفیوں کی ایک تھیلی مسافر کے ہاتھ میں تھما کے عارض مدعا ہوئیں کہ مجھے تمہاری خواہش پوری کرنے میں عذر نہیں مگر میں دوسرے کے عقد میں ہوں۔ وہ موا نکھٹو کئی سال سے خدا جانے کہاں الوپ ہو گیا۔ اب تم اتنا احسان کرو کہ قاضی کے

خدا کے فضل سے دولت کی کمی میرے گھر میں نہیں "

میاں مسافر نے اضافت تملیکی قبول کر لی۔ قاضی کی ڈیوڑھی پر پہونچے۔ اور بیگم کے سکھائے پڑھے فقرے کا اعادہ کیا۔ ادھر تو مہر کی تھیلی اُنھوں نے بیگم کے حوالے کی اُدھر بیگم نے بغلی پارسل ان کے ہاتھ دھرا "لو میاں یہ اپنا حرامی موت دیکھو بندی اسے پرورش نہیں کر سکتی"

مسافر نے قاضی کی صورت دیکھی قاضی نے آنکھیں نکال کے ارشاد کیا " ابے دیکھتا کیا ہے شرعاً وہ تیری اولاد کے پالنے پر مجبور نہیں کی جا سکتی۔ اٹھا اپنا بچہ۔ چل یہاں سے "

راوی کہتا ہے کہ بیگم تو ہاتھ نہ لگیں۔ مگر میاں مسافر کو عالم مسافرت میں یہ تصدق اضافت تملیکی پایا بچہ بازار کے دودھ پر پالنا پڑا۔ راتوں کو لوریاں دیتے اور صحن میں ٹہلتے " اصغر اللہ بھائی کے کان کاٹوں نائی کے۔ اوں ہوں ہوں ہوں " بچہ کہتا " ٹی ہاؤں۔ ٹی ہاؤں " یہ کہتے " نہیں۔ نہیں۔ سو رہو میاں از غیبی سو رہو۔ میاں میرا بیٹے رونے نہ دوں۔ آوے سوداگر میں گھوڑا لے دوں "

المختصر

سنتے ہیں کہ فٹ لمبی مونچھوں والا جو شکاگو کی نمائش میں مونچھوں کی پیمائش کروانے گیا تھا واپسی میں پاگل ہوا اور پاگل ہونے کے بعد سمندر میں پھاند پڑا کاش ایک مونچھ جہاز کے کسی حصے میں الجھ رہتی تو جان بچ جاتی۔

بے لیشل اور عقوق۔ کم لوگ ہوں گے جنہیں معلوم

کمیونزم: کمبخت تنگ دل۔ دنی الطبع۔ مخالف وطن۔ .... دفن کرنے کے قابل "

کمیونلزم: " ابی جاؤ۔ ابھی بچے ہو۔ ...... "

عراق ریلوے

نجف۔ کربلائے معلّےٰ۔ کاظمین اور سامرہ کے مقدس شہروں کی زیارت کے لیے عراق ریلوے کے ذریعہ آرام۔ تیز رفتاری اور بہت ہلکے سستے کرایہ سے سفر کریں۔

مختلف درجوں کی زیارتی کوپن کی کتابیں جو ایک سو پچاس دن کارآمد ہوں گی نیچے درج ہیں اور ۱۰۰ کیلو زسامان ہر کتاب کے عوض میں اپنے ہمراہ مزید کرایہ کے بغیر لے جاسکتے ہیں۔

	درجہ دوم	درجہ سوم
کوپن بک (الف) برائے سفر بصرہ سے کربلا کاظمین۔ سامرہ اور واپسی بصرہ	عللعہ ر	للعہ ر
کوپن بک (ب) برائے سفر بصرہ سے کربلا کاظمین اور واپسی بصرہ	للعہ ر	عہ ۸ ر

تین سال سے کم عمر کے بچوں کا کرایہ معاف اور بارہ برس سے کم عمر کے بچوں کا نصف کرایہ لیا جاتا ہے۔ بمبئی اور کراچی سے ہر ہفتہ جہاز بصرہ کے بندرگاہ معقل کو جاتے ہیں۔ جہاں ریلوے کے افسران زائرین کو ان کے آرام اور زیارت گاہوں کو جانے والی گاڑیوں میں جگہ کا انتظام کرنے کے لیے استقبال کرتے ہیں۔

زائرین جو مکہ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ عراق کے راستے سے سفر کریں۔ اور اس طرح سے ایک ہی وقت میں اس ملک کی زیارت گاہوں کی زیارت کے مواقع بھی مل جائیں گے۔ بغداد سے دمشق کو بذریعہ موٹر ۲۴ گھنٹہ میں سفر کیا جاسکتا ہے۔ دمشق سے جدہ۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا کرایہ حسب ذیل ہے۔

درجہ دوم	درجہ سوم بلا خوراک
مالعہ ر	ملعہ ر

ہندوستان میں عراق ریلوے کے ٹکٹ اور کوپن کی کتابیں بمبئی اور کراچی میں مختلف ایجنٹوں سے خریدے جاسکتے ہیں۔

۱۔ مولوی محمد باقر صاحب مسافرخانہ حاجی دیوجی جمال جیل روڈ عمر کھاڑی۔ بمبئی۔
۲۔ آنریری جوائنٹ سکریٹری فیض پنجتنی۔ بالاگلی۔ بمبئی۔
۳۔ مسٹر ای۔ ای نوشیا۔ ہالڈوی کولی داؤا۔ بمبئی نمبر ۳۔
۴۔ جبیب حاجی رحمت اللہ صاحب۔ کھارادر کراچی۔
۵۔ مسٹر عبدالعلی شیخ عیسیٰ جی معرفت مسرز یوسف علی بھائی کریم جی اینڈ کمپنی نیپیر روڈ۔ کراچی۔
۶۔ آنریری سکریٹری۔ فیض پنجتنی معرفت حاجی جیٹھا بھائی گوکل۔ کوڈی باغ۔ کراچی۔

نوٹ:۔ ایک ہی جہاز پر ایک سو یا ایک سو سے زائد تعداد میں بصرہ کو سفر کرنے والے زائرین کو جہاز کے کرایہ میں رعایت مل سکتی ہے۔

کہ معتوق جس طرح باپ کی طرف سے فرزند کے خلاف ہوتا ہے اسی طرح فرزند کی طرف سے باپ کے خلاف۔ خواجہ حسن نظامی اور سردار دیوان سنگھ مفتون میں باوجود رشتۂ اُبوت و بنوت نہ ہونے کے عقوق کا [illegible] پڑ گیا ہے۔ یعنی خواجہ کہتے ہیں کہ مفتون کو میں نے عاق کیا۔ دیکھیے مفتون صاحب اس کے جواب میں کیا کہتے ہیں۔

شاعروں کا معشوق تیر نگاہ کے پیکان دل عاشق میں پیوست کرنے کے بعد بھول جاتا ہے۔ حال ہی میں ایک ڈاکٹر صاحب شکم بیمار میں دستکاری کے بعد نشتر بھول گئے اور ٹانکے دے دیے۔ مریض بیچارہ چل بسا۔ مقدمہ چلا اور ثبوت قوی نہ ہونے کے ساتھ ہی یہ عذر بھی ہوا کہ ڈاکٹر سرکاری ملازم ہے سرکار کی اجازت بغیر اس پر دعوے نہیں ہوسکتا۔ چلیے چھٹی ہوئی حیرت یہ ہے کہ مدعی تو ایسے معاملات میں سرکار ہوتی ہے۔ اُسے کس کی اجازت کی ضرورت ہے؟ ۔

سمن واسطے قرار داد امور تنقیح طلب

(آرڈر ۵۔ قاعدہ ۱ و ۵)

نمبر مقدمہ ۰۰ سال ۱۹۳۲ء

عدالت سب جج بہادر بستی ضلع بستی

اجلاس جناب مسٹر [illegible] پرکاش صاحب بہادر سب جج

رائے صاحب بابو مراری لال وغیرہ ساکن شہر گورکھپور [illegible]

بنام

[illegible] ولد [illegible] ساکن [illegible] پرگنہ [illegible] ضلع بستی [illegible] ساکن موضع [illegible] پرگنہ [illegible] ساکن [illegible] ضلع بستی [illegible]

ہرگاہ مدعی نے آپ کے نام ایک نالش بابت [illegible] دائر کی ہے لہذا آپ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ بتاریخ ۲۰ ماہ جنوری ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہوں اور جوابدہی دعوے کی کریں اور آپ کو لازم ہے کہ اسی روز جملہ دستاویزات پیش کریں جن پر آپ بتائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہوں۔

آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور آپ حاضر نہ ہوں گے تو مقدمہ بغیر حاضری آپ کے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۲۹ ماہ نومبر ۱۹۳۲ء کو جاری کیا گیا۔

نول کشور چند سررشتہ دار [illegible] بستی | مہر عدالت

ہو گیا۔ بات چلی راستے میں ٹیسو کا جنگل ملا۔ شوخ دلھن
نے اپنے شوہر سے پوچھا "اُجڑ ہو کے باوا یہ بن
کا ہے رانا" (یعنی یہ نامعلوم کے باپ اس جنگل
میں کیا اگا ہے) شوہر کو یہ عبارت عجیب معلوم ہوئی۔
اور اس نے جل کے کہا "سن گنوار میری۔ برات سے
گئی تیری۔ یہ بن ٹیسو را" اب برات دروازے پہ پہنچی
نندیں پیشوائی کو آئیں۔ ڈولا ڈیوڑھی میں رکھا گیا۔
شوہر سے پوچھا یہ کون ہیں۔ کہا یہ تمھاری بڑی نند ہیں
یہ منجھلی نند ہیں یہ چھوٹی نند ہیں۔ تمھیں لینے آئی ہیں —
نکتہ چین دلھن نے بڑی کو دیکھ کے کہا "اخاہ ناک
یا ہچی کان میں لونگ منھ میں الائچی" منجھلی کو دیکھ کے
کہا "اوہ منجھلی نند بجلی سی" چھوٹی کو دیکھ کے
"چھوٹی نند شیطان کی چھڑی جب دیکھو جب سر پر
کھڑی۔ بیوی میرا سلام ہے تمھارے کہنے سے نہیں
اتروں گی" آخر خود ساس بہو کو اتارنے آئی تب
شوخ شلیطہ دلھن بولیں کہ سنو بڑی بی یہ گھر میرا کہ
تمھارا؟ ساس نے کہا کہ تمھارا۔ کہنے لگیں کہ پھر
ٹھیک ہے "حق مانگو مادری تو دوں پاؤ سیر باجری۔
ڈولی پر سے جب اتروں جب آنگن دھرو چولھا"
بیچاری بڑھیا نے چولھا رکھوا دیا۔ دلھن نے کھیر پکائی
خود کھائی اور جلتی جلتی کھیر کا لوندا میاں کے دیدوں
پہ رکھ دیا میاں تو ہائے ہائے کرنے لگے شوخ
شلیطہ دلھن نے اپنا زیور اور کپڑا لتا سینت سنبھال
گھر کا راستہ لیا۔ کہانی بڑی ہے مگر انجام کا مطلب
یہیں ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا بات بڑھانے سے کوئی
فائدہ نہیں انھیں شوخ شلیطہ دلھن کی روح نے
منتقل ہو کے اکسٹریمسٹوں کے بھیس میں جنم لیا کچھ
مزاج کی افتاد اور کچھ ماں باپ (کانگریس) کی تعلیم
سے ہر بات پر نکتہ چینی کی عادت ایسی پڑ گئی کہ کسی
طرح نہ گئی" ادھر سسرال والوں کی زبان سے
بات نکلی اور ادھر موچنا بڑھا دینے نے استقبال
کیا۔ رمز اور کنایہ میں چالیس سال کٹے تو بحث
با ینجا رسید کہ یورپ میں جنگ چھڑی ادھر جنگ کا
نقارہ بجا ادھر برات کے دھونسے پر چوب پڑی۔
شہر بیاہے ہونے لگیں گھر گھر میں خود غرض سسرالی
والوں نے کچھ کہا شوخ شلیطہ دلھن نے اسے گرہ میں
باندھا۔ برات رخصت ہوئی ٹیسو کے بن (ممالک اسلامیہ
و ہند) میں آگ لگنے لگی (اُجڑ ہو کے باوا سے وجہ
پوچھی) کہا کچھ نہیں خالی ٹیسو کی بہار ہے۔ کچھ کہو نہیں
برات والے سن لیں گے۔ یہ سرخی دیکھنے ہی کی ہے
گھر بار جلائے گی نہیں تم اطمینان رکھو جنگل جیوں کا
تیوں رہے گا آخر جنگ کی راہ عمر سفر کی طرح کوتاہ
ہوئی۔ بڑی نند آئیں منجھلی نند آئیں منجھلی نند آئیں
مگر شوخ شلیطہ دلھن وفاقہ دلھن نے محافے سے
قدم نہ اتارا۔ اب ساس سے کہہ رہی ہیں کہ کسو
جب یہ پوت تھا تمھارا اب کنتو ہے ہمارا حق مانگو مادری
(سول سروس کی ملازمت بھرتی) تو دوں پاؤ سیر باجری
چاہے اچھلو چاہے کودو چاہے مٹکاؤ کولا ڈولی
پر سے جب اتروں جب آنگن دھرو چولھا" یعنی
اب وعدے وعید شرائط شروط سے کام نہ چلے گا۔
حقوق مادری کا تصفیہ ہو جانا چاہیے۔ پاؤ سیر
باجری (واجبی حق) لو اور گھر بار بندی کے حوالے
کرو۔ بیاہ لالا کا فرزند مشترک ہے۔ برابر کی چوٹیں
ساس بہووں میں چل رہی ہیں کھیر پکی ہے اور
بعض مقامات پر (مثلاً ضلع گورکھپور میں) لوندا آنکھ پر
رکھا جا چکا ہے اس وعدے کے ساقط الاعتبار
ہو جانے کے بعد وائسرائے کے لیے سوائے تجدید
عہد کے اور کوئی چارہ کار باقی نہیں ہے بظاہر کھلا
کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اعلانات کی عبارت
"انڈف سے"۔ آپ سمجھے انڈف کیا چیز ہے یہ
"الف" کی خرابی ہے۔ ایک پنجابی توتلے مولوی صاحب
الف کو "انڈف" کہتے تھے اور مرضی یہ تھی کہ شاگرد
انڈف کے بجائے استاد کو توتلا سمجھ کے الف کہے
شاگرد نہ انڈف سے واقف نہ الف سے اُس سے
"کہو انڈف" اُس نے بھی دہرا دیا "انڈف" پھر فرمایا
"انڈف نہیں ارے انڈف" اُس نے کہہ دیا
"انڈف" آخر جھنجلا کے دانت کٹکٹا کے ہاتھ پھیلا
کے بولے "کسی میری گلان کیا سکے ہے اپنی گلان"
ایک یہ الفاظ کہ بتدریج اہل ہند کو ڈھیلے سے
مینڈک اور مینڈک سے شہر بنانے کی پالیسی پر
دور شور سے عملدرآمد ہوگا دنیا بھر کو اس مغالطہ
کی گڑھیا میں غوطہ دیتے ہیں کہ ہندوستانیوں
کا رتبہ اختیار رفتہ رفتہ ان چراگاہوں تک وسیع
ہو جائے گا جن میں حضرت عیسیٰ کی بھیڑیں منھ ڈالتی
ہیں ہری دوب میرے لیے اور سوکھی تیرے
لیے کا امتیاز اٹھ جائیگا اور جب تک کوئی ایسی
ایسی اڑی نہ پڑے کہ لال گوٹ کھڑی کرنی پڑے
اس وقت تک ہندوستانی بدرنگ ہی سے
ساری گوٹوں پر چوٹ لگائی جائے گی۔ رہی یہ
بات کہ پانسا غلط پڑ کے رنگ بدرنگ کی ساری
گوٹیں کیوں نہ اٹھا لیں۔ ممکن تو ہے اور صاحبان
اختیار کے نزدیک کوئی بڑی بات بھی نہیں لیکن
یہ تو دیکھنے والوں کی آنکھوں میں جوتیوں سمیت بیٹھ
جاتا ہوا۔ انھیں خیالات کو ایک عنوان خاص کے
ساتھ گانٹھنے کی تدبیر سوچ رہا تھا کہ آنکھ لگ گئی
دیدۂ ظاہر بند و دیدۂ باطنی وا شد۔

"خواب"

کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص معمّم باریش سفید مسند پر
بیٹھے ہیں تسبیح ہاتھ میں ہے نورانی صورت دیکھ کے
دل نے کہا کہ کچھ دیر حضرت کے دربار میں بیٹھنا
چاہیے۔ السلام علیکم۔ وعلیکم السلام۔ مزاج شریف
دعا عرض کرتا ہوں۔ آئیے آئیے بیٹھیے۔ جنیں جناں
کے بعد حاشیۂ مسند کے قریب دو زانو بیٹھ گیا حضرت
کے پہلو میں ایک صاحبزادے بھی کوئی چار برس کا بیٹھا
ہوا تھا اُس نے کہا "ابا ہم کریں گے" حضرت
نے نوکر کو آواز دی نوکر حاضر ہوا۔ فرمایا "میاں کو
پیشاب کرا لاؤ" نوکر نے میاں کو گود میں لیا موری
کے پاس اتار کے بٹھا دیا۔ مگر گھونسا تان کے کہا
"سنتا ہے بے قاضی صاحب نے کہا ہے پیشاب
کرا لاؤ خبردار جو تو نے ہگا۔ موتنے کا تجھے اختیار
ہے۔ یاد رکھ موتا تو موتا ہگا تو مار ہی ڈالوں گا"
بیچارہ بچہ ڈر کے مارے یوں ہی اٹھ کھڑا ہوا۔
نوکر صاحب نے پھر قاضی صاحب کے پہلو میں بچہ
کو بٹھا دیا۔ تقاضائے ضرورت سے مجبور ہو کے
صاحبزادے نے پھر کہا "ابا پاخانہ لگا ہے"

لامحالہ پولیس کے عملہ کو اس استیصال میں کافی دخل ہوگا۔ جب شہر میں جس کسی کو چاہا تاہم و سعت ہے چلو کیا اور پکڑا دھکڑی کی۔"

سیاسی معاملات ختم گفتگو کا سخ مدیر المنزل کی جانب پھرتا ہے۔

بھئی تم بھی عجب غافل ہو اچکن چاروں کی اس وقت تک کھونٹی پر لٹک رہی ہے واہ کیسا نفیس کپڑا ہے اور کیا اس کی گت بنی ہے۔۔

سنو تو یہ نکٹی ماما تمھارے یہاں کیوں آتی ہے میرے عنایت فرما کی زبان نے کمرے کی ہر ایک چیز پر اور مکان کی جملہ موجودات پر نکتہ چینی فرمائی اُن کی وسعت نظر نے ٹوٹی جوتی کے ٹانکے اور کھٹیا کے نکلے ہوئے بان تک نہ چھوڑے بندہ مبہوت۔ قلم کے لب پر مہر سکوت۔ دوات دہن حیرت کشادہ۔ مضمون ذہنی چھلاوا۔ قلعہ عقل پر پریشانی کی فوج کا دھاوا۔ کیا کوئی کہے کیا کوئی لکھے مختصر یہ کہ عنایت فرما نے اس وقت تک جان نہ چھوڑی جب تک ارادہ مضمون نگاری اہل ہند کے دعوی ترک موالات و تعلقات کی طرح فرسودہ و مضمحل نہ ہو گیا۔ اور جمعیت خاطر و یکسوئی کا دوالا نہ نکلا۔

عذر نمبر ۱۲۔ بوڑھی برسات کی راتوں میں بھیگنے کی تکلیف سے متاثر ہو کے کہتی ہے "بورے ہوئے تو بل کھودوں" یعنے صبح کو ایسا انتظام کروں گی کہ آئندہ شب بارش کی تکلیف نہ اُٹھانی پڑے۔ بلا تشبیہ بندہ مضمون نگار کا بھی یہی حال ہے طرفہ ماجرا یہ کہ ہر روز مبحث نت نیا سوجھتا ہے۔ مگر فرط لطافت سے دماغ میں ٹکتا نہیں۔ آجکل کی جرائد میں مسٹر لائڈ جارج کی رجز خوانیاں دیکھیں و معجزات و خوارق عادات بھی وزیر اعظم کی زبان سے سُنے جو انڈین سول سروس کے لندنی اجزا سے ہندوستان میں سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ ان معجزات کا اظہار یقیناً برمحل ہے کیا معنی کہ ہندوستانی اُمت اب یورپین نبی کی پیروی سے انکار کرتی ہے۔ وائسرائے ہند اس فکر میں ہیں کہ بعض شعبہائے حکومت میں اگر ہندوستانی

ہوشیار اہلکار دستیاب ہو جائے تو اُسے بیرونی اہلکار پر ترجیح دی جائے یہ ایک تجویز ہے ایسی بہت سی تجویزیں عہد ناموں اور اعلانوں میں چھپی جھلک مار رہی ہیں اور داراشت بچے کی طرح کوئی اُن کے سر پر ہاتھ رکھنے والا نہیں ہے لیکن انگلستان ذکی الحس ہے۔ ہندوستان کی طرح غبی کند ذہن گاؤدی نہیں ہے کہ پیش بندی سے غافل ہو جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لائڈ جارج کی ہر دلعزیزی کی ہنڈیا کھنکنی ہو گئی ہر دراڑ سے جو ادھن کا پانی بہہ گیا ہے اُسے پھر سُڑکنا چاہتے ہیں۔ لہذا اہمیت سول سروس میں زبان ہلانا اور اہل وطن کو بھی خیر خواہی کا یقین دلانا ضروری ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بھوٹھر زبان نے نہ کہنے والی باتیں بھی اُگل کے رکھ دیں اور سب سے زیادہ وہ بوٹ لیسان حکومت یعنے اڈریٹ خوشامد خور سے جن کے خواب میں پھپھڑوں کا ڈھیر تھا اس بھوسٹر پن سے ناراض ہو گئے اور سمجھنے لگے کہ جو مرغن نعمت خانۂ سرکاری سے اولش کے طور پر ملا ہے وہ چلتی پھرتی چھاؤں ہے بس اُدھر بچاؤ کہ جناب آپ کے تجربے کی ایسی تیسی واللہ یہ کرسیٹ سچ کہتے تھے آپ کے قول فعل کا کچھ اعتبار نہیں۔ بائیں آدمی ہے کہ گرگٹ یا بلی کی آنکھ ہر گھڑی نیا رنگ نئی وضع۔ ادھر اصلاح شدہ حکومت ہند نئی نویلی دلھن کی طرح پیشوا ز کے دامنوں میں اُبھی پڑی ہے وعدہ ہائے عرقوبی کے الفاظ کا بظاہر یہ اشارہ تھا:۔

"اُٹھاؤ بی بی مقنع گھر سنبھالو اپنا"۔

اس غرور پر کہ خلاف بات چیت کی اجازت مل گئی ہے ہونٹ کھولے تھے۔ مگر چھینک ہوئی اور ولایتی سوزن استقبال کو بڑھی۔ مارننگ پوسٹ جھلا یا انگلشمین ٹرایا بڑایا کسی نے گھر نسا تانا کسی نے نیلی پیلی آنکھیں دکھائیں۔

خلیفہ مامون رشید کے زمانے میں ایک صاحب نبوت کا دعوے کیا معجز نمائی پر تل گئے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اگر تم سچے نبی ہو تو لو یہ خربوزے کا بیج ہے اسے ابھی زمین میں بوؤ اور ابھی اس میں سے

بیل نکل کے پھل تیار ہو سے پہلے اور پختہ فرمائیے نبی صاحب نے تین دن کی مہلت مانگی۔ خلیفہ نے انکار کی گردن ہلائی۔ اب نبی صاحب کو غصہ آیا فرمانے لگے آپ بھی عجب شخص ہیں خداوند عالم جس نے ایک اشارۂ "کن" سے تمام جہان پیدا کیے باوجود قدرت و طاقت خربوزے کا پھل چار مہینے میں پیدا کرتا ہے۔ آپ مجھے تین دن کی مہلت بھی نہیں دیتے"

انبیائے یورپ نے ہندوستان کو خود مختار و آزاد حکومت دینے کا وعدہ کیا۔ ہندوستانیوں نے تقاضا کیا کہ پھر دلوائیے"

جواب ملا کہ "ابھی سے! اجی تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔ دیتے ہیں ابھی دیتے ہیں سندر قم لکھو دیتے ہیں لڑائی سے فرصت ہولے دیتے ہیں"

جن لوگوں نے ان بیچاروں کو سر لیا اور کچھ زرین شعاع کی جھلک دیکھ پائی وہ تو خاموش ہو رہے لیکن زیادہ نے "لاؤ لاؤ" کی رٹ لگائی۔ اُن کی لاؤ لاؤ سُن سُن کے بندہ مضمون نگار کو ایک حقا ق تا ترلڑکی کی کہانی یاد آئی خدا بخشے بڑی نصیبن اس کہانی کو یوں بیان کرتی تھیں کہ ایک لڑکی تھی اُس کی سسرال سے لوگ بیاہ مانگنے آئے۔ اتفاق سے اُس وقت لڑکی اکیلی تھی۔ ماں باپ کسی کام کو گئے ہوئے تھے ہونے والی ساس نے پوچھا۔

"بیٹی تیری ماں کہاں گئی ہے"

جواب "ایک سے دو کرنے" (یعنے بچہ جنانے)

سوال "تیرا بھائی کہاں گیا ہے"

جواب "دام دے کے دیوانہ بننے" (یعنے شراب پینے)۔

سوال "باپ کہاں گیا"

جواب "زمین میں پیوند لگانے" (یعنے مردہ دفن کرنے)۔

سوال "تم کیا کر رہی ہو"

جواب "ماں کو جلاتی ہوں بیٹی کو پکاتی ہوں" (یعنے بھاڑ کو جلاتی ہوں اور ارہر کی دال پکاتی ہوں) ساس آثار ذہانت پر خوش ہوئی اور جھٹ منگنی پٹ بیاہ

آٹھواں حصہ شائع ہو کر جلد اوّل مکمل ہو گئی

جامع اللغات اردو

مرتبہ: خواجہ عبدالمجید بی۔اے

جلد اوّل میں تقریباً ۵۰ ہزار الفاظ بیس ہزار محاورات چار ہزار ضرب الامثال اور اقوال ۴ ہزار سوانح حیات ۲ ہزار جغرافیائی حالات میں ہیں یہ

واحد لغت جس میں اُردو کے علاوہ فارسی عربی سنسکرت اور ہندی الفاظ کے معانی بھی لکھے ہیں

المشتہر: خواجہ محمد محمود اختر بی اے منیجر جامع اللغات کمپنی بل روڈ لاہور

REGISTERED NO A 785
ظریف ہفتہ وار
مشہور باتصویر
LUCKNOW
OUDHPUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
(بیرون ہند)
M B KHAN ARTIST LUCKNOW

بھلا اور کوئی خبر ہے؟ ہاں! بقول انگلش مین اعلیٰ حضرت نائب منابِ ہند عنقریب زحمت فرمائے ہند ہوں گے آپ کی آمد سے اور کچھ تو خیر لیکن اس میں شبہ نہیں کہ امیدواروں کی چہ میگوئیوں میں ذری لطف پیدا ہو گیا ہے جیسے منہ ویسے باتیں کوئی کہتا ہے کہ پیل صاحب ہندوستانی معاملات سے بے خبر تھے۔ وزارت ہند کا عہدہ جب ملا تو ایک ناواقف پر کس دیا گیا کہ حال اعمال نامۂ ہند کا مطالعہ فرما رہے ہیں ان کی ناقص نوٹ بک وائسرائن صاحب کی عینی شہادتوں سے کامل ہونی چاہیے اس لیے تشریف لاتے ہیں۔ کسی کا خیال ہے کہ ہندوستان کی جو سر پہ انڈین سولسروس کی گوٹوں کی نشست تجویز فرمانے کی نیت سے یہ سفر اختیار فرمایا ہے۔ بعض خوشدل حضرات سمجھتے ہیں کہ ہونہ ہو سختی و سخت گرمی کے متعلق جانچ پڑتال کرنے آتے ہیں کسی کے نزدیک آپ کا آنا بعض نئے ننھے بھارتی بھاری عہدوں کے لیے ہے جو ولایتی امیدواران سولسروس کی شکم پری کی خاطر سے زیر تجویز ہیں۔ ہماری رائے ہے کہ آتے ہیں مرغن کھانے ہاتیں چکنا نے جیسے تیتر اڑانے پہاڑوں کی سیر کرنے ہندوستان میں دلچسپی کے سامان کی کمی نہیں ہے۔ مرغوں کی پالیاں ہیں۔ افیم کی پیالیاں ہیں۔ اناڑی عہدہ دار ہیں خدائی فوجدار ہیں۔ گھوڑے کی ہری بھری دب ہے۔ طلوع ہے غروب ہے شمال ہے جنوب ہے جو کچھ ہے خوب ہے مرغوب ہے۔ تیل دیکھیں گے تیل کی دھار دیکھیں گے۔ ہماری خزاں اپنی بہار دیکھیں گے۔ خوشامدیوں کا سلام لیں گے۔ اُدھر کا پیام دیں گے۔ کوا پریٹروں سے کام لیں گے۔ نان کوا پریٹروں کو دشنام دیں گے۔ یورپین حکام کی جھاتی سراہیں گے۔ وضع غرور نباہیں گے۔ مہمانداری کی چوٹ دیں گے شکریہ کے ووٹ لیں گے۔ کسی کی خاطر پر بار ہوں گے کسی کے گلے کا ہار ہوں گے۔ جب تک رکابی میں ہاتھ ہوگا ہمارا اُن کا ساتھ ہوگا۔ ساتھ چھوٹے گا تو ٹھاٹ بگڑے گا گھر جا کے بات بات پر تھینک یو کہنا بھول جائیں گے۔ کہاں کے تم کہاں کے ہم یہی ہوتی آئی ہے۔ بالفرض سچ پوچھیے گے تو مسٹر مانٹیگو کی طرح طومار بتائی جائے گی۔ لارڈ کرزن سے ڈانڈ اپنڈائی تو کچھ بات نہیں۔ خبری کاغذوں میں لے دے ہوگی۔ سیاہ غم کی زبان بہکنے لگے ہوگی۔ آنے والی کانفرنسوں میں بہالوی ناکامی کا الزام انہیں کے سر منڈھا جائے گا اگر خاموش رہیں گے تو جیسے کنفا گھر رہے ویسے رہے بدلسیس۔ الزام تضیع اوقات پر بات ٹل جائے گی حسرت نکل جائے گی۔ غرض یہ مضمون ہی کیا ہے جس پر کوئی کچھ لکھے آگے بڑھو۔ مولانا پنچ ایسی طرز عبارت سے خوش نہیں ہوکے۔ اُن کی خوشی کے لیے افلاطون اور سقراط کا دماغ درکار ہے۔

الغرض میاں آتش شاعر کی طرح ؎

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈھتا تری محفل میں رہ گیا

اس پر لکھوں اُس پر لکھوں یہ لکھوں وہ لکھوں کی ہردم خیالی میں وقت نکل گیا۔ کئی اخباری کاغذ الٹ پلٹ کر ڈالے نہ یہی لکھا نہ وہی لکھا۔ تو بات کیا ہے اشہب تیزگام قلم کوئی سوداگر کا گھوڑا تو ہے نہیں کہ راہ چلتے خشک پتوں کو دیکھ کے منہ ڈال دے یا لالہ لکھمی چند کی نوجیٹی گھوڑی سلہاہیں کہ بہنگام خرام فضلہ ریزی فرمائے کے بعد استشمام رائحہ کرے۔ اے حضرت یہ بچھیڑے ہیں جب کلول میں آتے ہیں تو میدان کے میدان روند ڈالتے ہیں۔ یہ بھی اپنے وقت کے لاٹ صاحب ہیں جب تک خوشامدی اڈ رلیس کی ہری ہری دوب سامنے نہ رکھیے بجالی اور رتھان خوب آراستہ نہ کیجیے اُس وقت تک ہنہناتے ہی نہیں پھر جناب نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچیں گے۔ چاہے مضمون نگاری کی سبکی کرکری ہو یا مونچھیں نیچی کرنا پڑیں۔

عذر نمبر ۱۴۔ آج بھٹہ ارادہ تھا کہ چاہے بقول بدنصیبی کے ٹُدری ہو جائے مگر مضمون ضرور تیار ہوگا۔ کہ اتنے میں ایک دوست منہ سا لٹکائے بسورتے ہوئے تشریف لائے میں سمجھا کہ محرم کا زمانہ ہے شاید کسی مجلس میں شریک ہو کے منت کرم واشتن میں بندے کو سرفراز فرمایا ہے۔ مگر نہیں انھوں نے بعد استفسار جواب دیا کہ بھئی تم بھی عجب شُستہ قلم ہو۔ اخباری کاغذوں میں لگاتار اکالی سکھوں کے مصائب دیکھتے ہو اور دل نہیں پسیجتا۔ آخر کیا یہ بیچارے انسان نہیں ہیں جو گرو کے باغ میں ڈنڈوں سے ان کی خبر لی جاتی ہے۔ پولیس اُن کی داڑھیاں نوچتی بال کھسوٹتی ہے میں نے سمجھایا کہ یہ ایسی عمدہ تعلیم ہے جس پر انگریزی حکومت جتنا چاہے ناز کرے۔ شاید اسی تعلیم کی بدولت مسٹر لائڈ جارج پارلیمنٹ میں اپنے بار و سیوسولسروس ممبروں پر وجد کرتے تھے۔ لائق فرزند جس کی گود میں بیٹھتے ہیں اُسی کی داڑھی نوچتے ہیں۔ پولیس کے عمال اور عہدہ دار ملک کی گاڑھی کمائی سے پلتے ہیں آخر کچھ حق نمک ادا کرتے یا نہ کرتے۔ اُن کے فرائض میں خلائق کی حفاظت جان و مال داخل ہے۔ بھلا ڈنڈوں کے محافظ اصلی ہونے میں کس کافر کو شبہ ہوگا۔ شکاری جانور پہلے قراول میر شکار کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ اصلی مالک کو نہیں پہچانتا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مولینا توشیرا کے نتیجے سے بچیں تو اپنا جانور اپنی نگرانی میں رکھیے۔ ان درد رسیدہ بزرگ نے گورو کے باغ والے اکالیوں کی دکھ بھری کہانی تفصیل کے ساتھ سُنائی یہ بھی ذکر آیا کہ پنڈت مالوی جی گئے تھے اُن کے سامنے اکالیوں پر مار پڑی۔ میں نے عرض کیا ؎

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

یہی کیا کم پولیس کی عنایت ہے کہ پنڈت جی کی مرمت ڈنڈوں سے نہیں ہوئی۔ ورنہ یہ لوگ بلا کے ہتھ چھٹ ناخدا ترس ناسپاس ناحق شناس بے دلیر قابو چی طوطا چشم ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی نے بیچ بچاؤ یا اس مرحمت آمیز سلوک میں مداخلت نہیں فرمائی ورنہ دھوکے دھڑی میں ایک آدھ "تنبیہ الغافلین" کا اوراق ان پر بھی پڑھا جاتا اور نجات ہو جاتی۔ ایک انگریزی کاغذ اخبار تحریر کرتا ہے کہ

اہالیوں نے پولیس کو رشوت دی ہے اور ان میں کمی بھی ہو گئی ہے کہ تم زمین پر ڈنڈے پٹکار تاہم چوٹ مورٹ بیہوش ہو جائیں گے۔ ورنہ مارپیٹ کا گورو کے باغ میں کہیں ذکر بھی نہیں ہے۔ شاید پنڈت مالوی نے یہی مصنوعی مارپیٹ اور خیالی زخم دیکھے جب ہی بیچ بچاؤ کا ارادہ نہیں کیا۔ اور ناحق کی چوٹ سے محفوظ رہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ پنجاب گورنمنٹ نے اب یہ اعلان کر دیا ہے کہ امرت سر اور لعبنالہ کی درمیانی راستہ پر اکالی جتھوں کو نہ روکے گی۔ صرف شخصی جائداد (جس کی شخصیت کی مدافعت میں سیکڑوں پر تباہی آئی) مداخلت بے جا سے بذریعہ مسلح پولیس بچائی جائے گی۔ یعنی محنت کی شخصیت میں بٹا نہ لگنے پائے باقی جو کچھ ہو جائے پروا کی بات نہیں۔ آج کل انصاف اور طرز انصاف بندر کا پھوڑا ہے کہ کھاؤ بھرنے نہیں پاتا بیک نیتی اور بدنیتی کا لحاظ انصاف میں غیر ضروری چیز ہے۔ کسی قانون میں بادھا نہ لگنے پائے خواہ کچھ ہی ہو جائے قوانین کو انصاف کے ساتھ ختم کرنا مقصود ہوتا تو ایسی تدبیریں نہ اختیار کی جاتیں۔

برسوں کے فرسودہ کڑا کھائے غیر منطقی قانون پڑے ہوئے ہیں۔ یہ قوانین دقیانوس کی یادگار ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے طرم بازخاں حاکموں کو صرف سزادہی کا شوق تھا کیا ہوا کوئی مچھلیوں کا شکار کرتا ہے کوئی صحرائی درندوں کو گھیرتا ہے۔ شوق طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ ہمارے لکھنؤ میں ایک ڈپٹی کمشنر صاحب کو پنسل چبانے کا شوق تھا۔ جب وہ کچہری میں جلوہ افروز ہوتے تھے تو نصف درجن پنسلیں اُن کی میز پر رکھ دی جاتی تھیں۔ اُس زمانے میں پنسلوں کی لکڑی نہایت نرم اور خوشبودار ہوتی تھی۔ (یہ پنسلیں جرمنی سے بن کے آتی تھیں) ڈپٹی کمشنر صاحب کرسی پر بیٹھتے ہی پنسل پر چوٹ کرتے تھے ادھر پنسل کی مسواک ہاتھ لگی اُدھر منہ میں داخل۔ چبائے جاتے ہیں تھوکتے جاتے ہیں۔ کچہری کے سائز خرچ میں تین آنے روز کا چارا ڈپٹی کمشنر صاحب کے لیے روز اندر درج ہوتا تھا۔ غرض سزادہی کے شوق میں الفاظ قانونی ایسے گھڑے گئے جن کو ہر شخص ظلم کے مرادف سمجھتا رہا۔ اور جب کبھی اُن پر عمل کیا گیا دیکھنے والوں کے دل دُکھے۔ اُن کا نفرت سے ہر لتا رہا۔ ضبطی کا مطالبہ سننے کے لیے صاحب کے پاس کان نہ تھے۔ صاحبیت کے زعم میں کانگریس کی بات اس کان سنی اُس کان اُڑا دی۔ اس کا یہ نتیجہ ہے کہ آج دنیا قانون کی دشمن نظر آ رہی ہے۔ مگر سزادہی کا شوق خدا کے فضل سے اسی طرح چڑھا ہوا ہے جیسا کہ پچاس ساٹھ سال اس طرف چڑھا ہوا تھا۔ کل کی بات ہے کہ پریس ایکٹ کی ضبطی کا مطالبہ کیا گیا۔ ایرا غیرا نتھو خیرا خاں پنجابی سکڑ دسوں۔ اکلو دہوں۔ براتی۔ خیراتی۔ دتلی۔ جمعہ خاں۔ غرض کہ خدا جانے کہاں کے گواہ پکڑ بلائے اُن کی گواہیاں لیں۔ بارہ پندرہ ہزار روپیہ ملتا یا کیٹی صرف اس قدر طے کر سکی کہ مالکانِ پریس سے آیندہ ضمانت نہ لی جائے۔ اڈیٹر کو ذمہ دار بنا کر پابندی رہی بڑی دھوم آدھا بگین بھی بجو ہے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ایکٹ نمبر ۲۵ ۱۸۶۷ء کی دفعہ ۳ نہیں دیکھی۔ نہ یہ ایکٹ اُن کے پیش نظر تھا ورنہ اس تحصیل حاصل کے مرتکب نہ ہوتے اس کا منشا یہ ہے کہ بلا استثنا کوئی کاغذ ہو جب چھاپا جائے تو پریس کا نام چھاپنے والے کا نام مقام اشاعت کا نام شائع کنندہ کا نام ضرور درج ہو۔ جو شامت زدہ (عمداً یا سہواً نیک نیتی یا بدنیتی سے اس کی قید ضروری نہیں سمجھی گئی) اس کے خلاف کرے گا وہ پانچ ہزار تک جرمانہ اور دو سال تک قید کا مستحق سمجھا جائے گا۔ اگر سزادہی کا شوق نہ ہوتا تو اس میں بدنیتی کی شرط ضرور ہوتی۔ اور کاغذ اخبار یا ہر موقت الشیوع اور معلوم الاسم کاغذ اس فضول پابندی سے بری سمجھا جاتا۔ کیا معنے کہ وہ بے نام و نشان کاغذ نہیں ہے اُسکا مالک یا اڈیٹر ڈکلریشن داخل کر چکا ہے۔ وہ جب اپنے پریس یا دار الاشاعت کو بدلتا ہے تو وہ بہت کے ذریعے سے حاکم ضلع کو مطلع کرتا ہے اور بہ اطلاع تبدیلی کی خبر دیکر تا ہے۔ اگر اطلاع نہ بھی دیجائے تو اطلاعات سے خالی نہیں کسی تلاش و تجسس کے پہونچ جاتا ہے۔ موقت الشیوع کاغذ کا نام ہی کسی قابل اعتراض مضمون کی گرفت آسانی سے کرا سکتا ہے آپ کو زیادہ قیدیں لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں کوئی غیر معین و نامعلوم تصنیف ہو یا کوئی غیر معمولی اشتہار ہو جس میں پتہ نہ چل سکے کہ کس نے لکھا اور کس نے چھاپا تو آپ بیشک ماخوذ کر سکتے ہیں۔ معین وقت پر معین نام کے ساتھ اشاعت کرنے والا تو پہلے ہی آپ کو اپنا پتہ بتا چکا اور ذمہ دار ہو چکا۔

اب اس دفعہ کی ہمہ گیری اور پابندی کا حال ملاحظہ فرمائیے۔ ایک مصنف صاحب اپنی بارہ جزو کی کتاب کاتب سے لکھوا کے ایک ایک جزو کا پی کا بارہ پریسوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ قانون یہ کہتا ہے کہ ہر جزو پر اُس پریس کا نام مع مقام اشاعت کے ہونا چاہیے۔ حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا اور یہ جرم مسلسل جاری ہے (لیکن جرم کی حد میں نہیں آ سکے) مصنف صاحب سے کبھی اس کی پوچھ نہیں ہوتی کہ آپ نے یہ کتاب ایک جگہ چھپوائی یا متعدد چھاپے خانوں میں۔ بیچارے نور الحسن مرحوم مالک نور المطابع پریس لکھنؤ سے ایک مرتبہ کسی کتاب کا تقاضا آرہ آباد گورنمنٹ پریس کی جانب سے کیا گیا یہ کتاب اُن کے یہاں نہیں چھپی تھی۔ صرف ٹائٹل پیج (سرورق) چھاپنے بھر کے وہ گنہگار تھے۔ وہ تشدد وہ تقاضا کہ الٰہی تیری پناہ۔ بیچارے وکیلوں کے یہاں دوڑتے پھرے کہ یارو کوئی تدبیر بتاؤ۔ میں نے تو ٹائٹل پیج پر چھاپ دیا ہے کہ صرف ٹائٹل پیج نور المطابع پریس میں چھپا۔ یعنی کھائے بکرا دینا پڑتا ہے۔ اس کا علاج کیا ہے۔ وکیل صاحب نے سردست سو روپیہ کا خرچ بتایا۔ کیا کرتے بیچارے نے کہیں سے کتاب مول لے کے داخل کی جب کہیں جان بچی۔ کوئی عذر معذرت کوئی لکھا پڑھی کام نہ آئی۔ فرمائیے یہ کوئی طرز معدلت ہے۔ یہ کوئی انصاف ہے۔

اودھ پنچ لکھنؤ جلد ۵ نمبر ۴۸
جلد ۱۸ نمبر ۳۵

مضامین

مورخہ ۱۹۔ دسمبر ۱۹۳۳ء

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۲)

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہمارے حاجی زمزم اللغات کو بیکار سند بازی کا بہت شوق ہے۔ اور جس چیز کے سمجھانے کی ضرورت ہی نہیں اُسے بھی سمجھا دیتے ہیں۔ ابطال ایک عربی لفظ ہے معنی لکھ دینے کے بعد سند کی ضرورت نہ تھی مگر آپ نے کسی نہ کسی غیر مشہور شاعر کے یہاں سے ایک شعر جس میں ابطال نظم ہوا ہے ڈھونڈھ نکالا یعنی اللہ رے وسعت نگاہ۔ گر ابطال نفع ہو باطل دولیس کی بھی بھول گئے

اسی طرح ابرو ہلانا کی شرح فرماتے ہیں " ابرو کو جنبش دینا۔ واقعی جو غریب ہلانے کے معنی بھی نہ جانتا ہو اُسے یوں ہی سمجھانا چاہیے۔ ابی حاجی صاحب معلوم ہوتا ہے کہ جناب نے پہلے کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی جناب کی تحریر کا پہلا کارنامہ شاید نور اللغات ہے ورنہ اتنا بے ڈھنگا پن نہ ہوتا۔

اُبلنا کے ذیل میں لکھتے ہیں " زیادتی پر ہونا۔ پھٹ پڑنا۔ بہتات سے ہونا۔ غرور کے باعث اپنے آپے سے باہر ہو جانے کی جگہ ــــــ "

دیکھا آپ نے بے ڈھنگا پن۔ بھلا کون پھٹ پڑنے کی جگہ اُبلنا بولتا ہے۔ مثلاً بچہ پھٹ پڑے تو جب تک وہ آپ کا شاگرد یا استاد نہ ہو ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ بچہ اُبل پڑا یا غرور کی قید لگانا بے ڈھنگا پن نہیں تو کیا ہے۔ جو شخص غصہ میں بیٹھا ہو اور ایک دفعہ بھڑک اُٹھے تو کیا اُس کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ بھلا بیٹھا تھا اُبل پڑا۔ لاحول ولاقوۃ۔

اُبھار کا ترجمہ تحریر فرماتے ہیں " بہکا دینا۔ درغلانا۔ اُبھار لانا بہکا لانا۔ ورغلا کر کسی کو نکال لانا "۔

اب کوئی پوچھے کہ حضرت " درغلانا " اور " ورغلا کر " کیا بلا ہے؟ ہم نے تو کسی اہل زبان کے یہاں نظماً یا نثراً یہ مصدر نہیں دیکھا۔ ہاں کسی پرانے لالہ کی بول چال ہو تو ہو۔ لالہ صاحب البتہ کہتے ہیں۔ " فہمید ہو نہ فہمید سے ہو تو فہمید یا سمجھے دیوں " (سمجھ اے شبھے ہو تو سمجھا دوں)۔

(صاحب جامع اللغات نے بھی الفاظ متذکرہ میں ویسی ہی غلطی کی ہے۔ ملاحظہ ہو دوسرے کالم دونوں کی عبارتیں)

اُتار کے ذیل میں حاجی زمزم اللغات صاحب ارشاد فرماتے ہیں " (م) معنی۔ نقل۔ گھاٹ "۔ مگر کوئی مثال پیش نہیں کرتے۔ خدا جانے کہاں کے گنوار نقل یا منقول یا شفتے یا گھاٹ کو اُتار کہتے ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے " تصدق۔ کفارہ "۔ یہ معانی بھی اصلاً کے نہیں۔ عموماً ایسے محل پر " اُتارا " بولا جاتا ہے نہ " اُتار "۔

اُتارن کے متعلق فرماتے ہیں " ذکر پہنا ہوا لباس نیا ہو یا پرانا " اور اپنی ہی زبان سے یہ فقرہ سناتے ہیں " یہ اپنا اپنی سوت کا اُتارن کیونکر پہنے "۔ حالانکہ تمام دُنیا میں مستعمل پوشاک یا پہنے ہوئے کو " اُترن " کہتے ہیں۔ کوئی اُتارن نہیں کہتا۔

اُتار لینا کے معنی (مطلقاً) ننگا کر دینا۔ چھین لینا " کے لکھتے ہیں اور مثال دیتے ہیں " کپڑے اُتار لینے کی " ہے اندھیر کہ نہیں؟ علی ہذا القیاس " معزول کرنا " کو بغیر " تخت " کا نام لیے یہ مفہوم صرف " اُتار لینے " سے پیدا نہیں ہوتا۔

ظاہر ہے کہ اگر ہمارے حاجی صاحب کو کبھی اوزار قلم سے واسطہ پڑا ہوتا تو وہ ضرور ان معانی کو جو دوسرے لفظ یا الفاظ کے ملحق کیے بغیر پیدا نہیں ہوتے " ملحق منہ " کے بیان میں لکھتے " اُتار " کے تحت میں ہمارے حاجی صاحب نے وہ وہ جوہر دکھائے ہیں کہ سبحان اللہ۔ خدا انھیں پروان چڑھائے نہیں اُتارے۔

اُترائی کے معنی اُجرت عبور دریا لکھ کے چھوڑ دیے اور قرضے کی اُترائی جو زیادہ مروج و مشہور ہے بھول گئے۔ اب اگر کسی نظم یا نثر میں یہ لفظ آجائے مثلاً اس طرح کہ فلاں شخص نے اپنے قرضے کی اُترائی فلاں پر کر دی ہے تو کوئی اور لغت کی کتاب ڈھونڈھی جائے۔

اُتر جانا کے معنی لکھتے ہیں " دُبلا ہو جانا " حالانکہ یہ معنی بغیر چہرہ۔ منہ۔ ڈیل کے شامل کیے پیدا نہیں ہوتے

زمزم اللغات میں ہے " اُتری ندی کنارے ڈھائے " مثل انسان کا جب کچھ بس نہیں چلتا تو غریب کو ستاتا ہے " غضب کی جرأت حاجی صاحب نے پائی ہے۔ جس بات کو حضرت نہیں جانتے فوراً گڑھ لیتے ہیں اول تو یہ مثل اس طرح ہے " اُتری ندی کنارے ڈھائے "۔ حضرت نے " اُتری " کا " اُترتی " بنایا۔ دوسرے محل استعمال غلط بیان کیا۔ مثل کا ترجمہ سنیے آپ کو خود ہی محل استعمال معلوم ہو جائے گا۔ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ندی اُتری اور کنارے سطح آب سے اونچے ہوئے اور خشک ہونے کے بعد ان کی اُبھان ڈھے گئی۔ صاحب سرمایہ جب مفلس ہونے لگتا ہے تو جو اُس سے وابستہ ہیں اُن پر بھی افلاس کا اثر پڑتا ہے۔ حضرت الٹا مطلب بیان کرتے ہیں۔ بھلا غریب کو ستانے یا نہ ستانے کا یہاں کیا ذکر ہے۔ خدا ہمارے حاجی کو شرمائے۔ شاید دل میں سمجھ لیے تھے کہ اب اُردو جاننے والے دُنیا میں باقی نہیں رہے جو میں لکھ دوں گا وہی ٹھیک سمجھا جائے گا۔

دوسری مثل لکھتے ہیں " اُتر گئی لوئی پھر کیا کرے گا کوئی "۔ اس کا مطلب جو بیان کیا ہے وہ تو صحیح ہے مگر الفاظ مثل کے غلط ہیں اصل یوں ہے " منہ پر پھیری لوئی تو کیا کرے گا کوئی "۔ لوئی آٹے یا سیدے کے پیڑے کو کہتے ہیں اس میں روغن ملا کے منہ کے داغ دھبے یا روئیں صاف کیے جاتے ہیں عموماً زچہ خانے میں دائیاں بچوں کے منہ پر لوئی پھیرتی ہیں۔ اس کا دوسرا نام " لیٹری " بھی ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ جب مصنوعی ذریعوں سے چہرہ صاف کر لیا اور شرم کے آثار مٹا ڈالے تو پھر کسی کے بس کی بات نہیں کوئی کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتا۔

کبھی کوئی کہتا کہ تیسرا آپا ہے
کبھی ... "بہت مشکل ہے"
پہنچتے ہوں گر حکایت میرے سینہ غالب ہی ہے۔
یہ حکایت پہلے بھی اودھ پنچ میں نکل چکی ہے گر مجبوراً
یہاں دُہرانا پڑی ہے۔ جب تک مجبوری شاہد آشفتہ
تک جاری ہو عادت بات دُہرانے کی نہیں۔

(باقی آیندہ)

ادبار الغنات

نکات

اس بارے میں تو اُردو زبان خوش قسمت ضرور ہے کہ ہندوستان ہی نہیں ایران اور عراق عرب میں بھی اکثر مقامات پر سمجھی اور بولی جاتی ہے مصر سے اُردو زبان کا ہفتہ وار پرچہ نکلا اور مسٹر سید حسین نے امریکا سے ایک ہفتہ وار اُردو پرچہ جاری کیا تھا۔ گویا نئی دنیا اور پُرانی دنیا اس کے اثر سے خالی نہیں۔ مگر باوصف اتنے جوش قبول کے وہ بحالی جو دوسرے زندہ زبانوں کے چہرہ پہ نظر آتی ہے اس غریب کے چہرے پر نہیں پائی جاتی۔ بھلا کہاں رنگون اور کہاں روزانہ اور ہفتہ وار اُردو اخباری کاغذ۔ خدا جانے یہ کس بوتے پر نکلے اور کس برتے پہ چل رہے ہیں۔ بہر کیف ہیں اور خوب ہیں۔ چند روز اُدھر ہمارے مشہور مولوی دُمدار شاہ نے جو زلف دُمدار حکومت یا اُس کے قانون دنبالہ دار کے بحیثیت ایڈیٹر شیر رنگون) اسیر رہ چکے ہیں اطلاع دی تھی کہ وہ ایک اُردو ہی جریدہ رنگون سے نکالنے والے ہیں۔ تمام سامان فراہم ہو چکا ہے۔ دُم کی کسر ہے۔ ہاتھی اپنی دُم سمیت جھومتا جھامتا عنقریب وارد ہوگا۔ خیال اچھا ہے۔ دُمدار شاہ اعلیٰ پایہ کے ظریف شاعر بھی ہیں اس لیے پرچہ ہر طرح دلچسپ ہوگا۔

اب دو مہینے سے ایک ادبی ماہوار رسالہ "نکات" نامی شائع ہو رہا ہے جناب حکیم عیش امروہوی جو ایک شاعر ماہر ہیں اس کے ڈائرکٹر آف پالیسی یعنی نگران اصول ہیں۔ اور تین چار بزرگان قلم اس کے معاونین۔ رسالہ ہے خوب اکثر مشاہیر اس کے قلمی مددگار ہیں اور سب سے زیادہ عجیب چیز اس میں تصحیح زبان کا مستقل عنوان ہے عجیب اس وجہ سے کہ جن مقامات کو بھی اُردو کے زچہ خانہ ہونے کا فخر حاصل ہے انھیں ان کے صحت مزاج کی رتی برابر پروا نہیں۔ چاہے کمانسی ہو یا نمونیا ہو جائے۔ کوئی پروا نہیں کرتا پرائے بچے پر یوں کون ناصر صرف کرتا ہے۔ رنگون والے (دربہار) اگر جان مال سے حاضر ہیں تو بے شک تعجب کی جگہ ہے۔

علامہ عیش ایک صاحب نظر ادیب ہونے کے علاوہ طبیب بھی ہیں وہ اُردو کے علل واسقام کے اسباب وعلامات پر اطلاع رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُن کی تصحیح درحقیقت لقب تصحیح کی سزاوار و مستحق ہے۔

رسمی ادبی پرچوں نے دُنیا بھر کو بے نتیجہ کہانیوں کی چاٹ پر لگا لیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جو پرچہ نکلتا ہے قصوں کہانیوں کا پیٹ رکھوا کے نکلتا ہے۔ نکات میں بھی قصے کہانیاں ہیں۔ اور غالباً مجبوری ہیں بایں معنی کہ طفل مزاج ناظرین کے بہلانے کا اور کوئی وسیلہ نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مفید علمی مضامین داڑھی مونچھوں والے صاحبزادوں کے بہلانے کے واسطے عدداً زیادہ کر دیے جائیں۔

خیر صاحب طول سے کیا حاصل۔ خلاصہ یہ ہے پرچہ اُن کئی مشہور پرچوں کی حیثیت رکھتا ہے جو اودھ یا پنجاب سے بالفعل شائع ہو رہے ہیں۔ ساڑھے تین روپیہ سالانہ قیمت پر دفتر نکات رنگون کے نشان سے مل سکتا ہے۔ فقط

متن وحاشیہ

تتمہ نمبر ۴۴ — ۱۷ دسمبر ۱۹۳۲ء

(نمبر ۲)

(از منلق آرا بیگم)

متن: آپ نے اُس کی تمام روئداد کہانی اور کہانے کے بعد اُسے آشرم بھیج دیا۔ مگر آشرم کی چار دیواری میں بھی اس غریب کو پناہ نہ ملی۔ نیلا ناگنی کے حافظہ کی دماغی پلیٹ یا سلیٹ سے غفلت کا اسفنج لگانے پر بھی یہ داستان مٹ نہ سکی۔ اس نے آشرم کے بھاری پتھر کو چوم کے چھوڑ دیا۔

حاشیہ: بیگم ذُون کہانی ہوئی بات چھپ نہیں سکتی۔ سیاپے کی عادت ہے ڈھول بجانا۔ جو ماتا کوئی مادی اور قانونی طاقت نہ رکھتے تھے۔ جو حلق میں اٹکی بات کو حلق سے نکال لیتے۔ جن افسانوں کو مخفی رکھنے کا بالسخت انتظام کیا گیا وہ بھی تو آج کتابوں کے صفحوں پر موجود ہیں۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا قصہ تو تم نے سنا ہی ہوگا کہ ان کی بی بی "ام البنین" بچپنے سے ایک شخص "وضاح الیمن" کے ساتھ محبت رکھتی تھیں۔ دونوں ایک ہی مقام پہ پلے پرورش ہوئے۔ جب ام البنین جوان ہوئیں تو پردہ کرنے لگیں۔ ان کی شادی ولید بن عبدالملک کے ساتھ ہوگئی۔ وضاح کو بہت رنج ہوا بیچارہ مدتوں عائیں مانگتا رہا کہ ایک مرتبہ پھر ام البنین سے ملاقات ہو جائے مگر اتنے بڑے بادشاہ کے محل میں رسائی کہاں۔ ایک روز شاہی محل کے ارد گرد چکر لگا رہا تھا اتنے میں ایک لونڈی قصر سے برآمد ہوئی یہ اُس کے پیچھے لگا۔ دو راہ چلتوں میں بات چیت کا سلسلہ قائم ہو ہی جاتا ہے۔ وضاح نے پوچھا کیوں بی صاحب تم ام البنین سے واقف ہو؟

کنیز: کون؟ میری بی بی سے تو کہیں تمھاری مراد نہیں؟

وضاح: وہ میری چچازاد بہن ہیں۔ اگر تم میرے وارد ہونے کی خبر ان کو پہنچا دوگی تو یقین ہے کہ وہ بہت خوش ہوں گی۔

لونڈی نے اپنی بی بی سے وضاح کا ذکر کیا۔ قصہ مختصر یہ کہ وضاح محل میں مخفی طور پر بلا لیا گیا اور ایک بڑے سے صندوق میں بند کر دیا گیا۔ خلوت کے وقت صندوق سے یہ نوجوان مخفی نکال کے سکھا لیا جاتا اور پھر مقفل۔ اتفاقاً چند روز کے بعد خلیفہ نے چند جواہر اپنی بیگم کو کسی غلام کے ہاتھوں بھیجے۔ غلام ایسے وقت پر پہنچا کہ بادشاہ بیگم وضاح سے گفتگو میں مشغول تھیں غلام نے دیکھ لیا۔ مگر ٹال گیا۔ بیگم نے جواہر پسند کیے۔ غلام نے کہا "حضور ایک موتی اس میں سے مجھے عنایت کیجیے"

بیگم برہم ہو کے بولیں "موئے تو کیا کرے گا؟"

غلام دل میں بات لے کے پلٹا اور چپکے چپکے خلیفہ سے چغلی کھائی۔ خلیفہ محل میں آیا اور آتے ہی بیگم سے خواستگار ہوا کہ مجھے ایک صندوق کی تلاش ہے۔ بیگم نے کہا قربان کی تھی میاں بھی اور صندوق بھی۔ خلیفہ اسی صندوق پر بڑھ کے بیٹھ گیا جس میں چوری کا جیتا جاگتا مال رکھا ہوا تھا۔ اور فرمایا کہ میں تو یہی صندوق پسند کرتا ہوں۔ بیگم نے قہر و جبر اٹھا ظاہری مگر عذر کیا کہ خداوند اس میں بعض چیزیں جو عورتوں ہی کے مصرف کی ہیں رکھی ہوئی ہیں۔ عذر قابل سماعت نہ تھا خلیفہ نے دو غلاموں کو حکم دیا کہ صحن میں گڑھا کھودو۔ ایک چغلی خور غلام اور دوسرا اس کا مددگار کدال سے زمین کھودنے لگے۔ جب اتنا گہرا گڑھا کھد چکا کہ پانی نکل آیا تو انھیں دونوں سے پکڑوا کے صندوق باہر نکالا۔ دڑار میں منھ لگا کے چپکے سے کہا "سنو میاں اگر تم صندوق میں موجود ہو تو سمجھ لو کہ اب تمھاری خبر اس صندوق سے باہر نہیں نکل سکتی اور اگر نہیں ہو تو پھر کوئی پروا نہیں۔ خالی صندوق تھا جسے ہم نے دفن کر دیا۔" اجل رسیدہ وضاح کیا کہہ سکتا تھا۔ صندوق دھڑام سے گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ پھر اس چغل خور غلام کو بھی حکم دیا کہ گڑھے میں اتر جائے۔ اس کے بعد گڑھا پٹوا دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس روز سے ام البنین کی آنکھ ہمیشہ نم رہی کبھی آنسو نہ تھما۔ آخر روتے روتے ہی کام تمام ہوا۔

دیکھو بیگم نورڈن۔ چغل خور [illegible] عشق ناکام بھی دفن [illegible] سے کیا ہاں [illegible] اپنا راز کیوں افشا کرتی ہو۔ مگر اس اہتمام پر بھی تاریخ میں یہ قصہ موجود ہے تو اب تمھیں انصاف کرو کہ گاندھی کیونکر اس واقعے کو چھپا سکتے تھے جو ہمیشہ ان پر مثل آشکار رہا۔ بے شک مس نیلا ناگنی آخر مستانہ بس ہو کے چلی آئیں [illegible] کا یہ اثر تھا کہ آشرم بھی وہ آشرم نہ رہا جو ان کے قیام کے زمانے میں تھا۔

نکلا اس گھر میں کی بیٹی کہ جو قابل گیا

متن: اس غریب پر نکتہ چینی تو خیر ہوتی ہی رہتی ہے کاش معاملہ نکتہ چینی تک ختم ہو جاتا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب وہ بے کس بے بس لڑکی آپ کے ایک رفیق کے گھر پناہ لینے کی غرض سے گئی تو اس نے یہ کہہ کے دھتکار دیا "یہاں رہنے کا قصد ہو تو پہلے مہاتما گاندھی کا سفارشی خط پیش کرو۔" ہائے غریب بن ماں کی بچی۔ مہاتما کا خط کہاں سے لاتی؟

حاشیہ: بے شک یہ بات بری ہوئی۔ بات پر پڑ رہنے میں کوئی نقصان نہ تھا۔ گاندھی کے رفیق نے برا کیا جو یوں آنکھوں پر ٹھیکریاں رکھ لیں۔ قصہ ہے ضرور دردناک مگر امیروں کے ساتھ اتنی مدت تک بی نیلا ناگنی کی زندگی بسر ہوئی اس پر بھی اتنا وقوف نہ ہوا کہ ہاتھی دانت کی گائے سے دودھ مانگنا بیکار ہے۔ گاندھی جی کے چیلے بس دو ہی تین باتوں کے عالم ہو سکتے ہیں جن کا انھوں نے مشاہدہ کیا ہے۔

گاندھی جی کے شاگرد کھدر خوب پہنتے ہیں۔ سڑک پر لیٹنا خوب جانتے ہیں۔ جیل خانے خوب جاتے ہیں اور ان میں سے بعض فاقے کرنا بھی خوب جانتے ہیں۔ رہ گیا کسی عورت کی دلی امنگوں کی قدر۔

اے توبہ! یہ گنوار بھلا اس بازار کا [illegible] کیا جانیں۔ وہی مثل ہے "بھینس کے آگے بین بجائی بھینس کھڑی پگھلائے"

متن: یہ آپ کے [illegible] آپ کو تار دیتے ہیں کہ کیونکر اس غریب نیلا ناگنی کو اپنے مکان سے نکال دیتے ہیں اسے بڑی مصیبت برداشت صرف کرنا پڑی (حکومت مغلیہ کے بعض عہد میں یہ مہمان نوازی کی ذلیل ترین مثال تھی)۔

اس سے زیادہ ناہموار خود حضور مہاتما کا جواب ہے لیجیے وہ مہاتما جو ہر وقت نہایت حکم دیتا ہے کہ دوبارہ یہ مشت استخوان اگر آئے تو پولیس پولیس کا غل مچا دو۔

اللہ ری مردانگی! اللہ رے ہم! اے شرم مہاتما جی شرم۔

حاشیہ: بیگم نورڈن! آجکل کے مرد ویسے ہی غیرت ہوتے ہیں۔ پہلے تو ایک بھولی بھالی عورت (دختر آدم) کا نام ناگنی رکھتے ہیں پھر اس ناگنی سے خود ہی ڈرتے ہیں کہ رات کو کہیں آ کے ڈس نہ لے۔ تم بیکار طعنہ دیتی ہو۔ بنگال کا اگلا زمانہ یاد ہے؟ جب کہ بابو پہلے تو ٹیپو کے آگے پشت دست بڑھاتا تھا اور ادھر اس نے جھنجھوڑی دی یا چیخ ماری یا لات چلائی ادھر بابو لمبا لمبا لیٹ گیا اور رنگا دوہائی دینے "اے پولیس! اے پولیس!!" وہی بنگال ہے جو بڑے بڑے بہادر پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ہمارے گاندھی کی یہ فوج ابھی ایسی ہے بہادروں کے چلن سیکھ لینے پر اللہ نے چاہا مردانگی اور جوانمردی کے ہنر دکھائے گی۔ نام کی ناگنی سے ڈرنا چند روزہ ہے۔

متن: یہی نہیں ذرا آپ اپنے سپہ سالار کی بہادری دیکھیے پریس میں بیان شائع کراتے ہیں۔ "اللہ نے جان بچائی کہ ناگنی دوبارہ واپس نہ آئی۔" "بہ شکر" ہاں صاحب شکر کیجیے۔ خدا تو کبھی ایک بے کس لڑکی یا ایک مصیبت زدہ عورت سے یوں خوف زدہ کرتا۔ وہ تو اسی نیلے گنبد کے سائے میں اسی گول مول گستر [illegible] کو پناہ دیتا ہے۔ چاہے جو دشمن ہو یار دوست [illegible]

حاشیہ: بی بی نورڈن [illegible]

[illegible]

بال بیکا نہ ہوا۔ جب انھوں نے دلی میں جنگی برت رکھا تھا تو حکیم اجمل خاں مرحوم۔ مولوی ابو الکلام صاحب اور پنڈت مدن موہن مالوی صاحب اُن کے گرد بیٹھے تھے انھوں نے صرف ان دو مسلمانوں کو فساد سے باز رہنے کی وصیت کی۔ وہ نازک وقت تھا۔ ایسے وقتوں پر دعا قبول ہوتی ہے مگر نہ قبول ہوئی خوب خوب فساد ہوئے۔ خیر فسادی ہندوؤں کے بارے میں دعا مانگی ہی نہ تھی اس کے ردّ و قبول سے بحث کیا ہو۔

میرا مطلب یہ ہے کہ تمھاری یہ دعا پہلے ہی سے مقبول ہے ان کی دعا کبھی در اجابت سے ٹکرانے کی عادی نہیں مطمئن رہو اچھوتوں اور ہریجنوں کے بارے میں بھی قبول ہوتے نظر نہیں آتی "

متن "آخر میں دعا ہے کہ خدا آپ کے گناہ معاف کرے اس لیے کہ آپ اپنی تمام کارستانیوں کے نتیجے پر کبھی غور نہیں کرتے۔ (مسز فورڈن)

حاشیہ: الٰہی آمین۔

منطق آرا بیگم

مولانا پنچ کی نوٹ بک

لاحیٔ فیوجی ولامیت فینسی

نہ زندہ ہیں ترسے عاشق کہ لو لگائے کوئی
نہ مردہ ہیں کہ پس از یاس ہو جلائے کوئی

کہتے ہیں کہ صخر بن عبد اللہ شرید اپنی چچا زاد بہن سلمی پر عاشق تھے مگر معشوق کے ماں باپ راضی نہ تھے۔ ایک مدت یوں ہی گزر گئی اسی اثنا میں بنو اسد نے بنی سلیم پر تاخت کی۔ بنی سلیم مغلوب ہو گئے اور سلمی اسیر۔ صخر وہاں موجود نہ تھے جب یہ خبر انھیں پہونچی تو یکہ و تنہا انتقام کی غرض سے بنو اسد پر چڑھ دوڑے۔ بنی سلیم اپنے دل میں بہت خوش ہوئے کہ قبیلے بھر میں ایک ہی جوان قید و قتل ہونے سے بچ رہا تھا۔ تو وہ خود ہی ہمارے جنگل میں پھنسنے چلا آیا۔ مگر جب یکے بعد دیگرے مقابل ہوئے تو صخر نے برا غلغلہ کیا اسیران بنی سلیم نے جو یہ کیفیت دیکھی تو ایک نے دوسرے کی قید کاٹ دی اور بنی اسد پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ کہ جو غالب تھے مغلوب ہوئے اور سلمی صخر کے ہاتھ لگیں دونوں کا عقد ہو گیا۔ مگر صخر کے پہلو میں ایک زخم لگ گیا تھا جو کسی طرح اچھا نہ ہوا۔ سلمی تیمارداری کرتے کرتے اکتا گئی۔ قبیلے کی عورتیں سلمی کے پاس اس کے شوہر کی عیادت کرنے آئیں۔ حال پوچھتیں وہ کہتی۔

لا حیٔ فیرجی ولا میت فینسی (نہ زندہ ہیں کہ امید ہو۔ نہ مر چکے ہیں کہ یاس ہو) صخر سنتا اور چپ ہو رہتا ایک روز روانے پر کسی نظر باز نے سلمی سے گلاوٹ کی "کیوں جی۔ یہ جو ہیں کب تک رہے"۔ سلمی نے جواب دیا ہاں چند روز کے بعد" صخر بیچارہ یہ جواب سن کے بستر بیماری پر تڑپ گیا۔ سلمی سے کہا بی بی ذری میری تلوار اٹھا دو۔ دیکھوں کہیں زنگ تو نہیں لگا۔ زنگ ونگ کا تو بہانہ تھا۔ اصل مقصد بی سلمی کی جراحت زبان کے بدلے جراحت شمشیر کا مزہ چکھانا تھا۔ سلمی تلوار لائی۔ صخر نے کھینچنے کا قصد کیا۔ طاقت جواب دے گئی لاکھ لاکھ زور کیا شمشیر نیام سے باہر نہ آئی۔ بیچارہ رو کے خاموش ہو رہا۔

ہمارے پنڈت جواہر لال نہرو پر قید و بند سے نجات پانے اور حکومت سے لڑ چکنے کے بعد گمبھے کے سلام آزادی ہاتھ لگی۔ مگر نہیں پہلو زخمی تھا۔ یہ زخم نااتفاقی کا ہے کیونکر بھرتا۔ جد و جہد کے بعد بہا سبھا جو سلمی کی قائم مقام ہے شمشیر زبان سے گی جراحت پہونچانے اور بتکارنے کہ پنڈت جی پر نہ زندگی کا اطلاق ہے نہ موت کا اطلاق۔ قوم کی بڑی تعداد سے نظر باز موقع شناس پوچھ رہے ہیں "کیوں جی۔ جو بن بگاڑ ہے "" اور وہ جواب دیتی ہے "انشاء اللہ چند روز بعد" پنڈت جی بیچارے کی پولیٹکل اسکیم زنگ خوردہ تلوار کھینچنا چاہتی ہے مگر طاقت جواب دیتی ہے۔

سال قریب ختم ہے۔ پورے بارہ مہینے کانگریس پر سے یوں ہی کٹے پوچھیے کہ سال بھر کیا ہوتا رہا؟۔ تو جواب گول گول یعنے صفر محض ہے۔ ایسے نفاق اور دورا دُ کی حالت میں حکومت حماقت کرتی ہے جو کانگریس کے اجلاس کو روکتی اور اپنے سر بے جا مخالفت کا الزام لیتی ہے بھلا کس قسم کی بغاوت متصور ہے اور یہ اجلاس حکومت کو کس قسم کا نقصان پہونچا سکتا ہے؟۔

روک ٹوک سے خواہ مخواہ اچھے دل بھی برے ہو جاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اگر یہ میلا ہو ابھی تو از دست شول پو خیزد"۔ بلکہ نفاق بڑھنے کی توقع کرنی چاہیے۔

اعلان

ماہ دسمبر میں جن حضرات کی مدت خریداری ختم ہے اُن کی خدمت میں بعد اطلاع وی۔ پی روانہ ہو چکے ہیں۔ براہ کرم وصول فرمالیں اطلاع ملنے پر خاموش رہنا اور وی۔ پی پہونچنے پر وصول نہ کرنا خلاف مروّت ہے۔

منی آرڈر بھیجنے والے اصحاب لفافا یا قیمت کا منی آرڈر بھیج دیں۔

منیجر صاحب دی کانٹی نینٹل اڈورٹائزنگ کمپنی بیڈن روڈ دی مال لاہور۔

اپنے موجودہ طرز عمل سے باز آ کے ماہ اکتوبر ۳۳ء سے اس وقت تک کا حساب جو کہ اُن کے ذمہ باقی ہے جلد از جلد بیباق کر دیں۔

سال ختم ہو رہا ہے اودھ پنچ کے پرچے جن حضرات کے پاس کم ہو گئے ہیں پرچوں کی تاریخ اور نمبر سے مطلع کریں۔ ساتھ ہی۔ فی پرچہ کے حساب سے ٹکٹ ڈاک برائے محصول روانہ فرمائیں۔

ایسے اصحاب کو پرچے تلاش کر کے بھیج دیے جائیں گے۔

احمد حسین ملوی منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

مصوّر صاحب کی ناسازی مزاج کے سبب سے کارٹون نہ شائع ہو سکے۔

نیاز مند ایڈیٹر

دو ہنسنے والوں کا مقابلہ
مسٹر کھسٹو
مس حسینہ
ہمیشہ ... استعمال کرو

اردو پریس لکھنؤ

آٹھواں حصہ شائع ہو کر جلد اول مکمل ہو گئی

اب حصہ یازدہم شائع ہونے والا ہے

قیمت فی جلد عہ علاوہ محصول ڈاک

قیمت فی حصہ عہ

جامع اللغات اردو

و السنہ متعلقہ

مرتبہ:- خواجہ عبدالمجید بی اے

جلد اول میں تقریباً ۸ ہزار الفاظ بیس ہزار محاورات چار ہزار ضرب الامثال و اقوال ۴ ہزار سوانح حیات ۸ ہزار جغرافیائی حالات ہیں

واحد لغت جس میں اردو کے علاوہ فارسی عربی سنسکرت اور ہندی الفاظ کے معانی بھی مل سکتے ہیں

المشتہر:- خواجہ محمد محمود اختر بی - اے مینیجر جامع اللغات کمپنی - بل روڈ - لاہور

نوادر

(یعنی)

مجموعۂ لطائف و ظرائف

مؤلفہ

مرزا محمد عسکری صاحب بی - اے

ہنسنے ہنسانے اور دل بہلانے کی بہترین کتاب

زبان اردو میں مذاق اور ظرافت کا بے مثل مجموعہ

قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ

مکان مؤلف عبدالعزیز روڈ لکھنؤ

REGISTERED NO. A. 785
ظریف ہفتہ وار
LUCKNOW
OUDH PUNCH
اودھ پنچ لکھنؤ
M B KHAN

جلد ۱۸ نمبر ۲۶

مضامین

(مورخہ ۲۶۔ دسمبر ۱۹۳۳ء)

جامع اللغات و نور اللغات

(نمبر ۲۹)

جناب حاجی زمزم اللغات صاحب فرماتے ہیں:۔
"اتنا بھرا کہ چھلک گیا۔ اتنی خیانت کی کہ کھل گیا۔ اتنا نفع کمایا کہ کھل گیا۔ اس قدر چھیڑا اتنا پریشان کیا کہ بگاڑ ہو گیا۔"

ذرا پوچھیے یہ کوئی کہاوت ہے۔ روزمرہ کا محاورہ ہے؟ آخر کیا بلا ہے اور کون بولتا ہے؟۔
ہا! زبان کی موچ لغوی ہونے کے سبب بھی نکل نہ سکی۔ پھر فرماتے ہیں اتنا جھوٹ بولو جتنا آٹے میں نمک۔ خدا بچائے اس سے جو یوں جھوٹ بولنے کی ہدایت کرے۔ اول تو آٹے میں نمک ڈالنا ضروری نہیں۔ دوسرے رواج بھی نہیں۔ "بلکہ فی الطعام" صحیح ہے کہ جس قدر نمک عموماً کھانے میں پسند کیا جاتا ہے اور جتنا مناسب ہے اور طعام کی لذت کو برقرار رکھتا ہے اتنا ملانا چاہیے۔ اس کی مقدار معین ہے۔ طعام آٹے کا قیاس عجیب ہے۔
آٹے میں نمک ملا کے تو میاں مٹھو کو بھی نہیں دیا جا۔ واہ رے اکمل اللغات۔
ایک لغت نئی سنیے کہتے ہیں اٹھلو (ص) وہ آدمی جس کا قیام ایک جگہ نہ ہو۔ وہ شخص جو استقلال کے ساتھ کوئی کام نہ کرے۔"
آپ کو واللہ کسی بھلے مانس اردو بولنے والے کی زبان سے آپ نے یہ لفظ سنا۔ نظم میں نہ ہو نثر میں سہی۔ اس طرح الفاظ گڑھنے پر کوئی آئے تو حضرت زمزم اللغات کا نام کتنے رکھ سکتا ہے وہ آدمی جو لغت کی کتاب لکھنے کا قصد کرے گھڑی

حالت واجبی ہی ہو سکتا ہو۔
ارشاد ہوتا ہے اٹھوانسا اس بچے کو کہتے ہیں جو آٹھویں مہینے پیدا ہو۔ مگر اس کا نتیجہ پھر بھی واضح نہیں فرماتے کہ ایسا بچہ اکثر زندہ نہیں رہتا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں جو شخص بیمار رہے اس کی نسبت بھی کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اٹھوانسے بچے اگر شاذ و نادر زندہ رہتے ہیں تو خوب توانا چاق چوبند ہوتے ہیں۔ ہاں ستوانسے یعنی وہ بچہ جو ساتویں مہینے پیدا ہو جائے اکثر بیمار و مضمحل رہتا ہے۔ یعنی جو بچہ آئے دن بیمار رہے اس کو ستوانسے بچے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور یہ واضح رہے کہ بیمار بچے ہی کے بارے میں دستوانسے کا لفظ کہہ سکتے ہیں اگر خدانخواستہ دشمنوں کے کان بہرے سات سمندر اُس پار ہمارے حاجی زمزم اللغات صاحب اکثر بیمار رہیں تو کوئی ذہورت ہو مگر تنازع مزاج مردِ کبھی نہ کہے گا کہ "وہ تو اٹھوانسے" ہیں تو ستوانسے ہیں جب دیکھو بیماری موجود ہے۔ ہم بھی تو ستوانسے بیاتے ہیں اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ صاحب جامع اللغات نے ہمارے حاجی صاحب کے مقابلے میں بہت زیادہ محنت کی ہے یہ دوسری بات ہے کہ انھیں اصل کتاب یعنی ماخذ کے غلط ہونے کا علم نہ ہو۔ ایک ایسا شخص جو اہل زبان نہیں کیونکر ان لوگوں کی غلط کاری پر مطلع ہو سکتا ہے جو لکھنؤ کے پڑوسی خود شاعر اور شاعری کے وارث ہونے کے مدعی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر ایسے لغات کا حل صاحب جامع اللغات نے کیا ہے جو نور اللغات میں موجود نہیں۔ بعض ایسے الفاظ بھی جامع اللغات میں ملتے ہیں جو نور اللغات میں نہیں۔
دیکھیے ابراہیم ایک مشہور لفظ ہے اور شعرا نے بکثرت یہ نام اپنے اشعار میں لیا ہے کوئی "پور آزر" کہتا ہے کوئی ابن آزر۔ ان کے واقعات سے شعرا نے تلمیح بھی کی ہے۔ مگر یہ لفظ نور اللغات میں موجود نہیں۔ صاحب جامع اللغات نے یہ نام لکھ تو دیا مگر تھوڑی غفلت بھی کی یعنی آزر ابو نا ابراہیم علیہ السلام کے والد نہ تھے بلکہ مربی اور چچا تھے۔
جامع اللغات میں ہے کہ ان کے باپ تھے

(اکثر مورخین کو یہ معلوم نہیں جو ہم کہتے ہیں) دوسرے یہ کہ ان عبرانی نام אברהם تھا جس کے معنے ابوالکثیر یا گروہ کا باپ ہیں۔ عربی میں اکثر عبرانی الفاظ اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہے۔
علی ہذا القیاس "ابرہہ" کا نام بھی اردو شعرا نے اکثر نظم کیا ہے یہ نظمیں برابر اردو کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ مگر حاجی زمزم اللغات صاحب نے وہ بھی چھوڑ دیا۔ اسی طرح ابداع کی بھی حاجی صاحب نے پروا نہیں فرمائی۔
صاحب جامع اللغات نے لفظ کی شرح مجمل کی حالانکہ مفصل ہونا چاہیے تھی۔ یعنے ابداع سے مراد ہے لا شئے سے شئے کا ایجاد۔
ابداع عام ہے خلق سے اسی وجہ سے خداوند عالم نے فرمایا ہے بدیع السموات والارض مگر کہیں بدیع الانسان نہیں فرمایا۔
اسی طرح "اسام" کہ یہ لفظ انشا کی کتابوں میں بکثرت آتا ہے مگر حضرت زمزم اللغات کو نہ سوجھا۔
لفظ "اتحاد" دونوں لغتوں میں موجود ہے مگر بہت سطحی اور عامی شرح ہے یوں لکھنا تھا کہ جنس میں اتحاد ہو تو مجانسہ۔ نوع میں ہو تو مماثلت۔ خاصہ میں ہو تو مشاکلت۔ کیف میں ہو تو مشابہت۔ کم میں ہو تو مساوات۔ اطراف میں ہو تو مطابقہ۔ اضافت میں ہو تو مناسبت۔ وضع اجزا میں ہو تو موازنہ کہیں گے۔
تاکہ کتاب اہل علم کے مطالعہ کے قابل ہوتی۔ ایک معنی اور بھی اتحاد کے ہیں (جو اصطلاح حساب ہے)۔
اس کے علاوہ صوفیہ کی اصطلاح میں کچھ اور ہی معنی ہیں۔ صاحب جامع اللغات نے اس لفظ کے معانی میں ایک غلطی بھی کی ہے یعنے وہ تیسرے معنی اتحاد کے معاہدہ و عہد کے لیتے ہیں۔ نہ اردو میں انھیں اس کی مثال ملے گی نہ عربی میں۔
ہماری ناقص رائے لغت کی تحریر کے بارے میں یہ ہے کہ جو الفاظ اردو میں کسی اور معنی سے بولے جاتے ہیں اور وہ علوم کی اصطلاح سے بھی متعلق ہیں تو ان کی شرح جامع و مانع ہونی چاہیئے۔
مثلاً "اجارہ" اس کے لغوی معنی مزد۔ پاداش وغیرہ

جن کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ تعریف صحیح واضح یا آسان میں تو عبارت میں ترمیم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مگر وہ ہمارے اعتراض کو شاید نہیں سمجھے ہمارے اعتراض کا اصل مطلب یہ تھا کہ نقل عبارت میں غور و فکر سے کام نہیں لیا گیا۔ کہ آیا منقول عنہ صحیح ہے یا نہیں یا جو الفاظ ادائے مقصود کے واسطے منقول عنہ میں استعمال کیے گئے ہیں وہ قابل نقل ہیں یا نہیں اور یہ ایک بے احتیاطی ہے۔

دیکھیے اگر صاحب جامع اللغات ہماری طرح حاجی زمزم صاحب کی علمی استعداد سے واقف ہوتے تو کبھی اجمال کی وہ تعریف نور اللغات سے نقل نہ کرتے جو اوپر مذکور ہوئی۔ یعنی "تحریر یا تقریر میں ایسا مضمون لانا جس کا مطلب زیادہ ہو اور عبارت کم" یہ آخری حصہ اس عبارت کا جامع اللغات میں نہیں ہے۔ "اور اس کے سمجھنے میں ذرا دقت ہو" اچھا کیا جو یہ ٹکڑا نقل نہ کیا۔

"خصیہ کشی" کی مہمل اصطلاح بھی جامع اللغات میں نور اللغات ہی سے نقل کی گئی ہے۔ یہ خصیہ کشی رسالہ کشی کی سوتیلی بہن ہے۔ ہم نے تو کچہری میں بھی خصیہ کشی کی اصطلاح کسی کی زبان سے نہیں سنی۔ کچہری وہ مقام ہے جہاں زبان کی ستیاناسی کا ایک منظم کارخانہ کھلا ہوا ہے۔ بالفاظ دیگر نور اللغات کی طرح کچہریوں کی زبان بھی خدا جانے کس کس سے پیٹ رکھوا کے بچہ کشی کے دائمی مرض میں مبتلا رہتی ہے۔ خدا کی مار اس خصیہ کشی پر۔ معلوم نہیں وقت کو (بر ہے یا لا برہ) جس بے وقوف کی یہ رائے ہے کہ نور اللغات سے اردو زبان کو نفع پہنچا یا خزانۂ اردو میں کوئی زیادت ہوئی اس کی عقل یقیناً صحیح نہیں۔ بھلا دیکھیے تو سہی حاجی زمزم اللغات کے افادات فاسدہ کے تتبع اثر نے لوگوں کو غلط راہ پر لگایا کہ نہیں؟ جو شخص اجمال اور ایجاز اور مشکل کا اصطلاحی فرق نہ جانتا ہو وہ لغت کی کتاب لکھنے کے قابل ہے۔ ہم اسے "مشتبہ الصنف" بایں معنی کہہ سکتے ہیں کہ یہ اردو زبان کے لیے کا ہے گوشت ہے اور بد گوشت بھی" اضافہ (ترنابی)

کی حد میں داخل ہے۔

مشکل کی تعریف یہ ہے "وہ جس کی مراد بغیر تامل بعد الطلب معلوم نہ ہو سکے" اور یہی مراد حضرت کے اس فقرے کی ہے "اور اس کے سمجھنے میں ذرا دقت ہو" جو عبارت لفظ اجمال کے تحت میں حضرت حاجی زمزم نے تحریر فرمائی ہے وہ ایجاز و مشکل کی مجموعی تعریف ہے نہ اجمال کی۔

صاحب جامع اللغات کو اگر دھوکا نہ ہوتا تو وہ عبارت نور اللغات میں "خلاصہ و انتخاب" وغیرہ کے الفاظ نہ بڑھاتے۔ خلاصہ و انتخاب کو بھی اجمال سے کوئی لگاؤ نہیں۔ اس لیے کہ خلاصہ یا انتخاب اگر مجمل ہو تو اس میں احتمالات کی گنجائش ہوگی احتمالات کا ورود نفس مطلب کے سمجھنے میں مانع قوی ہوگا لہٰذا خلاصہ اور انتخاب کا فائدہ ہی جاتا رہے گا۔ اس کے علاوہ ایجاز یعنی "قلیل تر عبارت میں ادائے مقصود" حسن ہے اور اجمال ایک قسم کا عیب ہے۔

قابل مدح ہے وہ کھوپڑی جو قبیح کو "حسن" کی حد میں داخل کر دے۔ حاجی زمزم صاحب نے "ایجاز" کی سی مشہور و معروف لغت بھی اپنی کتاب سے خارج کر دی "نہ ہوگا بانس نہ بجے گی بانسری" اور شاید انھیں کی تقلید میں جامع اللغات نے بھی اس لفظ سے تعرض نہیں کیا۔ اور ہاں چنیل خور (آئینہ کو کسبت دکسوۃ) میں کرلت۔ کجے ہے۔

حاجی زمزم اللغات صاحب نے ایک لفظ "اُجھیرَا" لکھا ہے۔ ہندی الفاظ سے ہم نے اس مضمون میں عمداً تعرض نہیں کیا مگر یہ لفظ زیادہ مشہور ہے اس کی تعبیر یوں کی گئی ہے۔

"(ھ) ع۔ جھگڑالو۔ بات بات پر تکرار کرنے والا۔ ہر شخص سے الجھنے والا"

ان تمام الفاظ کا مطلب صرف ایک لفظ "وحشی" سے ادا ہو سکتا تھا۔ کیونکہ درحقیقت یہ ایک قوم ہے جو صوبہ اودھ میں گھاگھرا کے کنارے آباد ہے۔ یہ دحشی ہنکو دتے اور شکار پر بسر اوقات کرتے ہیں۔ وحشی ہونے کے ساتھ ہی جری بھی ہوتے ہیں اس وجہ سے اکثر لڑتے بھڑتے ہیں۔ ان کی جرأت کا یہ حال ہے کہ ایک موٹے ڈنڈے سے جس میں لمبا سا کھرپی کی طرح کا بارٹ دار پھل لگا ہوتا ہے بھیڑیے جنگلی سؤر بلکہ شیر اور چیتے کا شکار کرتے ہیں۔ حاجی صاحب نے جو "ھ ع" لکھا ہے یعنی یہ عورتوں کی زبان ہے بالکل غلط اور مہمل ہے۔ "عو" کو اس سے کوئی علاقہ نہیں۔

ہاں شہری فصحا یہ لفظ کسی کے بارے میں بھولے سے بھی نہیں بولتے خواہ وہ "عو" ہوں یا "مر" کی صنف میں داخل ہوں۔ عامیانہ بلکہ دیہاتی لفظ ہے۔ (باقی آئندہ)

راقم

خاکسار ادبار اللغات

میاں فریدوں کا کارنامہ

حضرات یہ نہ سمجھیے گا کہ ہمارے افسانے کے رستم میاں فریدوں وہی شخص ہیں جس نے ایران سے ضحاک عربی کے مظالم کا استیصال کاوہ آہنگر کی مدد سے "درفش کاویانی" کے سایے میں کیا تھا۔ نہیں کہاں وہ کہاں یہ؟ ایرانی فریدوں ایک بادشاہ تھا اور یہ ٹھہرے انگریزی رعایا کے ایک فرد۔ وہ ظلم سے نفرت کرتا تھا۔ انھیں ظلم ہی نے اپنے تھنوں سے دودھ پلا کے پرورش کیا۔ وہ ضحاک کا مقابل تھا یہ خود ضحاک کے چیلے یا شاگرد ہیں۔ ضحاک معرب ہے "دہ آگ" یعنے دس عیبوں والے کا۔ پس اس میں دس عیب تھے جن کا تذکرہ کتب تاریخ میں ہے اور میاں فریدوں میں سو عیب ہیں۔ کچھ اس میں سے فطری ہیں۔ کچھ کسبی۔ کچھ وضعی۔ کچھ شرعی۔ ہمارے میاں فریدوں حسینوں کے دم گزرے ہیں پانچویں قوم کے فرد ہیں ایسا معطر شجرۂ نسب رکھتے ہیں کہ پسینے کی بو سے لوگ پہچان لیں۔ اور خمیر مایہ کا پتہ لگ جائے۔ ان کے دوستوں کو افسوس ہے کہ بہا سندی بادری نسب نے بھی انھیں اکل حلال کی صفت سے محروم رکھا

وجاہت ہے مگر زوحزنیت لیے ہوئے۔ آنکھوں سے خرانٹ پن برستا ہے لیکن رشک وحسد کا دھندلاپن بھی ہے گندمی رنگ سے جوزردی جھلکتی ہے۔ گردن ہے گردرازی سے محروم۔ سینہ گنجینہ کینہ ہے۔ اور پیٹ مال حرام کا دفینہ۔ ہوسکتا ہے کہ دل ہو مگر اہل دل کے اوصاف سے خالی محض ایک صنوبری مضغہ گوشت جس کا حجم کدو دانتوں کا منت گزار۔ خوف خدا سے بالکل خالی۔ بات چیت فتنہ انگیز۔ رفتار قیامت خیز۔ خیالات اگرچہ ہمالیہ کی چوٹیوں سے ٹکراتے ہیں پھر بھی پستی ہی کی طرف جاتے ہیں۔ اوصاف حمیدہ وخصائل پسندیدہ سے ان کو خاص عداوت ہے۔ اسے کیوں نہ ہو بھلا شیطان کو اولیا کے صفات سے کیا علاقہ؟ آپ جانیے اساد تستدوں سے دنیا خالی نہیں۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ اولیاء اللہ کو مرید ملیں اور یہ محروم رہیں۔ نہیں صاحب ان کے مرید بھی ہیں جو ہر وقت پرستش میں مصروف رہتے ہیں۔ جن کی مرادوں کا مرکز حضرت کی ذات ہے۔ جن کو دھڑکا لگا رہتا ہے کہ ان کی نظروں سے گرے تو دنیائے عشق بازی میں پھر قدم دھرنے کو جگہ نہ ملے گی؟ ارباب نشاط کی نگاہ سے گر جائیں گے پھر کوئی "میاں" کہنے والا نہ ملے گا۔ دنیا کی جنت سے محروم ہونے کے بعد نخاس کے چوراہے کے سوا اور کہاں ٹھکانا ہے۔ پُرانے مال میں شامل ہو کے ایک دو تین کردیے جائیں گے۔ فریدوں میاں کے مرید ہر طبقے اور ہر صنف کے ہیں۔ مثلاً مسخرے۔ منہ پھٹ۔ شاعر۔ نثار لغبازکہ جن کی تحریر وتقریر بفضل خدا لیاقت اور صحت کی شرمندہ احسان نہیں۔ ان کے مخالفین کو اپنے نیزۂ خلقی یا خطرات شیطانی سے ڈراتے دھمکاتے رہتے ہیں۔ "اون۔ بھائی فریدوں سے دشمنی رکھتے ہو تو سہی جو تین ماہ صوت بر جیدر دریائے شور کی سزا نہ دلوادوں"۔

ایک صاحب نظر کو سطور بالا سے ہمارے فریدوں کے ذرائع معاش معلوم کرلینا مشکل نہیں۔ ذرائع ہیں تو متعدد مگر سب کا حصر ایک نقطہ کیا دہی میں ہوسکتا ہے۔ ان کا لباس نہایت شریفانہ صاف ہے۔ باتیں بہت ہی چکنی چپڑی۔ دوستی کرتے ہیں متمول احمق صاحب غرض ان کے دام میں بہت جلد پھنس جاتا ہے۔ اغراض کے اقسام بہت سے ہیں تو ان کے دام فریب کے حلقے بھی مختلف قسم کے ہیں۔ فرض کیجیے کوئی نوجوان امیرزادہ ہے جس نے اباجان کے مرحوم ہوجانے اور بے تعلیمی کی حالت میں دولت پائی اب وہ اپنی دولت رکھنے کے لیے ایک ایسے مخزن کی تلاش میں ہے جو مخفی بھی ہو مختصر بھی ہو۔ زر علیہ السلام کو اس میں جگہ ملے تو پھر نکلنے کا نام نہ لے۔ اصل مالک کے پاس پلٹنے کا ارادہ ہی نہ کرے۔ ایسی حالت میں ہمارے فریدوں میاں اس غریب کی مشکل نہایت ہمدردی کے ساتھ حل کردیتے ہیں۔

"اخاہ حضور ہیں۔ واللہ نہایت حیرت ہے کہ خدا نے اپنی تمام نعمتیں آپ کو عنایت کی ہیں۔ حسن بھی ہے۔ جوانی بھی ہے۔ دولت بھی ہے۔ آزادی بھی ہے۔ پھر بھی آپ تفریح اور دل بہلانے کا سامان نہیں کرتے۔ آپ سے تو میں غریب ہی اچھا کہ تھوڑی سی آمدنی میں مرنجاں مرنج زندگی بسر کرتا ہوں۔ مکان ہر وقت اندر کا اکھاڑا بنا رہتا ہے۔ حکیم ڈاکٹر وکیل۔ مولوی منشی۔ اخبار نویس شریف۔ لطیف۔ ظریف۔ رئیس۔ حکام۔ اہل پولیس۔ دربار میں حاضر رہتے ہیں۔ کیا مجال کہ میں کوئی بات چاہوں اور وہ نہ ہو۔ آپ کو خدا کی قسم ذری ایک دن غریب خانے پر تشریف لائیے بلکہ آج ہی چلیے۔ آج ایک نئی قمری اپنی "کو کو" سنائے گی۔ سنیے گا کیا نور کا گلا پایا ہے۔ گورنمنٹ ہوس میں مجرا کرنے بلائی گئی تھی۔ میں نے گورنر صاحب سے کہہ دیا کہ پہلے میں بجرا سُن لوں گا تو پھر آپ بلوائیے گا"۔ ظاہر ہے کہ نوجوان جاہل اپنے اماں باوا کا لاڈلا ایسی باتوں پر کیونکر نہ مائل ہوگا۔

اس نے ٹیک مغز واسطے میاں فریدوں کا خلوت خانہ دیکھا اور گرویدہ ہوگیا۔ اس خلوت خانے میں جنت تک پہونچنے کے تمام سامان لیس رہتے ہیں۔ شراب چنڈو افیون بھی حاضر۔ حجرا آباد کرنے والی رنڈی بھی موجود۔ دیہنی دل لگی سے دل بہلانے واسطے مسخرے بھی ہوتا۔ تاش گنجیفہ شطرنج کھیتیں ڈریٹ بھی لیس۔ بیمار پڑجائیے تو حکیم ڈاکٹر ڈھونڈھنے کی زحمت نہ ہو۔ جوے کی علت میں پکڑ جانے کا ڈر نہیں تھانیدار صاحب سے دوستی کس دن کے لیے کی تھی اور مقدمہ اٹھ بھی کھڑا ہو تو آنریری مجسٹریٹ ہی کے اجلاس پر جائے گا۔ اور کسی دوسرے محکمے میں گیا تو وکیلوں کی خدانخواستہ کمی نہیں۔ ہاں اگر قرض کی ضرورت ہو تو دس روپیہ سے کے ہزار روپیہ کا پرونوٹ لکھوانے والے مہاجن بھی مستعد ہیں۔

کہیے حضرات اب جب ہمارے میاں فریدوں کو یہ سامان میسر ہیں تو اب ان کے معاش کی تفصیل فضول ہے یا نہیں۔ اور انھیں جو بجائے خود غرض ہے تو بجا ہے یا بے جا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی صید ذبون تباہ ہونے کے بعد جیتے اور مرنے کے بعد خبردار ہو۔ یا تھوڑی سی مار میں بوکھلا جائے اور پٹا جھنور کی توڑ اکے بھاگ نکلے۔

بعدالت جناب ڈسٹرکٹ جج صاحب بہادر گونڈہ

مقدمہ نمبر ۳۳ سنہ ۱۹۳۳ء دیوالیہ
فیصلہ نومبر سنہ ۱۹۳۳ء
منی پھول وت ولد بھدرام ولد سیوہ رام برہمن پانڈے ساکن موضع کیتی پرگنہ پچھم ضلع گونڈہ۔ دیوالیہ

بنام

پکھیو مہاجنان

مقدمہ بہ عنوان میں جملہ مہاجنان کو اطلاع دی جاتی ہے کہ منی پھول دت حکم عدالت مورخہ ۱۳ نومبر سنہ ۱۹۳۳ء دیوالیہ قرار دیا جا چکا ہے اور اندر ایک سال درخواست برائے تصدیق کے

المرقوم ۶ دسمبر سنہ ۱۹۳۳ء

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

گو اس طرح کے مقامات سے میاں فریدوں کو ضرر
پہنچنے سے رہا۔ زیادہ سے زیادہ بس یہی نسبت کہ مرد و دہر
اس ہفتے میں آ پھنسے گا۔ یہ اطمینان ہے کہ فریاد
کر ہی نہیں سکتا کیا معنی کہ بے زر ہے بے پر
ہے۔ قیدی پھنسا تھا سکے تو کیا کیجے اور کہہ سکے
سکے۔ حالانکہ ہمارے میاں فریدوں کی حرکت
پھر بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی یعنی رم خوردہ شکار
کی دُم بھی دہائی سے محروم رہتی ہے۔ اور کچھ
نہیں تو یار و اغیار میں بُرائیاں ہی روتے پھرتے
ہیں۔ دیکھا احباب ہم نے نواب احمق الدولہ
کے صاحبزادے کے ساتھ کیسی کیسی رفاقت کی۔
آپ دیکھنے والے موجود ہیں۔ بی مردار جان پر
جب وہ عاشق ہوئے تو ہم نے ان کو زندہ درگور
کیا جو ہم کوشش نہ کرتے تو وہ بھلا پیچھے پر ہاتھ بھی
رکھنے دیتیں۔ استغفر اللہ۔ بعد ازاں ہزار بار
سمجھایا کہ مردار جان کی صحت اچھی نہیں۔ نہ مانا
آخر نیم کی ٹہنی ہاتھ میں لینی پڑی۔ اس بیماری میں
حکیم...... صاحب کو راضی کیا انھوں نے انتہائی
کا جلاب دیا تو زندگی ہوئی۔ حتی المقدور تیمارداری
بھی کی۔ اور حضرت بھی نہیں جب خرچ کی تنگی ہوئی
تو لالہ چھوٹے پرشاد سے پانچ سو روپیہ سیکڑا ارزانہ
سود پر قرضہ بھی دلوا دیا۔ اس کے جواب میں
ان صاحبزادے نے کیا کیا۔ اے جناب اب
فرشتہ ہیں۔ ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا۔ خیر بار
میں تو میں ان کے خلاف مضمون لکھ کر چھپا دیتا
اور نمبر اسکے رجسٹر میں نام بھی موجود ہے۔ ہم میں
نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کی آبرو جائے
ورنہ آج اگر چاہوں تو نمبر پولیس کی مدد سے بھی
استاد بانکے خاں کے پٹھوں کو بھیج کر پٹوا دوں
الغرض ہمارے میاں فریدوں صاحب کی مختصر کہانی یہ
ہے۔ ان کے جوہر آگے بڑھ کے اور کھلیں گے
نہایت سوانح زندگی راقم الحروف کو یاد ہیں جن کو
ظرافت سے بھی خاص تعلق ہے انشاء اللہ
ترتیب وار سنیے اور عبرت حاصل کیجیے۔ آئندہ

راقم۔۔ م۔ ح سیتاپوری

پنچ مل خدا۔ خدا مل پنچ

"کچھ اپنے متعلق"

سنیے صاحب! سال ہو گیا ختم۔ ہم سال کے آخری
ہفتے میں عموماً تین سو پینسٹھ دنوں کے ملکی واقعات
پر تبصرہ کرتے تھے۔ مگر اب جو روزنامچہ اٹھا کے
دیکھتے ہیں تو ہندوستان بیکاری نشان کے کل
واقعات ایک خواجہ سرا کی معمولی زندگی کے سوانح
ہیں جو صرف خوردن و ریدن بے صرفہ زیستن
اور ان کے چار لفظی جملے پر تمام ہو جایا کرتے ہیں۔
یہ واقعہ بھی کوئی واقعہ ہے کہ گاندھی جی اور
پنڈت جواہر لال نہرو وغیرہ جیل سے رہا ہوئے
اور کچھ مناظرہ ملکی قائدین میں ہونے لگا۔ یعنے
قال قیل تو بہت کچھ مگر فعلاً کچھ نہیں۔ ہریجنوں
کی حمایت میں البتہ کارنامہ ضرور ہے لیکن ایک چوٹی کے
پولیٹیکل لیڈر کو "الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد"
(ایک سے صرف ایک ہی کام صادر ہوتا
ہے) کے ناقص سودہ فلسفی قانون پر ہاتھ پاؤں
توڑ کے بیٹھ رہنا ہرگز مناسب نہیں۔
اخلاقی انجمنیں ہیں تو بہت اگر کام کی بھی ہوتیں
تو اب تک بنی نوع انسان کے مشترک حقوق
کو اہل ملک اچھی طرح محسوس کر چکے ہوتے اور
گاندھی جی فالتو اوقات میں صرف کارفرمائی کے
ذریعہ سے اس کی حمایت کر سکتے تھے۔ یہ گلی گلی
پھرنا چندے کی رقمیں سمیٹنا اور خواہ مخواہ کی
تقریریں کرنا کوئی عظیم الشان کام نہیں۔ اس
کارروائی نے "سوراج" یا "ملکی آزادی" کا
سودا عوام کے سر سے بالکل دور کر دیا۔ پنڈت
جواہر لال بالکل پکارتے رہے کہ [illegible] گاندھی جی [illegible]
کاغذ کا سہرا دینے میں قوم انکے مقاصد کی [illegible]
کانفرنس اسکیم پر [illegible] پنڈت جی کی طرف سے
شائع ہوئی بحث نہیں کی۔ بڑی بڑی لمبی مختصر ترجمہ
چھاپ دیا اور بیٹھ رہے۔ پھر وہی لفظی جنگ
کی بہار آ گئی۔ بھائی پرمانند نے یوں اپنی نفاق انگیز
تلوار سان پر چڑھائی۔ اور پنڈت نہرو نے

یوں پینترا بدل کے چوٹ بچائی آج گاندھی جی نے
ایک ہریجن بچے کا منہ چوم کے ہفت خوان
سادات سر کیا اور کل اس طرح فلاں شہر میں
ایک روپیہ کی پائیاں تھیلی میں سر بھر کر کے
لونڈوں نے پیش کیں اور جناب گاندھی نے
انتہائی ظرافت کے ساتھ آنکھیں مار کے لونڈے
کو دھمکایا۔ بھلا بے ناشدنی! ٹھہر جا تیری شکایت
کرتا ہوں نواب سے"

اس قسم کے مسخرے پن ہیں تو قابل ضحک لیکن
صاحبان عقل یعنی ظرفا ان کی اہمیت سے انکار
کرتے ہیں اور ان کا تذکرہ آجکل کے "طنز نگاروں"
کے حوالے کرتے ہیں۔

("طنز نگار" ایک نئی اصطلاح ہے جس کی تعریف
سے ہم قاصر ہیں البتہ چند ہفتے ہوئے کہ ہندوستانی
اکیڈمی کے "تماہی" رسالے میں جس کا نام
"ہندوستانی" ہے ہماری نظر سے گزرا۔
ہے تو یہ نمبر جولائی سنہ ۱۹۳۳ء کا مگر دیکھا اب۔ دنیا
آجکل انہی کو مرد ماہر سمجھتی ہے جو بیجانی ہو بھی
اصطلاحیں گڑھتا رہے یا کم از کم استعمال ہی
کرتا ہو۔ اس لیے ہم نے بھی ایک غیر معلوم
اصطلاح یہاں لکھ دی۔ خدا معاف کرے۔
سال آئندہ اگر زندگی باقی ہے تو اس سالے
کے "طنزیات" والے مضمون پر کچھ لکھیں گے)

ہم اگر خدانخواستہ طنز نگار ہوتے تو ضرور ان
واقعات سے تعرض کرتے۔ ظاہر ہے کہ جب
واقعات بے نتیجہ ہونے کی وجہ سے قابل تعرض
نہ ٹھہرے تو پھر اصلاح اخلاق انسانی اور
اصلاح ادبیات کی راہیں ہمارے کھلی ہوئی
تھیں جن پر ظرافت صرف کرنا ہمارے لیے ناگزیر
تھا۔ یہ فرض ہم نے کس حد تک ادا کیا؟ اس کا
اندازہ ہمارا فرض نہیں۔ اتنا جانتے ہیں کہ وہ نمبر
مسلسل اصلاح لغت کے نکلے (جس پر فن ادب
و انشاء کا دار و مدار ہے) ذاتی تحریروں میں دوستوں
نے ان مضامین پر نکتہ چینی کی۔ جواب [illegible]
پانے کے بعد ہمارے اقوال کو تسلیم کر لیا۔